

ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ

امبیڈکر

حیات اور کارنامے

سید شاہ غازی الدین

Dr. Baba Saheb Bhim Rao Ambedkar

(Hayat aur Karname) 1891-1956

By

Syed Shah Ghaziuddin (Advocate)

ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر حیات اور کارنامے ۱۹۵۶-۱۸۹۱

سید شاہ غازی الدین (ایڈوکیٹ)

پہلا ایڈیشن: ۲۰۰۷

طبع ثانی: ۲۰۰۸

قیمت : -/Rs. 300

شائع کردہ: ادارہ برائے مطالعہ و تحقیق۔ تاریخ دکن شولاپور
۲۰۹ ریشنی وار پیٹھ۔ شولاپور۔ مہاراشٹر

سرورق ڈیزائن: اسلم کرتپوری

اردو لاہوری نستعلیق کمپوزنگ: کریٹو گروپ ممبئی۔ فون: 65805125

ملنے کا پتہ:

کریٹو گروپ' داؤنی مسجد بلڈنگ، ۱۷اے، پہلا منزلہ
دوسری پیرخان اسٹریٹ' ناگپاڑہ ممبئی۔ ۸

زیر اہتمام: محمد صدیق قریشی

Pixel Arts: 9820790615

Printed at:

Fatima Art Printer

Morden Society, Tilak Nagar, Sakinaka,
Mumbai - 400 072 Tel.: 28593405

فہرست مضامین



پیش لفظ ثانی

اردو صحافت کے مشہور کالم نویس اور تبصرہ نگار حسن کمال صاحب نے زیر نظر تصنیف پر "اردو میں ڈاکٹر امبیڈکر پر پہلی مستند کتاب" کے عنوان سے ۲۵ رمئی اور ۱ رجون ۲۰۰۸ء کے روزنامہ انقلاب ممبئی اور روزنامہ اعتماد حیدرآباد میں دو اقساط میں تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "اردو میں بہت کچھ لکھا جارہا ہے ناول افسانہ شعروشاعری (جو اگلے دس برس بالکل لکھی نہ جائے تو بھی نہ ذخیرہ کم ہوگا اور نہ قارئین وسامعین کو کوئی شکایت ہوگی) تنقید تحقیق اور ظاہر ہے کہ دینی ادب بھی۔ یہ سب ضرور لکھنا چاہئے لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ اردو زبان کیلئے بس یہی سب کچھ کافی ہے تو یہ ایک المیہ ہوگا۔ آپ مزید لکھتے ہیں:" اردو پڑھنے والوں کو ان کتابوں کی بھی بھوک ہے۔ جو ان کی تاریخی وسماجی سوچ کو بھی نئے سانچوں میں ڈھال سکیں............(سید غازی الدین) کی تازہ ترین تصنیف ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر حیات اور کارنامے اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

یہ تبصرہ یقیناً کسی بھی مصنف کیلئے انتہائی ہمت افزا ہے۔ اس تصنیف پر ملک بھر کے مختلف رسائل واخبارات میں جو تبصرے ہوئے انکی تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے صرف مندرجہ بالا رائے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس تصنیف نے اردو ادب میں ایک نئی تاریخ بنائی باضابطہ رسم اجرائی سے قبل ۱۰۰۰ نسخے ختم ہوئے۔ اشاعت کیساتھ ہی حلقہ مہاراشٹر جماعت اسلامی ہند کے امیر جناب نذر محمد مدعو صاحب

نے ۳۰۰ نسخے خرید لیے۔ مشہور قومی سطح کی دلت تنظیم "بام سیف" کے صدر جناب وامن مشیرام صاحب نے ۲۰۰ نسخے کی قیمت ادا کی۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ تو اردو نہیں جانتے اور نہ آپکی تنظیم کے کسی رکن نے یہ کتاب پڑھی ہے۔ پھر آپ کیوں خرید رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر پر اردو میں پہلی مستند کتاب ہے۔ اب چونکہ اردو والے باباصاحب سے اچھی طرح واقف ہونگے بس انکے لئے یہی کافی ہے مزید فرمایا وہ شمالی ہند کے ان اردو داں دوستوں کو دینگے جنہیں ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کی شخصیت اور ان کے کارناموں کا جاننا ضروری ہے۔ شولاپور میں "برہم دیو مانے پرتشٹھان شولاپور Brahmadev Mane Pratishthan Solapur نامی ایک سماجی تنظیم نے راقم الحروف کو سماجی خدمات کے لیے انعام و اکرام اور اعزاز سے نوازا۔ تقریب کی صدارت مرکزی وزیر توانائی سوشیل کمار شندے نے کی تھی اور اعزاز و انعام حکومت مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ تعلیم ولسے پاٹیل کے ہاتھوں دیئے گئے۔ تقریب کے دوران دونوں حضرات کو جب راقم الحروف کی اس تصنیف (جسکی باضابطہ ابھی اجرائی نہیں ہوئی تھی) کے بارے میں معلوم ہوا اور کتاب کو دیکھا تو فوراً کہا کہ باقی کی تمام کتابیں سرکاری اداروں، اور اردو مدارس میں خریدنے کے لیے ضروری احکامات دیئے جائیں گے۔ الغرض اس طرح پورا ایڈیشن ختم ہوا۔ موجودہ ماحول میں اردو کی کسی تصنیف کی اسقدر پزیرائی واقعی حوصلہ افزا ہے۔

ان تمام حضرات اور مبصرین کا شکریہ جنہوں نے اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ مناسب پروف ریڈنگ نہ ہونے کی وجہ سے جو غلطیاں رہ گئیں تھیں انہیں دور نہیں کیا جاسکا طبع ثانی جوں کا توں شائع کیا جارہا ہے۔ جس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ وجوہات بتلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ انشاءاللہ زندگی باقی رہے اور تیسرے ایڈیشن کی نوبت آئے تو سب کچھ ٹھیک ہوگا۔ قلیل عرصہ میں کتاب کو جو مقبولیت ملی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکریہ۔

مصنف کتاب ہذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ملک کی زبانوں میں اُردو ہی وہ واحد زبان ہے جسے کچھ حد تک بین الاقوامی کہا جاسکتا ہے۔ برصغیر کے کروڑوں عوام دنیا کے جن جن حصوں میں کسی نہ کسی وجہ سے منتقل ہوئے ہیں آج بھی وہ اُردو زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک سانحہ ہے کہ بیسویں صدی کے ایک ممتاز بھارتی ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر جو نہ صرف ملک کے آئین کے اہم معمار ہیں بلکہ ایک چوٹی کے قانون داں، ایک مورخ، ایک سماجی مصلح ملک کے کروڑوں پسماندہ طبقات کی تقدیر بدلنے والی شخصیت کی حیثیت سے معروف ہیں ان کی پوری حیات اور کارناموں کا مفصل جائزہ لیتے ہوئے اُردو میں ایک بھی مستند کتاب نہ ہونا ایک افسوس ناک حقیقت ہے۔

مہاراشٹر کے پچھلے ڈیڑھ سو سال کی سماجی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو تین انتہائی اہم شخصیتیں سامنے آتی ہیں وہ ہیں مہاتما جیوتی با پھلے (1827-1890)، شاہو مہاراج (1874-1922) اور ڈاکٹر امبیڈکر (1891-1956) ان تینوں اشخاص نے جو سوچ اور فکر اپنی قوم کو دی ہے وہ مہاراشٹر میں پھلے، شاہو، امبیڈکر و چار دھارا کے نام سے معروف ہے، مہاراشٹر کے تقریباً 80 فیصد عوام اسی و چار دھارا کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ان اکابرین کے معتقد اور چاہنے والے عوام غلطی سے بھی ہندوو چار دھارا کی بات نہیں کرتے یہ ان تینوں شخصیتوں نے

سناتنی ویدک و چاردھارا کے خلاف بغاوت کی ہے۔ برہمنزم پر انہوں نے انتہائی جارحانہ حملے کئے ہیں۔ہندو مذہب میں پائے جانے والے طبقاتی نظام کو ٹھکراتے ہوئے انہوں نے جو شدید حملے کئے اس کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔مہاراشٹر کی سماجی تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اس نتیجہ پر آئے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ یہ تصادم اور بھی شدید ہوگا۔اس ٹکراؤ کے اثرات بیرونی ریاستوں میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ملک کی سب سے بڑی اور اہم ریاست اتر پردیش جو سناتنی دھرم کی بھومی ہے وہاں ایک دلت سماج کی خاتون کا وزیر اعلیٰ بننا کوئی اتفاق نہیں ہے بلکہ اسی مہاراشٹر میں جنم لی پھلے، شاہو، امبیڈکر و چاردھارا کا لازمی نتیجہ ہے۔اس ضمن میں ایک سوال کیا جاسکتا ہے کہ ملک میں جو پسماندہ طبقات تھے جو آج کی اصطلاحات میں او۔بی۔سی دلت، بہوجن، بی سی وغیرہ کی حیثیت سے معروف ہیں ان میں اتنی بڑی تبدیلی کیسے آئی۔وہ ہندو مذہب کی بنیادوں، رسم ورواج طورطریقوں وغیرہ وغیرہ کو کیوں چیلنج کر رہے ہیں؟ جواب آسان ہے حالیہ دور میں تعلیم کی غیر معمولی اشاعت سے بہوجن سماج کا ایک بڑا طبقہ علم سے آراستہ ہوا ہے۔ٹی وی اور انٹرنیٹ نے پوری دنیا کو سمیٹ لیا ہے۔ان پسماندہ طبقات کی نئی نسل جو زیور علم سے آراستہ ہے وہ کس طرح اپنے آپ کو ہندو سوسائٹی میں کم درجہ قبول کرنے کیلئے تیار ہوگی؟۔سناتنی طبقہ کو احساس ہونے لگا اسکی کہ روایتی فوقیت، حاکمیت اور سماجی اقتدار میں اجارہ داری پر راست حملے ہونے لگے ہیں۔اس سناتنی طبقہ نے ان جارحانہ حملوں سے مدافعت کیلئے اسٹریٹجی تشکیل دینا شروع کی ہے ان کے حربوں میں ایک حربہ مسلمانوں کو نشانہ بنانا تھا۔او بی سی اور بہوجن طبقات کی توجہ ان کے اہداف سے ہٹانے کیلئے یہ حکمت عملی اختیار کی گئی۔ اسلام اور مسلمانوں کو نشان ملامت بنانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا جاتا۔الگ الگ حربے استعمال ہوتے ہیں ایک حملہ کے بچاؤ سے ابھی ابھرنے بھی نہیں پاتے کہ دوسرا حملہ ہوتا ہے۔ اتنی چالاکی سے یہ حملے ہوتے ہیں کہ مسلم قیادت وہ چاہے سیاسی ہو یا سماجی اپنے آپ کو مدافعت کے قابل نہیں پا رہی ہے۔جہاں تک مذہبی قیادت ہے وہ اپنے خول میں بند ہے۔انگریزی اور علاقائی زبانوں سے ناواقفیت اور ان سے عملاً بے تعلقی نے اُسے مفلوج بنا دیا ہے۔آج کی

پیچیدہ سیاست، سیاستدانوں کے داؤ پیچ سے مذہبی قیادت بہت دور ہے۔ اس کی وجہ ایک یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہمارے دینی مدرسوں اور اداروں میں ذہین بچوں کو شریک نہیں کرایا جاتا یا پھر عصری تقاضوں کو پورا کرنے والی تعلیم نہیں دی جاتی اسلئے ان اداروں سے فارغ طلباء سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ ملک کا نظام جس قانونی، سیاسی، سماجی ڈھانچہ پر قائم ہے اس کے تقاضوں کو سمجھیں ان کا تجزیہ کریں اور ان حملوں کی مدافعت کریں، امت مسلمہ کو ہندتو (دوسرے الفاظ میں براہمنزم) کی طرف سے درپیش چیلنج کا مقابلہ کرنے کیلئے کوئی موثر اسٹریٹجی بنانا ضروری ہے اس ضمن میں مختلف حصوں سے الگ الگ تجاویز آتی رہتی ہیں کبھی گنگا جمنی تہذیب کی دہائی دی جاتی ہے (معلوم نہیں گنگا جمنی تہذیب کیا ہے) کبھی آپسی اتحاد پر زور دیا جاتا ہے۔ کبھی غیر مسلموں سے تعلقات بڑھانے کی بات ہوتی ہے (غیر مسلم یعنی ہندو سماج کا کونسا طبقہ ہے اس کی صراحت نہیں ہوتی) ان سارے نظریات کو اپنانے اور انہیں بہت حد تک عمل میں لانے کے باوجود مسئلہ جہاں کا وہاں ہے۔

راقم الحروف نے اس مسئلہ کو ایک اور زاویہ سے دیکھا ہے ہندتو عرف براہمنزم کا نشانہ صرف مسلمان نہیں براہمنزم کو درحقیقت اصل خطرہ بہوجنوں میں اس پیدا شدہ شعور سے ہے جو علم کے دروازے کھلنے سے ان میں پیدا ہوا۔ اسلئے وہ تمام طبقات بلکہ مظلوم طبقات جو ایک ہی دشمن کے شکار ہیں کیوں نہ آپس میں اتحاد کریں کہ ان کے مفاد مشترک ہیں۔ پھلے، شاہو، امبیڈکر وچار دھارا وہ ایک ایسا مضبوط حربہ ہے جو اس طبقہ کو آسانی سے شکست دے سکتا ہے جو ملک کے اکثریتی طبقات بشمول مسلمانوں پر اپنا تہذیبی، مذہبی، معاشی، سیاسی تسلط جمانے اور قائم رکھنے پر تلا ہوا ہے۔

منرجہ بالا نقطۂ نظر کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس وچار دھارا کے بانیان کی تحریکوں اور تحریروں کو اچھی طرح سمجھا جائے اُمت کیلئے اور خاص طور پر مسلم سیاسی سماجی اور مذہبی قیادت کے لئے یہ نظریہ کچھ اجنبی اور مانوس لگے گا۔ غیر مسلم سماج کی سماجی اور مذہبی تاریخ کا مطالع کیا جائے تو حیرت انگیز نتائج سامنے آئیں گے جو ہندو سماج کی تشکیل کے تضاد، آپسی کشمکش اور

بغاوت پر روشنی ڈالتے ہیں جو دانشوران مسائل کا مطالعہ کر چکے ہیں وہ اُن سے مانوس بھی ہیں ان نظریات کو مسلمانوں میں متعارف کرنے کیلئے مصنف کتابِ ہٰذا کی قیادت میں پھولے ۔شاہو امبیڈکر و چار مسلم منچ کا قیام عمل میں آیا ہے ۔ یہ منچ ایڈوکیٹ محوب بھائی، ایڈوکیٹ سیفن شیخ، مفتی محمد یوسف کڑی والے موسیٰ خان صاحب پر مشتمل ہے جسے ظہیر آباد، آندھرا پردیش کے مشہور سماجی رہنما سید مقصود احمد کا تعاون حاصل ہے موصوف آندھرا پردیش کے دلیت حلقوں میں کافی مشہور ہیں اورنگ آباد کے انتہائی متحرک اور فعال شخصیتوں خالد احمد نایاب انصاری (ایڈیٹر ہندوستان) کا بھی تعاون حاصل ہے۔

آنجہانی کانشی رام کی قائم کردہ مشہور تحریک 'بام سیف' (Bam Cef) جس کی قیادت اب مشہور دانشور وامن میشرام صاحب کر رہے ہیں۔ ان سے بھی منچ کا قریبی تعلق ہے۔ بام سیف' کے پلیٹ فارم سے راقم الحروف، ایڈوکیٹ محبوب بھائی، مفتی یوسف صاحب نے کل ہند سطح کی کئی کانفرنسوں کو مخاطب کیا اور اپنا نقطہ نظر رکھا جس کی ہزاروں مسلمانوں نے تائید کی۔

مہاتما جیوتی با پھلے، شاہو مہاراج، ڈاکٹر امبیڈکر کی شخصیتوں کو مسلم عوام میں متعارف کروانے ان حضرات کی سوانح حیات اور کارناموں پر اُردو میں کتابیں شائع کروانا منچ کا ایک اہم مشن ہے اس سے قبل" مہاتما جیوتی با پھلے، حیات اور کارنامے" کے عنوان سے ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ مسلم حلقوں میں اس قسم کے تعارفی لٹریچر کی اشاعت کو تحسین کی نظر سے دیکھا گیا۔

زیر نظر کتاب 'ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر۔ حیات اور کارنامے' اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر پر اُردو میں ایک مستند سوانح حیات کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ مسلم حلقوں میں بیسویں صدی کی اس اہم شخصیت پر علمی اور سیاسی حلقوں میں جب بھی گفتگو ہوتی ہے وہ صرف اس حد تک محدود رہتی ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر اسلام قبول کرنے والے تھے لیکن اس کا کیا ہوا؟

یعنی مسلمان اس موضوع سے کچھ آگے جا کر سوچنا بھی نہیں چاہتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کے 15 کروڑ مسلمان ملک کی ایک ایسی شخصیت جس نے ہندوستان کی سیاسی

سماجی اور مذہبی زندگی کو ایک نیا موڑ دیا اس کی تبدیلی مذہب کے موضوع سے زیادہ کچھ جاننا بھی نہیں چاہتے، ڈاکٹر امبیڈکر کے کروڑوں متبعین، معتقدین مسلمانوں کے ساتھ شہر کے ہر گلی اور محلہ میں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ دونوں کے بہت سارے مسائل مشترکہ ہیں دونوں کے دشمن ایک ہیں۔ اس اہم شخصیت کے کارناموں سے اتنی بے تعلقی امت کے لئے ایک نقصان دہ امر ہے۔ اپنے مخالفوں کے تعلق سے مشترکہ لائحہ عمل کے لئے کیا ڈاکٹر امبیڈکر کو سمجھنا ضروری نہیں؟ یہی چند وہ مسائل تھے جس نے راقم الحروف کو منچ کے موسس کی حیثیت سے زیر نظر کتاب تصنیف کرنے کیلئے متوجہ کیا۔

مہاراشٹر میں انتہائی اہم سماجی اور سیاسی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ بیسویں صدی کے آخر اور اکیسویں صدی کا پہلا دہا اس لحاظ سے بھی بہت اہم رہے گا کہ مہاراشٹر کی ایک اہم قوم جو 'مراٹھی' کے نام سے موسوم ہے اس کے ایک پڑھے لکھے عوام اور دانشوروں، مصنفوں پر مشتمل لاکھوں افراد نے ایک عظیم تقریب 12 جنوری 2005ء کو موضع سندھ کھیڑا ضلع بلڈانہ مہاراشٹر کے مقام پر منعقد کرکے روایتی ہندو مذہب کو ترک کیا اور 'شیو دھرم' نامی نئے مذہب کی بنیاد جناب پرشوتم کھیڑیکر کی رہنمائی میں رکھی (تفصیلات کے لئے مطالعہ کریں راقم الحروف کی تصنیف مہاتما جیوتی با پھلے، حیات اور کارنامے)۔

'شیو دھرم' کے بانی پرشوتم کھیڑیکر نے بھی ہندو مذہب کے خلاف اسی طرح بغاوت کی جس طرح گوتم بودھ نے کی اور اسی وقت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ مہاراشٹر میں ہندو مذہب کے خلاف حال میں پھلے، شاہو مہاراج اور ڈاکٹر امبیڈکر نے جو بغاوت کی انہیں باغیوں کے صف میں پرشوتم کھیڑیکر صاحب شامل ہو گئے ہیں۔ ملک کے سب سے نئے مذہب 'شیو دھرم' کی بنیاد کو بھی ہم پھلے، شاہو، امبیڈکر و چار دھارا کا ہی نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مہاراشٹر میں جو مذہبی اتھل پتھل ہو رہا ہے وہ چاہے بودھ مذہب کی احیاء کی شکل میں ہو یا 'شیو دھرم' کی بنیاد کی شکل میں بہر حال برادران وطن کی سماجی اور مذہبی تبدیلی پر مسلمانوں کو نظر رکھنا ضروری ہے۔ منچ کے قیام کا یہ ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ہندو مذہب ترک کرنے والوں سے مناسب سماجی مساواتیں قائم کی جائیں۔

'ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر' حیات اور کارنامے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اپنے

مقصد میں مصنف کہاں تک کامیاب ہوا، قارئین اس سلسلے میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد شاہو مہارج، حیات اور کارنامے تصنیف کرنے کا ارادہ ہے تاکہ اس سلسلہ کی کڑی پوری ہو جائے۔

اس کتاب کی تصنیف میں میرے رفیق محمد علی گارڈ، رکن جماعت اسلامی کی مدد ابتدائی مرحلہ میں بھی ہمیشہ کی طرح شامل حال رہی۔ انہوں نے مسودہ پر نظر ڈالی اور ضروری مشورے دئیے۔ اس کیلئے پہلے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مشہور ادیب، نقاد و دانشور ڈاکٹر سید عبدالباری (شبنم سبحانی) ادبی دنیا کی معروف شخصیت ہیں صرف معروف نہیں بلکہ مصروف بھی۔ اس کے باوجود ناچیز کی درخواست پر پورے مسودہ کو اچھی طرح پڑھ کر ایک طویل مقدمہ تحریر کیا اس کتاب کی زینت کو بڑھایا اس کے لئے میں ان کا بہت مشکور ہوں۔ ناچیز کو وہ ان موضوعات پر لکھنے کیلئے ہمیشہ Provoke کرتے رہتے ہیں۔

جماعت اسلامی ہند گذشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ سے ایک طرف مسلمانوں میں اسلام کی صحیح تعلیمات کا شعور بیدار کرنے اور دوسری طرف دیگر اہل مذاہب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے واقف کرانے کا کام کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی کے ریاستی اور ملکی سطح کے اکابرین نے ہمیشہ ہی سے میری تحریروں کو تحسین کی نظر سے دیکھا ہے۔ میں جماعت اسلامی مہاراشٹر کے امیر مولانا نذر محمد مدعو کا ممنون کرم ہوں کہ اُنہوں نے ذاتی طور پر میری حوصلہ افزائی کی اور ارکان جماعت میں اُس فکر کو عام کرنے کے لئے عملی اقدامات کئے ہیں جو اس کتاب کی تحریر کے پیچھے کارفرما ہے

سید افتخار احمد مدیر ہفت روزہ مراٹھی شودھن ممبئی محتاج تعارف نہیں۔ آخری مرحلوں میں پورے مسودہ کا جائزہ لیا، نہ صرف پروف ریڈنگ کی بلکہ انھوں نے ممبئی کے محمد اسلم کرتپوری صاحب جو مشہور خطاط ہیں ان کے ذریعہ لاہوری نستعلیق خط میں ڈی، ٹی، پی کا کام اپنی نگرانی میں کروایا۔ کتاب کی تصنیف کرنے کے بعد سب سے اہم مرحلہ کتاب کی چھپائی کا ہوتا ہے مگر ان دونوں حضرات نے جس خوبی سے اس مرحلہ کی تکمیل کی اور ایک خوبصورت کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچانے میں مدد کی اس کے لیے میرے پاس شکریہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ افتخار احمد اسلامی حلقوں میں ایک دانشور اور اہل قلم کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اشاعت کا آخری مرحلہ میں پورا مسودہ موصوف کی نظر سے گذرا، اطمینان ہو گیا کہ اب مزید نظر ثانی کی ضرورت نہیں۔ ان کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہوئے بات ختم کرتا ہوں۔

سید شاہ غازی الدین ایڈوکیٹ

مقدمہ

ہندوستان کے آئین ساز ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی دلکش سوانح حیات

از ڈاکٹر سید عبدالباری (شبنم سبحانی)

سید غازی الدین ایڈوکیٹ شولاپور نے اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہندوستان کی جدید تاریخ کے ایک ممتاز مفکر و راہ نما اور قانون داں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر پر یہ ضخیم کتاب مرتب کر کے ہندوستان کی موجودہ نسلوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ انہوں نے بیسویں صدی کے ہندوستان کی قابل قدر شخصیت کی سوانح خاصی عرق ریزی کے بعد مرتب کی ہے۔ اس گوناگوں صفات کے حامل انسان کی زندگی کے ہر پہلو کو نمایاں کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی شخصیت بے حد رنگا رنگ اور ہشت پہل ہے۔ وہ صرف ایک قانون داں اور ملک کے دستور کی ترکیب و تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرنے والے مفکر نہیں بلکہ وہ اپنے عہد کے ہندوستان میں شاید سب سے عظیم انسان ہیں جن کے پہلو میں اپنی شکستہ حال قوم اور نہایت پسماندہ سماج اور غلاموں جیسی زندگی گزارنے والے دلت معاشرے کے لئے ایک دردمند اور گھلنے و پگھلنے والا دل تھا۔ ملک کی تقریباً آدھی سے زیادہ آبادی کو پستی اور ذلت سے باہر لانے اور ان کے دستوری حقوق کی حفاظت کا ایک بہت بڑا سوال ڈاکٹر امبیڈکر کے سامنے تھا۔ پھر وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ہندو سماج کے ذات پات کے بندھن سے انہیں چھٹکارہ دلائیں جو مدتوں سے اس کے قتیل رہے ہیں۔

پھر وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ دلتوں، اچھوتوں کے لئے ہندو مذہب سے ہٹ کر فکر و عقیدہ کی ایسی شاہراہ تلاش کریں جو انہیں آزادی مساوات اور بلند کرداری کی روشنی عطا کرے۔ سید غازی الدین نے اس دلکش سوانح میں ڈاکٹر امبیڈکر کے کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کیا ہے۔ اس لئے انھوں

نے ڈاکٹر امبیڈکر سے متعلق ہزاروں صفحات کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔اور خود ڈاکٹر امبیڈکر کی تحریروں کا جو پچیسوں ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور ان سے ضروری مواد کو بڑی دیدہ ریزی سے اس سوانح کیلئے جمع کیا ہے۔تمام اہم ماخذ ان کی نگاہ میں ہیں۔اور اس سے امبیڈکر کی شخصیت کی ایسی تصویر بنائی ہے جو خاصی دلکش ہے۔انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی فکری لغزشوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور نہایت سلیقہ سے ان کی نشاندہی کی ہے۔سوانح نگار کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے اپنے ہیرو کی شخصیت سے ہمدردی اور ذہنی مناسبت ہو۔

سید غازی الدین مدتوں سے اس بات کو محسوس کرتے رہے ہیں کہ مسلمانوں کی ہمدردی اور توجہ کے سب سے زیادہ مستحق اس ملک کے دبے کچلے اور انسانی حقوق اور عزت وقار سے محروم بے شمار عوام ہیں جنہیں سماج میں حقیر مقام پر رکھ کر ہندوستان کے سر برآوردہ طبقہ نے ہمیشہ ان کے ساتھ طرح طرح کی زیادتیاں کیں ہیں۔مصنف نے ایسے مختلف این جی اوز معاشرتی اصلاح کے اداروں کے ساتھ عملی تعاون کیا ہے وہ مستقل طور پر ایسے مضامین لکھتے رہے ہیں جو مسلمانوں کی اپنے فطری حلیف وہمدرد دلت طبقہ سے پرخلوص تعلق کی طرف متوجہ کریں۔اور مظلوم طبقات سے ہمدردی اور حمایت کا طرز عمل اختیار کرنے پر آمادہ کریں جو اسلامی تعلیمات کا عین تقاضہ ہے۔

مصنف نے اس تصنیف میں برصغیر کی تاریخ کے نہایت نازک ادوار کی تفصیلات سے ہمیں روشناس کررہا ہے یعنی ایسے واقعات جنہوں نے ملک کے مستقبل کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔امبیڈکر نے بیسویں صدی میں تیسری چوتھی اور پانچویں دہائی میں غیر معمولی اثر انگیز کردار ادا کیا۔مصنف نے نہایت ذہانت سے ان اہم واقعات کو ایک شیرازہ میں مربوط کر دیا ہے جو ڈاکٹر امبیڈکر کے کردار کی رفعت ساتھ ہی ساتھ ان کی بعض کمزوریوں اور بعض معاملات میں ان کے فیصلہ کرنے میں تقصیر کو نمایاں کرتے ہیں۔شاید ملک کے دستور کی تدوین سے پہلے ان کی زندگی کے سب سے اہم باب ان کی تلاش حق کے سلسلہ میں سفر کی روداد پر مشتمل ہے۔مصنف نے اپنے ہیرو کے تبدیلی مذہب کے ارادے اور بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں مختلف مذہب

کے رہنماؤں سے ان کی ملاقات کی نہایت دلچسپ روداد مرتب کی ہے۔ ہندومہا سبھا کے ڈاکٹر مونجے وغیرہ کو اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ امبیڈکر اپنی قوم کے ساتھ اسلام یا عیسائیت کی طرف رُخ کریں۔ ہاں یہ لوگ ان کے سکھ یا بودھ مذہب کی طرف رُخ کرنے کو بہت بڑا حرم نہیں تصور کر رہے تھے۔ اس طرح حق کی جستجو میں ڈاکٹر امبیڈکر کا دائرہ بے حد محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ ہندومہا سبھا ان کے بودھ ہونے پر معترض نہ تھی ظاہر ہے کہ امبیڈکر کے لئے ملک کی اکثریت کی رائے عامہ کے خلاف قدم اٹھانا ممکن نہ تھا وہ چاہتے تھے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ یعنی وہ ہندو رہ کر دنیا سے رخصت نہ ہو۔ اور دلت طبقہ کے مادی مفادات کسی غیر ہندوستانی مذہب اختیار کرنے پر سلب نہ کسے جائیں۔ امبیڈکر نے اپنی ذہنی الجھنوں اور اپنی قوم کیلئے فکر وتشویش کا اظہار اپنی کئی تحریروں میں کیا۔ مثلاً ''مکتی کون پتھے'' یعنی ''نجات کس راہ سے'' مصنف نے اس مضمون کی اردو تلخیص سوانح حیات میں شامل کیا ہے۔ اس مقالہ میں ڈاکٹر امبیڈکر اپنی قوم کو متوجہ کرتے ہیں۔۔۔۔'' آپ لوگوں کا خیال ہے آپ اقلیت میں ہیں، مگر تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان بھی اقلیت میں ہیں جس طرح دو چار مکان دیہاتوں میں دلتوں کے ہوتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے بھی دو چار مکانات ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے راستے کوئی نہیں جاتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ دیہات کے ان چند مسلمانوں کی پشت پر ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی طاقت ہوئی ہے اور ہندوؤں کو اس کا احساس ہے۔ اسلئے ان پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔ لیکن ہندوؤں کو بھی یہ احساس ہے کہ تمہاری ورد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اس لئے اب ضروری ہو گیا ہے کہ تم کو بھی طاقتور بننا ہے۔۔۔۔انسان کی ترقی کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمدردی اور آزادی اور مساوات، ان تینوں چیزوں میں تمہیں کچھ بھی میسر نہیں'' مصنف نے متعدد حوالوں سے واضح کیا ہے کہ ان کے ممدوح ڈاکٹر امبیڈکر اپنی قوم کو مضبوط اور نڈر بنانا چاہتے تھے۔ اور انہیں مسلمانوں کی طرح ملی رشتے میں مربوط، متحد، اور مستحکم دیکھنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک انقلاب آفریں اقدام کیا۔ اور انسانی تحقیر اور ذلت کی آلائشوں

سے اپنی قوم کو ذہنی طور پر چھٹکارہ حاصل کرنے کی راہ پر ڈال کر ایک بڑے انقلاب کا نقطہ آغاز بن گئے۔ یقیناً ایسے انقلابی شخص کی زندگی کو پیش کرنا اور ہمدردانہ انداز سے پیش کرنا ضروری تھا۔ اس لئے سید غازی الدین جہاں مناسب خیال کیا اپنے ہیرو کے بعض فیصلوں پر بے اطمینانی کا اظہار بھی کیا ہے، اس سے ان کی معروضیت کا پتہ چلتا ہے" دوسرے سطحی لوگوں کی طرح جب امبیڈکر بھی اسلام سے اس مسئلہ سے قریب آنے پر جھجکتے ہیں کہ اس نے ہندوستان میں جنم نہیں لیا، اور اس میں آنے کا مطلب ہے کہ سب چیزیں دوسروں کے کنٹرول میں رہ کر کرنا پڑے گا۔ یہ مردانگی نہیں کہ دوسروں کے ہاتھوں سے دوسروں کا پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی جائے۔ صحیح مردانگی یہی ہے کہ خود کی ہمت خود کی عزت اور خود پر انحصار کر کے اس لئے سودیشی دھرم کے سہارے ترقی کریں۔ عیسائیت اور اسلام سے ہماری بھارتی سنسکرتی ختم ہو جائے گی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے اس تحریری حوالہ کے مصنف نے لکھا کہ بودھ مذہب کے تعلق سے ان کے فیصلہ پر ان سے بحث ہو سکتی تھی۔ ان کا متبادل مذہب کا انتخاب ضرور متنازعہ رہے گا۔ اس کے باوجود ڈاکٹر امبیڈکر مسلمانوں سے خاص ہمدردی رکھتے تھے۔ اور دلتوں کے لئے ان کے خیر سگالی کے جذبات کے لیے شکرگذار تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں جگہ جگہ اسلام کی تعریف کی ہی ہے البتہ وہ افسوس کرتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمان خود ذات پات کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ اپنے ایک مقالہ میں امبیڈکر کا گاندھی جی کی اس ضد پر کہ مسلمان اچھوتوں کا ساتھ نہ دیں۔ افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ گاندھی جی گول میز کانفرنس کے وقت قرآن لے کر آغا خان سے ملے کہ کہاں لکھا ہے کہ مسلمان اچھوتوں کی مدد کر کے ہندو سماج کو تقسیم کر دیں۔ امبیڈکر مسلمانوں کے شکرگذار تھے کہ لیگ ہمیشہ سیاسی طور پر اچھوتوں کا ساتھ دیتی رہی۔ سید غازی الدین اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں یہ موقع ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کا تھا۔ اس لئے اس وقت کی ذہین مسلم قیادت نے اس نزاکت کو سمجھا اور حکومت کو مجبور کیا کہ اچھوتوں کو ہندو شمار نہ کیا جائے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی وسعت قلب دیکھئے کہ انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا کہ ایک ایسے وقت جب ڈاکٹر امبیڈکر ابھی کم عمر طالب علم تھے اس وقت مسلمانوں نے ایک اہم نکتہ حکومت کے سامنے رکھ کر اچھوتوں کی ایک علیحدہ شناخت قائم

کرنے کیلئے حکومت پر زور ڈالا کہ ان کو ہندو نہ شمار کیا جائے۔

اس اہم تصنیف کے ذریعہ ہمیں بعض اہم تاریخی حوالوں تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ ۱۹۲۰ء میں گجراتی رسالہ 'اپنا جیون' میں گاندھی جی نے ایک مضمون لکھا تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اس کی انگریزی تلخیص کی تھی اس سے گاندھی کے فکر و فلسفہ کی عجیب تصویر سامنے آتی ہے۔ ملاحظہ کریں

''میرا اس بات پر یقین ہے کہ آج ہندو سوسائٹی قائم ہے اس لیے کہ اس کی بنیاد ذات پات کے نظام پر ہے، جو کمیونٹی ذات کے نظام کی تخلیق کرتی ہے اس میں تنظیمی طاقت ہوتی ہے''۔ گاندھی جی کے نزدیک مل کر کھانے پینے سے قومی اور سماجی اتحاد پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تجربہ کے خلاف ہے کہ مل کر کھانے سے دوستی و اتحاد پیدا ہو۔ اسے گاندھی گندہ عمل قرار دیتے ہیں جیسے ضرورت سے فارغ ہونا۔ آبائی پیشہ ترک کرنا مناسب نہیں جو ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ گاندھی جی کے خیال میں ذات کا نظام مذہب سے نہیں قدرتی طور پر بنا ہے۔ اس طرح امبیڈکر کو گاندھی جی کی عدم تشدد کی تعلیم سے بھی اختلاف تھا۔ ان کے خیال میں طاقت کا استعمال تشدد کے خلاف کرنا گناہ نہیں۔''

1940ء میں ڈاکٹر امبیڈکر کی مشہور تصنیف Thoughts on Pakistan منظر عام پر آئی۔ شاہ غازی الدین لکھتے ہیں کہ یہ کتاب سیاسی حلقوں میں بم کا دھماکہ ثابت ہوئی۔ مسٹر جناح اور گاندھی جی نے بھی اسے قابل اعتبار قرار دیا۔ مصنف نے پاکستان کی تشکیل کے مسئلہ کو ایک دیوانی مقدمہ کی شکل میں مرتب کیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے موقف کو سامنے رکھا ہے اور ایک غیر جانبدار جج کی حیثیت سے امبیڈکر نے فیصلہ مسلمانوں کے حق میں دیا ہے اور پاکستان کے قیام کو جائز قرار دیا ہے ہندوؤں سے کہا کہ امن کے قیام کے لیے یہ ضروری ہے اور اس میں دونوں قوموں کا فائدہ ہے البتہ ہندو راج کے مطالبہ پر امبیڈکر نے سخت تنقید کی ہے لکھتے ہیں ''اگر ہندو راج حقیقت بن جائے تو بلاشک و شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس ملک کے لیے یہ ایک آفت ہوگی۔ ہندوازم آزادی مساوات اور بھائی چارہ کیلئے مہلک خطرہ ہے جو ملک کے جمہوریت سے کسی طرح میل نہیں کھاتا۔ لہٰذا ہر قیمت پر ہندو راج کو روکنا ضروری ہے'' صفحہ 358، Pakistan or Partition of India۔

شاہ غازی الدین کی یہ تصنیف ان کے اس مشن کا حصہ ہے کہ بہوجن سماج یا دلت طبقہ کے رہنماؤں کے اندر بالخصوص ڈاکٹر امبیڈکر کے دل میں مسلمانوں اور اسلام کے لیے احترام اور ہمدردی کے جو جذبات ہیں ان کو نمایاں کیا جائے اس لئے کہ موجودہ ہندوستان میں ہندوتو کی شرانگیزی کے بالمقابل مسلمانوں کو ایک فطری حلیف و خیر خواہ مل سکیں۔ انہیں یہ شکوہ ہے کہ مسلم دانشوروں نے اس پہلو کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جب کہ انہیں زمینی حقائق کو سامنے رکھ کر کوئی بات زبان پر لانی چاہئے خدا کا شکر ہے کہ مصنف نے اس کوتاہی کی اس کتاب کے ذریعہ بھرپور تلافی کی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر 1946ء میں قانون ساز اسمبلی کے ممبر مسلم لیگ کی وجہ سے بن سے۔ وہ لیگ کے ممنون تھے تبدیلی مذہب کے معاملہ میں انہوں نے دلتوں کو آزادی دی کہ وہ ہندو مذہب چھوڑ کر جو مذہب چاہیں اختیار کر لیں۔ لیکن مصنف کو اس پر ضرور افسوس ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے سارے علم و فضل کے باوجود اسلام کے بارے میں جو معلومات حاصل کیں وہ درست نہیں تھیں۔ انہوں نے جگہ جگہ اسلام کو مستشرقین کی نگاہ سے دیکھا اور اسلام پر معتبر مواد تک ان کی رسائی نہ ہوسکی۔ مصنف کے خیال میں اس عہد کے مسلم دانشور اس کے ذمہ دار تھے۔ جنہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر سے اسلام کا بھرپور تعارف نہیں کرایا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی مذکورہ بالا کتاب میں اسلامی تہذیب اور پردہ کے بارے میں رائے ناپختہ اور معاشرتی حقائق کے خلاف ہیں مگر Social Stagnation کے عنوان سے جو باب ہے اس میں بہت سی باتیں حقائق پر مبنی ہیں۔ اس سلسلہ میں سید غازی الدین نے ڈاکٹر تیلتمبڑے Teltumbde کی کتاب Ambedkar on Islam کا ذکر کیا ہے جس میں مصنف نے بہت سی غلط فہمیوں کو صاف کیا ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر اسلام کے تصور مساوات کے مداح ہیں لیکن اُن کو یہ ملال بھی تھا کہ بدھ مذہب کو ختم کرنے میں مسلمانوں کا بھی ہاتھ تھا۔ حالانکہ ہندوستان میں اسلام کے آنے سے قبل ہی بدھ مذہب ختم ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر آنند تیلتمبڑے نے اپنی قابل قدر کتاب Ambedkar on Islam میں اس غلط فہمی کو دور کرنے میں کہ بودھ مذہب کو مسلمانوں

نے ختم کیا۔ انہوں نے اس کتاب کے حوالہ سے بات لکھی۔

مصنف نے ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے مختلف گوشوں پر خاصی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے مثلاً 1935ء میں امبیڈکر کے اس اعلان پر کہ وہ ہندو مذہب ترک کر دیں گے گاندھی جی کو پریشانی ہوئی۔ اور جب انہوں نے تبدیلی مذہب کے معاملہ کو التواء میں ڈال دیا اس وقت کیا صورت حال ہوئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے انگریزوں سے اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں روابط بھی روشنی میں آتے ہیں۔ 1941ء میں انگریزوں نے وارکونسل میں انہیں شامل کیا جب کہ کانگریس اس کی مخالف تھی۔ امبیڈکر نے بدھ مذہب کو مٹانے کی برہمنوں کی چالوں کو بھی بیان کیا کہ اس کام کے لیے کشتریوں کو ملایا۔ اور برہما، وشنو، مہیش سے رام اور کرشن کی تعریف کرنے لگے جو کشتریوں سے تعلق رکھتے تھے۔ برہمنوں نے بدھ کو وشنو کا دسواں اوتار بنا دیا۔ بدھ وہاروں کے پاس اپنے وہار بنائے اور مسلمانوں کے آنے کے بعد ان کے وہاروں میں بدھ مورتیاں توڑ کر شیولنگ رکھ دیا وغیرہ امبیڈکر کے خیال میں اپنی جملہ ذہنی غلاظتوں کے ساتھ ہندو اس لائق نہیں کہ لوک شاہی یا جمہوریت کی گاڑی کھینچ سکیں لوک شاہی کے لیے گاندھی نہیں بدھ مناسب شخصیت ہیں (جنتا 1941ء ۱۷ رمئی) ڈاکٹر امبیڈکر نے ممبئی کے ایک جلسہ عام میں ہندوؤں کو مخاطب کر کے آگاہ کیا کہ اگر تم اچھوتوں کو مساوی حقوق نہیں دو گے تو دلت طبقہ تمہاری کسی بھی لڑائی میں ساتھ نہیں دیگا۔ 1943ء میں ڈاکٹر امبیڈکر وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل میں شامل کیے گئے۔ اور لیبر منسٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس زمانہ میں انہوں نے دلتوں کی فلاح و بہبود کے بہت سے کام کیے اور سمتا سینک دل کو قائم کیا تا کہ انہیں مظالم سے بچایا جاسکے۔

اس زمانہ میں کناڈا کے ایک ادارہ کی دعوت پر ایک مقالہ بعنوان Gandhi & Emanicipation of Untouchables لکھا یہ بے حد فکر انگیز تحریر ہے۔ انہیں بنیا، براہمن کے ملک کی صحافت پر غلبہ کو دیکھ کر بہت افسوس تھا، جس کی وجہ سے دلتوں کے مسائل سامنے نہیں آپاتے۔ انہوں نے کانگریس کو ایک جلتا ہوا گھر قرار دیا۔ جس میں دلتوں کو

جانا مناسب نہ تھا۔ انہیں اندیشہ تھا کہ لوک شاہی سرکار یعنی جمہوری اقتدار اگر سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں گیا تو دوسرے لوگوں کو ان کی غلامی میں مرنا پڑے گا۔ 1945ء میں ان کی کتاب What Congress & Gandhi have Done to Untouchable کافی متنازعہ بن گئی۔ 1945ء میں ناگپور میں سمتا سینکوں نے گاندھی ٹوپیاں جلائیں۔ امبیڈکر نے بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کیا اور منوشاستر پر تنقید کی انہوں نے ایک بیدار مغز قائد کی طرح اپنی قوم کے لئے طاقت اور اقتدار کے منصب تک پہونچنے کی راہ ہموار کی اور صاف صاف اعلان کیا۔ "ہمیں اقتدار دو تاکہ ہمارا مستقبل شاندار ہو۔ ہمیں ہندوؤں کا راج نہیں چاہیے ہمارے بزرگ دو ہزار برس سے غلامی برداشت کرتے آئے ہیں اب ہم مزید برداشت نہیں کرسکتے۔" ڈاکٹر امبیڈکر نے 15 مارچ 1946ء کو آگرہ میں ایک بڑے جلسے کو خطاب کرتے ہوئے کہا "اقلیتوں کے تعاون اور ان کی مرضی سے اکثریت حکومت کرے یہ صحیح معنوں میں سوراج ہے۔ مئی 1949ء میں امبیڈکر کی شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن کے تمام امیدوار ناکام ہوئے اس سے انکی سیاسی پوزیشن متاثر ہوئی۔ انگریز سب صرف ہندوؤں اور مسلمانوں سے بات کرنے لگے۔ امبیڈکر لیبر منسٹر کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر بمبئی چلے گئے۔ 4 سال میں انہوں نے لیبر لاLabour Law میں خاصی ترمیمات کیں اور ہوائی اڈوں اور آبپاشی کی اسکیموں پر تیزی سے کام کروایا ۴ رمارچ ۱۹۴۶ء کو کیبنٹ میشن آیا اس کے سامنے امبیڈکر نے اچھوتوں کے مطالبات مرکزی وصوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی اور سرکاری محکموں میں تحفظات رکھے۔ 15 جولائی 1946ء کو بنگال اسمبلی کے مسلم لیگ کی مدد سے آئین ساز اسمبلی میں پہونچ گئے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی دستور سازی کے سلسلہ میں خدمات کو اس ملک کے باشندے فراموش نہ کرسکیں گے۔ شاہ غازی الدین نے اپنی وقیع تصنیف میں تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ بعض تاریخی حقائق ہمیں چونکا دیتے ہیں دسمبر 1946ء میں دستور ساز اسمبلی کے آغاز میں پنڈت نہرو نے ایک طویل قرارداد پیش کی تھی۔ اس پر ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک اہم

نکتہ اٹھایا تھا۔ جو افسوس دستور کا حصہ نہ بن سکا۔ انہوں نے کہا تھا ''جہاں حقوق کی بات ہوئی ہے وہیں حقوق تلفی اور اس کی پائمالی پر اس کی تلافی اور علاج کی بات نہیں کی جاتی۔ امبیڈکر بے حد دور اندیش انسان تھے صوبائی حکومتوں، مرکز اور ملک کی انتظامیہ میں گزشتہ 50 سالوں میں ملک کے کمزور طبقات کے حقوق کی مسلسل پائمالی میں ملوث رہی ہے۔ دلتوں کا خیسر ریزورییشن تھا وہ کچھ نہ کچھ حاصل کرتے رہے لیکن مسلمانوں کے حقوق کو مکمل طور پر روند کر کے رکھ دیا حتیٰ کہ گجرات جیسی جگہوں پر ان کے قتل عام کو دیش بھکتی کا نام دیا۔

اور اس جرم کی کوئی عبرت ناک سزا نہ دی جا سکی، دستور میں اس کے لئے علیحدہ کلاز Clause ڈاکٹر امبیڈکر کے مطابق ضروری تھے۔ کہ ایسے ملزموں کو اقتدار سے محروم کر دیا جائے اور انہیں جیل خانے کی سلاخوں اور پھانسی کے تختے تک پہونچایا جائے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی تاریخی تقریر میں دستور ساز اسمبلی میں یہ بھی کہا ''ہم گروہوں میں تقسیم ہیں دو ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ میں خود بھی ایک گروہ کی قیادت کر رہا ہوں لیکن اس کے باوجود قائل ہو گیا ہوں کہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ بدلنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس ملک کو متحد ہونے سے نہیں روک سکتی۔ مجھے یہ کہنے میں جھجک نہیں کہ اگر چہ مسلم لیگ ملک تقسیم کرنے کے لئے احتجاج کر رہی ہے مگر ایک دن آئے گا جب مسلمانوں کو احساس ہوگا کہ متحدہ ہندوستان ان کے مفاد میں ہے ہمارے ساتھ جو نہیں آنا چاہتے انہیں بھی ساتھ لینے کی کوشش کی جائے۔ یہی میری آپ حضرات سے اپیل ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ کی عدم موجودگی میں کوئی قرارداد منظور نہ کی جائے۔ ان الفاظ کے ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر ایک دور اندیش مدبر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ اور ان کے دل میں مسلمانوں کے لئے جو ہمدردی و خیر سگالی کا جذبہ تھا وہ اس تقریر کے ہر لفظ سے جھلک رہا ہے ہمیں غازی الدین صاحب کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے امبیڈکر کے خیالات کے موتیوں کو چن چن کر ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور انسان دوستی کا ایک دلکش ہار امبیڈکر کی سوانح کی شکل میں ہمارے سامنے آ گیا ہے۔

ملک کی تقسیم کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر کی آئین ساز اسمبلی کی رکنیت ختم ہوگئی۔ کانگریس نے پنڈت نہرو کی ہدایت پر ممبئی اسمبلی سے انہیں آئین ساز اسمبلی کا ممبر منتخب کرایا۔ 29/اگست 1947 کو آئین ساز اسمبلی کی ڈرافٹنگ کمیٹی کے صدر بنائے گئے یہ ایک اہم اعزاز تھا جو ان اعلیٰ صلاحیتوں کو ملک کے دانشوروں اور لیڈروں کی طرف سے اعتراف کی حیثیت رکھنا تھا اگر چہ وہ ان کے خیالات سے متفق نہیں تھے۔ شاہ غازی الدین ایک ہوشمند سوانح نگار کی طرح تاریخ کے اس نہایت اہم اور آئین سازی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ۳ سال کے اس صعوبت سے بھرے سفر کو بہ حسن خوبی طے کیا اور ایک دلکش دستور مرتب کرنے میں کامیابی حاصل کی اس مرحلہ کے آخر میں یہ اندیشہ ضرور ظاہر کیا کہ کیا ملک اپنی آزادی برقرار رکھ سکے گا؟ ماضی کی طرح غداروں کی زد میں آکر اس آزادی سے محروم تو نہ ہوگا؟ امبیڈکر کی وطن سے محبت اور انسان دوستی نے اُن کے منہ سے یہ الفاظ کہلوائے ''جب میں یہ سوچتا ہوں کہ ہمارے قدیم دوستوں نے یعنی ذات پات کے نظام کے علاوہ متضاد نظریات رکھنے والی سیاسی جماعتیں موجود ہیں ہم اپنے ملک کے مفاد کو ترجیع دیتے ہیں یا اپنے مخصوص عقائد و نظریات کو، اُسکے بارے میں آج کچھ کہہ نہیں سکتا مگر ایک بات ضرور یقین کے ساتھ کہ سکتا ہوں کہ اگر سیاسی جماعتیں اپنے نظریات کو ملک کے مفاد پر ترجیح دیں گی تو ہماری آزدای دوبارہ خطرہ میں پڑ جائے گی اور شاید ہم اپنی آزادی کو دوبارہ کھو دیں گے'' ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندوستان کے لوگوں کو خبردار کیا کہ وہ اس سے محروم تو نہ کو جائے گا۔ اپنے اس مزاج کی فکر کریں جس نے انہیں بھکتی اور ہیرو پرستی کا مدتوں سے عادی بنا دیا ہے۔ اندیشہ ہے کہ جمہوریت میں بھی وہ اپنی آزادی کو کسی ایک فرد کے حوالے کر کے اپنے گوشوں میں نہ جا بیٹھیں۔ کوئی شخص اپنی عزت کوئی عورت اپنی عصمت اور کوئی قوم اپنی آزادی کی قیمت پر کسی کی شکر گزار نہیں ہو سکتی بھکتی اور ہیرو پرستی آمرانہ رجحان کو فروغ دیتی ہے سماج میں آزادی بھائی چارہ اور مساوات آزادی کا اولین تقاضہ ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اس طویل تقریر کے بعد 26/نومبر 1949ء کو دستور کا مسودہ منظوری کے لئے پیش کر دیا۔ اور

26 رجنوری 1950ء کو پورے ملک میں نافذ ہوگیا وہ آزاد ہندوستان کے وزیر قانون بنے 1948ء میں انہوں نے Untouchable اچھوت کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ 1951ء میں انہوں نے ہندو کوڈ بل کی منظوری کیلئے جدوجہد کی مگر وہ منظور نہ ہو سکا وہ اس واقعہ سے اس قدر مایوس ہوئے کہ وزارت قانون سے 27 ستمبر 1951ء کو استعفیٰ دیا۔ 1952ء کے عام انتخابات میں وہ کانگریس کے ایک معمولی امیدوار سے شکست کھا گئے لیکن مارچ 1952ء میں ممبئی سے راجیہ سبھا کے لئے منتخب ہوئے۔ انہوں نے ملک کی خارجی پالیسی پر تنقید کی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندوستان کے لوگوں کو خبردار کیا کہ وہ اور دفاعی بجٹ میں تخفیف کی تجویز پیش کی اس تجویز پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا "جو رقم ملک کے دفاع میں کام آسکتی ہیں وہ فوج کے لئے صرف ہو رہی ہے۔ اگر دفاعی رقم سے 50 کروڑ کم کر دی جائے تو ملک کے لیے کافی فائدہ مند ہوا گر ملک کی خارجی پالیسی ایسی اختیار کی جائے جس سے پوری دنیا میں امن و شانتی قائم ہو تو بھارت کا کون سا ایسا دشمن ہوگا جس کے لیے اتنی فوج رکھنی پڑی"

ڈاکٹر امبیڈکر نے آخری تین چار سال صحت کی خرابی میں گزرے۔ انہوں نے اس دوران اپنی قوم کیلئے عقیدہ اور شاہراہ عمل کی جستجو تیز کر دی ہے۔ بودھ مذہب کی طرف ان کا میلان بڑھتا گیا۔ اسلام سے ان کی دلچسپی کم ہوگی، اور تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی افراتفری اور خراب حال دیکھ انہوں نے سمجھا ہوگا کہ جو خود کمزور رہی وہ دوسرے کمزوروں کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ وہ کسی غیر ہندوستانی مذہب کی طرف دیکھنے میں ہندوؤں کے انتہا پسند طبقہ سے ڈرتے بھی رہے ہونگے، انہیں بار بار بتایا گیا تھا کہ بودھ ہونے پر کوئی سخت ردِ عمل ہندو اکثریت میں نہ ہوگا۔ بہر حال انہوں نے تبدیلی مذہب کا فیصلہ کر لیا اور 14 / اکتوبر 1956ء کو ناگپور میں اپنے متبعین کے ساتھ بودھ مذہب اختیار کرنے کا اعلان کر دیا گیا اس کے لیے بڑے پیمانے پر تیاریاں شروع ہوئی۔ یہ امبیڈکر کی زندگی کے بالکل آخری ایام تھے وہ صاحب فراش تھے اپنی صاحب خانہ سے بھی دل شکستہ تھے۔ چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر اس

کے باوجود سچائی اختیار کرنے کا بے حد شوق موجود تھا۔ مصنف نے ان کی زندگی کے اس آخری دور کا نہایت مفصل مرقع ہمارے سامنے رکھا ہے، جس میں عبرت اور موعظت کے بہت سے پہلو ہیں مصنف نے ان کی ظلم سے لڑنے اور اپنی قوم کے لیے مقام عظمت تلاش کرنے مخلصانہ جدوجہد کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ہمیں ان سے بجا طور پر ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور ان کی مخلصانہ کاوشوں پر آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے۔

آخر میں سید شاہ غازی الدین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب سے اُردو کے سوانحی اور فکری سرمایہ میں ایک گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ اس ملک کے ایک مخلص رہنما اور دلت طبقہ کے میحا کی سیرت نگاری کر کے اپنی اس وسعت قلب کا ثبوت دیا ہے جو اسلام اپنے ماننے والوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

ختم شد

تاریخی کارنامہ

سید افتخار احمد

مدیر ہفتہ وار شودھن ممبئی

آزاد بھارت کی جو تاریخ بھی مرتب ہوگی وہ اس ملک میں صدی کے عظیم ترین انقلابی شخصیت ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کی مرہون منت رہے گی۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کی شخصیت اور خدمات کو تسلیم کئے بغیر ان کے مرتبہ ومقام قدرومنزلت سے روشناس ہوئے بغیر جو تاریخ بھی ترتیب دی جائے گی وہ نامکمل رہے گی۔

بھارت میں مسلمانوں اور ان کے واسطہ سے اسلام کا جب کبھی تذکرہ ہوگا وہ اس وجہ سے نامکمل اور ناقص رہے گا کہ انہوں نے اس ملک کے تہذیبی عناصر مذہبی نظام ایک غیر انسانی سماجی عدم مساوات کے اصولوں کی بنیاد پر ہزاروں سال سے رائج یہاں کے معاشرتی نظام اور اس نظام کے زیر استحصال کروڑوں عوام پر ہونے والے منفی اثرات کا مطالعہ نہیں کیا۔ دنیا کے اس خطے میں گذشتہ صدیوں سے اس ملک پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنے والے مسلمانوں نے چونکہ اس

ملک کی عوام پر جو ظلم وتشدد کو مذہبی تقدس کا جامہ پہنا کر ان پر کیا گیا ان کے مطالعہ اور عمیق مطالعہ کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس وجہ سے نہ وہ اس ملک میں اپنے مرتبہ ومقام کو خود سمجھ پائے نہ ہی دوسروں کو سمجھا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس عظیم ذمہ داری کو کماحقہ ادا نہیں کر پائے جو از روئے عقیدہ وایمان ان کا فرضِ منصبی قرار پائی تھی۔ افسوس عام بھارتی مسلمانوں کے بارے میں نہیں ہے بلکہ افسوس اس بات کا ہے کہ یہاں کے مسلم دانشوروں اور اعلیٰ درجہ کے دانشوروں، اسلامی مفکرین اور پایہ کے سماجی مصلحین نے کبھی اس اہم ترین ذمہ داری کی طرف توجہ نہیں دی۔ اور اس سے زیادہ قابل افسوس امر یہ ہے کہ انہوں نے اس کو قابل اعتناء امر نہیں سمجھا۔ ملک گیری کی ہوس میں یہاں کے سیاستداں کو اس کی پرواہ نہ تھی رہے علماء حضرات تو نہ وہ اس قابل تھے، اور نہ ہی ان سے اس طرح کی توقع تب کی جا سکتی تھی اور نہ اب کی جا سکتی ہے۔ ہمارے اجداد نے جو صدیوں کی خطا کی ہے پتہ نہیں ان کا انجام آئندہ کتنی نسلوں کو کتنی صدیوں تک بھگتنا پڑے گا۔

سید شاہ غازی الدین صاحب برصغیر کی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اس کارِ عظیم کا بیڑا اٹھایا اس کے لئے انہوں نے باضابطہ ایک ادارے کی تشکیل کی۔ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ محدود وسائل وذرائع کے ساتھ اس کام کو شروع کیا۔ اس کارِ عظیم میں انہیں تنہا ہی وہ سارے امور انجام دینے پڑے جس کے لئے ایک بہت بڑے تحقیقی ادارے کی ضرورت تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے چھترپتی شیواجی کی شخصیت پر جس کو لے کر یہاں کے ویدک مذہب والوں نے عام مسلمانوں اور یہاں کے اکثریتی طبقہ میں منافرت وعداوت کے ایسے بیج بوئے کہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل جنگ وجدال کے مرحلہ پر پہنچا دیا تھا، ایک مختصر سی کتاب کا اردو میں ترجمہ کر کے اردو داں مسلم طبقہ کے سامنے شیواجی کی صحیح تصویر پیش کی اس کے بعد مہاتما جیوتی با پھلے کی سوانح اردو میں تصنیف کر کے ایک ایسی شخصیت سے مسلمانوں کو متعارف کرایا جس سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کو بھارت کی کسی دوسری شخصیت نے نہ سمجھا ہوگا، اور جس سے زیادہ مثبت انداز میں اسلام کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ ومقام اور انسانیت پر ان کی رحمت بے پایاں کا اعتراف کیا یہاں کے اکثریتی طبقہ کو روشناس کروایا اور خود بھی ان کے ایسے گرویدہ ہوئے

کہ مراٹھی زبان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک طویل حمد لکھی۔

مسلمانوں کے خلاف اس ملک میں جو مہم جاری ہے اس کے متعلق مصنف نے صحیح تجزیہ کیا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ویدک مذہب کو جس بڑے پیمانے پر آج مختلف تحریکوں کی طرف سے چیلنج کیا جارہا ہے۔ ہندو مذہب پر ہزاروں سال سے اپنا اجارہ قائم کئے ہوئے طبقہ نے جس طرح ہزاروں سال سے یہاں کی معصوم اور بھولی بھالی عوام کو اپنا غلام بنا رکھا ہے ان کو اپنے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا ہوا ہے وہ اب اس غلامی کی زنجیریں توڑ رہے ہیں۔ اس استحصالی مذہب کو ترک کر کے بودھ مذہب کی طرف لاکھوں کی تعداد میں لوگ راغب ہو رہے ہیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس مذہب کے معتقدات اور ان کے ذریعہ غلامی کے جال کو منظر عام پر لا کر ان کے صدیوں کے مکر و فریب سے عوام کو واقفیت پہنچا رہے ہیں۔ اس استحصالی نظام کے خلاف صف آراء کر رہے ہیں۔

ان طاقتوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے پاؤں سے زمین کھسک رہی ہے تو انہوں نے اب اپنا آخری سیاسی حربہ کام میں لایا ہے۔ اتر پردیش بلکہ بھارت کی منفرد اور بارسوخ دلت سیاسی رہنما مایاوتی کے ساتھ اتحاد کر رہے ہیں اگر چہ کہ موجودہ مرحلہ میں یہ محض ایک ریاست کی حد تک انتخابی اتحاد ہے مگر ان کے عزائم بہت دور کے ہیں پورے ملک میں وہ دلت اقوام کے ساتھ مایاوتی کے ذریعہ سیاسی اتحاد بنا کر پھر سے ہزاروں سال کے اپنے اقتدار کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ مایاوتی شاید اس خطرہ سے آگاہ نہ ہوں اور آگاہ ہوں بھی تو ممکن نہیں کہ وہ ان کے اس دامِ فریب سے بچ سکیں اس لئے کہ اوپر سے دکھائی دینے والا یہ انتخابی سمجھوتہ دراصل بہت ہی سوچی سمجھی سازش ہے جس کا پہلا نشانہ مسلمان اور دوسرا نشانہ وہی دلت اقوام ہیں جن کو اپنا غلام بنائے رکھنا یہ لوگ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ آل انڈیا برہمن فیڈریشن نے حال ہی میں آئندہ تمام انتخابات میں مایاوتی کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس مقصد کیلئے تروپتی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کا مقصد بظاہر دلت اور برہمن کے درمیان تعلقات خوشگوار بنانا شامل ہے اس کانفرنس میں کانچی پیٹھ کے شنکراچاریہ سوامی جیندررسرسوتی کی شرکت سے برہمنوں کے آئندہ عزائم کا آسانی سے اندازہ لگایا

جاسکتا ہے۔

ونایک دامودر ساور کر، محمد علی جناح اور ڈاکٹر امبیڈکر دراصل تحریک آزادی کی تین ایسی شخصیتیں ہیں جنہوں نے اس ملک کی تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا ہے۔ تحریک آزادی کے دوران اس ملک میں تین طاقتیں وجود میں آئیں اور ان تینوں طاقتوں نے ایسے اثرات چھوڑے جس کی وجہ سے اس برصغیر کا جغرافیہ تبدیل ہوگیا بلکہ تاریخ بھی بدل گئی۔

جس ملک کو اکھنڈ بھارت بنانے میں صرف اور صرف عرب اور دیگر مسلم حکمرانوں کا ہی عمل دخل رہا اس ملک کی تقسیم کیلئے دراصل ہندوتوائی وہ طاقتیں ذمہ دار ہیں جو یہاں اس نظام کو نافذ کرنا چاہتی ہیں جس کی دھجیاں ڈاکٹر امبیڈکر نے تحریک آزادی کے درمیان اس طرح بکھیر دیں کہ ان کو پھر سے جمع کرنا اب بہرحال ناممکن ہے۔ ہندوتوا کا یہ نظریہ دیا تھا ساورکر نے یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کے خلاف مہاتما گاندھی اور اس وقت کے تمام خود وطن پرست رہنماؤں میں انتہائی نفرت بلکہ عداوت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر چاہتے تھے کہ ہندو دھرم میں جو ذات پات کا نظام ہے اس کو ختم کرنے کیلئے خود ہندو حضرات آگے آئیں۔ ان کے اس مطالبہ کی کھل کر کسی نے مخالفت اس لئے نہیں کی کہ وہ بابا صاحب امبیڈکر کو الجھائے رکھنا چاہتے تھے۔ اور تائید اس لئے نہیں کی کہ وہ اس سماجی اونچ نیچ اور چھوت چھات کو ختم کرنے میں کبھی مخلص نہ تھے۔ مہاتما گاندھی اور دیگر رہنماؤں نے تو بہرحال ورناشرم کی کھلے عام تائید بھی کردی۔ بابا صاحب نے جب ہندو مندروں میں دلتوں کے داخلہ کیلئے تحریک چلائی تب بھی گاندھی جی نے ان کی مخالفت کی۔

اور یہی وجہ ہے کہ گو دستوری طور پر سیاسی سطح پر سماجی عدم مساوات کو ختم کر دیا گیا تاہم عملاً یہ نظام یہاں کے سماج میں آج بھی رائج ہے اور اسی شدت کے ساتھ جیسا پہلے تھا۔ دلتوں پر آئے دن کے مظالم، دیہاتوں میں دلت خواتین کو برہنہ کر کے گاؤں میں گھمانا، ان کی بستیوں پر حملہ کرکے ان کا قتل کرنا، اسکولوں میں دلت طلبہ کے ساتھ امتیازی سلوک کا آج بھی جاری رہنا، اس بات کا ثبوت ہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی عظیم علمی شخصیت اور مرتبہ کو کانگریسی رہنماؤں کی طرف سے تسلیم نہ کرنا

ان کی عظمت کا اعتراف نہ کرنا اور ان کو وہ مرتبہ ومقام تحریک آزادی میں نہ دینا جس کے وہ حقدار ہیں ۔دراصل اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ کانگریسیوں اور گاندھی جی نے ان کو محض ایک دلت رہنما کی حد تک محدود کر دیا۔ان کو نہ ہی وہ سماجی مساوات قائم کرنا تھی جس کا امبیڈکر مطالبہ کر رہے تھے نہ ان کے قد کو اتنا اونچا کرنا تھا کہ یہ لوگ خود بونے ہو جائیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے یہاں کے پچھڑے طبقوں میں زندگی کی ایسی روح پھونکی کہ آج وہ بھلے پوری طرح متمدن نہ ہوں مگر تیزی سے اس راستے پر گامزن ہیں جو بہر حال انہیں ایک دن وہ مقام دلائے گا جو ان سے چھینا گیا ہے۔ان کا یہ عظیم کارنامہ اگلوں کے لئے ایک ایسا ورثہ ثابت ہو گا جس پر وہ ترقی کی منازل طے کریں گے۔حق تو یہ ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کی شخصیت وجود میں نہ آتی تو بہوجنوں میں جو یہ سماجی سیاسی اور تعلیمی انقلاب آیا ہے اس کا امکان ہی نہ تھا،اسی طرح مہاتما جوتی با پھلے کی تاریخ ساز شخصیت منظر عام پر نہ آتی تو ممکن ہے ڈاکٹر امبیڈکر کا مشن شروع ہی نہ ہوتا،اور جیوتی با پھلے کو یہ ورثہ ملا تھا ہزاروں سال پہلے اس برہمنی نظام کو لکارنے والے گوتم بدھ اور ان کے بعد اس مشن کو جاری رکھنے والی تاریخ کی عظیم ہستیوں کی طرف سے اور اب یہ مرتبہ ومقام مہاراشٹر کی ایسی شخصیت کے حصہ میں آیا ہے جنہوں نے ان تحریکات کو اس نظام کو چیلنج کرنے کیلئے ان کا انتہائی عرق ریزی سے جائزہ لیا اور اسی مشن پر چل نکلے جس پر ہزاروں سال پہلے گوتم بدھ اور ان کے بعد کے لوگ نکلے تھے،اس اولو العزم شخصیت سے ممکن ہے ابھی بہت سے لوگ واقف نہ ہوئے ہوں مگر بھارت کے مستقبل کی جو تاریخ لکھی جائے گی اس کے مورخ کے لئے ممکن نہ ہوگا کہ ان کے نام کو نظر انداز کر دے،یہ شخصیت ہے ڈاکٹر اے ایچ سالنکے کی برہمنی نظام نے ظلم کا کچھ ایسا جال بن کر رکھا ہے کہ بہوجنوں کی صفوں میں جو بھی صاحب علم اور اولو العزم شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں ان کی ساری توانائی اس نظام سے چھٹکارا پانے اور عوام کو آزاد کرانے میں صرف ہو جاتی ہیں۔ان کی ساری زندگی اور قلیل ترین وسائل جو ان کو میسر ہیں اسی جدو جہد کی نظر ہو جاتی ہیں۔

بھارت کے مسلمانوں کی ہمیشہ سے خواہش اور جستجو رہی ہے کہ بابا صاحب نے تبدیلی مذہب کیا تھا تو اسلام کو کیوں قبول نہیں کیا۔انہیں اس خواہش کا پورا حق حاصل ہے ڈاکٹر امبیڈکر

نے بھی اسلام سے متعلق سوچ بچار رکیا تھا بلکہ اپنے پیروؤں کو انہوں نے اجازت دی تھی کہ وہ جو مذہب چاہیں قبول کریں مگر ہندو مذہب ترک کر دیں۔ یہاں کے برہمن بہر حال یہ سمجھے ہوئے تھے کہ امبیڈکر ہندو مذہب ترک کر کے ہی رہیں گے۔ان کو ساری فکر اب یہ لاحق تھی کہ وہ سرزمین ہندکا ہی کوئی مذہب اختیار کریں خود امبیڈکر صاحب نے بھی انہیں خطوط پر سوچا۔لسانی تہذیبی اور وطنی عصبتیں بہر حال بہت طاقتور ہوتی ہیں۔اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ان طاقتوں کو ختم کرسکتا ہے۔ڈاکٹر صاحب جس تہذیب کے پروردہ تھے اس سے ان کا لگاؤ فطری تھا بودھ مذہب اس تہذیب سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اسلئے انہوں نے اس مذہب کو ترجیح دی، اور آج بھی جو لوگ تبدیلی مذہب کرتے ہیں وہ بودھ مذہب ہی میں داخل ہوتے ہیں اس کے اسباب بھی وہی ہیں جس کا امبیڈکر صاحب کے بارے میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

پھر ڈاکٹر امبیڈکر عوامی پیمانہ پر قبولِ اسلام کے خطرات سے پوری طرح آگاہ تھے ان کی قوم میں نہ وہ سکت تھی نہ وہ ہمت تھی اور نہ وہ عزم تھا جو مذہب اسلام قبول کرنے کے بعد پیش آنے والے مصائب اور آزمائشوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے درکار تھی جو خوان خرابہ یہاں کی ظالم طاقتیں برپا کرتیں اس کا تصور بھی مشکل ہے۔

عام مسلمانوں کی شکایت کے لئے جواز پیدا ہوسکتا ہے مگر ان مظلوم طبقات کے دکھ درد کو سمجھنے کی جنہوں نے کبھی کوئی قابل ذکر کوشش نہ کی ہو ان کی طرف سے جب یہ سوال اٹھایا جاتا ہے (اور لطف یہ ہے کہ عام مسلمانوں سے زیادہ اسی طبقے کی جانب سے ایسے سوالات اٹھائے جاتے ہیں) تو ان کی فہم و فراست پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

غازی الدین صاحب کی اس کتاب میں ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی کے جو حالات مرقوم ہیں انہیں سے متاثر ہو کر یہ تحریر لکھی گئی ہے۔بھارت کے مسلمانوں کے لئے صاحب کتاب نے ایک ایسا گراں قدر تحفہ دیا ہے جس کے مطالعہ کے بعد اپنے رویہ میں ترمیم کر کے یہ امت ایک تو اس قرض کو ادا کرسکتی ہے جو صدیوں سے اس پر واجب الادا ہے۔دوسرے بہوجن طبقات کے ساتھ سماجی تعلقات کو وسعت دے کر خود اپنے مسائل اور اس دورِ جدید کے پیش آمدہ چیلنج کا مقابلہ کرسکتی ہے، مصنف نے ڈاکٹر امبیڈکر کی سوانح کے ذریعہ بھارت کی تاریخ کے ایک اہم باب کے اتنے

گوشوں سے متعارف کروایا ہے کہ ان گوشوں کا یکجا مطالعہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ موصوف کا یہ تاریخی کارنامہ عوام خواص، اہل علم، تاریخ اور سماجیات و مذہبیات محققین سب کے لئے یکساں مفید ثابت ہوگا، انداز تحریر بیانیہ ہے جس کی وجہ سے قاری کے ذہن میں واقعات کو جاننے کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ فلسفیانہ بحث بھی کی ہے تو اُسی تسلسل اور دل کش اندازِ بیان ہیں۔ کہیں تنقید و تنقیص بھی کی ہے تو ایسا نہیں کہ قاری کے جذبات پر گراں گذرے۔ بہت لطیف انداز میں جیسے بات کہی بھی اور نہیں بھی۔

ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر

1891-1956

حیات اور کارنامے

از

سید شاہ غازی الدین ۔ایڈوکیٹ

1- ڈاکٹر امبیڈکر کا خاندانی پس منظر

مہاراشٹر میں جو دلت طبقات پائے جاتے ہیں ان میں اکثریت 'مہار' ذات کی ہے۔ تمام طبقات میں ان کی حیثیت نمایاں ہے۔ دلت مہار طبقہ کے ابتدائی حالت کے بارے میں مختلف نظریات ہیں ایک برہمن عالم راجہ رام شاستری بھاگوت کا کہنا ہے کہ لفظ 'مہاراشٹر' کے معنی ''مہار لوگوں کا راشٹر'' کے ہیں، اس نظریہ کی تائید مہاراشٹر کے مشہور مورخ راجواڑے Rajwade اور مشہور مراٹھی عالم شری دھر کیتکر Shridhar Ketkar نے کی ہے۔ کچھ مورخ اور ماہر عمرانیات اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ 'مہار' کسی قدیم دور میں مہاراشٹر کے حکمراں تھے۔ وامن راؤ بھٹ (Waman Rao Bhatt) نامی محقق نے لکھا۔

> There are many Indications to show that Mahars Were an ancient nation or large Community in habiting and occupying the plains of Maharashtra Very Probably , through Conquest, they lost their possessions and have been treated for generations as a Subject poeple.

ترجمہ: اس بات کے کئی ثبوت ہیں کہ مہار ایک قدیم قوم تھی جو مہاراشٹر کے میدانی علاقوں پر قابض تھے۔ اس بات کا زیادہ امکان ہے ان کو مفتوح بنایا گیا اس لئے علاقے ان کے قبضہ سے نکل گئے اور کئی نسلوں سے انھیں زیر کیا گیا۔

بھارت کے دلت (اچھوت) کون تھے۔ کن حالات نے انھیں سماج میں اچھوت بنایا گیا۔ بھارت کا ہر پانچواں شخص دلت (اچھوت) کیوں بن گیا، یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ اس ملک کے جن باشندوں نے خارجی آریہ قوم کی جو جارح کی حیثیت سے سامنے آئی تھی۔ جن لوگوں نے بالادستی کو قبول نہیں کیا انہیں آریہ قوم نے اپنی مکاری، فریب، طاقت سے ذریعے محکوم بنایا، ان پر غلامی لاد دی ،انہیں اچھوت قرار دیا۔ بہرحال اس مسئلہ پر بہت زیادہ گہرائی سے غور کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ملک کی ایک کثیر آبادی کو ''اچھوت'' قرار دینا اس ملک کا ایک المیہ ہے جس سے نہ صرف ہندو سماج کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا بلکہ انسانیت کو بھی۔ اچھوتوں پر قدیم دور سے ہونے والے مظالم کی طویل داستانیں ہیں۔ مگر برہمن پیشوائی دور میں جس کا اختتام مہاراشٹر پر 1818 میں انگریزوں کے قبضہ تک پچھلے 100 سال میں ان پر جو ناقابل بیان ظلم ہوا۔ وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ شہر پونہ اور اسکے اطراف کے علاقوں میں سڑک اور عام راستوں پر انہیں چلنا منع تھا۔ کیونکہ ان کا سایہ کسی برہمن پر پڑنے سے وہ ناپاک ہو جاتا اور اسے اشنان ضروری ہو جاتا، قدموں کے نشان سے راستہ ناپاک ہونا، اس لئے اس بدنصیب اچھوت کو پشت پر جھاڑو باندھنا پڑتا تاکہ خود کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور کوئی برہمن ناپاک نہ ہو سکے۔ گلے میں مٹی کا لوٹا لٹکانا پڑتا تاکہ اس کے تھوک سے شہر کے راستے ناپاک نہ ہو سکیں۔

مہاراشٹر کے علاقے کوکن کے ضلع رائے گڑھ میں کھیڑ (Khed) تعلقہ میں پہاڑوں کے دامن میں ایک چھوٹا سا موضع انباوڑے (Ambavade) ہے۔ اس موضع میں 'مہار' ذات کے مالوجی سنکپاڑ (Malogi Sankpal) رہا کرتے تھے کسی خدمت کے صلہ میں ان کے خاندان کو انعامی زمین دی گئی تھی۔ اس قسم کے انعام کو مہاراشٹر میں 'مہار وطن' کہتے ہیں۔ مراٹھا اور پیشوائی دور میں مالوجی کے آباو اجداد ہمیشہ فوجی خدمات سے منسلک رہے۔ ان میں سے کچھ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں خدمات انجام دیں۔ ان خدمات کے سلسلے میں فوجیوں کو عام طور پر لڑائیوں کے سلسلے میں اپنے وطن سے دور دراز علاقوں میں جانا پڑتا۔ رفتہ رفتہ انہیں اپنے وطن

سے کسی قسم کا تعلق رکھنا بھی مشکل ہو جاتا۔ مالو جی بھی فوج میں بھرتی ہوئے اور ان کے لڑکے بھی، مالو جی حولدار کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ پینشن پانے کے بعد اپنے لڑکوں کے ساتھ جہاں ان کی ڈیوٹی ہوتی وہاں رہتے، کبھی کبھی اپنے وطن انباوڑے آتے جاتے رہتے، مگر عملاً ان کا تعلق ان کے وطن سے ختم ہو گیا تھا، مالو جی کے تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکی جس کا نام میرابائی تھا جسمانی طور پر معذور تھی۔ یہ دو لڑکوں کے بعد پیدا ہوئی تھی، میرابائی کے بعد جو لڑکا 1848ء میں پیدا ہوا اس کا نام رام جی رکھا گیا۔ بعد میں یہی ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر کے والد تھے۔ مالو جی کے تینوں لڑکے فوج میں داخل ہوئے، انکا تقرر الگ الگ جگہوں پر ہوا۔ یہ ہمیشہ اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ مالو جی پنشن پانے کے بعد اپنی جسمانی طور پر معذور لڑکی اور رام جی کے ساتھ رہے۔ رام جی جسمانی طور پر مضبوط صاف رنگ کی ایک وجیہہ شخصیت تھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجی چھاونیوں میں بچوں کو لازمی طور پر تعلیم دی جاتی، زیادہ عمر والے اگر ان پڑھ ہوتے تو رات میں انکی پڑھائی کا انتظام ہوتا۔ اس لئے رام جی کو بھی تعلیم ملی۔

رام جی جس فوجی دستہ میں ملازم تھے اسی دستہ میں مہار ذات کے میجر صوبہ دار دھرما مرباڈکر Dharma Murbadkar تبادلہ ہو کر آئے تھے۔ یہ بھی علاقہ کوکن سے تعلق رکھتے تھے۔ دھرما مرباڈکر نے اپنی 13 سالہ لڑکی بھیما بائی کے لیے ۱۹ سالہ رام جی کو پسند کیا۔ رام جی ایک اچھے کھلاڑی تھے۔ پونہ میں فوجیوں کے بچوں کے کیلئے جو اسکول تھا اسی اسکول میں رام جی نے تعلیم پائی۔ اور مدرس کی حیثیت سے چھاونی کے اسکول میں تقرر ہوا۔ اور جلد ہی صدر مدرس ہو گئے۔ چودہ سال صدر مدرس کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد 1896ء تک صوبہ دار میجر کے عہدہ تک ترقی پائی۔ ایک صدر مدرس کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد انہیں تعلیم کی اہمیت کا خوب اندازہ ہو گیا۔ اسلئے انہوں نے اپنے خاندان کے مردوں اور عورتوں کو اچھی تعلیم دی۔ فوج میں ملازمت کی وجہ سے انکی زندگی میں زبردست ڈسپلن آگیا تھا۔ وہ ایک اچھے کھلاڑی بھی رہے اسلئے اعلیٰ آفیسروں کے چہیتے بن گئے۔

2 - بھیم راؤ امبیڈکر۔ پیدائش و بچپن

بھیما بائی کو رام جی سے 1899ء تک چودہ بچے ہوئے۔ بھیم راؤ اپنے والدین کی آخری اولاد تھے۔ اسی لئے وہ ازراہ مذاق اپنی آئندہ زندگی میں کہتے کہ "میں اپنے والدین کا چودھواں رتن ہوں" ان چودہ میں 7 بچے بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔ تین لڑکے اور چار لڑکیاں بچ گئیں۔ تینوں لڑکوں کے نام بالارام (Bala ram) آنندراؤ (Anand Rao) اور بھیم راؤ (Bhim Rao) رکھے گئے۔ بھیم راؤ یعنی آخری لڑکا ۱۴/ اپریل 1891ء کو پیدا ہوا۔ بالارام اور آنندراؤ نارمل اسکول میں تعلیم پائے۔ بالارام کو محکمہ پولس میں بینڈ بجانے کی ملازمت ملی۔

1878ء سے 1880ء تک برطانوی ہند اور افغانستان میں لڑائی ہوئی اس لڑائی کے سلسلے میں ستارہ، بیلگام، پونہ، اندور، (مہو) گوالیار، بڑودہ، راولپنڈی وغیرہ میں فوجی چھاونیاں قائم کی گئیں تھیں۔ جہاں سے فوجی رسد قندھار کیلئے روانہ کی جاتی اور نئے فوجی بھرتی کئے جاتے۔ 1879ء میں اپنی ملازمت کے سلسلے میں رام جی روالپنڈی میں تھے۔ انھیں بھرتی شدہ سپاہیوں کو ٹریننگ کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ 1888ء میں رام جی جس پلٹن میں تھے وہ اندور (مہو) موجودہ مدھیہ پردیش آ گئی۔ 14/ اپریل 1891ء کو رام جی کا آخری لڑکا بھیم راؤ پیدا ہوا۔ جسے

ماں باپ لاڈ سے بھیوا(Bhiva) کہتے۔ اسی نام سے یہ لڑ کا پکارا جانے لگا اور اسکول میں شریک کیا گیا۔ مگر بعد میں وہ لڑ کا پھر بھیم راؤ ہوا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں انگریزوں نے اپنی فوجی اغراض کیلئے جو بھرتی کی اس میں قابل لحاظ تعداد ✕ مہاراور دوسرے اچھوت طبقات کی تھی۔ جسمانی طور پر یہ اچھوت مہار قوم مضبوط اور لڑائی میں جیوٹ، صدیوں کے بعد انہیں پہلی مرتبہ فوجی معرکوں میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع مل رہا تھا۔ انگریزوں کی فوج میں مختلف ذاتوں کے لوگ مل کر رہتے اور بیرکوں کی زندگی میں ذات پات کا فرق محسوس نہ ہوتا وہ ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ ۱۹ رویں صدی کے آخری دنوں میں کچھ سیاسی وجوہات کی بناء پر انگریزوں نے اپنی قدیم پالیسی بدل ڈالی اور مختلف ذاتوں، فرقوں کے الگ الگ پلاٹون قائم کرنا شروع کئے۔ گورکھا، مراٹھا، سکھ، جاٹ، راجپوت رجمنٹ تشکیل دیئے گئے۔ اچھوت جتنی زیادہ تعداد میں فوج میں لئے جاتے اس میں کمی کی جانے لگی۔

اس مسئلہ کو لے کر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اپنی زندگی میں برطانوی حکومت سے بھی لڑتے رہے۔ انگریزوں نے ملک کی مختلف ذاتوں اور فرقوں کی بنیادوں پر فوجی رجمنٹوں کی تشکیل شروع کی تو مہار اور دوسرے اچھوتوں کو ریٹائرڈ کرنا شروع کیا جن کی انتہائی قلیل عرصہ کیلئے ملازمتیں باقی تھیں، انہیں مکمل کرنے کا موقع دیا گیا۔ کچھ کو دفاتر میں کچھ کو بینڈ بجانا اور اسی قسم کی دوسری نوعیت کی ملازمتوں پر تعیناتی ہوئی۔ اچھوتوں نے اس پالیسی کی مخالفت کی مگر ان کے مطالبات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ رام جی سنکپال چونکہ انگریزی زبان سے اچھی طرح واقف تھے وہ اس تحریک میں آگے آگے رہے۔ 1894ء میں رام جی نے پنشن لی۔ ہر ماہ پچاس روپیے پنشن ملنے لگی، اس وقت بھیوا تین سال کا پیارا بچہ تھا۔ بہت شرارتی اور ماں باپ کا لاڈلا۔

مہار، چمار اور دوسرے اچھوت جو عرصہ سے فوج میں ملازمت کرتے آئے تھے۔ انکی زندگی کا معیار اونچا ہونے لگا تھا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنے اپنے دیہاتوں میں جا کر دوبارہ بسنا انہیں پسند نہ تھا۔ وجہ صاف تھی۔ دیہاتوں میں دوبارہ جانے کے بعد مقامی آبادی انہیں اسی نظر سے دیکھتی جس کی وہ عادی تھی۔ مقامی آبادی کو اچھوتوں کی خوشحالی ان کا رہن سہن اور انکا اونچا

معیار زندگی پسند نہ تھا، اسلئے اس دور کے اچھوت رہنماؤں نے کوکن علاقہ کے ضلع رائے گڑھ کے داپولی میں کھلی جگہ حکومت سے حاصل کر کے ایک بستی بنانا شروع کی، اس بستی کا نام کیمپ داپولی (Camp Dapuli) ہوگیا۔ رام جی یہاں آ کر 1894ء میں بس گئے۔ کیمپ داپولی میں بہت سارے ریٹائرڈ صوبہ دار حوالدار اور جمعدار اور انکے خاندان آ کر بس گئے۔ بچوں کی تعلیم کیلئے ایک اچھا اسکول بھی تھا جہاں انگریزی اور مراٹھی کی تعلیم دی جاتی۔ انکے دوسرے رشتہ دار جان پہچان کے لوگ بھی آ کر بس گئے انہیں خواہش ہوئی کہ ایک اچھا مکان بھی تعمیر کریں۔ کیمپ داپولی میں رہنے والوں کے دو نمایاں گروہ تھے، ایک وہ جو اونچے عہدوں سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ دوسرے وہ جو تحت کی ملازمتوں سے وظیفہ یاب ہوتے تھے۔ دونوں کی بستیاں الگ الگ تھیں۔ اونچے عہدے والے یہ نہیں چاہتے تھے کہ تحت کے کام کرنے والے انکے پڑوسی ہوں، مذہبی عقائد کی بنیادوں پر بھی کچھ تقسیم ہوگئی تھی۔ ایک رامانند پنتھی تو دوسرا ناتھ پنتھی۔ تیسرا وہ جو کسی بھی پنتھ سے منسلک نہ تھا۔ اس تقسیم نے بھی کئی مسائل پیدا کئے۔ آپسی اختلافات رہتے، رام جی ایک باصلاحیت بااثر اور انگریزی سے اچھی طرح واقفیت کی وجہ سے مختلف گروہوں کے درمیان ثالثی کرتے۔ مختلف فریق انکی باتوں کو تسلیم بھی کرتے۔ مگر مختلف عوامل نے انکے خلاف ایک گروپ کا تیار کیا۔ انہوں نے اپنے مکان کی تعمیر کیلئے جس کھلی جگہ کا انتخاب کیا تھا قریب میں ایک ریٹائرڈ صوبہ دار کبیر پنتھی ہونے کے علاوہ بہت مغرور تھا اور کافی دولت مند بھی تھا۔ مختلف بہانوں سے رام جی کے خاندان کے افراد سے جھگڑا کرتا، وہ گروہ جو رام جی کا مخالف تھا اس نے اس مغرور و شرارتی صوبہ دار میجر سے ہاتھ ملا کر طے شدہ کھلی جگہ پر رام جی کے مجوزہ مکان کی تعمیر کی مخالفت کی اور معاملہ تحصیلدار اور ضلع کلکٹر تک پہونچا۔ اسی دوران رام جی کو بیوی بھیما بائی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوئی جسکی وجہ سے اسکے سر میں شدید درد رہتا۔ جس کی وجہ سے پورا خاندان پریشان ہوتا۔ ان تمام مصائب سے پریشان رام جی نے بچوں کی تعلیم کی خاطر کیمپ داپولی چھوڑ کر ممبئی جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ماہانہ 50 روپے کی قلیل پنشن میں یہ ممکن نہ تھا۔ اس لئے کسی مناسب ملازمت کیلئے انگریز آفیسروں سے انہوں نے خط و کتابت کی۔ نتیجہ میں ایک

انگریز آفیسر کی کوشش سے ساتارہ (مہاراشٹر) میں محکمہ تعمیرات (پی۔ڈبلیو۔ڈی) میں اسٹور کیپر کی ملازمت مل گئی۔ اسلئے 1896ء میں کیمپ داپولی سے ساتارہ چلے گئے۔ اور وہاں 'مہارواڑے' کے قریب جھونپڑی نما مکان تیار کر کے رہنے لگے۔ بعد میں انہوں نے ایک بنگلہ کرایہ پر لیا۔ آس پاس میں کوکن علاقہ کے وہ 'مہار' جو فوج کی ملازمت سے پنشن یافتہ تھے۔ مع خاندان کے رہا کرتے تھے۔ آس پاس کے علاقہ کے بچے قریب کے ایک 'بڑ' کے درخت کے نیچے کھیلا کرتے اور ان بچوں میں 6,7 سال کا 'بھیوا' بھی شامل رہتا۔ جو بہت ہی شرارتی تھا۔ اسکی شرارتوں میں دوسرے بچوں سے جھگڑا کرنا۔ پڑوسیوں کے مکانوں کی چھتوں پر کودنا وغیرہ شامل تھے۔ 'بھیوا' کی شرارتوں کی وجہ سے کسی نہ کسی سے والدین کو جھگڑنا پڑتا۔ 'بھیوا' کو گھر والوں سے مار بھی کھانی پڑتی۔ اس کی پھوپھی میرا بائی (جسمانی طور پر معذور مالو جی کی لڑکی جس کی شادی نہیں ہوئی تھی) اس بچے پر بہت مہربان تھی وہ ہمیشہ اس کی طرف داری کرتی اسے اپنے پاس پناہ دیتی۔ باپ کا اتنا لاڈ تھا کہ 7 سال کا ہونے تک بھیوا اپنے باپ کے جسم پر سوتا۔

ساتارہ میں رام جی نے اپنے آپ کو کبیر پنتھی فرقہ سے منسلک کر دیا۔ گھر کے افراد کو بہت سارے رسومات ادا کرنے پڑتے۔ خود بھی ڈسپلن کے سخت پابند تھے۔ ایک جگہ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر اپنے ابتدائی حالات کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "ہمارا گھرانا اگرچہ غریب تھا لیکن مکان میں پورا ماحول کسی بھی پڑھے لکھے ترقی یافتہ گھرانے سے کم نہ تھا۔ مکان میں تعلیمی ماحول پیدا ہوا ہمارے کردار سازی میں والد کا بہت دخل تھا۔ اجتماعی طور پر کھانا کھانے سے قبل وہ ہمیں 'دیو گھر' میں لے جا کر بھجن کرتے ہم سے 'دوہے' ابھنگ کہلواتے، مگر میں خود یہ ابھنگ نہ پڑھتا منہ میں کچھ بڑبڑ کرتا اور کھانے بیٹھ جاتا۔"

1896ء میں جب رام جی کا خاندان داپولی سے ساتارہ منتقل ہوا اسی وقت رام جی نے ساتارہ میں آنند راؤ اور 'بھیوا' کو کیمپ اسکول میں نومبر 1896ء کو داخل کر دیا۔ رام جی نے اپنے بچے 'بھیوا' کو اپنے ہاتھوں نہلایا نئے کپڑے پہنائے اور 'بھیوا' سے گنپتی اور دیوی سرسوتی کی پوجا کروائی اور اسکول لے جا کر تمام ضابطہ کی تکمیل کی یہ بچہ شروع سے ہی اس نئے اسکول میں

ذہانت ،شرارت ،اپنی شکل وصورت سے بہت جلد اساتذہ کا ہر دلعزیز ہوگیا۔ رام جی کے گھرانہ کا رہن سہن برہمن گھرانوں جیسا تھا۔صاف ستھرے کپڑے سر پر مخمل کی ٹوپی اور بھیم راؤ کا خاندانی نام (Surname) سنکپال (Sankpal) تھا۔ مہاراشٹر میں خاندانی نام رکھنے کا ایک اور طریقہ ہوتا ہے۔ کوئی خاندان جس قصبہ یا گاؤں سے تعلق رکھتا ہو۔ اس قصبہ کے نام سے لفظ ※ کر جوڑ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی پونے کا باشندہ ہو تو وہ پونے کر (Punekar) بن جاتا ہے۔ اور اس خاندان یا شخص کی پہچان بن جاتی ہے۔ مہاراشٹر کے کئی مسلمان گھرانوں میں بھی یہ طریقہ رائج ہے۔ ابتدائی سطور میں ہی ذکر ہو چکا ہے کہ بھیم راؤ کے دادا مالو جی کا خاندانی نام 'سنکپال' تھا۔ مگر چونکہ یہ خاندان اصل میں موضع انباواڑے (Amba wade) سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لیے اس خاندان کے لوگ اپنے نام کے ساتھ" انباواڑے کر" (Ambawadekar) بھی لکھتے۔ بھیم راؤ انباواڑیکر سے 'امبیڈکر' کیسے ہوئے اس کی بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ کمسن بھیوا ابتدائی دور میں ساتارہ کے جس اسکول میں جایا کرتا وہاں ایک برہمن ٹیچر تھا جس کا خاندانی نام (Surname) امبیڈکر تھا۔ برہمن ٹیچر کمسن بھیوا سے بہت محبت کرتا ، دوپہر کی کھانے کی چھٹی میں بھیوا کو اپنے گھر جانا پڑتا جو بہت دور تھا۔ امبیڈکر ماسٹر کو یہ پسند نہ تھا اس لئے خود کے ٹفن باکس (توشہ کے ڈبے) سے روز آنہ کچھ روٹی کچھ پھل بھیوا کو دیتا۔ بھیوا کے ہاتھ چھوئے بغیر اوپر سے یہ چیزیں بھیوا کے ہاتھوں میں ڈالتا ماسٹر برہمن ہونے کی وجہ سے بھیوا کو چھوتا نہیں تھا۔ اپنی آئندہ کی زندگی میں بھیم راؤ امبیڈکر اپنے ٹیچر کے اس رویہ اور مہربانی کو فراموش نہ کر سکے۔ جب بھی وہ اپنے اس ٹیچر کو یاد کرتے ان واقعات کو یاد کرتے تو انکا گلہ بھر جاتا آنکھوں میں آنسو آتے۔ ایک دن امبیڈکر ماسٹر نے بھیوا سے کہا کہ اس کا خاندانی نام امباواڑے کر کچھ بے تکا ہے کہا کہ" اس کے نام سے اچھا تو میرا نام امبیڈکر زیادہ مناسب ہے۔ اسلئے تم بھی میرا نام امبیڈکر ہی اپنالو" یہ کہہ کر امبیڈکر لکھ دیا اس طرح بھیوا ※ 'امباواڑے کر" سے بھیوا امبیڈکر ہوگیا۔ پھر انہوں نے اسی نام یعنی بھیم راؤ امبیڈکر کے نام سے شہرت پائی۔ 7-11-1900 کو ساتارہ ہائی اسکول میں انہیں بھیوا رام جی امبیڈکر کے نام سے داخل کر دیا گیا۔ 3-1-1908 کو ممبئی الفنسٹن

کالج(Eliphinston) میں بھیوارا ؤ رام جی امبیڈ کر کے نام سے شریک کیا گیا۔ مگر 1912ء میں کالج کے ریکارڈ میں جب بی۔اے کی کلاس میں تھے اس وقت ان کا نام بھیم راؤ رام جی امبیڈ کر تھا۔

رام جی نے بھیم کو ساتارہ کے اسکول میں شریک کرنے کے بعد کچھ ہی دنوں میں ساتارہ کے کچھ علاقوں میں قحط پڑا۔ اس لئے رام جی کو ان علاقوں میں ریلیف کے کام کے سلسلے میں بھیج دیا گیا۔ ان کے ذمہ مزدوروں کی تنخواہ تقسیم کرنا تھا۔ اس کام کیلئے وہ واحد شخص تھے۔ رام جی کی بیوی یعنی بھیم (بھیوا) کی والدہ بھیما بائی جو سر درد کی قدیم مریضہ تھیں پھر بیمار ہوگئیں۔ رام جی اپنی ملازمت کی طرف توجہ نہ دے سکے، مریضہ کی حالت ابتر ہوگئی، خط لکھ کر رام جی کو بلایا گیا۔ بھیما بائی نے تمام بچوں کو قریب بلایا اور چھوٹے بھیوا کے پشت پر ہاتھ رکھا سب پر حسرت کی نظر ڈال کر آخری سانس لی۔ صرف 6 سال کی عمر میں بھیوا اپنی ماں کی شفقت سے محروم ہوا۔ اب گھر میں بچوں کی دیکھ بھال اور دوسرے انتظامی امور کی طرف توجہ کرنے کیلئے کوئی نہ تھا۔ گھریلو مشکلات پر قابو پانے کیلئے بھی کوئی نہ تھا۔ اسلئے رام جی نے دوسری شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن میرا بائی اور دوسرے بچوں نے مخالفت کی خوف تھا کہ کئی مسائل پیدا ہونگے۔ لیکن رام جی کا ارادہ مصمم تھا۔ وہ ممبئی جا کر اپنے ایک قدیم ساتھی ریٹائرڈ جمعدار کی معمر بیوہ بہن جیجا بائی سے شادی کی اور بیوی کو ساتارہ لے آئے۔ رام جی نے جیجا بائی کو گورے گاؤں نامی مقام کو جہاں ان کی تعیناتی تھی لیکر چلے گئے۔

3 - ابتدائی تلخ تجربے

1898 میں ساتارہ ہائی اسکول کی انگریزی کی پہلی کلاس میں رام جی کے لڑکے آنندراؤ کو داخل کرایا گیا۔ 7 نومبر 1900ء کو بھیم راؤ کو انگریزی کی پہلی کلاس میں شریک کیا گیا۔ اس دور میں عام طور پر اسکول میں تمام اساتذہ برہمن ہوا کرتے۔ آنندراؤ اور بھیم راؤ دونوں کو 'مہار' کے لڑکے ہونے کی وجہ سے علیحدہ بٹھایا جاتا۔ جب تک فوجی چھاونیوں میں یہ بچے رہتے اس وقت انہیں یہ احساس بھی نہ ہوتا کہ وہ اچھوت ہیں وہاں کا ماحول الگ تھا لیکن اب اسکول میں وہ ماحول نہ تھا، ساتارہ کے ہائی اسکول میں انہیں آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا کہ وہ اچھوت ہیں۔ ان کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا وہ اور بچوں کے مقابلہ میں بالکل الگ ہوتا۔ کوئی نائی ان کے بال نہ بناتا اسلئے ان کی بہن گھر کے تمام بچوں کے بال خود ہی گھر میں بناتی۔

اس ضمن میں ایک اور تلخ تجربہ کا ذکر ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے اخبار 'جنتا' کے 23 مئی 1936ء کی اشاعت میں تفصیل سے کیا ہے جیسا کہ تذکرہ ہو چکا ہے بھیم راؤ کے والد رام جی کی تعیناتی قحط کے ریلیف کام کے سلسلے میں گورے گاؤں میں ہوئی تھی۔ بھیم راؤ، آنندراؤ اور ان دونوں کی بہن کی دو لڑکیوں کو رام جی نے خط کے ذریعہ گورے گاؤں بلوایا۔ گورے گاؤں

مسورنامی ریلوے اسٹیشن سے کافی دور تھا۔ ساتارہ سے گورے گاؤں جانے کیلئے ٹرین سے ساتارہ سے مسور کو جانا پڑتا۔ اور وہاں سے کافی دور گورے گاؤں یا تو بیل گاڑی سے یا پھر پیدل جانا پڑتا۔ چاروں بچوں نے گورے گاؤں جانے سے قبل ایک خط لکھ کر رام جی کو مطلع کیا کہ وہ فلاں فلاں ٹرین سے آرہے ہیں۔ اسلئے رام جی کو وقت مقررہ پر مسور اسٹیشن پر لینے کیلئے آنے کی تاکید کی۔ چاروں بچوں گورے گاؤں جانے کی خوشی میں اپنی ماں سے کہہ کر نئے کپڑے سلوائے اور طے شدہ دن بغیر کسی سرپرست کے ساتھ ٹرین سے مسور کیلئے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے وہ خط جو انہوں نے رام کو پہلے ہی لکھا تھا نہیں ملا، اس لئے جب یہ چاروں بچے مسور اسٹیشن پر اتر گئے تو دیکھا کہ انہیں لینے نہ تو بھیم راؤ کے والد رام جی آئے ہیں نہ ہی کسی اور شخص کو روانہ کیا ہے تمام مسافر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسٹیشن پر اسٹیشن ماسٹر کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے بچوں کے قریب آکر دریافت کیا کہ وہ کون ہیں؟ بچوں نے فوراً کہہ دیا کہ وہ مہاروں کے بچے ہیں۔ جواب سن کر اسٹیشن آفیسر اچنبھے میں پڑھ گیا اور کچھ قدم پیچھے ہٹ گیا چاروں بچے اچھے کپڑوں میں ملبوس پاک صاف حالت میں تھے۔ اسلئے اسٹیشن ماسٹر کو احساس ہوا کہ ضرور یہ کسی خوشحال مہار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلئے اس نے کوشش کی کہ کوئی بیل گاڑی کرایہ سے دلوا کر انہیں روانہ کیا جائے۔ لیکن شام کے 6,7 بجے تک کوئی بیل گاڑی والا محض اس لئے تیار نہیں ہوا کہ یہ 'مہاروں' کے بچے ہیں۔ آخر کار ایک گاڑی والا اس شرط پر تیار ہوا کہ وہ خود گاڑی نہیں ہانکے گا۔ بھیم راؤ بچپن سے اس قسم کے کاموں کیلئے تیار رہتا، کیونکہ وہ چھاونی میں دن گذارتا تھا۔ اس طرح یہ بچے گاڑی میں بیٹھ کر گورے گاؤں جانے لگے، راستے میں ایک نالا تھا، گاڑی والے نے بچوں سے کہا کہ یہیں توشہ کھالو آگے پانی نہیں ملے گا۔ پانی گندہ تھا۔ اس دوران گاڑی والا کہیں جا کر کھانا کھا کر آیا۔ اور خود پانی پی کر آیا۔ کافی رات ہو چکی تھی گاڑی بان گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اندھیری رات تھی کوئی فرد نظر نہیں آتا۔ تمام بچے روتے رہے آخر کار ایک ٹول ناکہ پر پہونچے۔ باقی رات یہاں گذار کر دوپہر ادھ مرے حالت میں گورے گاؤں پہونچے۔

حساس بھیم کو احساس ہونے لگا تھا کہ ہر جگہ ان سے اس قسم کا برتاؤ کیوں ہوتا ہے؟

اسکول کی کلاس میں بیٹھنے کیلئے الگ چٹائی کیوں دی جاتی ہے ۔بلکہ خود اپنی چٹائی ساتھ لے جانی پڑتی ہے ۔اسکول میں ان کے لئے علیحدہ پانی کا انتظام کیوں ہوتا ہے؟ ان کی ماں جب بازار جاتی ہے تو دور کھڑے ہو کر کپڑے پسند کرتی؟ دوکان دار دور سے ہی خریدی ہوئی چیزیں کیوں پھینک دیتا ہے؟ اساتذہ ان کی کتابوں اور بیاضوں کو کیوں نہیں چھوتے؟ پانی پینے کیلئے کیوں ہاتھ پھیلانے پڑتے اور دوسرے پانی اوپر سے ڈالتے ہیں ۔آہستہ آہستہ حساس بھیم نے محسوس کیا کہ وہ اچھوت ہے اسکا پورا خاندان اچھوت ہے ۔بھیم کے والد رام جی کی خواہش تھی کہ وہ دونوں لڑکے یعنی آنند راؤ اور بھیم راؤ سنسکرت پڑھیں ۔ پنڈت بن کر شہرت حاصل کریں ۔قابل بنیں لیکن ساتارہ کے اسکول کے برہمن ٹیچر نے 'مہار' کے بچوں کو سنسکرت پڑھانے سے انکار کر دیا کیونکہ سنسکرت وید کی زبان ہے اور اچھوت کو کسی صورت میں اس زبان کو نہیں سیکھنا چاہئے ۔ان باتوں کا احساس بھیم راؤ کو زندگی بھر رہا ۔لیکن بعد میں اپنی کوششوں سے سنسکرت پر اتنا عبور حاصل کیا کہ انہوں نے ہندو دھرم کی تمام اہم مذہبی کتابوں کو پڑھ کر زندگی بھر ان کتابوں پر تنقید کی ۔انہیں سنسکرت میں اور چاشنی نظر آئی کیونکہ سنسکرت میں ادب، ناٹک، ڈرامے لکھے گئے تھے ۔رامائن، مہابھارت جیسی رزمیہ نظمیں لکھیں گئی تھیں ۔سنسکرت میں بہت کچھ ہے لیکن برہمن ٹیچر کے انکار کی وجہ سے متبادل زبان فارسی اختیار کرنی پڑی ۔آئندہ اپنی زندگی میں 'نویوک' اخبار کے 3 اپریل 1947 کے شمارے میں وہ لکھتے ہیں کہ وہ فارسی اچھی طرح جانتے تھے مگر سنسکرت کے مقابل میں فارسی میں کچھ زیادہ خوبی نظر نہیں آئی ۔

بھیم کی حساس طبیعت نے ابتدائی زندگی میں گھر والوں کیلئے کئی مسائل پیدا کئے ۔اسکی سوتیلی ماں جیجا بائی جب بھی ان کی ماں بھیما بائی کے زیورات اور کپڑے پہنتی تو اسے غصہ آتا اور باپ سے اور جیجا بائی سے جھگڑا کرتا ۔جیجا بائی کے جسم سے اپنی ماں کے زیورات اتروا تا ۔اسے احساس ہونے لگا کہ وہ اب اپنے باپ پر انحصار نہیں کر سکتا ۔کم عمری میں دوسروں کے کھیتوں میں مزدوری سے کام کرتا، ساتارہ کے ریلوے اسٹیشن پر حمالی کیا کرتا ۔ساتارہ سے بہت سارے بچے ممبئی روزگار کیلئے جاتے بھیم کو خیال ہوا کہ وہ بھی ممبئی چلا جائے اچانک رام جی کی ملازمت ختم ہوئی ۔

دسمبر 1904 میں پورا خاندان ممبئی منتقل ہوگیا۔ نومبر 1904 میں بھیم کے بھائی آنند راؤ انگریزی پانچویں اور بھیم نے انگریزی چوتھی کا امتحان دیا اور دونوں کامیاب رہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر اپنے ایک تقریر میں اس ضمن میں بچپن کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ اپنے پھوپھی کے بازو میں سوتے ممبئی جانے کیلئے کرایہ کے پیسے کیلئے رات میں اپنی پھوپھی کی تھیلی اس وقت چرالی جب وہ سوئی ہوئی تھیں۔ مگر اس تھیلی میں صرف آدھا آنہ ملا اسلئے وہ اس وقت اپنے ارادہ میں ناکام ہوئے اور ممبئی جا نہ سکے۔

4 - بھیم راؤ ممبئی میں

رام جی کا پورا خاندان ممبئی کے علاقہ لور پریل کی ڈبک چال میں رہنے لگا آس پاس فوج سے ریٹائرڈ مہار ذات کے لوگ رہا کرتے تھے۔ آنند راؤ اور بھیم راؤ دونوں کو مراٹھی اسکول میں شریک کرایا گیا۔ رام جی اپنی قلیل پنشن کی وجہ سے دونوں بچوں کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہیں تھے۔ وہ خود کسی ملازمت کی تلاش میں تھے۔ بھیم جسمانی طور پر مضبوط باتونی شریر تھا کسی بھی کام کیلئے تیار رہتا۔ اسکول کی پڑھائی میں لاپرواہی کے باوجود اپنی حرکتوں کی وجہ سے اساتذہ میں مشہور تھا وہ تمام کی توجہ کا مرکز رہتا۔ برخلاف اس کے آنند راؤ کی جسمانی حالت ٹھیک نہ تھی۔ کلاس میں وہ ایک اوسط طالب علم تھا اسلئے رام جی نے اسے اسکول سے نکال کر رچرڈسن کروڈس اینڈ کمپنی میں ٹائم کیپر کی ملازمت پر رکھا۔ آنند راؤ اپنے بھائی سے محبت کرتے انہیں اپنی تنخواہ سے بھیم کیلئے نئے کپڑے لاتے اور چھوٹے بھائی کے کپڑے خود پہنتے۔

آنند راؤ کی ملازمت سے تھوڑی خوشحالی آنے پر اس دور کے مطابق رام جی کو دونوں بھائیوں کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ پہلے آنند راؤ کی شادی کر ڈالی اور پھر بھیم راؤ کیلئے لڑکی کی تلاش کرتے رہے۔ اس وقت بھیم انگریزی پانچویں کلاس میں زیر تعلیم تھا۔ اور عمر صرف 14 سال تھی۔ بھیم کیلئے یکے بعد دیگرے دو لڑکیوں کا انتخاب کیا گیا۔ مگر رام جی نے فیصلہ بدل کر تیسری لڑکی منتخب کی۔ لڑکی کے انتخاب کے بعد رشتہ طئے ہونے کے بعد فیصلہ بدل جانے پر ذات کی پنچایت لڑکے کے والد کو جرمانہ کرتی ہے۔ اسلئے دو لڑکیوں کا انتخاب کر کے فیصلے دینے پر رام جی کو دو مرتبہ جرمانہ دینا پڑا۔ تیسری لڑکی جس کا انتخاب ہوا وہ رمابائی تھیں۔ رمابائی کے والد کا نام بھکو ونلنگکر (Bhiku Velangkar) تھا۔ رمابائی کا اصلی نام (ماں باپ کے گھر میں) رامی بائی تھا۔ بھکو ونلنگکر ایک غریب مزدور تھے۔ انھیں تین لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا ان بچوں کی ماں 4 بچوں یعنی تین لڑکیوں اور ایک لڑکے کو چھوڑ کر انتقال کر گئی تھیں۔ بھکو سمندر سے مچھلیوں کے ٹوکرے اٹھا کر بازار میں لاتے اس شدت کی محنت کی وجہ سے سینہ کے درد کے مرض کے شکار ہو کر انتقال کر گئے۔ چاروں بچے کبھی اپنے چچا کبھی اپنے ماموں کے زیر نگرانی رہتے۔ بھیم سے رشتہ کے وقت رمابائی کی عمر 9 سے 10 سال تھی جبکہ بھیم کی عمر 14 سال تھی۔ اس دور میں بہت کم عمر میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کا طریقہ عروج پر تھا۔ شادی کی رسم ممبئی کے علاقہ بائیکلہ میں جہاں بازار لگتا وہاں ہوئی۔ کھلے چھپر کے یک کونے میں دولہے والے اور دوسرے کونے میں دلہن والے جمع ہوئے۔ پیروں کے نیچے گٹر کا پانی بہہ رہا تھا۔ شادی کی رسم کیلئے ایک چبوترہ کو استعمال کیا گیا۔ بازار لگنے سے پہلے مچھلی فروخت کرنے والی 'کولی' عورتوں کے جمع ہونے سے پہلے انتہائی خوشگوار ماحول میں شادی کی رسم ادا کی گئی۔ اور باراتی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ڈبک چال میں رہتے ہوئے نوجوان بھیم کو اپنی صلاحیتیں ابھارنے کا اچھا موقع ملا۔ آس پاس کی چال میں رہنے والے لڑکوں کے ساتھ ملکر بھیم نے ہاکی، فٹ بال، اور کرکٹ ٹیمیں تیار کیں۔ بھیم خود ہمیشہ ٹیم کا کپتان رہتا۔ آپس کی مار اماری اور جھگڑوں میں بھیم ہمیشہ مخالف پر حاوی رہتا۔ کبھی کبھی آپسی جھگڑے مختلف ذاتوں کے افراد میں تناؤ پیدا کرتے۔ کیونکہ یہ بات لڑکوں کے سرپرستوں تک

جاتی ۔ان تمام شرارتوں کے باوجود بھیم کو ہمیشہ مطالعہ کا شوق رہتا۔اسکول جانے کیلئے لوکل ٹرین کے کرایہ کیلئے جو پیسے دیئے جاتے ان کو بچا کر یہ نوجوان کتابیں خریدتا مطالعہ کرتا،اور دوسرے بچوں کو دیتا کہا کرتے کہ طالب علمی کے دور میں انہوں نے کبھی ٹکٹ نہیں خریدا۔

رام جی کی ہمیشہ خواہش رہتی کہ بھیم کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کرے ۔انکا اصرار تھا کہ پہلے اسکول کی تعلیم کو ترجیح دی جائے ۔دوسری کتابوں کا مطالعہ بعد میں کیا جائے ۔وہ خود بھی اسٹڈی کیلئے لے کر بیٹھتے رام جی مراٹھی،موڑی (مـــراٹھی کی ایک شکل)،انگریزی بہت خوبصورتی سے لکھتے ۔اسلئے وہ بھیم کو بھی خوش خط لکھنے کی تاکید کرتے ،اسکول کی پڑھائی میں لاپرواہی ہونے پر بھیم کی املی کے درخت کی چھڑی سے پٹائی کرتے ۔رام جی انگریزی کے دلدادہ تھے،وہ بھیم سے بھی یہی امید کرتے تھے ۔ان تمام کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ زندگی میں بھیم ایک اچھا خوش خط بن گیا۔ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر ہمیشہ یہ اعتراف کرتے کہ انگریزی پر جو انہیں عبور حاصل ہے اس کیلئے ان کے والد ذمہ دار ہیں کچھ حد تک مضمون ریاضی کے معاملہ بھی یہی رہا۔

بھیم کی شروع سے ہی ایک اور خواہش رہی اور وہ یہ کہ کتاب خود کی ملکیت ہو ۔اسلئے معاشی تنگی کے باوجود وہ اپنے والد سے جن کتابوں کی خواہش کرتا رام جی ضرور خرید کر لاتے اور بھیم کے ذوق کی تسکین کرتے ۔کتابیں خریدنے کا یہ ذوق بھیم کو زندگی بھر رہا13 اپریل 1937 کی ایک تحریر میں ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ بھی تذکرہ کیا ہے کہ ان دنوں ان کے والد کے پاس کتابیں خریدنے کیلئے پیسے نہ ہوتے تو وہ اپنی بہن کے زیورات گروی رکھ کر کتابیں خرید کر لاتے۔بھیم کی خواہش پوری کرتے ۔تنخواہ ملنے پر زیورات واپس لاتے ۔ باپ بیٹے کی ان مشترکہ کوششوں نے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو ایک عظیم علمی شخصیت بنائی ۔

ممبئی میں 'چرنی روڈ' کے علاقہ کا باغ کافی مشہور ہے ۔نوجوان بھیم جس وقت ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھا اس دوران اسکول کے اوقات کے بعد اس باغ میں بیٹھ کر گھنٹوں مطالعہ کرتا۔ اب عمر کے ساتھ طبعیت میں سنجیدگی بھی آنے لگی تھی ۔اسکول کے مضامین کی طرف توجہ ہوئی ۔ 1907ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ڈبک چال کے مہارذات کے لوگوں میں یہ خبر عام ہوئی

کہ ایک مہارا چھوت کالڑ کا میٹرک پاس ہوا ہے۔

ان دنوں یہ ایک اہم واقعہ تھا۔ ہر طرف خوشی کا اظہار ہوا۔ جنوری 1908ء میں ڈ بک چال میں ایک شامیانہ کھڑا کیا گیا آس پاس کے لوگ جمع ہوئے خوشیوں کا اظہار کیا کہ اور یہ کہا کہ اب اس لڑکے کو بی۔اے پاس کرنا چاہئے۔ مگر سوال پیدا ہوا کہ اخراجات کیسے برداشت کئے جائیں۔

نوجوان بھیم چرنی روڈ کے باغ میں جب کتابوں کا مطالعہ کرتے گھنٹوں بیٹھا رہتا اسی باغ میں کرشنا ارجن کیلوس کر (Krishna Arjun Keluskar) نامی ایک فرد جو ممبئی کے ولسن ہائی اسکول (Wilson High School) کے صدر مدرس تھے ہمیشہ آیا کرتے تھے وہ عالم تھے کتابوں کے مصنف تھے وہ بھی باغ میں ہمیشہ مطالعہ کرنے بیٹھ جاتے۔ مسلسل کئی دن تک ایک نوجوان کو مطالعہ میں منہمک پا کر انہوں نے اس نوجوان بھیم کے قریب جا کر پوچھ تاچھ کی۔ کچھ مشورے دینے کئی دنوں کی ملاقات سے اچھی خاصی جان پہچان ہوئی۔ جس دن بھیم کے میٹرک میں کامیابی کے لئے تہنیتی جلسہ منعقد ہوا تھا اس جلسہ میں کیلوسکر (Keluskar) بھی شریک رہے اور بھیم کو مبارکباد دی۔

میٹرک پاس ہونے کے بعد رام جی نے بھیم کو مزید تعلیم کیلئے کالج کی انٹرمیڈیٹ کلاس میں داخلہ دلوایا۔ ابتدائی اخراجات انھوں نے کسی طرح برداشت کئے۔ مگر آئندہ کالج کے تعلیمی اخراجات ان کے بس کے باہر تھے۔ میٹرک کے بعد خرابیٔ صحت کے باعث بھی ان کی تعلیم کا ایک سال ضائع ہوا تھا۔

کسی موقع پر بڑودہ کے رام جی سایاجی گائیکواڑ نے اعلان کیا تھا کہ اچھوت قوم کا کوئی لائق طالب علم اونچی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو وہ ان کی مدد کیلئے تیار ہیں۔ کیلوسکر کے ذہن میں یہ بات یاد تھی۔ اسلئے وہ اس نوجوان بھیم کو اچھے کپڑے پہنا کر سایاجی مہاراج کے پاس لے گئے اور ان کی توجہ اس اعلان کی طرف کرائی جس کے ذریعہ انہوں نے لائق اچھوت طالب علم کی مالی مدد کا وعدہ کیا تھا۔ سایاجی مہاراج نے بھیم سے کچھ سوالات کئے خاطر خواہ جوابات ملنے پر مہاراج نے فوری ماہانہ 25 روپیے تعلیمی وظیفہ مقرر کیا۔

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے مختلف موقعوں پر اور تحریری مضامین میں دوران تعلیم کے بہت سارے تجربات کا تذکرہ کیا ہے۔ کچھ خوشگوار تجربات کچھ تلخ تجربات، ابتدائی کلاس کے برہمن ٹیچر امبیڈکر جہاں بھیم راؤ سے شفقت سے پیش آتے۔ انہیں دوپہر کی چھٹی میں کچھ کھانے دیتے وہیں اس ٹیچر کی کلاس کی تعلیم سے بے پروائی کے بھی شاکی تھے۔ 1927ء میں جب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر لندن اور امریکہ کی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ ڈگریوں سے سرفراز ہوکر آئے تھے اور انہوں نے اپنی سماجی وسیاسی زندگی کے سفر کا آغاز کیا اس وقت ممبئی کے آفس میں امبیڈکر ماسٹر پہونچے اور اپنے سابق طالب علم کی غیر معمولی ترقی پر خوشی کا اظہار کیا ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے انتہائی خلوص ومحبت سے کھڑے ہوکر اپنے سابق استاد کا استقبال کیا جھک کر سلام کیا۔ انہیں نئے کپڑے سلوائے، امبیڈکر ٹیچر بھی اپنے شاگرد کی ایک اچھی لائبریری دیکھ کر متاثر ہوئے۔

انگریزی پانچویں کلاس کا ایک برہمن ٹیچر بھیم کو بار بار 'ارے بھیوا، تو ذات کا مہار ہے۔ تو تعلیم کیوں حاصل کرتا ہے۔'' یہ جملے کئی مرتبہ سننے کے بعد ایک مرتبہ بھیم نے اپنے اس برہمن ٹیچر کو ڈانٹ کر کہا '' گروجی اس قسم کے جملے آئندہ نہ کہے جائیں مجھ سے یہ کہنا کہ میں تعلیم کیوں حاصل کرتا ہوں یہ آپ کا کام نہیں ہے، اس کا نتیجہ ٹھیک نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ ریاضی کے ایک ٹیچر نے کلاس میں طلباء سے دریافت کیا کہ فلاں فلاں جومیٹری کی اشکال بلیک بورڈ پر بنا کر انکی تشریح کون کرسکتا ہے۔''؟ صرف بھیوا تیار ہوا۔ مگر جوں ہی بھیوا بلیک بورڈ کے قریب پہونچا تمام طلباء شور مچانے لگے۔ ٹیچر سے کہا کہ ان کے ٹفن باکس بورڈ کے پیچھے رکھے ہوئے ہیں بھیوا بورڈ تک پہونچ کر کچھ لکھے گا تو تمام کے ٹفن ناپاک ہوجائیں گے۔ ٹیچر کے کہنے پر تمام لڑکے اپنے اپنے ٹفن وہاں سے نکال لائے۔ ہائی اسکول میں انہیں فارسی پڑھانے خدا بخش بہرام جی ایرانی تھے۔ جو انھیں ہمیشہ 75 فی صد سے زائد مارکس دیتے اور بھیوا کی تعریف کرتے۔

الفینسٹن کالج میں داخلہ ملنے کے بعد ہر ماہ 25 روپیئے تعلیمی وظیفہ ملنے لگا۔ کالج میں جو فارسی کے ٹیچر تھے وہی کالج میں بھی فارسی پڑھانے لگے۔ انہوں نے اختیاری مضامین میں

انگریزی اور فارسی کا انتخاب کیا سنسکرت کی خواہش رکھتے ہوئے بھی ابتداء سے ہی محروم کر دیئے گئے تھے مجبوراً فارسی کا انتخاب کرنا پڑا۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی اگلی زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔تو یہ حیرت انگیز بات نظر آتی ہے کہ بی۔اے کی سطح تک فارسی پڑھنے کے باوجود انہوں نے اردو، فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا یا نہیں۔ انہیں اردو فارسی سے دلچسپی کیوں باقی نہیں رہی۔اس ضمن میں کوئی معلومات مہیا نہیں ہیں۔راقم الحروف کا خیال ہے کہ اردو فارسی سے رابطہ رہتا تو بہت ساری اردو کی کتابیں بھی پڑھتے۔اسلام سے اچھی طرح متعارف ہوتے۔اس کے برخلاف ایک بار وہ فارسی پر سنسکرت کو ترجیح دیتے ہیں۔بہر حال یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ بی۔اے میں فارسی کا اختیاری مضمون منتخب کرنے کے بعد انکی زندگی میں پھر اس مسئلہ میں کوئی تحریر یا تقریر نہیں ملتی۔

بی۔اے میں داخلہ کے بعد طبیعت میں بہت کچھ سنجیدگی آگئی تھی۔ناٹک و ڈرامہ لکھتے۔ان ڈراموں میں اداکار کی حیثیت سے کبھی کبھی کام بھی کرتے۔کالج کی تعلیم کے دوران رام جی نے اپنے لڑکے کی تعلیم کی طرف مزید توجہ دی۔کالج میں انکے انگریز اساتذہ بھی ان پر کافی مہربان تھے۔انہیں یہ اپنے کپڑے پہننے دیتے کتابیں دیتے مگر مشکلات کا سامنا تو ہر وقت تھا۔ کالج میں انہیں پانی پینے نہیں ملتا۔پانی جہاں رکھا جاتا، اچھوتوں کے لئے وہ حصہ ممنوع تھا۔کالج کی تعلیم کے دور میں درسی کتابوں سے زیادہ دوسری کتابیں زیر مطالعہ رہیں۔

ڈبک چال ترک کرکے اب وہ اور ان کا خاندان امپرومنٹ چال (Improvement Chawl) میں منتقل ہو گئے تھے۔اس 'چال' کے کمرہ نمبر 51,50 میں رہتے تھے۔کمرہ نمبر 51 باورچی خانہ تھا کہ جب کہ کمرہ نمبر 50 تمام افراد خاندان کی رہائش کے لئے مختص تھا اور اسی میں بھیم راؤ کو اسٹڈی کرنا پڑتی دیر رات بھیم جب امتحان کی تیاری کرتے تو رام جی تمام رات بھیم کے کمرے کے سامنے جاگتے رہتے اور پہرہ دیتے۔1912 میں انہوں نے بی۔اے کا امتحان تیسرے درجہ میں پاس کیا۔بھیم راؤ نے ابتدائی جماعتوں سے لیکر گریجویشن تک کسی امتحان میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی۔

15 اعلیٰ تعلیم کا حصول

بی۔اے پاس ہوتے ہی بھیم راؤ کے والد رام جی کی خواہش تھی کہ ان کا لڑکا علاقہ ممبئی میں کہیں ملازمت کرے۔ بھیم راؤ نے اپنے والد سے کہا کہ بڑودہ کے مہاراج نے چونکہ ان کی کالج کی تعلیم کے حصول میں مدد کی اسلئے وہ چاہتے تھے کہ بڑودہ کے مہاراج کے پاس ملازمت اختیار کریں اور ان کے احسانات کا بدلہ چکادیں۔ اس مسئلہ پر باپ اور بیٹے میں اختلاف ہوا۔ مگر بھیم راؤ بضد رہے اور مہاراج کے پاس ملازمت کیلئے عریضہ دیا جو منظور ہوا۔ بڑودہ پہونچنے پر محسوس کیا کہ بڑودہ کے مہاراج کے دفتر میں کوئی نظم نہ تھا۔ یہ کسی دن ایک ٹیبل پر کام کرتے تو دوسرے دن کوئی ذمہ داری دی جاتی جسے وہ بخوشی کرتے۔ فاضل وقت میں انکا مطالعہ جاری رہتا 9 سے 10 ماہ ملازمت کی مگر ممبئی سے تار آیا کہ ان کے والد صوبہ دار میجر (ریٹائرڈ) رام جی سخت بیمار ہیں۔ دربار سے ایک ہفتہ کی رخصت لیکر فوراً ممبئی کیلئے روانہ ہوئے۔ سورت اسٹیشن پر اپنے

والد کیلئے کچھ مٹھائی خریدنے ٹرین سے اترے اسی دوران ٹرین ممبئی کیلئے چل پڑی۔ دوسری ٹرین کافی وقفہ کے بعد تھی۔ اس دیری کی وجہ سے وہ دوسرے دن ممبئی پہونچے۔ انہتائی بیماری کی حالت میں رام جی نے اپنے لڑکے بھیم راؤ کو اچھی طرح دیکھا۔ والد نے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور انتقال کر گئے۔ 2/فروری 1913ء)

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر ہمیشہ ہی اس بات کا تذکرہ کرتے رہے کہ ان کے والد کی بیٹے کی تعلیم میں غیر معمولی دلچسپی لینا۔ ڈسپلن کی پابندی کے لیے ہمیشہ ہدایت کرنا۔ انگریزی کی اہمیت جتانا۔ انگریزی خوش خطی کی طرف توجہ دینا یہ ساری خصوصیات تھیں جس کی وجہ سے وہ کچھ غیر معمولی کام زندگی میں کر سکے۔ بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے مگر رام جی تعلیم کی اہمیت جانتے تھے اس طرح انہوں نے پچھلی صدی کی ایک عظیم شخصیت کی تشکیل میں کتنا اہم رول ادا کیا اس کی ایک زندہ مثال ہے اسی لئے تو بھیم راؤ امبیڈکر کی شخصیت کا جائزہ صوبہ دار میجر کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔

والد کے انتقال کے بعد بڑودہ کی ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی دوران بڑودہ کے راجہ سایاجی گائیکواڑ کے زیر غور ایک تجویز کچھ طلباء کو اعلیٰ تعلیم کے لئے روانہ کرنے کی تھی اس کی اطلاع بھیم راؤ کو ہوئی۔ سایاجی گائیکواڑ جب ممبئی آئے تو بھیم راؤ نے ان سے ملاقات کی۔ مہاراج کو معلوم تھا کہ بھیم راؤ کی انگریزی بہت اچھی ہے۔ اس سے وہ متاثر تھے۔ بھیم راؤ نے بڑودہ کے دوران قیام کی ساری مشکلات اور پریشانیوں کا تذکرہ کیا۔ مہاراج ساری باتیں سن کر خاموش ہوئے اور کہا کہ وہ بھیم راؤ کو امریکہ اعلیٰ تعلیم کے لیے روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ مہاراج کے ہدایت کے مطابق بھیم راؤ نے ایک عریضہ اس ضمن میں لکھ کر بڑودہ کے دربار میں روانہ کیا۔ 4 اکتوبر 1913ء کو ان کی درخواست منظور ہوئی اور کچھ شرائط عائد کی گئیں۔ ایک شرط یہ تھی کہ اسکالر شپ کی پوری رقم واپس کرنا پڑے گی۔ اور پوری رقم ادا (واپس) ہونے تک بڑودہ کے دربار میں ملازمت لازمی ہوگی۔

اس شرط کے ساتھ 15 جون 1913 سے 14 جون 1916ء تک کی مدت کیلئے اسکالر شپ منظور ہوئی۔ سفر اور ابتدائی اخراجات کے لئے پیشگی رقم لے کر بھیم راؤ جولائی کے دوسرے

ہفتہ میں نیویارک کیلئے ایس ۔ایس ۔انکونا نامی بحری جہاز سے روانہ کیا۔انھیں نیویارک کی مشہور کولمبیا(Clolumbia) یونیورسٹی میں داخلہ ملا تھا۔ 20 جولائی 1913ء کو نیویارک پہونچے اور پتہ لگاتے ہوئے ہارٹلے ہال پہونچے ۔ ہاسٹل میں ادھ پکی غذا۔اس میں گائے کے گوشت کا استعمال انھیں پسند نہ تھا۔اس لئے ایسے ہاسٹل کا انتخاب کیا جہاں بھارت کے طلباء مقیم ہیں یعنی کاسموپالیٹین کلب 564 ویسٹ 114 Street میں رہنے لگے ۔ یونیورسٹی میں گرمائی میقات شروع ہوچکی تھی ۔ یہ دیر سے پہونچے اسلئے سرمائی مبقات تک انہیں رکنا پڑا جو ستمبر میں شروع میں ہونے والی تھی ۔ یہ ساری تفصیلات انھوں نے اپنے ایک لیٹر مورخہ 4 اگست 1913ء میں تحریر کی ہیں جو ان کے والد کے دوست جمعدار کے نام لکھے تھے جمعدار بھی اپنے دوست کے لڑکے کی تعلیم میں دلچسپی رکھتے تھے ۔بحری جہاز کے روانگی کے وقت پہونچا نے بندرگاہ پر موجود تھے اور اشک بھرے آنسوؤں کے ساتھ انھیں روانہ کیا تھا۔

نیویارک کی زندگی میں وہ نئے تجربات سے دوچار ہوئے اپنے خود کے ملک میں ایک قسم کی گھٹن تھی ۔خود اپنے وطن میں اعلیٰ ذات کے ہندوان سے دور دور رہتے ۔ہمیشہ حقارت بھری نظروں کا شکار رہونا پڑتا۔اپنے دوستوں سے گھل مل کر کھیلنا بھی ممکن نہ تھا۔نیویارک کے آزاد ماحول کی بات ہی کچھ اور تھی ۔ہندی اور امریکی طلباء وہ طالبات سے آزاد فضاء میں بات چیت ہوتی ۔ان کے ساتھ ڈانس کرنا کھیلنا مختلف اسپورٹس میں حصہ لینے کا موقع ملتا۔اس آزاد ماحول نے ان کی سوچ وفکر پر اثر ڈالنا شروع کیا۔دونوں متضاد حالات اور ماحول کے فرق اور وجوہات پر گہرائی سے سوچنا شروع کیا۔ابتدائی دور میں وہ اپنی اسٹڈی کے بارے میں زیادہ سنجیدہ نہ تھے مگر جلد ہی انہیں احساس ہوا کہ وہ ایک بہت ہی اہم مشن پر آئے ہوئے ہیں ۔اور یہ کہ جو بھی مواقع فراہم ہوئے ہیں ان سے جلد از جلد اور اچھی طرح مستفید ہوا جائے ۔ادھر گھر میں بیوی کے اخراجات کی فکر لاحق تھی ۔

اسکالرشپ کی جو رقم ملتی اس میں انتہائی کفایت شعاری سے کام لیکر بیوی کے اخراجات کیلئے ممبئی روانہ کرتے ۔آہستہ آہستہ تفریحی مشاغل سے اپنے آپ کو دور کیا۔ممبئی یونیورسٹی میں بی ۔اے

کیلئے اختیاری مضامین انگریزی فارسی تھے مگر کولمبیا یونیورسٹی میں ان مضامین میں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے میں انہیں افادیت نظر نہیں آئی۔ اس لئے انہوں نے معاشیات، پولیٹیکل سائنس، سوشالوجی (سماجیات) اخلاقیات، انسانیات Anthropology جیسے علوم میں استعداد حاصل کرنا شروع کی۔ دیر رات گئے جاگتے علی الصبح جاگتے روزانہ 18 گھنٹے اسٹڈی کرتے۔ 1915ء میں قدیم بھارت میں تجارت (Ancient Indian Commerce) کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ 9 مئی 1916ء میں ایک سیمینار میں مقالہ پڑھا جس کا عنوان تھا (Castes in India, their Mechanism, Genisis and Development) یعنی ''بھارت میں ذاتیں، طریق کار اور توسیع'' اس مقالہ کے ذریعہ انہوں نے ثابت کیا کہ منو (منوسمرتی کا خالق) سے قبل بھی بھارت میں ذات پات کا نظام عملی طور پر موجود تھا۔ مگر منو نے اس کی تدوین کی اور یہ بھی بتلایا کہ وہ ایک شدت پسند شخص تھا۔ یہ مقالہ اتنا معیاری تھا کہ وہ ایک بااثر رسالہ Indian Antiqurey میں مئی 1917ء میں شائع ہوا۔ اور بعد میں وہ ایک کتاب کی شکل میں عوام کے سامنے آیا۔ اسی دوران وہ ایک اور مقالہ کی تیاری کر رہے تھے جسکا عنوان تھا National Divident of India A Historic & Analytical study کافی محنت سے اس مقالہ کی تکمیل کی۔ اور جون 1916ء میں یونیورسٹی کے سپرد کیا۔ اس مقالہ پر انہیں پی۔ایچ۔ڈی (Ph.D) ڈگری کا اہل قرار دیا گیا۔ مگر اس کا اعلان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یونیورسٹی کے قانون کے مطابق اس مقالہ کو ایک کتاب کی شکل میں شائع ہونا ضروری تھا۔ ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ اسکو شائع کریں۔ ان کی اس غیر معمولی کامیابی پر ان کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا گیا۔ اس مقالہ کو توسیعی شکل میں ۸ سال کے بعد لندن کے ایک ناشر نے Evaluation of Provincial Finance In Birtish India یعنی ''برطانوی ہند کی صوبائی مالیات کا تخمینہ'' کیعنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا۔ بھیم راؤ نے جب اس کتاب کو جب کولمبیا یونیورسٹی کے سامنے رکھا تو انہیں 8 جون 1927ء میں سرکاری طور پر PH.D کی ڈگری

دی ۔کتاب کاا یک نسخہ انہوں نے بڑودہ کے مہاراج سایاجی راؤ گائیکواڑ کے پاس روانہ کیا۔کولمبیا یونیورسٹی کے معاشیات کے پروفیسر سیلگ منProf. Seligman جنہوں نے انہیں معاشیات کا پہلا درس دیا تھا اس کتاب کا پیش لفظ لکھا۔ایم ۔اے ہونے کے بعد معاشیات کے کسی عنوان پر مقالہ لکھ کر پی ۔ایچ ۔ڈی کی ڈگری لینا چاہتے تھے ۔ 2 جون کو ایم ۔اے ہو گئے تھے ۔ اب Ph.D کیلئے Prof. Seligman کی رہنمائی میں مقالہ کی تیاری شروع کی ۔

پروفیسر سیلگ من(Seligman) کے بارے میں ایک جگہ وہ یوں رقم طرز ہیں ۔''میں بی ۔اے پاس کرنے تک میں ایک اوسط درجے کا طالب علم تھا۔کوئی تحقیقاتی کام کرونگا مجھے اس کی امید نہ تھی ،ذہنی طور پر کمزور تھا یا پڑھنے کا شوق نہیں تھا ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن تحقیق کرنے ایک خاص قسم کی سوچ ونظریہ کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی استاد کے ذریعہ ایک قسم کی رہنمائی ضروری ہوتی ہے ۔جو اب تک مجھے میسر نہیں ہوئی تھی صرف اتنی بات تھی اگر انسان میں ذہنی ارتقاء کی خوبی ہو بھی تو اسے ترقی دینا ضروری ہے ۔امریکہ جانے تک مجھ میں جو خوبیاں تھیں وہ پوشیدہ تھیں ۔انہیں بڑھاوا دینے کا کام پروفیسر سیلگ من (Seligman)اور دوسرے پروفیسروں نے کیا اس کا مجھے اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔ان پروفیسروں کی صحبت نے مجھ میں یہ احساس پیدا کیا کہ میں آزادانہ طور پر غور وفکر کر سکتا ہوں''اس طرح مجھ میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہوا۔اس طرح پروفیسر سیلگ من کی کوششوں نے بھیم راؤ امبیڈکر کو ایک عظیم شخصیت بنانے میں اہم رول ادا کیا۔

پیش لفظ میں سیلگ من(Seligman) نے اعتراف کیا کہ بھیم راؤ نے جس موضوع کو لیا ہے وہ معاشیات کے ماہرین کیلئے ایک اہم موضوع ہے،اور ان کے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے اس موضوع پر اتنی گہرائی سے تجزیاتی مطالعہ کیا ہو۔اس مقالہ کیلئے انھوں نے 1765ء سے 1914ء تک اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئیں پڑھ ڈالیں ۔ملک کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے اراکین کے لئے یہ مقالہ بہت مفید ثابت ہوا۔مستقبل میں ملک کی کرنسی سے متعلق ایک کمیشن ملک کا جائزہ لینے آیا تھا اور اس میں بھیم راؤ کو شہادت کیلئے طلب کیا گیا تو بھیم راؤ

امبیڈکر کو یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ کمیشن کے اراکین کے ہاتھوں میں انکا مقالہ کتابی شکل میں موجود تھا۔اس مقالہ میں بھیم راؤ نے برطانیہ کی نوکرشاہی، سامراجیت اور ہندوستان کے رجعت پسند حلقوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔انہوں نے اس مقالہ میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر ملک کا انتظامی ڈھانچہ مضبوط ہو ملک میں امن قائم ہوا تاہم عوام صرف انہیں نکات پر قانع نہیں رہ سکتے۔

امریکہ کے دوران قیام ملک کی جنگ آزادی کے رہنما لالہ لاجپت رائے سے تعلق پیدا ہوا وہ انہیں ملک کی سیاست میں لانا چاہتے تھے مگر بھیم راؤ امبیڈکر اس کے لیے تیار نہیں ہوئے کیونکہ بڑودہ سے ملنے والے اسکالرشپ کی شرائط کے مطابق تعلیم سے فراغت کے بعد ریاست بڑودہ کی ملازمت ضروری تھی۔دوران تعلیم انہیں دیوانگی کے حد تک مطالعہ کا شوق تھا۔انتہائی کفایت شعاری سے زندگی گزار کر تھوڑی بہت پس اندازی کی ہوئی جو رقم ان کے پاس ہوتی اس سے جو کتاب پسند آتی خرید لیتے اس طرح خود نیویارک میں ان کے پاس تقریباً 2000 کتابوں پر مشتمل ایک ذخیرہ تیار ہو گیا تھا۔

جولائی 1916ء میں نیویارک چھوڑنے سے قبل تمام کتابیں انہوں نے اپنے ایک دوست کے ذریعہ بھارت روانہ کیں مگر بہت ساری کتابیں ضائع ہو گئیں۔پہلی جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ملک میں آزادی کی تحریک بھی چل رہی تھی۔بڑودہ کے مہاراج نے انہیں لندن میں قانون اور معاشیات میں مزید اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے اسکالرشپ منظور کیا۔لندن پہونچتے ہی خفیہ ایجنسیوں نے انکی اچھی طرح تلاشی لی۔انہیں معلوم تھا وہ نیویارک میں کچھ ایسے افراد سے ملتے رہے جو ملک کی آزادی کی تحریک میں شریک ہیں۔لندن پہونچتے ہی قانونی تعلیم کے مشہور ادارے Gray's Inn میں اکتوبر 1916ء میں انہوں نے داخلہ لیا۔ساتھ ہی ساتھ پولیٹیکل سائنس اور معاشیات کی اعلیٰ تعلیم کیلئے انتہائی باوقار ادارے

(London School of Economics and Political Science)

''لندن اسکول آف اکنامکس اینڈ پالیٹیکل سائنس'' میں بھی داخلہ لیا۔معاشیات میں ان کی غیر معمولی صلاحیت اور قابلیت کے بناء پر انہیں ایک سال کی تعلیم سے مستثنیٰ کر دیا

گیااور معاشیات میں ایم ۔ایس ۔سی (M.Sc) کی ڈگری کی تعلیم کیلئے اجازت ملی ۔اسی دوران بڑودہ کے دربار دیوان کی حیثیت سے منو بھائی مہتہ نامی شخص کا تقرر ہوا۔اس نے اطلاع دی کی اسکالرشپ کی مدت ختم ہو چکی ہے اسلئے بھیم راؤ کو ملک بھارت واپس آنے کی تاکید کی گئی ۔بھیم راؤ پریشان ہوئے اور اپنے پروفیسر سیلگ من سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ پروفیسر سیلگ من کی سفارش کے ساتھ ایک درخواست دوبارہ بڑودہ کے دربار میں روانہ کی گئی ۔پھر بھی اسکالرشپ کی توسیع نہیں ہوئی ۔مگر جب تمام خط وکتابت وسفارشات مہاراج کے پاس پیش ہوئیں تو انہوں نے اسکالرشپ کی مدت ایک سال اور بڑھادی ۔اس طرح بھیم راؤ دنیا کے اعلیٰ ترین علمی اداروں میں اپنی اعلیٰ تعلیم کیلئے لندن پہونچ گئے ۔کولمبیا یونیورسٹی کے کئی ماہرین سے لندن یونیورسٹی کی بااثر علمی شخصیتوں کے نام سفارشی خطوط لائے ۔ پروفیسر Seligman نے مشہور ماہر معاشیات Edvin Web کے نام چھٹی لکھ کر بھیم راؤ کا خاص طور پر تعارف کرایا۔اور لکھا کہ کسی طرح لندن کے مختلف کتب خانوں میں انہیں کتابوں کے مطالعہ کی سہولتیں مہیا کرائی جائیں ۔

پروفیسر سیلگ من کی اسی سفارش کی بناء پر ایڈون ویب نے بھیم راؤ کے تعلق سے ایک چھٹی سر ابراہام Sir Abraham جو حکومت برطانیہ میں ہندوستانی امور کے وزرات کے انڈر سکریٹری تھے ۔ان کے نام اس سفارشی چھٹی کی بناء پر بھیم راؤ کو انڈیا آفس India Office کی لائبریری سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔ایم ۔ایس ۔سی (معاشیات) کی ڈگری کیلئے Provincial Decentralization of Indian Finance کے عنوان سے مقالہ تحریر کرنا شروع کیا۔مقالہ کی تحریر کیلئے لندن کے تین مشہور کتب خانے (ا) لندن اسکول آف اکنامکس کی لائبریری (۲) برٹش میوزیم اور (۳) انڈیا ہاؤس کی لائبریری میں موجود تمام کتابوں میں جو مواد معاشیات کے تعلق سے تھا اسکا گہرائی سے مطالعہ کیا ضروری نوٹس تیار کئے ۔نومبر سے Gray's Inn میں قانون کی ڈگری بار۔ایٹ لا کے لیے لیکچرس میں حاضر رہتے ۔صبح ۸ سے اسٹڈی کا سلسلہ شروع ہوتا وہ رات میں ا بجے تک اور کبھی کبھی ۳ بجے تک جاری رہتا۔ درمیان میں صرف دو گھنٹے کھانے اور کچھ آرام کیلئے مختص ہوتے ۔

اسکالرشپ کی مدت کی توسیع صرف ایک سال کیلئے ہوتی تھی۔مزید دوسال ضروری تھے اس کیلئے دی گئی درخواست بڑودہ کے مہاراج کے دربار کے لوگوں نے نامنظور کی۔اگر مزید دوسال کیلئے اسکالرشپ جاری رہتی تو وہ اطمینان سے مارایٹ لاء اور ڈی۔ایس۔سی (معاشیات) کا کورس مکمل کرتے اور ڈگریاں لے کر ہی واپس آتے۔مگر ان کی پریشانیوں کی انتہا نہ تھی۔انھیں کسی نہ کسی قسم کے بحران سے دوچار ہونا پڑتا۔لیکن ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے اپنے مصمم عزائم سے ان پریشان کن حالات کو مات دیتے۔ابتداء میں وہ ضرور پریشان رہے لندن میں اپنی تعلیم ادھوری ترک کر کے بھارت واپس آنا ناگزیر ہوگیا تھا۔انہوں نے لندن یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد سے درخواست کی کہ انہیں تعلیم مکمل کر کے اپنے مقالے پیش کرنے کیلئے مقررہ مدت میں توسیع کی اجازت دے۔اس رعایت کیلئے انکے پروفیسر کینن نے بھی یونیورسٹی سے سفارش کی۔ یونیورسٹی نے ان کی درخواست 19 جولائی 1917ء کو منظور کی۔اور انہیں اندرون چارسال اپنی تعلیم مکمل کرنے کی اجازت دی۔یہی سہولت قانونی تعلیم کے ادارے Gray's Inn نے بھی دی۔اب انہوں نے بھارت واپسی کی تیاری شروع کی۔ان دنوں دوسری عالمی جنگ شباب پر تھی۔جرمنی کی آبدوز کشتیاں برطانیہ کے بحری جہازوں کیلئے خطرہ بنی ہوئی تھیں۔بھیم راؤ نے اپنے سامان کا600روپئے کا بیما کرایا۔اور مال بردار جہاز سے سامان روانہ کیا اور خود مسافر بردار بحری جہاز سے لندن سے روانہ ہوئے اور 21اگست 1917 کو ممبئی پہونچے۔جس جہاز سے کتابیں اور سامان روانہ کیا تھا۔وہ مال بردار جہاز جرمن بحریہ کے حملوں میں ڈوب گیا انکا سامان اور دوتین سو کتابیں ضائع ہوگئیں۔

6 لندن سے واپسی کے بعد

بھیم راؤ کی لندن سے واپسی کے بعد پس ماندہ طبقات کی تنظیموں اور ان کے چاہنے والوں نے ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔مگر بھیم راؤ امبیڈکر نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔انہوں نے کہا کہ انہوں نے کوئی غیر معمولی کام نہیں کیا کسی بھی شخص کو یہ موقع ملتا تو وہ یہی کرتا۔درحقیقت یہ ان کی انکساری تھی اس مجوزہ جلسہ کے منتظمین کو انہوں نے مشورہ دیا کہ جلسہ پر خرچ ہونے والی رقم اچھوت طلباء کیلئے خرچ کی جائے۔آخر کار مجوزہ جلسہ کے منتظمین نے ان کے مکان پر جا کر مبارکباد دینے پر ہی اکتفا کیا۔بھیم راؤ امبیڈکر 1913ء میں امریکہ روانہ ہوئے تھے تو ان کی بیوی رمابائی حاملہ تھیں ان کے ایک لڑکا تولد ہوا تھا جس کا نام گنگادھر رکھا گیا تھا۔مگر ڈیڑھ سال کی عمر پا کر انتقال کر گیا۔اس سے قبل رمابائی کو ایک لڑکا یشونت پیدا ہوا تھا۔بھیم راؤ امبیڈکر ادھوری تعلیم چھوڑ کر واپس آنے کی وجہ سے وہ اکثر مغموم رہتے مگر اپنا درد چھپائے رکھا لندن سے واپس آنے کے بعد ان کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ حسب شرائط بڑودہ جا کر ملازمت اختیار کرتے۔

لندن سے روانہ ہونے سے قبل تھامس کک کمپنی کے پاس اپنے سامان کا بیما کرایا تھا۔ وہ جہاز جرمن حملوں کی وجہ سے غرق ہوگیا تھا۔ اسلئے اس کمپنی کی طرف سے چھ سو روپئے کا چیک ملا۔ اس رقم کا نصف اپنی بیوی کو دیکر نصف رقم لیکر اپنے بڑے بھائی کے ساتھ عازم بڑودہ ہوئے۔

بڑودہ پہونچنے کے بعد انہیں کئی مشکلات محض اچھوت ہونے کی وجہ سے درپیش آئیں۔ پہلے ایک شناسا پنڈت آتمارام کے پاس گئے اس نے ان کے رہنے اور کھانے کا انتظام ایک پارسی کے پاس کر دیا۔ جس کا نام جہانگیر جی دھن جی بھائی ہوٹل والا تھا۔ اسکے مکان میں 7 سے 8 کمرے خالی تھے۔ بڑودہ 3 سے 4 دن قیام کیلئے آتے انکا انتظام ہوٹل والا کرتا۔

بھیم راؤ امبیڈکر معاشیات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ بڑودہ کے راجہ آئندہ انہیں وزیر مالیات بنانے کی سوچ رہے تھے مگر اس سے قبل ٹریننگ ضروری تھی دربار کے مختلف محکموں سے وہاں کے کام سے واقف ہونا ضروری تھا۔ اسلئے انہیں الگ الگ نوعیت کے کام دیئے جانے لگے۔ یہ تمام کام محکمہ مال سے متعلق تھے۔ شروعات میں ماہانہ 125 روپئے تنخواہ دی جانے لگی۔ آہستہ آہستہ دربار کے مختلف اہلکاروں کا رویہ بدلنے لگا۔ انہیں یہ احساس ہونے لگا کہ ایک کم ذات، اچھوت کو آئندہ ریاست میں اونچا عہدہ دیا جانے والا ہے یہ ان کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ بھیم راؤ کے قریب آنے سے کتراتے اور متعلقہ فائل دور ہی سے ان کے ٹیبل پر پھینک دیتے۔ ان کی کوئی بات نہیں سنتے۔

دربار سے منسلک ایک کلب تھا جہاں آفس کے اوقات کے بعد تمام عہدہ دار جاتے، ٹینس، اور تاش کھیلتے۔ شام میں بھیم راؤ جب کلب میں جاتے ان کے ساتھ عجیب رویہ ہوتا۔ بلکہ ان سے کہا گیا کہ وہ ایک کونے میں بیٹھے رہیں اور یہ کہ ایک مسلمان چپراسی پانی چائے دے گا۔ کسی کھیل میں حصہ نہ لیں۔ کلب میں دو مسلمان آفیسرس بھی تھے ان کے ساتھ کھیلنے چائے وغیرہ پینے میں کسی کو اعتراض نہ تھا۔ بھیم راؤ نے ان شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مہاراج سے مل کر بھیم راؤ نے اپنی پریشانیوں کو سامنے رکھا۔ انہوں نے ہمدردی بھی دکھائی مگر کہا کہ مسئلہ حساس ہے وہ ضرور مدد کرینگے۔ مگر فی الوقت انہیں یہ تکالیف برداشت کرنی پڑیں گی۔ کیونکہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں

کے جذبات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

بھیم راؤ فاضل وقت میں لائبریری میں جا کر مطالعہ کرنے بیٹھ جاتے۔کئی مرتبہ شکایت کرنے کے باوجود بڑودہ کے حکمراں ان کے مسائل حل کرنے میں ناکام رہے۔بھیم راؤ نے امید چھوڑ دی۔وہ اکیلے گھومنے جایا کرتے ان سے بات کرنے والا کوئی نہ تھا۔کچھ دنوں کے بعد کچھ پارسیوں کو معلوم ہوا کہ ایک اچھوت کو ہوٹل والے نے اپنے پاس رکھا ہے انہوں نے جا کر بھیم راؤ امبیڈکر کو وہاں سے نکلوادیا۔بھیم راؤ امبیڈکر نے خود اپنے اخبار 'جنتا' کے 23 مئی 1936ء کے شمارے میں یہ ساری باتیں تحریر کی ہیں۔جب وہ جہانگیر جی ہوٹل والے پارسی کے لاج پر کمرہ کیلئے گئے تھے تو انہوں نے اپنا نام ایدل جی سہراب جی لکھوایا تھا اور اپنے آپ کو پارسی ظاہر کیا تھا۔ان کی شکل صورت رنگ سے ایک پارسی لگتے تھے۔اس لئے کمرہ تو آسانی سے مل گیا۔مگر جب حقیقت سامنے آئی تو 8،10 پارسی لڑکے لاٹھیاں لے کر جہانگیر جی کے لاج پر آئے اور نکل جانے کو کہا۔بھیم راؤ نے 8 گھنٹے کی مہلت مانگی جو دی گئی۔وہ مایوس ہو کر ایک باغ میں درخت کے نیچے بیٹھ کر بھوکے پیاسے روئے اور پھر کبھی بڑودہ نہ آنے کے عزم سے ممبئی واپس چلے آئے۔جس وقت یہ واقعہ ہوا اس وقت بڑودہ میں پلیگ کی بیماری پھیلی ہوئی تھی خود سیایاجی گائیکواڑ والی بڑودہ شہر چھوڑ کر جانے کی تیاری میں تھے۔اس لئے وہ بھی کچھ مدد نہ کر سکے۔

ممبئی واپس آنے کے بعد انکے قدیم محسن کیلوسکر کو ساری باتیں سمجھائیں۔کیلوسکر نے ایک لیٹر بڑودہ کے مہاراج کے نام لکھا اور بھیم راؤ کی ساری مشکلات بیان کیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔بڑودہ دربار کا دیوان منوبھائی نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔کیلوسکر نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔انہوں نے بڑودہ میں مقیم ایک کالج کے پروفیسر کیلوسکر سے کہا کہ وہ بھیم راؤ کو اپنے پاس رکھے۔بھیم راؤ کو پھر امید پیدا ہوئی کہ اب وہ بڑودہ کے دربار میں ملازمت کر سکیں گے۔کیلوسکر کی چٹھی لیکر بھیم راؤ دوبارہ بڑودہ پہونچے۔اسٹیشن پر پروفیسر گاڑی پہونچنے سے پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔بھیم راؤ امبیڈکر جوں ہی ٹرین سے اترے اس شخص نے انھیں اطلاع دی کہ پروفیسر کی بیوی اس بات کیلئے راضی نہیں

ہے۔اسلئے وہ اپنے پاس بھیم راؤ کو نہیں رکھ سکتے انہیں ایک مزید ذہنی صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔اب تو انہوں نے آخری فیصلہ کیا کہ وہ کسی صورت میں بڑودہ نہیں جائیں گے اس ارادہ کے ساتھ وہ ممبئی واپس ہوئے۔تھوڑے دنوں بعد ان کی سوتیلی ماں کا انتقال ہوا۔سوتیلی ماں کے ساتھ ان کے تعلقات کبھی بھی اچھے نہیں رہے۔

نومبر 1917ء میں بڑودہ سے واپس آنے کے بعد انھوں نے سوچا کہ برطانوی انڈیا میں ہی کہیں ملازمت تلاش کی جائے۔مگر کوئی مستقل ملازمت کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔کیونکر دوبارہ لندن جا کر تعلیم مکمل کرنا ضروری تھا اور اس کیلئے خطیر رقم کی بھی ضرورت تھی۔گھریلو اخراجات کا بھی مسئلہ تھا ان کا سب سے بڑا بھائی اپنی دوسری بیوی کے ساتھ علیحدہ رہتا تھا۔انے اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا تعلق بھی نہیں رکھا تھا۔رام جی بھی اس سے ناراض تھے۔دوسرے بھائی آنند راؤ سے بھیم راؤ کے اچھے تعلقات تھے اسکی حیثیت خاندان میں سرپرست کی تھی۔بھیم راؤ امبیڈکر کے غیاب میں وہ ممبئی میں رمابائی اور بچوں کا خیال رکھتا مگر اسکی بھی مالی حالت زیادہ مستحکم نہیں تھی۔نومبر 1917 میں آنند راؤ کا بھی انتقال ہوا اس کا ایک بچہ مکند نام کا تھا۔آنند راؤ کے انتقال کی وجہ سے ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں ذریعہ آمدنی کچھ نہ تھا۔

ملک کے مختلف حصوں میں ہندوسماج کے جس طبقہ کو اچھوت کہا جاتا تھا اور ان سے جو غیر انسانی سلوک ہوتا تھا۔اسکے خلاف کچھ نمائندہ شخصیتیں اور تنظیمیں حرکت میں آگئی تھیں۔اس ضمن میں مہاراشٹر کو نمایاں پوزیشن حاصل تھی۔19 مارچ1918 کو ممبئی میں اچھوت پن ختم یا بھارتی اسپرش نوارن پریشد منعقد ہوئی۔اس پریشد کی صدارت بڑودہ کے والی ریاست مہاراج سایاجی گائیکواڑ نے کی۔اس پریشد میں مہاراشٹر کی اور باہر کی نمایاں شخصیتیں مثلاً''وٹھل پٹیل''،بیرسٹر مکند راؤ جے کر،بپن چندر پال وغیرہ شریک رہے۔دوارکا کے شنکر اچاریہ،رابندر ناتھ ٹیگور،اور مہاتما گاندھی جیسی ممتاز شخصیتوں نے پریشد کی کامیابی کیلئے تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پیغامات روانہ کئے تھے۔اس پریشد کے اجلاس کے دوسرے دن بال گنگادھر تلک نے بھی اس میں

شرکت کی۔ ایک قرارداد پر بحث کرتے ہوئے تلک نے کہا" اچھوت پن کا مسئلہ سیاسی اور سماجی نقطۂ نظر سے جلد حل ہونا چاہیئے۔ برہمن، کشتریوں کو جو اختیارات حاصل ہیں وہی اختیارات شودروں بھی ملنا چاہیے۔لیکن شودر ویدک منتروں کو اپنی زبان سے ادا نہ کریں۔ اگر دیوتا بھی چھوت چھات پر عمل کریں تو میں دیوتا کو تسلیم نہیں کرونگا۔ برہمنوں نے یہ رواج شروع کیا ہے اس حقیقت سے میں انکار نہیں کرتا"۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ بال گنگا دھر تلک نے جہاں چھوت چھات کے مسئلہ پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا وہاں اچھوتوں کو ویدک کے منتر پڑھنے کے حق سے انکار کیا۔تمام سماجی رہنماؤں نے ایک مشترک اعلامیہ تیار کیا جن میں یہ اعتراف تھا کہ اس اعلامیہ پر دستخط کرنے والے اپنی روزمرہ کی زندگی میں چھوت چھات پر عمل نہیں کرینگے۔ بال گنگا دھر تلک نے اس اعلامیہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔تلک کے اس انکار سے اور اچھوتوں کو 'وید' کے منتر پڑھنے کے حق سے انکار نے مہاراشٹر کے سماجی حلقوں میں بہت ہی تنازعہ پیدا کیا۔ اس انکار نے آج بھی ان کی شخصیت کو دلتوں، اچھوتوں میں ناپسندیدہ بنا دیا۔ پھر چاہے ملکی سطح پر انکی خدمات کچھ بھی ہوں۔

ممبئی میں چلنے والی ان تحریکوں میں بھیم راؤ اپنی خانگی وجوہات کی وجہ سے حصہ نہ لے سکے۔ اونچی ذات والوں کی طرف سے چلائی جانے والی ان تحریکوں سے بھیم راؤ کو کوئی خاص امید نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنی صلاحیتوں اور اپنے بل بوتے پر اچھوتوں کو حقوق دلانے کیلئے جو معرکہ برپا کرنا پڑے گا اسکی قیادت وہ خود کریں گے۔ فی الوقت انہیں یہ فکر لاحق ہوئی تھی کہ وہ اپنا اور اپنے خاندان کا گزارا کیسے کریں وہ چاہتے تھے کہ ایسا پیشہ اختیار کریں جو انہیں مالی طور پر خود مختار بنائے اور پیشہ باوقار ہو۔ اس مقصد کیلئے وہ وکالت کے پیشہ کو ترجیح دیتے رہے۔ مگر اس کے لیے لندن میں تعلیم ادھوری چھوڑ کر آئے۔ بار۔ایٹ لاء کی ڈگری لینا ضروری تھا۔ اور لندن جا کر Grays Inn میں داخلہ لینا ضروری تھا۔ ابتداء میں انکے قدیم پارسی دوست نول متھینا Naval Mathena کی کوششوں سے دو طلباء کو ٹیوشن دینے کا موقع ملا۔ ٹیوشن دیتے ہوئے اسٹاک

مارکٹ میں شیئرز کی خرید وفروخت کے تعلق سے مشورہ دینے والی ایک کمپنی قائم کی۔ابتداء میں کاروبار اچھے تھے۔مگر جوں ہی عوام کو معلوم ہوا کہ یہ مشورہ ایک 'مہارذات سے تعلق رکھتا ہے لوگوں نے آنا بند کر دیا۔اور اسطرح سے کاروبار بند کرنا پڑا۔مگر فوراً ایک مالدار پارسی کے مالی کاروبار پرنظر رکھنے اور خط وکتابت کا کام ملا۔ان مالی مشکلات کے باوجود ان کا علمی سفر جاری رہا۔مشہور برطانوی فلاسفر بیرٹرانڈ رسل Bartrand Russell کی ایک کتاب ''سماج کی تعمیر نو کے اصول'' پر ایک تنقیدی مقالہ لکھا جو ایک باوقار مجلہ Journal of the Indian Economic Society میں شائع ہوا۔اس کے بعد ہی ان کے مضامین کا ایک اور مجموعہ Castes In India other Essays یعنی ''ہندوستان میں ذاتیں اور دوسرے مضامین '' کے عنوان سے شائع ہوا۔

ملک کی اراضی کی چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم سے زراعتی معیشت پر ہونے والے اثرات پر بھی اپنے خیالات کا اظہار ایک مضمون کی شکل میں کیا۔ممبئی کے ایک مشہور سڈنہام کالج Sydnham College میں معاشیات کے ایک لیکچرار کی ضرورت تھی۔صوبہ ممبئی کے سابق گورنر لارڈ سڈنہام کی کوششوں سے بھیم راؤ کا تقرر Political Economy (سیاسی معاشیات) کے لیکچرار کی حیثیت سے ہوا۔بھیم راؤ کا عین مقصد تھا کچھ رقم جمع کر کے دوبارہ لندن جائے۔اور ادھوری تعلیم کی تکمیل کریں۔کالج میں تقرر کے بعد جب وہ اپنی ملازمت پر رجوع ہوئے تو ابتداء میں ممبئی کی اونچی سوسائٹی اور اونچی ذات والے طلباء نے انہیں سنجیدگی سے نہیں لیا۔یہی احساس کہ ایک مہار نوجوان کیا پڑھائے گا۔لیکن بھیم راؤ کے پڑھانے کا طریقہ اور مضمون پر انکی مکمل گرفت تھی طلباء پر اثر ہونے لگا۔ایک خوش پوش وجیہہ نوجوان جس کی آنکھوں میں چمک تھی ان کی غیر معمولی ذہانت طلباء اور دوسرے اسٹاف کو ان کی طرف متوجہ کرنا شروع کیا۔مضمون کی باریکیوں کو جس منفرد انداز سے سمجھاتے اس سے طلباء متاثر ہوتے۔دوسرے کالج کے طلباء بھی ان کی اجازت سے ان کی کلاس میں حاضر رہنے لگے تھے۔اک کامیاب لیکچرر کی حیثیت سے انہیں

کامیابی ضرور ملی مگر اونچی ذات والوں سے انکی دل شکنی کسی نہ کسی شکل میں جاری تھی۔ کالج کے گجراتی اسٹاف نے ان کے پینے کے پانی کا الگ انتظام کر رکھا تھا۔

درس و تدریس ان کی زندگی کا مقصد نہ تھا۔ ان کا ذہن کسی اور طرف کام کر رہا تھا۔ اچھوتوں کے مسائل ان کی نظروں سے کبھی اوجھل نہ رہتے براہمنی نظام انہیں ہر قدم پر زبردست صدمات سے دو چار کر رہا تھا۔ ایک حساس دل لائے تھے۔ ان تلخ تجربات کو کیسے بھول پاتے۔ زندگی میں ہمیشہ کہتے کہ ان کے جیسا بیرون ملک امریکہ اور لندن کی اعلیٰ اداروں میں تعلیم پانے والے سے یہ سلوک ہوسکتا ہے تو ان ہزاروں دیہاتوں اور شہروں کے باہر رہنے والے اچھوتوں سے کیا برتاؤ ہوتا ہوگا۔ صرف تصور سے ہی انسان کا دل کانپ جاتا ہے۔ اچھوت طبقات کے افراد جیتے جی مردہ لاشیں تھیں۔ ان میں جان کیسی ڈالی جائے بار بار یہ سوالات ان کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے۔ اس کیلئے راہیں تلاش کر رہے تھے۔ اچھوت سماج کے ایسے سماجی ورکر جو انہیں خطوط پر سوچ رہے تھے ان سے ربط پیدا کرنے لگے۔ ایسے مواقع ڈھونڈ رہے تھے جن سے وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکیں۔

اس ضمن میں ایک مثال دی جاسکتی ہے۔ ممبئی میں رُوحی داس نامی ایک پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والے بالو باباجی پالون کر Balu Babaji Palwankar نامی ایک انتہائی نامور کرکٹ کا کھلاڑی اس دور میں گزر چکا ہے جو پ۔ بالو کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اسکا بھائی بھی کرکٹ کا اچھا کھلاڑی تھا۔ مگر محض اس وجہ سے کہ دونوں کا تعلق پسماندہ طبقہ سے ہے ان کی صلاحیتوں اور خدمات کا اعتراف نہیں کیا گیا۔ بھیم راؤ نے ان دونوں بھائیوں کے اعزاز میں ایک جلسہ استقبالیہ کا اہتمام کیا اور صدارتی خطبہ میں اچھوتوں سے ہونے والی ناانصافیوں غیر انسانی سلوک کی شکایت کی گئی۔ یہ خطبہ خود بھیم راؤ امبیڈکر نے لکھا تھا۔ پی۔ بالو کو ممبئی کے میونسپل کارپوریشن میں مناسب ملازمت دلانے میں کامیاب ہوئے۔ 11 نومبر اور 18 نومبر 1917ء کو اچھوتوں کے پریشد ممبئی میں منعقد ہوئے جہاں اچھوتوں کے حقوق کے تحفظ

ـکے بارے میں آوازیں اٹھائی گئیں۔
وہ دورا یک اوراہم تاریخ کیلئے مشہور ہے۔جنوبی مہاراشٹر میں ایک چھوٹی ریاست کولہاپور کی تھی۔اس ریاست کے والی شاہو مہاراج 18271922 تھے جو شیواجی راجہ کے خاندان سے تھے۔اگرچہ وہ مراٹھا قوم سے تعلق رکھتے تھے مگر دلتوں،اچھوتوں اور پسماندہ طبقات کی ترقی کیلئے انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورے ملک کی سماجی زندگی کا ایک روشن باب ہے۔دلتوں کے مسیحا کی حیثیت سے پورے ملک میں ان کے کارناموں کا چرچا ہورہا تھا۔نہ صرف دلتوں بلکہ مسلمانوں اور بہوجنوں کے لیے بھی انکی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔جب اپنی ریاست میں تخت نشین ہوئے تو پورے ریاست پر برہمن چھائے ہوئے تھے۔ اگرچہ حکمراں مراٹھا تھے مگر نیچے سے اوپر تک پوری ملازمتیں ان کے قبضے میں تھے۔1902ء میں ایک حکم کے ذریعہ 50 ملازمین غیر برہمن طبقات بشمول مسلمان کیلئے محفوظ کیں۔شاہو مہاراج ہی نے دلتوں اور پسماندہ طبقات کیلئے آج سے ایک صدی قبل ملازمتوں میں ریزرویشن کو قانونی تحفظ عطا کیا۔شاہو مہاراج نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کیلئے مسلمانوں کی ایک کمیٹی بنائی جس کے وہ خود صدر تھے۔مسلم بورڈنگ اور ہائی اسکول کیلئے شہر کے وسط میں ایک وسیع قیمتی جگہ الاٹ کی جو آج کروڑوں روپیوں کی ملکیت ہے۔کولہاپور اردو تعلیم کا مرکز بنا۔مراٹھی زبان میں قرآن کا ترجمہ کرنے پر ایک خطیر رقم کا عطیہ دیا۔مگر ان کی اچانک موت سے یہ کام نامکمل رہا۔ ضمنی طور پر یہ ذکر آگیا۔یہی شاہو مہاراج ہیں جنہوں نے ابھرتے ہوئے بھیم راؤ کو گلے لگا کر کہا تھا کہ اب میں بے فکر ہوگیا ہوں دلتوں کو ایک لائق رہنما مل گیا ہے۔
شاہو مہاراج کے مندرجہ بالا اقدامات سے نہ صرف کولہاپور بلکہ پورے مہاراشٹر کے برہمن آگ بگولہ ہوگئے۔زمین آسمان ایک کردیا۔ان کے خلاف مہم چلائی گئی۔انکی کردارکشی کی گئی۔ان کے خاندان کے افراد کے خلاف افواہیں پھیلائی گئیں اور سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ برہمنوں کی شاہو مہاراج کے خلاف چلائی جانے والی مہم کے سرخیل ملک کی آزادی کے رہنما

بال گنگا دھر تلک تھے۔شاہو مہاراج جیسے وسیع القلب، روشن خیال، بہوجنوں کے مسیحا انسانیت نواز، ایک والی ریاست کی صرف اسلئے مخالفت کی گئی کہ ان کے اقدامات کی وجہ سے برہمنوں کے مفادات پر ضرب پڑ رہی تھی۔تلک ایک تنگ نظر برہمن ہونے کی وجہ سے صرف برہمنوں کے ناجائز مفادات کا تحفظ چاہتے تھے۔تلک کی اس حرکت نے انہیں مراٹھوں اور بہوجنوں میں بہت متنازعہ شخصیت بنا دیا تھا۔

حکومت برطانیہ کے مانٹگیو چیمسفورڈ نے بھارت میں سیاسی اصلاحات کے سلسلے میں ایک کمیٹی روانہ کی۔اس ضمن میں ساؤتھ بروہ کمیٹی South Brough نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ مختلف گروہوں اور مذہبی گروہوں کی رائے جان لی جائے اس کیلئے لارڈ ساؤتھ بروہ نے شہادتیں قلمبند کی۔بھیم راؤ امبیڈکر نے محسوس کیا کہ اچھوتوں کی بھی نمائندگی ضروری ہے انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ اب اگر اچھوتوں کے مطالبات اور ان کا موقف ساؤتھ بروہ کمیٹی کے سامنے نہ رکھا جائے تو پھر یہ موقع دوبارہ نہیں آئیگا۔اسلئے 27 جنوری 1919ء کو اپنا تحریری مطالبہ کمیٹی کے سامنے رکھا۔

16 جنوری 1919ء کے ممبئی کے ٹائمز آف انڈیا اخبار میں ایک مراسلہ شائع ہوا جس میں لکھا ''جس طرح سوراج (آزادی) برہمنوں کا پیدائشی حق ہے۔اسی طرح یہ مہاروں کا بھی حق ہے۔'' سرکاری ملازم رہنے کے باوجود کچھ حدود میں رہ کر اپنی آواز اٹھاتے رہے۔

11 نومبر 1918ء سے 11 مارچ 1920ء تک سڈنہام کالج میں ملازمت کا دور رہا۔جس وقت انہوں نے ملازمت اختیار کی۔ان کی بیوی رما بائی کو بہت خوش ہوئی۔ان کی ہم عمر عورتیں جس طرح اپنے گھر سنسار میں مصروف تھیں اسی طرح چونکہ ان کے شوہر اچھی ملازمت پر فائز ہوئے ہیں اس لئے وہ اس امید پر تھیں کہ آئندہ سب ٹھیک چلے گا۔اب تک وہ تکلیف اٹھاتی رہیں۔وہ خاتون بہت صبر والی تھیں۔بھیم راؤ نے انہیں تھوڑا بہت پڑھایا تھا مگر جلد ہی انہوں نے محسوس کیا کہ ابھی ان کی زندگی میں استحکام نہیں آیا بھیم راؤ بہت کفایت شعاری سے زندگی گزار رہے ہیں۔تنخواہ سے بچت سے کر کے وہ لندن جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔انکی یہ خواہش کہ

اب بھیم راؤ ان کے ساتھ مستقل طور پر ممبئی میں رہیں گے، پوری نہیں ہونے والی نہیں۔ یہ حالات دیکھ کر کبھی کبھی وہ ناراض بھی ہو جاتیں۔ انہیں کیا معلوم کہ ان کے شوہر کی سوچ کس سمت میں ہے؟ کبھی کبھی کہتیں کہ ''450 روپے ملازمت کے بہت کافی ہے مزید تعلیم کی ضرورت نہیں''، کبھی دونوں کے تعلقات کشیدہ بھی ہو جاتے، رفتہ رفتہ رمابائی نے حالات سے سمجھوتا کیا انہیں یقین ہوا کہ وہ اپنے شوہر کو ملازمت ترک کر کے لندن جانے سے روک نہیں سکتی۔

لندن کی تعلیم اور مقالوں کی تیاری بھیم راؤ نے ممبئی میں اچھی طرح کی۔ رات رات بھر مطالعہ کرنا۔ نوٹس تیار کرنے کا کام جاری رہتا گھر کے اخراجات کیلئے وہ ماہانہ صرف 100 روپے اپنی بیوی کو دیتے حد سے زیادہ کفایت شعاری کی تاکید ہوئی۔ رمابائی نے اسکول کا کبھی منہ نہ دیکھا تھا مگر بھیم راؤ نے اپنی بیوی کو خط لکھنے پڑھنے کے لائق بنایا تھا۔ وہ اپنی بیوی کو پیار سے 'رامو' کہتے تھے۔

لندن جانے سے پہلے بھیم راؤ کو احساس ہوا کہ اچھوتوں کو اپنی تحریک کیلئے ایک اخبار کی سخت ضرورت ہے۔ کولھاپور ریاست کے والی شاہو مہاراج نے اس مقصد کیلئے ڈیڑھ ہزار روپے کی مالی مدد کی ان دنوں بھیم راؤ امبیڈکر کے بہت سارے دوست اور احباب 1919 ء میں شاہو مہاراج سے ملکر اخبار کی اہمیت جتائی اور مہاراج کے سامنے بھیم راؤ کا تعارف بھی کروایا۔ مہاراج بھیم راؤ کی صلاحیت اور اچھوتوں اور دلتوں کیلئے سب کچھ کرنے کے جذبہ سے اتنا متاثر ہوئے کہ وہ ڈبک چال جہاں بھیم راؤ امبیڈکر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مقیم تھے ملنے گئے۔ اس واقعہ سے بھیم راؤ بھی بہت متاثر ہوئے۔ والیان ریاست کی پوزیشن کے خلاف تھا کہ وہ ایک عام شہری سے خود اس کے مکان پر جا کر ملاقات کریں مگر ممبئی میں یہ تاریخی واقعہ ہوا۔ شاہو مہاراج نے بھیم راؤ امبیڈکر سے کہا کہ وہ رمابائی اور بچوں کو کولھاپور لے جا کر رکھنے کیلئے تیار ہیں۔ لیکن بھیم راؤ نے اپنی بیوی کے اخراجات کا اہتمام کر دیا تھا۔ اسلئے وہ اس بات سے راضی نہیں ہوئے کہ رمابائی کولھاپور جا کر رہیں۔

شاہو مہاراج کی مالی امداد کی وجہ سے بھیم راؤ امبیڈکر نے اپنا اخبار ''موک نائیک'' نکالنا شروع

کیا۔ 31 جنوری 1920ء کو پہلا شمارہ نکلا۔ پانڈورنگ بھٹکر Pandurang Bhatkar جو مہار ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ ایڈیٹر بنائے گئے۔ ان دنوں بال گنگادھر تلک کے اخبار 'کیسری' کی بہت دھوم تھی۔ نئے اخبار کی اجرائی کی خبر اپنے اخبار میں شائع کرینگے ایسی جو امید تھی وہ غلط ثابت ہوئی۔ صرف اتنا ہی نہیں تلک نے پیسے لیکر نئے اخبار کا اشتہار اپنے اخبار میں شائع کرنے سے انکار کیا اس حرکت سے تلک کی تنگ نظری کی عکاسی ہوتی ہے تلک بھلے ہی سیاسی میدان کے ایک شہسوار ہوں مگر سماجی اور مذہبی معاملہ میں وہ انتہائی تنگ نظر واقع ہوئے تھے برہمنوں کے مفادات کے سوا، وہ کسی چیز کو اہمیت نہ دیتے۔

'موک نائیک' کے پہلے شمارے سے ہی بھیم راؤ امبیڈکر نے جارحانہ انداز اختیار کیا اپنے ادارے میں ہندو سماج کی ساخت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔'' وہ مانگ، وہ برہمن، وہ ویشنوی، وہ مراٹھی، وہ مہار، وہ چمار، وہ کالیستھ۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ مختلف ذاتیں ہندو مذہب میں شامل ہیں۔ ایک مذہب کے تصور کے مقابلہ میں ذات کے تصور کی جڑیں کتنی گہرائی تک پہونچ جاتی ہیں اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یورپ کے باشندوں سے پوچھا جائے کہ وہ کون ہیں تو جواب ملے گا۔ انگلش، جرمن، فرنچ، اطالوی وغیرہ کہنے پر اطمینان ہو جاتا ہے۔ لیکن ہندوؤں کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے اسے اپنی ذات کیا ہے کہنا ضروری ہوتا ہے۔ یعنی اپنی مخصوص سوچ کی وجہ سے ہندو سماج کی نامساویانہ تقسیم کو قدم قدم پر سامنے لانا پڑتا ہے۔ ہندو سماج کی یہ تقسیم جتنی ناقابل مثال ہے اتنی ہی قابل مذمت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہندو سماج ایک مینارہ ہے اس میں پائی جانی والی ہر ایک ذات اس مینارہ کی ایک ایک منزل ہے۔ لیکن جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ اس مینارہ میں سیڑھی نہیں ہے۔ اسلئے ایک منزل سے دوسری منزل تک جانے کیلئے کوئی راستہ نہیں ہے۔ جس منزل میں جو پیدا ہوتا ہے۔ اسی منزل میں اسے مرنا پڑتا ہے۔ نچلی منزل میں مقیم چاہے کتنا ہی لائق و قابل ہو اسے اوپری منزل میں داخلہ نہیں۔ اور اوپری منزل والا چاہے کتنا ہی نالائق ہو اسے نچلی منزل میں بھیجنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ ('موک نائیک'

31 جنوری 1920ء) کالج کی ملازمت کے دوران بڑودہ دربار کے آفس کے لوگ دیوان وغیرہ بھیم راؤ کو ذہنی اذیت دینے کا کام برابر جاری رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے بھیم راؤ کو دی ہوئی رقم واپس کرنے کیلئے نوٹس بھیجی اور قانونی کاروائی کی دھمکی بھی دی۔ غالباً یہ سب کچھ مہاراج کے علم میں لائے بغیر ہوتا۔ مہاراج کو جب دربار کی کارستانیاں معلوم ہوئیں تو انہوں نے حکم صادر کیا کہ اسکالرشپ کی تمام رقم معاف کر دی گئی ہے تب کہیں جا کر یہ معاملہ ختم ہوا۔

بھیم راؤ لندن جانے کی تیاری میں لگ گئے۔ جون 1920ء سے تیاری شروع کی۔ سڈنہام کالج کی ملازمت سے جو تنخواہ ملی تھی اس رقم سے پس انداز کر کے کل 8500 روپے جمع کیے۔ جس کے 500 پونڈ ہوئے اور اپنے قدیم دوست نول سے 5000 روپیہ قرض لئے۔ کچھ رقم بیوی کو دے کر 5 جولائی 1920ء کو ایک بحری جہاز کے ذریعہ لندن روانہ ہوئے۔

7 - دوبارہ لندن میں

لندن کے پچھلے قیام سے بھیم راؤ نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ وہاں کی نئی زندگی اور خود کی کمزور مالی حالت کے پیش نظر انہوں نے ایک خانگی عمارت کا کمرہ کرایہ سے لیا۔ جہاں اور جیسے کفایت میں کھانے کا انتظام ہوسکتا کھالیا کرتے 30 ستمبر1920ء کو لندن اسکول اف اکنامکس اینڈ پالیٹیکل سائنس کے ایم ایس سی (معاشیات) کی کلاس میں 11 پونڈ 11 شلنگ فیس ادا کر کے داخلہ لیا اور قانون کی ڈگری کی تکمیل کیلئے Gray's Inn میں داخلہ لیا۔ ایم ایس سی کیلئے بہت کچھ تیاری ممبئی میں کر چکے تھے۔ مگر اس کے باوجود لندن یونیورسٹی کی جنرل لائبریری، گولڈ متھس لائبریری آف اکنامک لٹریچر (Gold Smiths Library of Economic Literature) برٹش میوزیم لائبریری انڈیا آفس لائبریری میں گھنٹوں بیٹھ کر معاشیات سے متعلق تمام کتابوں، قدیم رپورٹس کا مطالعہ کرتے نوٹس لیتے۔ اسطرح ان دونوں

امتحانات کی تیاری میں جٹ گئے ۔گھر کی مالکن جو کچھ ناشتہ دیتی جس میں عام طور پر ایک پاؤ تھوڑا سا اچار (یا کوئی مربہ) شامل ہوتا۔ 6 بجے جاگتے اولین وقت میں لائبریری پہونچ جاتے ۔انہیں اس بات کا احساس تھا کہ مالی حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ زیادہ عرصہ کیلئے لندن میں قیام کریں ۔انتہائی کفایت شعاری سے کام لینا ہے ۔کلب اور دوسرے تفریحی پروگراموں سے اپنے آپ کو بے تعلق رکھا جس لائبریری میں درکار کتاب کا پتہ چلتا میلوں پیدل جاتے ۔

سواری کیلئے کرایہ ادا کرنے کی بالکل گنجائش نہ رہتی ۔برٹش میوزیم کی لائبریری میں سب سے پہلے داخل ہوتے ۔جیب میں دو سینڈوچ رکھتے ۔دوپہر میں شکم سیر ہو کر کھانے کی گنجائش نہ ہوتی ۔دوران مطالعہ آہستہ سے جیب سے سینڈوچ نکال کر پانی سے کھالیتے ۔ایک مرتبہ لائبریری کے ملازم نے سینڈوچ کھاتے دیکھا اور لائبریری کے ضابطے کی طرف انگلی دکھا کر متوجہ کیا۔اس دن سے دوپہر میں سینڈوچ کھانا بند کر دیا۔اور شام تک بھوکے پیٹ اسٹڈی کرتے ۔لائبریری بند ہونے پر باہر نکلنے والوں میں یہ آخری شخص ہوتے ۔شام میں تھوڑی دیر چہل قدمی کر کے کھانا کھاتے ۔رات میں دو بسکٹ، ایک پیالہ دودھ لے کر مطالعہ میں مشغول ہوتے ۔رات دس بجے بھوک کا احساس ہونے پر پاپڑ بھون کر اور ایک دودھ کا پیالہ لیتے اور پھر سحر تک مطالعہ میں مشغول ہو جاتے ۔

اپنے مقالے لکھنے کیلئے جو کتابیں مہیا تھیں ان میں جو حوالے دیئے گئے تھے یا حواشی میں جن کتابوں کا تذکرہ ہوتا وہ کتابیں پڑھے بغیر مطمئن نہیں ہوتے ۔نایاب کتابیں حاصل کرنے لندن کی دوکانوں کے چکر لگاتے اپنے روز آنہ کے خرچ میں مزید کمی کرتے اور وہ کتابیں خریدتے ۔تمام بجٹ چوپٹ ہوتا۔صرف ایک مرتبہ کھانے کھاتے ،نئے جوتوں اور کپڑوں کی بات تو دور رہی ۔گھر سے خط آیا دونوں بچے بیمار ہیں علاج کیلئے پیسے نہیں ۔بھیم راؤ بہ مشکل 100 روپئے بیوی کو روانہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ نصیحت بھی کہ ہمت نہ ہارے ایک اچھے مستقبل کی امید بھی دلاتے ۔

لندن پہونچنے پر ابتدائی دنوں کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے ہر طالب علم کیلئے ضروری ہوتا

کہ طلباء کی یونین کے سامنے ایسا مضمون جو خود کے افکار اور خیالات پر مبنی ہو پڑھا جائے۔ بھیم راؤ کی باری آئی۔ انہوں نے جو مضمون لکھا اس کا عنوان تھا۔ Responsiblites of a Representative Govt in India. یعنی ''ہندوستان کی نمائندہ حکومت کی ذمہ داریاں
اس مضمون میں کچھ ایسے مسائل اٹھائے گئے جس سے تنازعہ پیدا ہوا اساتذہ اور طلباء میں دو گروپ بن گئے۔ ایک مخالف تو ایک موافق۔ پالیٹیکل سائنس کے نامور ماہر ہیرالڈ لاسکی نے مضمون پر اعتراض کرتے ہوئے کہا اس مضمون سے سیاسی انقلاب کے بیج بوئے جا رہے ہیں اس قسم کے موضوع پر بحث و مباحثہ، یونیورسٹی میں جو ماحول اس وقت ہے اس کے پیش نظر مناسب نہیں۔ اسلئے اس مضمون پر مزید بحث بند ہوگئی۔ کچھ لوگ بھیم راؤ کو انقلابیوں میں شمار کرنے لگے۔ تو کچھ کا خیال تھا کہ یہ روسی انقلاب کی تائید میں خیالات کی اشاعت کر رہے ہیں۔ بہت سارے اساتذہ اور طلباء نے ان سے ملنا ہی بند کر دیا۔ بھیم راؤ بھی اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے طلباء اور اساتذہ سے میل ملاپ بند کر کے اپنے مطالعہ میں منہمک ہو گئے۔

ان ساری پریشانیوں اور مصائب کا مقابلہ کرتے ایم۔ ایس۔ سی (معاشیات) اور ڈی ایس سی کے مقالوں کی تیاری میں مشغول رہتے ہوئے جون 1921 میں ایم ایس سی کیلئے اور 17 ماہ بعد اکتوبر 1922ء کو ڈی ایس سی .D.Sc کی ڈگری کے لئے مقالوں کی کامیابی سے تکمیل کر کے یونیورسٹی کے حوالہ کیا۔

اس کے فوراً بعد قانون کی ڈگری بار ایٹ لاء Bar At Law کی طرف متوجہ ہوئے۔ معاشیات سے فارغ ہو کر قانون کا مطالعہ کیا امتحان دیا اور بھیم راؤ سے بیرسٹر بھیم راؤ امبیڈکر بن گئے۔ D.Sc کا مقالہ یونیورسٹی کے حوالے کرنے کے بعد سات ماہ بعد ہی یونیورسٹی انہیں ڈگری عطا کرتی ہے۔ اس 6،7 ماہ کے وقفہ میں لندن میں قیام کی بجائے انہیں خیال ہوا کہ جرمن کی مشہور بان یونیورسٹی سے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی مزید ایک ڈگری حاصل کی جائے۔ علم حاصل کرنے کی بھوک انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ مئی 1922ء کو جرمنی پہونچ گئے اور ابتداء میں فرانسیسی اور جرمن زبانیں سیکھنا شروع کیں اور ساتھ ہی ساتھ مقالہ کی تیاری شروع کی۔ 7 ماہ گزرنے نہ پائے تھے کہ انکے مقالہ کے نگراں و رہبر پروفیسر ایڈون کینن نے لندن سے اطلاع

دی کہ ماہرین کی کمیٹی جو ان کے مقالہ کو منظوری دینے کیلئے مقرر ہوئی وہ اس مقالہ میں اخذ کئے ہوئے کچھ نتائج سے متفق نہیں ہے اس میں کچھ تبدیلیاں ضروری ہیں۔بھیم راؤ امبیڈکر اپنے عمیق مطالعہ ہزاروں رپورٹس، مختلف زاویوں سے اعداد کا تجزیہ کرنے بعد کے اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ معاشیات کے اصولوں کے پیش نظر برطانوی حکومت نے ہندوستانی سکہ کے بارے میں جو پالیسی بنائی ہے وہ نامناسب ہے درحقیقت ایک طریقہ سے دیکھا جائے تو برطانوی حکومت کے دور پر ایک تنقید تھی۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں مغلوں کے دور سے جائزہ لیا۔ایسٹ انڈیا کمپنی اور پھر برطانوی حکومت کی سکوں کے چلن کے پالیسی کو سامنے رکھ کر ہندوستانی سکہ کے استحکام پر روشنی ڈالی اور اس سے ہندوستان کی تجارت صنعت اور عوام پر مالی، مضر اثرات ہوئے ان کو بھی سامنے رکھا۔ان کے اخذ کردہ نتائج حیرت کن تھے۔مگر انھوں نے برطانوی حکومت کو جو مشورے دیئے اور جو سخت تنقید کی تھی اس کی وجہ سے ماہرین کی کمیٹی کے اراکین ناراض تھے۔اس لئے پروفیسر کینن نے مشورہ دیا کہ تنقید کی شدت میں کمی کی جائے اور اپنے مقالہ میں مالی مسائل کے تعلق سے برطانوی حکومت کو جو مشورے دیئے ہیں ان کا انداز تھوڑا بدل دیا جائے۔مگر بھیم راؤ امبیڈکر بضد تھے انہوں نے اُلٹ کر سوال کیا کہ ان کے اخذ کئے ہوئے نتائج معاشیات کے ٹھوس اصولوں کی بنیاد پر ہیں، اور یہ کہ اعتراض کیوں غلط ہیں ان کی نشاندہی کی جائے۔مقالہ میں بنیادی تبدیلی کرنے سے انکار کر دیا۔بھلے ڈگری نہ ملے انہوں نے کمیٹی سے کہا کہ اگر انہیں ڈگری عطا نہ بھی کی جائے تو ہندوستان جا کر خود مقالہ شائع کریں گے۔ماہرین کی کمیٹی اور بھیم راؤ میں جو ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوئی اسے دور کرنے انکے مقالہ کے رہبر پروفیسر ایڈون Pro. Edwin نے درمیانی راستہ نکالا۔اس کے مواد کو اور اس کے پیش کرنے کے انداز کو تھوڑا بدل دیا جائے اس سے قبل جب طلباء کی یونین کے سامنے اپنا ایک مقالہ بعنوان Responsiblities of Representative Govt In India. پڑھا تھا تو اسی وقت کچھ تنازعہ پیدا ہوتا تھا۔ یونیورسٹی کے حکام کو اس میں انقلاب کے بیج نظر آئے۔ان کے علاوہ انٹلی جینس ایجنسیوں کے ذریعہ برطانوی حکومت کو معلوم ہو چکا تھا کہ امریکہ میں بھیم راؤ لالہ لاجپت رائے سے ملتے رہتے تھے۔اس پس منظر میں ہی ان کے مقالہ کو دیکھا جانے لگا۔برطانوی حکام کو یقین ہو چکا تھا کہ بھیم راؤ

کسی انقلابی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

پروفیسر کینن Prof. Edwin Canon کے مشورے پر D.Sc کے مقالہ کے بنیادی نکات کو قائم رکھتے ہوئے مقالہ کو دوسرے انداز سے ترتیب دینے کی تیاری شروع کی۔ پورے مقالہ دوسرے انداز سے ترتیب دینے کیلئے ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ ممبئی میں بیوی بچوں اور خاندان کے دوسرے افراد کے اخراجات کا معاملہ سنگین بنتا جارہا تھا۔ کتابوں کی خریداری اور دوسرے اخراجات کی وجہ سے تمام رقم ختم ہوچکی تھی۔ اس لئے انتہائی پریشانی اور نامرادی کی حالت میں واپس ہونے کی تیاری شروع کی۔ 6 مئی 1922ء کو ان کے مشفق دوست اور خیر خواہ شاہو مہاراج اچانک انتقال کر گئے اس حقیقت کی خبر انہیں لندن میں شائع ہونے والے اخبار وں سے ملی۔ بہت رنجیدہ ہوئے شاہو مہاراج کے لڑکے راجہ رام مہاراج کے نام 10 مئی 1922ء کو ایک تعزیتی خط لکھا اور لکھا کہ "اچھوتوں نے ایک خیر خواہ کھودیا۔"

بھارت کو واپسی کیلئے بحری جہاز کا کرایہ ادا کرنے کیلئے ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے راجہ رام مہاراج کو کچھ رقم روانہ کرنے کیلئے خط لکھا پیسے آئے مگر اتنے نہیں تھے کہ معہ اپنے سامان ممبئی تک بحری جہاز سے سفر کرسکیں۔ انھوں نے پتہ چلانا شروع کیا کہ کم سے کم اخراجات میں اور کس جہاز سے سفر کیا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ لیور پول Liverpool کی بندرگاہ سے کولمبو (سری لنکا) تک اگر مال بردار جہاز سے سفر کیا جائے تو بہت کم کرایہ ادا کرنا پڑے گا۔ پھر کولمبو سے مدراس سے ممبئی بذریعہ ٹرین پہونچنا آسان ہوجاتا ہے۔ اس طرح مال بردار جہاز سے لیور پول بندرگاہ سے سفر کا آغاز کیا۔ انہیں رہنے کیلئے جو کمرہ ملا اس سے متصل سور، بطخ، دوسرے جانور اور پرندے رکھے گئے تھے۔ ان کے ساتھ غیر سائشتہ نیگرو، چینی، ہندی، عرب اور مختلف مما لک کے مزدور تھے۔ پورے سفر میں یہ لوگ شراب نوشی گانے بجانے اور کھیلوں میں مشغول رہتے۔ کمرے میں سخت گرمی تھی۔ ماحول اتنا پریشان تھا کہ بھیم راؤ کو حسب عادت مطالعہ کرنا غور وفکر کرنا کچھ سوچنا سب ناممکن ہوگیا۔

دوران سفر ٹھنڈا پانی پینے کیلئے بھی پیسے خرچ کرنے سے مجبور تھے۔ کولمبو بندرگاہ سے کسی

طرح مدراس پہونچ گئے اور مدراس سے بزریعہ ٹرین بتاریخ 3/اپریل 1923 کو بوقت سحر دادر اسٹیشن ممبئی اتر کر ملک کا مستقبل کا یہ عظیم مفکر پیدل چل کر پوے باوڑی اپنے کمرے کے سامنے پہونچ کر یشونت اور مکند کو آواز دیتا ہے۔ بیوی دروازہ کھولتی ہے منہ سے صرف "صاحب" کا لفظ نکلتا ہے۔ نمناک آنکھیں اور چہرہ 'صاحب' کے جوتوں پر رکھ کر رمابائی آنسو بہاتی ہے۔

دلتوں، اچھوتوں میں آگ کی طرح خبر پھیل گئی لوگوں کے جھنڈ کے جھنڈ کمرے کے سامنے جمع ہونے لگے۔ چاہنے والے جی بھر کے اپنے مستقبل کے قائد اور مسیحا کو دیکھنے لگے۔ مستقبل کے پلان بننے لگے۔ مگر اولین حل طلب مسئلہ یہ تھا کہ ان کے ڈی ایس سی کا مقالہ تھوڑا بدلے ہوئے اندوز سے ترتیب دے کر لندن یونیورسٹی روانہ کیا جائے۔ مسلسل 3 ماہ رات دن انتہائی محنت سے یہ کام مکمل کر دیا۔ اور لندن یونیورسٹی کو اگست 1923ء کو روانہ کیا۔ نومبر 1923ء میں ماہرین کی کمیٹی نے اس مقالہ کو منظور کیا اور انہیں معاشیات میں D.Sc جیسی باوقار ڈگری کے اہل قرار دیا۔ بھارت واپس آنے سے پہلے ہی اس مقالہ کی اشاعت کا انتظام کر چکے تھے۔

The Problem of the Rupee روپئے کا مسئلہ کے عنوان سے لندن کے ایک اشاعتی ادارہ کنگ اینڈ سنس King & Sons نے اس مقالہ کو کتاب کی شکل میں شائع کیا۔ بھیم راؤ امبیڈکر اب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر بن گئے۔ اس سے قبل وہ کولمبیا یونیورسٹی سے Ph.D کر چکے تھے مگر کچھ تیکنیکی وجہ سے ان کو باضابطہ ڈگری ابھی تک عطا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔

8 - عملی زندگی کا آغاز

لندن سے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر 21 اگست 1917 ءکو واپس آئے تھے۔ تکمیل کیلئے دوبارہ 5 جولائی 1920 ءکو لندن جانا پڑا تھا۔ ملک میں اس تین سال کے قیام کے دوران وہ کبھی کبھی اچھوتوں کے مسائل میں دلچسپی لیتے رہے جنوری 1920 ء سے شاہو مہاراج سے مالی مدد لے کر جاری کئے گئے اخبار ''موک نائیک'' کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتے رہے۔ اب تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے اب سامنے مسئلہ معاشی طور پر خود مکتفی ہونے کا تھا لندن سے بار ایٹ لاء کی قانون کی ڈگری بھی مل چکی تھی۔ اسلئے اب وکالت کے پیشہ کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ وکالت کے لیے سند لینے کیلئے درکار فیس بھی ان کے پاس نہیں تھی۔ یہ مسئلہ ان کے قدیم پارسی دوست نول بھتینا (Naval Bhatena) نے حل کیا۔ نول بھتینا نے اس سے قبل لندن میں بھی ان کی مالی امداد کی تھی۔ سند لے کر جولائی 1923 ء سے Bombay High Court میں

وکالت شروع کی۔ ہائی کورٹ میں وکالت کرنے کیلئے کسی سالیسٹرSolicitor کے پاس کام ملنا ضروری ہوتا ہے۔ اسلئے ممبئی اور مضافات میں جو بھی کام ملتا قبول کر لیتے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد بہت ساری سیاسی تبدیلیاں عمل میں آئیں اچھوتوں کی معاشی حالت میں تھوڑی تبدیلی ہوئی۔ انہیں اپنے حقوق کے بارے میں شعور آنے لگا تھا۔ انکی سماجی اور سیاسی اصلاحات کی باتیں ہونے لگی تھیں۔ ممبئی کے اسمبلی میں اچھوتوں کے پہلے نمائندے دھولپDholap تھے۔ وہ اسمبلی میں اچھوتوں کے تعلق سے مختلف سوالات اٹھاتے تھے۔ ان پر بھی چرچا ہونے لگی۔

ہائی کورٹ میں گجراتی، پارسی اور اونچی ذات کے ہندو وکالت کے پیشہ پر چھائے ہوئے تھے۔ کسی سالیسٹر کے پاس کام ملنا مشکل تھا۔ گھریلو اخراجات اور مناسب کام کے نہ ملنے سے پریشان ہو جاتے۔ ناامیدی میں کبھی کبھی وکالت ترک کرنے کا خیال آتا۔ اتفاق سے بال کرشنا موڈک نامی ایک وکیل سے واسطہ پڑا۔ وہ بیرسٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی قابلیت اور صلاحیت سے متاثر ہوا تھا۔ ستمبر 1923ء کو پہلا مقدمہ ملا۔ اس میں کامیاب ہوئے۔ 600 روپے فیس کے ملے۔ ممبئی کے پریل کے علاقہ میں دامودر ہال کے پہلے منزل پر ایک چھوٹا سا کمرہ کرایہ پر ملا۔ ایک میز تین کرسیاں کمرے کے ایک گوشہ میں کچھ کتابیں یہ سب کچھ انکا آفس تھا۔ کچھ آمدنی میں اضافہ کیلئے ٹائمز آف انڈیا اور دوسرے رسائل کیلئے معاشیات پر مضامین لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر کسی نے ہمت افزائی نہیں کی۔ اسی دوران بڑودہ کے دربار سے تعلیم کیلئے گئے 2000 روپے کی واپسی کا تقاضہ شروع ہوا۔ اسکالرشپ جو قرض کی شکل میں دیا گیا تھا۔ اس کی واپسی کا معاملہ 1944ء تک چلتا رہا یعنی سایاجی مہاراج کے انتقال کے بعد میں مہاراج کے جانشین راجہ نے دخل اندازی کی۔ معاملہ رفع دفع ہوا۔ محض تعصب کی وجہ سے دربار کے اونچی ذات والے قرض کے معاملہ کو زندہ رکھے تھے۔ اس تقاضہ کے پس پردہ کونسا جذبہ کام کر رہا تھا اس کا انداز کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے اپنے اخراجات کیلئے مناسب ملازمت کی تلاش شروع کی۔ آخر کار باٹلی بوائے اکاونٹنس ی انسٹی ٹیوٹ میں مرکنٹائل لاء پڑھانے کیلئے Part Time ملازمت ملی ہفتہ میں 3 سے 4 گھنٹے پڑھانے کیلئے ماہانہ 200 روپے ملنے لگے۔ یہ

سلسلہ 30 جون 1925ء سے 31 مارچ 1928ء تک چلتا رہا۔ وکالت درس تدریس کے ساتھ ساتھ مطالعہ اور تحریر کا کام جاری رہا۔ سماجی کام کیلئے بھی وقت دیتے رہے کئی لوگ آکر ملتے رہے۔ اچھوتوں کے مسائل پر گفتگو رہتی۔ مختلف جلسوں میں شریک رہتے۔ 1923ء میں جب ان کا مقالہ The Problem of Rupee کتابی شکل میں شائع ہوا تو بہت سارے ماہرین معاشیات نے اخبارات ورسائل میں تبصرے کئے اور مقالہ کی تعریف کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے مالی امور کے تعلق سے ایک اور کتاب کا مسودہ تیار کر رکھا تھا۔ جس کا عنوان تھا

The Evolution of Provincial Finance In Birtish India. A Study in the Provincial Decen tralizatron of Imperial Finance

اس کتاب کی اشاعت کیلئے وہ کوشاں تھے۔ مختلف اشاعتی اداروں سے خط وکتابت جاری تھی۔ لیکن کوئی شائع کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ انہیں کولمبیا یونیورسٹی کے سابق استاد پروفیسر سیلگ مین Pro. Seligman یاد آئے۔ یہ امریکہ میں نیگروں کی فلاح وبہبود کیلئے کئی اداروں کی سرپرستی کررہے تھے۔ انہیں یہ احساس تھا کہ بھارت کے اچھوتوں اور امریکہ کے نیگروں کے مسائل میں بہت حدتک یکسانیت ہے۔ اپنی کتاب کی اشاعت کیلئے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر جب اپنے سابق پروفیسر سے رجوع ہوئے تو انہیں انتہائی خوشی ہوئی کہ ہندوستان کا ایک اچھوت جو 1913ء سے 1916ء تک کولمبیا یونیورسٹی میں ان کا طالب علم تھا ایک معیاری کتاب کا مصنف بن گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ انہیں افسوس ہوا کہ اس معیاری کتاب کو شائع کرنے کیلئے کوئی تیار نہیں ہے۔ انہوں نے ایک سفارشی خط ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو دیا اور وعدہ کیا کہا اگر کوئی پبلشر اس کتاب کو شائع کرنے کیلئے تیار ہوا تو وہ مالی امداد کرینگے اور مسودہ M/s Longman's Green & Co. New York کے پاس روانہ کرنیکا مشورہ دیا۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اس کتاب کا وہ پیش لفظ لکھیں گے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اس کتاب کے مسودہ کے ساتھ ہی ساتھ ایک اور کتاب کا مسودہ جس کا عنوان تھا۔ Studies In History of Economics & Public Law بھی کمپنی کو روانہ کیا۔ لیکن کمپنی نے دونوں کتابیں شائع کرنے سے انکار کیا۔ مزید کوششوں کے بعد

1925ء میں لندن کی .King & Co نے دوسری کتاب شائع کی۔ڈاکٹر بھیم راؤ کی یہ چوتھی کتاب تھی یہ تمام کتب معاشی اور مالی امور سے متعلق تھیں۔ان تصانیف سے ظاہر ہوا کہ بنیادی طور پر وہ معاشیات کے زبردست ماہر تھے۔اگرچہ کہ مستقبل میں انھوں نے سیاسی اور سماجی میدان میں زیادہ شہرت پائی۔Prof. Seligman نے پیش لفظ میں لکھا کہ "دنیا کہ کسی معاشیات کے ماہر نے اب تک جس مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دلائی اس مسئلہ کو ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے انتہائی بہتر انداز سے معاشیات کے ماہرین کے سامنے رکھا ہے۔"

1926ء میں کلکتہ کے مشہور زمانہ The Modern Review کے اپریل کے شمارے میں ڈاکٹر پرفل باسو نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

The Subiect of Finance in India has not so far been as Scientifically studied as its importance deserves. Hence I may be Permtted to draw special attention to book which has just been published. It is the evolution of finacne in Birtish India by Dr. B.R.Ambedkar D.Sc. (lond.), Bar At Law, Bombay.

ترجمانی: ہندوستان کے مالیات کا جن سائنسی بنیادوں پر مطالعہ جس اہمیت کا وہ مستحق ہے اس پر بنیادوں پر نہیں ہوا۔مجھے لوگوں کی توجہ اس کتاب کی طرف متوجہ کرنے کی اجازت دی جائے جو برطانوی ہند کے صوبائی مالیات کے ارتقاء کے تعلق سے ڈاکٹر امبیڈکر ڈی۔ایس۔سی بار ایٹ لاء نے لکھی۔

بھارت کی کرنسی کے نظام میں اصلاح کرنے مالی نظام کا سروے کرنا ضروری تھا۔اس مقصد کیلئے برطانوی حکمراں جارج پنجم نے 27اگست 1925ء میں ایک اعلانیہ جاری کیا۔اور رائل کمیشن آن انڈین کرنسی اینڈ فایناننس مقرر کیا گیا۔اس کمیشن کا صدر ایڈورڈ ہلٹن تھا اور اس کمیشن کے 19 اراکین تھے۔اس میں چار ہندوستانی تھے۔کمیشن نے 23 نومبر 1925ء سے کام شروع کیا۔50 نشستوں میں 46 ماہرین معاشیات کی شہادتیں اور بیانات قلمبند کئے۔ان میں ایک ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر تھے۔اس کمیشن کی رپورٹ 5 جلدوں میں شائع کی گئی۔پونڈ کے مقابلہ

میں روپیہ کی قیمت کیا ہو۔ یہ نکتہ بھی کمیشن کے پیش نظر تھا اور مزید یہ کہ ملک کو اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ مسئلہ کافی متنازعہ بن گیا تھا۔ اس کمیشن نے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی دو کتابیں

The Evoution of Provincial Finance in Britsh india

اور The Problem of Rupee

جن میں ملک کی مالیات کے تعلق سے کافی تاریخی مواد تھا اس سے کافی استفادہ کیا تھا۔ علاقہ ممبئی میں جب اس کمیشن کی نشست ہو رہی تھی اور ڈاکٹر امبیڈکر کی شہادت قلمبند ہو رہی تھی تو کمیشن کے تمام اراکین کے ہاتھوں میں ان کی کتابیں تھیں۔ انہوں نے اپنے بیانات اور ثبوت کے ذریعہ کمیشن کو قائل کرادیا کہ 1 روپیہ کی قیمت 1 شلنگ 6 پنس رکھی جائے تو یہ ملک کے مفاد میں رہے گا۔ برطانوی حکومت نے یہی پالیسی اپنائی جو بہت دنوں تک جاری رہی۔

9 - خانگی زندگی میں صدمے

بچوں کے معاملہ میں انہیں کئی سانحات سے دو چار ہونا پڑا تھا۔ 25 جون 1924ء کو انہیں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ بچہ بہت صحت منداور وجیہہ تھا۔ والد کو بہت خوشی ہوئی۔ ڈاکٹر بھیم راؤ نے اس کا نام راج رتن رکھا۔ اسکی شکل صورت ہو بہو اپنے والد جیسی تھی۔ پردیس میں رہنے کی وجہ سے اور مناسب توجہ نہ رہنے اور مالی مشکلات کے نتیجہ میں ان کے بچے انتقال کر گئے تھے۔ اب مالی حالات کچھ سدھر رہے تھے۔ اس لئے 'راج رتن' کی دیکھ بھال کیلئے ایک کرسچن نرس کو مقرر کیا جو ہفتہ میں دو مرتبہ مکان میں آکر ماں اور بچہ کی صحت کی خیال رکھتی ضروری ادویات کا انتظام کرتی ڈاکٹر امبیڈکر کورٹ سے آنے کے بعد پہلے بچہ کو کھلاتے۔ بہت دنوں بعد خوش حال زندگی کی شروعات ہو چکی تھی۔ اس دور میں دوسرا بچہ یشونت اکثر بیمار رہتا۔ اس کی صحت کی فکر بھی لاحق رہتی۔ جولائی 1926ء میں راج رتن کو ڈبل نمونیا ہوا۔ 19 جولائی 1926ء کو جب کورٹ میں تھے گھر سے اطلاع آئی کہ ان کے بچے کا انتقال ہو گیا۔ ان کا رو رو کر برا حال ہو گیا۔ تین چار دن تک

استنے مغموم رہے کہ رات میں آفس میں ہی زمین پر سوتے مسلسل آنسو بہاتے۔اس دوران ان کے ایک قریبی دوست دتوباپوار Dattoba Pawar کا ایک تعزیتی لیٹر آیا تھا۔اس کا جواب انگریزی میں دیتے ہوئے لکھا''۔۔۔میں اور میری بیوی اس صدمہ سے باہر نہ ہوسکے۔ اور نہ مستقبل میں باہر ہوسکیں گے۔ہم نے اب تک چار خوبصورت بچوں یعنی 3 لڑکوں اور الڑکی کو زمیں میں دفنا دیا ہے۔اس بات کا تصور ہی ہمیں ہمارا دل دہلا دینے کیلئے کافی ہے۔۔۔۔ان بچوں کے جانے سے ہماری زندگی کا نمک ہی چلاگیا۔۔۔ہمارا آخری بچہ اتنا حیرت انگیز تھا کہ شاید ہی میں نے اس سے قبل ایسا بچہ کبھی دیکھا۔اسکے گزرنے سے میری زندگی ایسے باغ کی طرح ہوگئی جس میں غیر ضروری گھاس پھوس ہے اب میں اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھ سکتا،آپ کا بی۔آر۔امبیڈکر'' یہ خط 19 جنوری 1927ء کو لکھا گیا تھا۔اس بچہ سے ان کی انسیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔اور اس کے مرنے سے کتنا صدمہ ہوا ہوگا۔کم عرصہ میں ان کی بیوی کو چھ بچے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہو چکی تھی ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ مزید بچہ ہونے کی صورت میں ٹی۔بی ہونے کا اندیشہ ہے۔آہستہ آہستہ گھر سے کم تعلقات رکھنے لگے۔زیادہ وقت آفس میں مطالعہ میں صرف کرتے۔لوگ آتے رہتے تھے۔گفتگو ہوتی ایک طرح سے زندگی کے نئے دور کی شروعات ہو چکی تھی۔

بعد از فراغت تعلیم لندن سے واپسی کے بعد معاشی طور پر خود مکتفی ہونے کیلئے پیشہ وکالت سے منسلک ہونے کے باوجود درپیش سماجی حالات کی وجہ سے مالی پریشانیوں سے چھٹکارہ نہ مل سکا تھا۔معاشیات پر مقالے اور اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد وہ چاہتے تو درس تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہو کر خوشحال زندگی گزار سکتے تھے۔مگر قدرت ان سے کچھ اور کام لینا چاہتی تھی۔وہ ایک حساس دل لائے تھے۔ایک اچھوت ہونے کی وجہ سے بچپن سے ہی تلخ تجربات سے واسطہ پڑتا رہا۔وہ بار بار سوچتے تھے کہ لندن اور امریکہ کی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ ترین ڈگریوں سے سرفراز ہونے کے بعد بھی جب خود ان سے یہ سلوک ہوتا ہے ان سے اتنی نفرت کا برتاؤ ہوتا ہے تو ان کروڑوں اچھوتوں کا جو دیہاتوں میں رہتے ہیں جنہوں نے کبھی اسکول میں

قدم نہیں رکھا جو انتہائی نچلے درجہ کے پیشوں سے وابستہ ہیں انکا کیا حال ہوتا ہوگا؟

انہوں نے طئے کیا کہ کچھ کرنا ہے۔ انہیں شدت سے احساس ہوا کہ اچھوتوں کے حقوق کے تحفظات اور ہندو سوسائٹی میں انہیں جائز مقام دلانا ضروری ہے اور اس کیلئے منظم کام کرنا بھی ضروری ہے۔ اب انہوں نے دلت سماج کے سماجی ورکرس، رہنما اور لیڈروں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ طویل گفتگو ہونے لگی۔ مباحث کا آغاز ہوا۔ ابتداء میں انہوں نے اس ضمن میں اپنے خیالات کا اظہار ایک ہاتھ سے لکھے پمفلٹ کے ذریعہ کیا۔ 9 مارچ 1924 کو دامودر ہال میں سماجی ورکرس کا ایک اجتماع ہوا۔ اس میں یہ تنظیم جس کا نام ''بہشکرت ہت کارنی سبھا'' ڈاکٹر امبیڈکر نے تجویز کیا تھا قائم کی جائے۔ بہشکرت کے معنی برادری باہر، ہت کے معنی مفاد یعنی جو لوگ سماج سے باہر کئے گئے ہیں ان کے مفاد کی دیکھ بھال کرنے والی سبھا یا تنظیم اس جلسہ کی ایک ابتدائی تقریر میں ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے سماج کیلئے نعرہ دیا Educate Agitate Organise یعنی تعلیم حاصل کرو۔ احتجاج کرو۔ اور منظم ہو جاؤ۔ کہا کہ یہ نعرہ پوری تحریک کیلئے رہنمایانہ رہیگا۔ یہ جملہ تاریخی بن گیا ہے۔ ہر دلت تنظیم کے پمفلٹ اعلان اشتہار پر یہ الفاظ ضرور اور نمایاں طور پر لکھے جاتے ہیں۔ راقم الحروف کی نظر میں تعلیمی اور سماجی میدانوں میں بچھڑے ہوئے انتشار وظلم کے شکار طبقات (بشمول آج کے مسلمان) کیلئے یہ الفاظ جادوئی اثرات رکھتے ہیں۔

اگرچہ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی دلت قوم کو یہ نعرہ دیا لیکن مظلوم اور انحطاط کی شکار ہر قوم کے لئے بھی یہ نعرہ ٹانک کا کام کرسکتا ہے۔ کوئی طبقہ کوئی قوم جو دوسروں کے ہاتھوں مظلوم ہو۔ تعلیم میں پست ہو اور غیر منظم ہو وہ کیوں نہیں اس نعرہ کو استعمال کرے۔ الفاظ میں جو پیغام دیا گیا ہے وہ کوئی نیا تصور نہیں لیکن یہ تین الفاظ جو جامعیت رکھتے ہیں۔ وہ سب کیلئے مفید ہیں۔

20 جولائی 1924ء کو باضابطہ ''بہشکرت ہت کرنی سبھا'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس تنظیم اور ٹرسٹیوں کیلئے حسب ذیل ناموں کو منظوری دی گئی۔ جو نام دیئے گئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اچھوتوں کی ترقی کیلئے جو تنظیم قائم کی گئی اس میں دوسری اقوام کا تعاون لینا ضروری سمجھا گیا۔ اس لئے اس میں اونچی ذات والوں کے اور دوسری اقوام کے نام ملتے ہیں۔

ڈاکٹر سر چمن لال ہرلال ستیلو د، ایل ایل بی۔ایڈوکیٹ (سرپرست اعلیٰ)

۱) میئر تسمم۔ایم اے (جے۔پی)

۲) رُستم جی جن والا۔ایم۔اے ایل ایل بی سالیسٹر

۳) جی کے نریمن } نایبن

۴) ڈاکٹر آر۔پی۔پرانجپے

۵) ڈاکٹر وی۔پی۔چوہان

۶) بی۔جی کھرے۔سالیسٹر

مندرجہ بالا اصحاب کی وابستگی تو اعزازی تھی مگر جو مجلس منتظم منتخب ہوئی اسکی صدارت ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو دی گئی سکریٹری کی حیثیت سے سیتارام شیوتر کر اور نیورتی جادھو خازن مقرر کئے گئے علاوہ اسکے 17 ارکین پر مشتمل مجلس منتظمہ کا انتخاب ہوا۔

اس تنظیم کے قیام کے مقاصد بیان کئے گئے۔

۱) اچھوتوں کی موجودہ حالت کا جائزہ لینا اور عوام کے سامنے رکھنا

۲) ان کے حقوق کے تحفظات کیلئے حکومت سے نمائندگی

۳) اچھوتوں میں شعور پیدا کرنا اور انہیں ان کے حقوق سے آگاہ کرنا

۴) تعلیم کی اشاعت لائبریری کا قیام طلباء کیلئے بورڈنگ کا قیام طلباء کیلئے اسکالرشپ مہیا کرنا۔

۵) آمدنی کے ذرائع پیدا کرنا وغیرہ

مندرجہ بالا مقاصد تقاریر، کیرتن کے ذریعہ حاصل کرنا۔

ان دنوں گاندھی جی کی رہنمائی میں کانگریس پارٹی بھی دلتوں، اچھوتوں کی سماجی ترقی کیلئے مختلف اقدامات کرتی رہی۔کٹر پنتھی ہندو جماعتیں مثلاً ہندو مہا سبھا، آریہ سماج اور بہت سی سماجی تنظیمیں بھی دلتوں کے مسائل پر متوجہ ہوئیں تھیں۔مگر ان کی دلچسپی انہیں ہندو سماج میں جائز مقام دلانے میں نہیں تھی بلکہ انہیں کرسچن مشنریوں سے دور رکھنے میں تھی کیونکہ دلتوں کی کثیر تعداد کے کرسچن بن جانے سے ہندوتووادی اور کانگریس کے رہنما فکرمند تھے۔انہیں یہ بھی اشارے مل

رہے تھے کہ بہت سارے اچھوت مسلمان بھی ہونے جارہے ہیں۔اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو صورت حال ہندو سوسائٹی کے لیے تشویش ناک ہوسکتی ہے گاندھی جی ہوں یا ساور کر یا آریہ سماجی مصلحین ان کی توجہ ہندو سماج کی بنیادی خرابیوں کی طرف نہیں رہی۔اچھوتوں کے بنیادی مطالبات چاترون کو ختم کرنا ہے، روٹی بیٹی کا تعلق۔مکمل مساوات۔بھائی چارگی اور انصاف یہ وہ بنیادی مسائل ہیں جس کو اچھوت طبقہ اولین ترجیح دیتا ہے۔جبکہ تمام مصلحین ہندو مذہب کے چاترون کے بنیادی ڈھانچے کو قائم رکھ کر سطحی اصلاحات کی بات کرتے ہیں اچھوت طبقے صرف ظاہری لیپا پوتی کے قائل نہیں، اچھوت کو قریب کرنا انہیں صاف ستھری زندگی کیلئے سبق دینا، رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلی کیلئے مشورے دینا زیادہ سے زیادہ اجتماعی طعام کے پروگرام کا انعقاد جیسی چیزوں سے بنیادی مسئلہ حل نہیں ہوگا ہر انسان کی زندگی کے تجربات اس کی مناسب رہنمائی کرسکتے ہیں۔ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر خود اچھوت تھے۔بچپن سے اب تک زندگی میں جن تجربات سے انہیں واسطہ پڑا ان کی بنیاد پر انہیں کسی کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ کیا کرنا ہے۔ اب ''مجھے کیا کرنا ہے۔'' اس پر وہ غور کرتے۔انکا علم ان کے تجربات ان کے مشاہدات سے ہی وہ اپنا سفر شروع کرنا چاہتے تھے اب کسی کے رحم وکرم اور ہمدردی کے وہ منتظر نہیں تھے۔ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک مرتبہ کہا تھا'' غلاموں کو انکی غلامی کا احساس دلایا جائے تو وہ خود بغاوت کریں گے۔'' اس دور میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی گاندھی جی کی رہنمائی میں جاری تھی اس سے ڈاکٹر امبیڈکر نے کسی قسم کا سروکار نہ رکھا۔انہوں نے اس دور کے دیش بھکتوں سے کہنا شروع کیا کہ ''ہمیں پہلے ہماری سماجی اور مذہبی غلامی سے آزاد کرو'' تب ہم سب کے کندھے سے کندھا ملا کر آزادی کی جنگ میں شامل ہونگے۔

'بہشکرت ہت کرنی سبھا' کے زیر اہتمام جو پہلی پرچار سبھا ہوئی وہ بہت مایوس کن تھی۔ صرف 10،5 ممبر حاضر رہے۔چھوٹے چھوٹے مواضعات میں جلسے منعقد کیئے جانے لگے۔پریس اور دوسرے اونچی ذات والوں کا کسی قسم کا تعاون نہ تھا۔مردہ دلوں کو جگانے کی وہ کوشش

کرتے ۔خود اعتمادی پیدا کرنا اور خود مکتفی ہونے کیلئے بار بار جارحانہ انداز میں مخاطب ہوتے ۔کہا کرتے ⁂ ’’تمھارے یہ مایوس چہرے دیکھ کر یا تم پر ہونے والے ظلم کی کہانیاں سن کر میرا دل پھٹا جاتا ہے ۔‘‘ زمانے کے حالات نے تمھیں غلامی کے غار میں سڑنے گلنے کیلئے چھوڑ دیا ہے اور تمھاری یہ سوچ اور خیالات کہ تمھاری یہ تقدیر تمھارے ماں کے شکم میں ہی ایشور اور دیوتا نے لکھ دی ہے ۔تم اس وقت کیوں نہ مر گئے؟ تمھیں کوئی دوسری زندگی ملنے والی نہیں؟ اسلئے تم اپنی دکھ، درد غریبی اور افلاس سے بھری زندگی کو ختم کر دو اور دنیا پر ایک بوجھ نہ بنو۔ وہ کہتے کہ اچھوت بھی اور انسانوں جیسے انسان ہی ہیں ۔وہ خود کی کارکردگی سے اس دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں ۔ایسی آزادی جیسے دوسروں کو ہے وہ تمھیں بھی ہونی چاہئے تم بھی اس ملک کے باشندے ہو اگر خودداری اور آزادی سے زندگی گزارنا ہے تو خود اپنی طاقت سے خود مکتفی بن کر زندگی گزارو اور یاد رکھو یہی ایک راستہ ہے ۔‘‘

ممبئی علاقہ کے مختلف قصبوں شہروں میں ان کی تنظیم نے جلسوں کا انعقاد کیا، ہر جگہ ان کی تقاریر کو لوگ شوق سے سنتے ،اس سے پہلے شاہو مہاراج کی مالی مدد سے اخبار ’’موک نائیک‘‘ نکالا تھا وہ بند ہو گیا۔جس وقت اپنی نامکمل تعلیم کو مکمل کرنے وہ لندن گئے تھے اور جس شخص کو اس کی ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ اخبار چلانے میں ناکام رہا۔حالانکہ یہ لندن میں رہتے ہوئے بھی اخبار کے تعلق سے بہت فکرمند رہتے ۔لندن سے اخبار کے تعلق سے معلومات حاصل کرتے رہے ۔مگر جس کے ذمہ اخبار تھا وہ سماج میں بہت متنازعہ شخص بن گیا ۔ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اور Shivtarkar میں اختلافات بھی پیدا ہو گئے تھے ۔

انھیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ کسی تحریک کی کامیابی کیلئے اخبار ایک موثر ہتھیار ہوتا ہے ۔اسلئے وہ ایک نئے اخبار کے اجرائی کے بارے یں سوچنے لگے تھے ۔ 4 دسمبر 1924ء کو انہوں نے ہاتھوں سے لکھ کر ایک اخبار شائع کیا۔اور اس میں انہوں نے بہشکرت بھارت پر کاشک سنستھا‘‘ نامی ادارہ کے قیام کی تجویز رکھی ۔اور اس کیلئے 200 روپوں کا فنڈ

جمع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔اس تجویز میں ایک پریس کی خریداری بھی شامل تھی۔نمونہ کے طور پر ایک پندرہ روزہ 'بہشکرت بھارت' نام کا اخبار شائع کیا۔خود اس کے ایڈیٹر تھے۔سالانہ چندہ 3 روپئے رکھا گیا۔جبکہ ایک شمارے کی قیمت ڈیڑھ آنہ رکھی گئی تھی۔ان کی کوشش رہی کہ ہر شمارہ بہتر سے بہتر ہو۔ہائی کورٹ کی لائبریری میں ہوں یا سفر کی حالت میں یا چرچ گیٹ اسٹیشن پر ٹرین کا انتظار جب بھی وقت ملتا اخبار کے لئے مواد تیار کر لیتے۔دلتوں اور اچھوتوں کی تحریک کی اشاعت اور اپنے خیالات کے اظہار کے لئے اپنا خود کا ایک ذریعہ مہیا ہوا۔جتنا ممکن ہو دلت اور اچھوت عوام میں شعور پیدا کرنے کا کام اپنی تحریروں سے کرنا شروع کیا مگر اس اخبار کی جتنی سرپرستی ہونے کی امید تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ 29-1928ء سے ملک میں اتھل پتھل جاری تھی اب ڈاکٹر امبیڈکر نے سوچا کہ اخبار کیلئے مزید وقت دینے کی بجائے قومی سطح پر کچھ کرنا ضروری ہے۔اخبار کی مالی حالت بھی کمزور ہوگئی تھی۔اسلئے مناسب سمجھا کہ اخبار بند کر دیا جائے۔ 1929ء میں 'بہشکرت بھارت' بند ہوا۔اس سے قبل 'موک نائیک' کا بھی یہی حشر ہوا۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے جو 'موک نائیک' اور 'بہشکرت بھارت' کے شمارے شائع کئے انہیں حکومت مہاراشٹر نے ایک ضخیم جلد کی شکل میں 1990ء میں شائع کیا ہے۔جن اصحاب کو ان اخباروں کا مطالعہ کرنا ہو انہیں یہ دستیاب ہو سکتے مگر چونکہ دونوں اخبار مراٹھی میں ہیں اسلئے غیر مراٹھی داں کیلئے ان کا کوئی فائدہ نہیں۔

مہار ذات سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قدم قدم پر جو مشکلات آئیں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے مگر اس کے باوجود ان کی ہمہ جہتی کوششیں جاری رہیں وکالت درس تدریس سماجی کام مختلف جلسوں کا انعقاد ان کی صدارت صدراتی جلسے،ملاقاتوں کا لامتناہی سلسلہ مہاراشٹر کے دورے نمایاں سیاسی اور سماجی شخصیتوں سے تبادلہ خیال وغیرہ نے انہیں مصروف ترین شخص بنا دیا۔اس سے مالی مشکلات بھی درپیش آنے لگیں مگر اس کے باوجود ان کی انتھک محنت نے ساری مشکلات کو مات دے دی۔اور انہوں نے اپنے آپ کو اچھوتوں اور دلتوں کی خدمت کیلئے پوری طرح جھونک دیا۔

اکتوبر 1926ء پونہ نیں مخالف برہمن تحریک کے ایک انتہائی فعال شخصیت دین کر جولکر (Dinkar Jawalkar) نے 'دیش کے دشمن' (مراٹھی) ایک کتاب لکھی۔ جس میں براہمنوں کونشانہ بنایا گیا تھا۔اس کتاب میں جنگ آزادی کے نمایاں شخصیت بال گنگادھر تلک کو خاص طور پرنشانہ بنایا گیا تلک پر اتنا شدید حملہ کیا اور لکھا کہ ملک کی تباہی اور ستیاناسی کیلئے ملک کے برہمن ہی ذمہ دار ہیں۔تلک کی جتنی تضحیک ہوسکتی تھی کی گئی ترنبک لکشمن چپلون کی بدنامی کا مرتکب قرار دیا گیا۔اور جیل کی سزا سنائی گئی۔اس مقدمہ میں تحت کی عدالت کا فیصلہ اپیل میں رد کیا گیا اور تینوں ملزم بری کردیئے گئے۔اپیل میں جو بحث ہوئی اس میں ڈاکٹر امبیڈکر کا کلیدی رول رہا۔اس فیصلہ سے ڈاکٹر امبیڈکر پورے مہاراشٹر میں مشہور ہوئے۔یہ مقدمہ کچھ افراد کے درمیان نہیں تھا بلکہ اسے برہمن بنام غیر برہمن مقدمہ کا رنگ چڑھ گیا تھا۔اور اسے تاریخی حیثیت حاصل ہوئی۔

ایک اور اہم واقعہ کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جس کے اثرات ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو اپنی سماجی اور سیاسی زندگی میں بہت ہی اہم رول ادا کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔ اس دور میں پورے ملک میں پانی لینے کے جو عوامی ذرائع ہوتے مثلاً نل،حوض،کنواں باولی وغیرہ اچھوتوں کو پانی بھرنے کی اجازت نہیں تھی۔اچھوتوں کیلئے یا تو الگ ذرائع ہوتے یا پھر اونچی ذات والوں کے پانی لینے کے بعد ان اچھوتوں کو موقع ملتا ممبئی لیجسلیٹیو کونسل میں دلتوں کے واحد نمائندے سیتارام بولے تھے انہوں نے 4 اگست 1923ء کو کونسل میں ایک بل پیش کیا کہ ایک قانون کے تحت پانی کے عام ذرائع بلاتفریق ذات پات سب کیلئے کھلے رکھے جائیں۔

ملک میں قانون ساز ادارے قائم ہونے کے بعد سے اس قسم کا بل پہلی مرتبہ کونسل میں پیش کیا گیا۔اس بل میں نہ صرف پانی کے ذرائع کا معاملہ اٹھایا گیا تھا بلکہ عوامی مقامات مثلاً عدالتوں مدارس،دفاتر،دھرم شالے کی بھی بات کی گئی تھی۔بل پیش کرتے ہوئے سیتارام بولے نے کہا تھا کہ جنوبی افریقہ میں ہم گورے انگریزوں کے خلاف شکایت کرتے ہیں کہ کس طرح ہندوستانیوں کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا ہے جو کالے افریقیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ہم اس پر چراغ پا ہوجاتے ہیں۔لیکن خود ہمارے ملک میں ایک کثیر آبادی کے ساتھ کیا اس قسم کا برتاؤ نہیں

ہوتا؟ کیا ہمارے ملک کے چہرے پر یہ ایک کلنک نہیں ہے۔اس بل کو پیش کرکے سیتارام بولے نے اس ملک میں سماجی مساوات کے قیام کی منزل کی ایک اہم شروعات شروع کی تھی۔ ممبئی کے دلت اور اچھوت عوام نے سیتارام بولے کی اس کوشش کیلئے ان کا شاندار خیر مقدم کیا نہیں سونے کا تمغہ دیا گیا۔اس بل کے کونسل میں منظور ہونے کے باوجود اونچی ذات والوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔انہوں نے اس قباحت کو ختم کرنے کیلئے قدم نہیں اٹھایا۔اس بل کی منظوری کو انہوں نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔اسلئے 5 اگست 1926ء کو انہوں نے ایک دوسرا بل کونسل میں پیش کیا جس کی رو سے جو نگر پالیکا یا ضلع منڈل، 1923ء کے منظور شدہ قانون کو عمل میں نہیں لانے والے ایسے نگر پالیکا، ضلع منڈل حکومت کی مدد سے محروم رہیں گے۔اس بل کی منظوری کے وقت ایک رکن کونسل نے یہاں تک کہا کہ اس قانون کے بن جانے سے ماحول بگڑ جائے گا۔

10 - چودارتالاب کا تاریخی معرکہ

پچھلے دو تین سالوں سے دلتوں اور اچھوتوں کے حقوق دلانے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر جو مہم چلا رہے تھے ۔اس کا نوٹس ممبئی کی حکومت نے لیا۔ 1927ء کے اوائل میں حکومت نے انہیں ممبئی کی لیجسلیٹیو کونسل کا ممبر نامزد کیا۔مختلف حلقوں سے انہیں مبارکبادیاں ملنے لگیں ۔اور استقبالیہ جلسے ہونے لگے ۔انہوں نے بھی اپنے کارکردگی کے میدان کو وسیع کرنا شروع کیا ۔اور 1927ء میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے ہاتھوں 'چودارتالاب' کا تاریخی کارنامہ عمل میں آیا۔

مہاراشٹر کے ضلع رائے گڑھ کے شہر رائے گڑھ کے قریب مہاڑ (Mahad) نامی ایک قصبہ ہے یہ پورا علاقہ کوکن علاقہ میں ہے ۔اس قصبہ کی آبادی کے وسط میں 'چودار' نام کا ایک

چھوٹا سا تالاب واقع ہے۔کونسل میں قانون کی منظوری کے بعد بھی دیہاتوں اور شہروں میں عام ٹھکانوں پر اچھوتوں کا پانی لینا منع تھا یہی صورت حال 'مہاڑ' قصبہ کے چودار تالاب کی تھی۔مہاڑ کی نگر پالیکا نے بھی ایک قرارداد کے ذریعہ'چودار تالاب' تمام طبقات کے لیے کھلا کیا۔اس تالاب سے جانور، کتے،گھوڑے،گدھے سب پانی پیتے مگر اچھوت سماجی پابندی کی وجہ سے پانی لینا تو درکنار،تالاب کے قریب بھی نہیں جا سکتے،ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر ان کے ساتھیوں کو یہ حقیقت معلوم تھی ۔میدان عمل میں آنے کا ایک اچھا موقع تھا اور اپنے حقوق جتلانے کا بھی۔

اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے طے کیا کہ 19,20 مارچ 1927ء کو چودار تالاب سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر اچھوتوں کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔اس کانفرنس کے انعقاد کی خوب تشہیر کی گئی۔کوکن کے علاقہ کے علاوہ ممبئی اور ناگپور کے علاقہ کے اچھوتون کو اس کانفرنس کی اطلاع دی گئی۔تقریباً 5 ہزار اچھوت اور دلت مذکورہ تاریخ کو مہاڑ میں جمع ہوئے۔کچھ روشن خیال اونچی ذات والے بھی ہمت افزائی کیلئے شامل تھے۔اس علاقہ میں ڈاکٹر امبیڈکر کا بچپن گذرا تھا۔اس لئے انھیں اس علاقے سے جذباتی لگاؤ تھا۔ویسے یہ علاقہ کثرت بارش،حسین قدرتی مناظر کیلئے کافی مشہور رہے۔کانفرنس کی کاروائی ایک تھیٹر میں 19 مارچ کو شام 5 بجے شروع ہوئی۔ 3000 ہزار سے زائد افراد کانفرنس ہال میں جمع ہوئے اور صدارت کیلئے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، ڈی۔ایس۔سی بارایٹ لاء کے نام کی تجویز پیش ہوئی۔شروع میں ڈاکٹر امبیڈکر نے کچھ ہچکچاہٹ محسوس کی لیکن حاضرین جلسہ کے تیور دیکھ کر صدارت قبول کرلی۔ آپ نے اپنی تقریر کی شروعات میں اس علاقے سے اپنی زندگی کے ابتدائی دور کی وابستگی کا جذباتی انداز میں ذکر کیا۔اور بہت ہی طویل تقریر کی اچھوتوں کو درپیش شرمناک حالات کا بھی تذکرہ کیا۔ خود کو بھی جن حالات سے گزرنا پڑا اس کا بھی ذکر کیا۔یہ تقریر کچھ یوں تھی۔

''۔۔۔۔۔۔۔اچھوت پن اتنا تھا کہ انہیں راستہ چلتے وقت گلے میں ہانڈی لٹکائے رکھنا پڑتا کیوں کہ تھوکنے سے راستہ ناپاک ہوجاتا۔پہچان کیلئے ہاتھ میں کالا دھاگہ باندھنا پڑتا۔جب سے انگریزوں نے اس علاقہ میں اپنا قدم جمایا ہے۔تب اچھوتوں کو کچھ حد تک سر اٹھانے کا موقع

مل رہا ہے ۔ اچھوتوں میں بہادری اور جرأت ہوتی ہے اسلئے ابتدائی دور میں انگریزوں کی فوج میں انہوں نے کارنامے انجام دیئے ہے ۔ جس کی وجہ سے جولوگ رام رام نہ کہنے پر اچھوتوں پر ظلم کرتے وہی مراٹھا او دوسری قوم کے لوگ فوج میں انہیں کھڑے ہو کر سلامی دیتے ۔ انگریزوں نے بھی کچھ غلطیاں کی ہیں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز اس ملک میں قدم جمار ہے تھے اس وقت کثیر تعداد میں اچھوت انگریزوں کی فوج میں تھے ۔ اس وقت ان اچھوتوں اور دلتوں کی بہادری اور جرأت کی ہی وجہ سے انہین اس ملک پر مکمل طور پر قبضہ کرنے کا موقع ملا ۔ مگر انگریزوں نے 96-1895ء سے فوج میں اچھوتوں کی بھرتی پر پابندی لگائی اس سے ان کا کافی نقصان ہوا ۔ پہلی جنگ عظیم میں جب فوج کیلئے افرادی قوت کی کمی محسوس ہونے لگی تو انگزیزوں کو اچھوت دوبارہ یاد آئے او دلتوں کی ایک پلٹن ہی وجود میں آئی ۔ انہوں نے اپنی بہادری کے کارنامے انجام دیئے ۔ انگریزوں کی یہ خود غرضی کی پالیسی ہے ۔ انگریزوں پر دلتوں کے بہت سارے احسانات ہیں جس وقت نپولین بوناپارٹ نے برطانیہ کے خلاف اپنی فوجی مہم جاری رکھی ہوئی تھی اس وقت برطانیہ کا برا حال تھا ۔ برطانوی حکومت نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے انسانی افراد کی شکل میں مزید مدد مانگی تھی ۔ اس قدر نازک حالات میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا بھارت پر اپنا تسلط جمانے میں کامیاب ہونے کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ اچھوتوں اور دلتوں کی مدد اور ان کی طاقت ۔ اب وہ ان احسانات کا بدلہ چاہتے ہیں ۔ اب حالات بدل گئے ہیں ۔ صرف فوج میں داخل ہونے سے مسائل حل نہیں ہونگے ۔ ترقی کیلئے کچھ مزید اقدامات ضروری ہیں ۔ پہلی شرط یہ ہے کہ پرانی ذہنیت بدل دی جائے ۔ یعنی دلت اور اچھوت صرف روایتی پیشوں یعنی ستاری ، لوہاری ، بن کاری اور چمڑوں سے متعلق صنعت کاری سے منسلک نہ رہیں بلکہ ہمیں اپنے حالات سدھارنا ہے تو دو باتیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ ہمارے ذہن جن قدیم روایات اور خیالات کی وجہ سے زنگ آلود ہو گئے ہیں انہیں صاف کیا جائے اور پھر کسی نئی سوچ نئی فکر کے بیج بونے ہونگے ۔ دوسری یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ حکومت ایک اہم ادارہ ہے کوئی کام اسی وقت انجام پاتا ہے جب سرکار اس کام کو عمل میں لاتی ہے یہ سب کچھ سرکاری ملازمتوں پر منحصر ہوگا ۔ اس لئے ضرورت اس بات

کی ہے کہ سرکاری ملازمتیں حاصل کی جائیں سرکار میں داخل ہونے کے بعد ہی ہم اپنے کام کروا سکتے ہیں ۔ مراٹھوں اور مسلمانوں نے اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے وہ کثیر تعداد میں ملازمتیں اختیار کر رہے ہیں ۔ برہمن لوگ افواہیں پھیلاتے ہیں کہ سرکاری نوکریوں میں کیا رکھا ہے ۔ اپنے ذاتی تجربات کی بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اس علاقہ کے بہت سارے لوگ افواج میں اچھے عہدوں پر تھے ۔ مالی حالات اچھے تھے ۔ مگر انہوں نے اپنے بچوں کی طرف لاپرواہی کی ۔ اگرچہ انہیں پنشن کی شکل میں کافی رقم ملتی تھی مگر اس کا صحیح مصرف انہیں نہیں سمجھا وہ اگر بچوں کو پڑھاتے تو بہت سارے لڑکے اب تک گریجویٹ ہوتے اور سرکاری ملازمتوں پر فائز ہوتے ۔ افسوس کہ مہار لوگ آج بھکاریوں کی شکل میں ایک گروہ بن گئے ہیں ۔ ہر گھر سے بھیک مانگنا، باسی غذا کیلئے عاجزی کرنا وغیرہ ایسی حرکات ہیں جس کی وجہ سے گاؤں میں ہر قسم کی عزت سے وہ محروم ہو گئے ہیں ۔ وغیرہ'' دوسرے مقررین کی تقاریر اور مختلف تجاویز کے بعد جلسہ ختم ہو گیا ۔ (نوٹ: باجپائی حکومت کے سابق مرکزی وزیر مشہور کالم نویس ارون شوری نے ایک انتہائی متنازعہ کتاب لکھی تھی جس کا عنوان تھا ''جھوٹے خداؤں کی پرستش (Worshiping False Gods) اس کتاب میں ارون شوری نے 670 صفحات پر مشتمل کتاب میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے ۔ اس ضخیم کتاب میں نہ صرف ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ اچھوت سماج بھی اس اخبار نویس ارون شوی کے عتاب سے بچ نہ سکے ۔ پوری کتاب کا لب لباب یہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں ڈاکٹر امبیڈکر نے کوئی حصہ نہیں لیا ۔ برخلاف اس کے وائسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل میں ممبر کی حیثیت سے اس وقت جا کر بیٹھے جب ملک میں ہزاروں بھارتی انگریزوں کے تشدد کا شکار ہوا کرتے تھے ۔ اور لاکھوں جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے تھے ۔ ارون شوی بار بار ڈاکٹر امبیڈکر کی ان تحریروں اور تقریروں کا حوالہ دیتا ہے ۔ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ کس طرح اچھوت انگریزوں کی فوج میں شریک ہو کر ہندوستانی قوم پرست طاقتوں اور جنگ آزادی میں حصہ لینے والوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کی ۔ اس مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر جن کی

کروڑوں اچھوت اور دلت 'خدا (گاڈ) سمجھ کر پرستش کرتے ہیں وہ درحقیقت اس اعزاز کے لائق نہیں ہیں ۔سنگھ پریوار کی سوچ کی نمائندگی کرنے والے ارون شوری نے ،ڈاکٹر امبیڈکر کے پبلک امیج کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے ۔اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد دلتوں میں زبردست غصہ کی لہر دوڑ گئی ۔ مارچ 1996ء میں ارون شوری جب پونہ میں ایک عوامی جلسہ کو مخاطب کررہے تھے اس وقت کچھ دلت نوجوانوں نے اچانک اسٹیج پر آ کر ان کے منہ پر کالک لگائی اس کتاب کے خلاف پارلیمنٹ میں بھی ہنگامہ ہوا اور کتاب کے اوراق پھاڑے گئے ۔ اگلے صفحات میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالی جائے گی ۔)

ایک بات کا ذکر کرنا ضروری ہے ارون شوری کئی بین الاقوامی انعامات سے نوازے گئے ہیں ۔کئی کتابوں کے مصنف ہیں ۔ انگریزی زبان پر زبردست عبور رہے ۔ورلڈ بینک میں کام کرچکے ہیں ۔انکی صلاحیتوں سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس کے باوجود ان کی نادانی پر ترس آتا ہے ۔انہوں نے دلت مہاپرشوں کی تحریروں کا مطالعہ نہیں کیا۔تحریکوں کا جائزہ نہیں لیا ۔ براہمنزم کے خلاف بغاوت کرنے والے مہاتما جیوتی باپھلے نے انگریزوں کی آمد کو خوش آمدید کہا ۔انہوں نے بار بار کہا کہ دلتوں اور اچھوتوں کو سیاسی آزادی (انگریزوں کی غلامی سے) کی ضرورت نہیں ہے ۔ انگریزوں کی آمد سے ان طبقات کیلئے علم کے دروازے کھل گئے ۔ان پر ہونے والے مظالم بند ہوئے ۔انہیں بنیادی انسانی حقوق ملنے لگے ۔پھر کیوں انگریزوں کے خلاف صف آراء ہوں گے ۔" یہی خیالات کم وبیش ڈاکٹر امبیڈکر کے بھی تھے ۔انہوں نے کھل کر کہا کہ اچھوتوں کی مدد سے ہی انگریزوں کے قدم ملک میں مضبوط ہوئے یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے کوئی عار محسوس نہیں کی ۔ یہ دونوں حضرات سماجی آزادی چاہتے تھے ۔اچھوتوں کے دکھ درد کو صرف اچھوت ہی محسوس کرسکتے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ انگریز جائیں اور پھر وہ برہمنوں کے غلام بنیں اور پھر وہی مظالم کا نفرت کا چھوت چھات کا سلسلہ شروع ہو ۔جسکے وہ صدیوں سے شکار ہیں ۔ڈاکٹر امبیڈکر صرف چاہتے تھے کہ اس ملک سے انگریزوں کے جانے سے قبل انہیں اپنے حقوق کیلئے مزید قانونی تحفظات ملیں ۔ یہ ان کا اتنا واضح موقف تھا کہ اسے سمجھنے میں کوئی مشکل درپیش نہیں تھی ۔

ایسی صورت میں ڈاکٹر امبیڈکر کو انگریزوں کا دوست ثابت کرنے کیلئے ارون شوری کو اتنی تکلیف کیوں اٹھانی پڑی۔ ایک ضخیم کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اچھوت اور دلت انگریزوں کے مظالم سے عاجز آگئے ہیں اور انھیں انگریزوں سے آزادی چاہئے۔ یہ بنیادی غلطی تھی جو ارون شوری کو ایک غلط سمت میں لے گئی۔ یا پھر ارون شوری نے یہ غلطی دانستہ طور پر کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے مہاتما جیوتی با پھلے کے بارے میں اپنی کتاب ※ 'شودر کون تھے؟'' Who were the Shudras? '' کے انتساب میں جو جملے لکھا ہے اگر وہ ارون شوری پڑھ لیتے تو کافی تھا۔ وہ جملے یوں ہیں۔

The Greatest Shudra of Modern india who made the lower classes of Hindus Consicious of thier slavery to the Higher Classes & Who Preached the Gospe that for India Social Democracy was morevital than independence form foreign Rule"

ترجمانی ''ہندوستان کے عصر حاضر کا وہ عظیم شودر جس نے ہندوؤں کے نچلے طبقات کو اونچے طبقات کی تعلیم ہندوستانیوں کو دی کہ ملک کیلئے بیرونی طاقت کی حکومت سے آزادی سے زیادہ ضروری سماجی جمہوریت ہے'' اس سے آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دلت رہنماؤں کی سوچ کیا تھی۔ (اس موضوع پر مزید روشنی آئندہ صفحات میں ڈالی جائے گی۔)

دوسرے دن کے اجلاس کی کاروائی 9 بجے شروع ہوئی اور مختلف قراردادیں منظور ہوئیں۔ کاروائی کے اختتام پر حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اننت چترے Anant Chitre نامی ایک مقرر نے ایک تجویز رکھی اور کہا کہ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے بہت سارے دلت اور اچھوت اس پریشد میں شامل ہیں۔ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر کوئی اہم کام ہاتھ میں لئے بغیر پریشد کے اختتام کا اعلان نہ کیا جائے۔ اپنی تجویز رکھتے ہوئے کہا کہ قصبہ ※ مہاڑ (Chowdar Talab, Mahad) میں چودار تالاب کے نام سے ایک عام تالاب موجود ہے جس کے پانی سے اچھوتوں کو محروم کر دیا گیا ہے۔ مہاڑ کے اچھوت اس تالاب کے قریب بھی

جا نہیں سکتے اس وجہ سے پانی کیلئے انہیں بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔
حالانکہ میونسپلٹی نے ایک قرارداد کے ذریعے پہلے ہی یہ تالاب سب کیلئے کھلا کر دیا ہے۔ اسلئے اس پابندی کو ختم کرنے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی قیادت میں اس پریشد میں شامل نمائندے اجتماعی طور پر چودار تالاب پر جاکر پانی پئیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت سے یاد کیا جائیگا۔ تجویز منظور ہوئی۔ صدر پریشد ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی قیادت میں ایک جلوس نکلا ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر تالاب کے کنارے ٹھہرے انتہائی جذباتی ماحول تھا۔ ان لمحات میں جو واقعات وقوع پذیر ہوئے تھے وہ ایک آنے والی آندھی کا پیش خیمہ تھے۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر آہستہ آہستہ تالاب کی سیڑھیوں سے اتر کر جھک گئے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے تالاب کا پانی لیا اور دو گھونٹ پی گئے۔ اُن کے بعد وہاں موجود تمام اچھوتوں کا سیڑھیوں سے اتر کر دو دو گھونٹ پانی پینا آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ (20 مارچ 1927ء)

پریشد کا اختتام ہو چکا تھا۔ صدر اور خصوصی مہمان ڈاک بنگلہ پہونچ گئے اور ممبئی واپسی کی تیاری میں لگ گئے۔ دوسرے نمائندے اپنے اپنے مقامات کو واپسی سے قبل طعام گاہ پر پہونچے۔ اس دوران قصبہ کے اونچی ذات والوں نے یہ جھوٹا اعلان کیا کہ اچھوت چودار تالاب کا پانی پینے کے بعد ویریشور کے مندر میں گھسنے والے ہیں۔ اسلئے تمام اونچی ذات والوں سے کہا گیا کہ مندر کی حفاظت کیلئے مندر کے پاس پہونچ جائیں۔ اعلان کے ساتھ ہی چار پانچ سو مقامی باشندے جن کا تعلق اونچی ذات والوں سے تھا لاٹھیاں لے کر مندر کے پاس جمع ہو گئے۔ اس حقیقت کی اطلاع مقامی پولس آفیسر کو ہوئی وہ سیدھے ڈاک بنگلہ پہونچا اور ڈاکٹر امبیڈکر سے اس خبر کی تصدیق چاہی کہ وہ مندر میں داخل ہونے والے ہیں انہوں نے صاف کہا کہ مندر میں داخل ہونے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ خود اچھوتوں سے ملکر اطمینان کر لیں۔ پولس آفیسر کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر نے خود اپنے ساتھیوں کو اس جگہ روانہ کر دیا۔ جہاں اچھوت کھانا کھانے جمع ہوئے ہیں تاکہ انہیں تاکید کی جائے کہ ایسی کوئی حرکت ان سے سرزد نہ ہو، اس دوران بہت سارے لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس جانے کیلئے اجتماع گاہ سے نکل چکے

تھے۔اور بازار سے گزر رہے تھے۔وہ لوگ جو لاٹھیاں لے کر مندر کے پاس جمع ہوئے تھے ان بازار سے گزرنے والوں کو دیکھتے ہی گھیر کر ان پر لاٹھیاں برسانا شروع کیں بہت سارے زخمی ہوئے۔کچھ دیر بعد تحصیلدار اور پولس انسپکٹر ڈاک بنگلہ پر پہونچ کر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر سے درخواست کرنے لگے کہ وہ ان کے ساتھ چلیں۔ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقامی آبادی کے رہنماؤں سے ملکر تیقن دیا کہ مندر میں داخل ہونے کا کوئی پروگرام نہیں ہے جبکہ مقامی باشندے کہہ رہے تھے کہ چودار تالاب کا پانی پینے سے پہلے اجازت کیوں نہیں لی گئی؟ مزید یہ کہ اچھوتوں کیلئے تالاب کھلا کرنا میونسپل کونسل کی قرارداد سے ہوا ہے۔یہ کوئی عوام کا فیصلہ نہیں۔ افراتفری کے عالم میں جب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اور ان کے ساتھی شامیانہ میں آئے تو دیکھا کہ کئی لوگ زخمی پڑے ہیں۔جنہیں بلا وجہ افواہوں کی بنیاد پر لاٹھیوں سے مار کر زخمی کیا گیا تھا۔کئی اچھوت مسلمانوں کے گھروں میں پناہ لئے ہوئے تھے۔زخمیوں کی حالت دیکھ کر آگ بگولہ ہوئے مگر حالات کی نزاکت دیکھ کر انہوں نے کر صبر سے کام لیا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ قصبہ میں مجسٹریٹ ہوتے ہوئے بھی یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ اس نے حالات پر کیوں کنٹرول نہیں کیا۔پولس اسٹیشن میں فریاد داخل کی گئی۔زخمیوں کی دواخانے لے جایا گیا پولس نے اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی برتی۔تار کے ذریعے گورنر اور ضلع کلکٹر کو اطلاع دی گئی۔قصبہ مہاڑ کے اونچی ذات والے مراٹھوں نے آس پاس کے دیہاتوں میں یہ خبر دی کہ 'مہاڑ' میں چودار تالاب ناپاک ہوگیا ہے اور وہ اب اپنے اپنے دیہاتوں میں تالابوں کو ناپاک ہونے سے بچائیں۔جس کی وجہ سے آس پاس کے دیہاتوں میں بھی سماجی تناؤ پیدا ہوا۔ دیہاتوں کے اچھوتوں پر بھی ظلم ہوا انہیں مارا پیٹا گیا۔اسی دن ڈاکٹر امبیڈکر کو ڈاک بنگلہ خالی کرنا تھا۔اسلئے انہوں نے اسی قصبہ کے ایک فردسور با ٹپنس کے پاس دو دن قیام کیا۔واقعات کی تفصیلات کو لیکر 23 مارچ کو وہ ممبئی روانہ ہوئے۔موقع کی نزاکت کو دیکھ کر علی میاں قاضی نام کے فرد نے ڈاکٹر صاحب کو رات میں مل کر ان کی کار میں ممبئی جانے کی درخواست کی۔دوسرے دن صبح علی میاں قاضی نے انہیں اپنی کار سے ممبئی روانہ کیا۔اونچی ذات کے غنڈوں کو گرفتار کیا گیا۔

9افراد پر مقدمہ چلایا گیا۔اور 6 جون 1927 کو فیصلہ ہوا۔ 5افراد کو 4 ماہ قید کی سزا ہوئی۔

اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر امبیڈکر نے لکھا تھا کہ اچھا ہوا مجسٹریٹ انگریز تھا ورنہ اگر پیشوائی ہوتا تو ان ملزمین کو دھرم ویر کے خطاب سے نوازا جاتا اور مار کھانے والے مظلوموں پر الزام لگایا جاتا کہ انہوں نے ہندو مذہب کو ڈبو ڈالا۔

قصبہ کے اونچی ذات والوں کو اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ اچھوتوں کے پانی پینے سے 'چودار تالاب' جو ناپاک ہوگیا ہے اسے پاک کیسے کیا جائے۔ اسلئے وشنو کے مندر میں ایک میٹنگ ہوئی۔ پنڈتوں نے دھرم شاستر کے مطابق فیصلہ دیا۔ تالاب سے 108 گھڑے پانی نکالا جائے ،گائے کے پیشاب اور گوبر (فضلہ) کا مرکب بنا کر اس پانی میں ڈالا جائے اور پھر اس پانی کو دوبارہ تالاب میں ڈالا جائے۔ یعنی انسانوں کے پانی پینے سے تالاب ناپاک ہوا اور گوبر اور پیشاب کے مرکب سے تالاب پاک ہوا۔ چودار تالاب کے معاملہ کی نہ صرف مہاراشٹر میں بلکہ پورے ملک میں گونج سنائی دی۔ مہاڑ میں اچھوتوں پر ہوئے ظلم کے خلاف کئی شہروں میں احتجاجی جلسے ہوئے۔ اکثر اخبار اونچی ذات کے تھے اس لئے ڈاکٹر امبیڈکر پر تنقید بھی ہوئی۔

3 اپریل 1927ء سے ڈاکٹر امبیڈکر کا بھی 15 روزہ اخبار 'بہشکرت بھارت' شروع ہو چکا تھا۔ اپنی تحریروں سے منہ توڑ جواب دینا شروع کیا۔ اس واقعہ کا رد عمل بھی شدید تھا۔ مہاراشٹر کے اخبارات میں جب تنقید ہوئی تو ڈاکٹر امبیڈکر فوراً اس کا نوٹس لیتے۔ ہر چیز کا جواب دے کر خلاصہ کرتے صفائی سامنے لاتے۔ اس واقعہ سے مہاراشٹر کے اچھوتوں میں ایک نیا جوش ولولہ پیدا ہوا۔ اس خطرناک دور میں جس ڈھنگ سے ڈاکٹر امبیڈکر نے قیادت سنبھالی وہ بے مثال تھی۔ انہوں نے 29 جولائی کے پندرہ روزہ 'بہشکرت بھارت' میں ایک طویل اداریہ لکھا جس میں اونچی ذات والوں کی تنقید کا جواب دیتے ہوئے لکھا ''اچھوت ہندو ہی رہنا چاہتے ہیں لیکن اگر ان کے ساتھ صدیوں سے جاری جانوروں جیسا سلوک کیا جائے اور انہیں مزید ہر قسم کے مظالم سہنا پڑے تو پھر ان اچھوتوں کو اس ہندو مذہب سے چمٹ کر رہنا کیسے ممکن ہوگا۔ اگر اونچی ذات والے ہم اچھوتوں پر ،اچھوت پن کی مہر ہمیشہ کیلئے لگاتے ہیں اور اپنی اکثریت اور معاشی بل بوتے پر مغرور ہو کر

اچھوتوں کے ہر مطالبہ کو ٹھکراتے ہیں تو مجبوراً انہیں ہندو مذہب کو ترک کرنا پڑے گا۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کی کون سی غلطی ہوگی۔ وہ اپنے نقادوں سے سوال کرتے ہیں ''اگر وہ اچھوتوں میں پیدا ہوتے اور ان سے اس قسم کا برتاؤ ہوتا تو کیا وہ خاموش رہتے؟ اس ملک کے ٹرین میں گوروں کیلئے علیحدہ اور ہندوستانیوں کے لئے علیحدہ ڈبے انہیں منظور ہیں؟ انگلینڈ میں اڈنبرا شہر میں ہوٹلوں میں ہندوستانیوں کو گوری میڈم کے ساتھ ناچنے پر پابندی لگانے سے زمین آسمان ایک کیا جاتا ہے۔ آنجہانی تلک جیسے شخص اگر اچھوتوں میں پیدا ہوتے اور اونچی تعلیم سے آراستہ ہوتے اور انگریزوں کی غلامی انہیں کرنی پڑتی تو وہ سوراج میرا پیدائشی حق ہے کہنے کی بجائے اچھوت پن ختم کرنا میرا پیدائشی حق ہی کہتے''۔

جنوری 1927ء میں ڈاکٹر امبیڈکر کو لیجسلیٹیو کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا۔ کونسل کا اجلاس 12 فروری 1927ء کو شروع ہوا۔ 24 فروری کو پہلی مرتبہ بجٹ پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے اپنے خیالات کا انتہائی موثر طریقے سے اظہار کیا۔ شراب پر پابندی کے معاملہ میں اپنا موقف کونسل کے سامنے رکھا اسی طرح تعلیم کے مسئلہ پر بھی اپنے موقوف کو واضح انداز میں پیش کیا۔

اچھوت حلقوں سے یہ آواز اٹھنے لگی کہ مندروں میں داخلہ کیلئے ان پر لگی پابندی اٹھائی جائے۔ اخباروں میں اس مسئلہ پر چرچے ہونے لگے تھے۔ اسی دور میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو ایک اور تلخ تجربہ سے گزرنا پڑا۔ اخباروں میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ ممبئی کے علاقہ 'ٹھاکر دوار' میں نئے تعمیر شدہ مندر میں ہر ذات کے ہندو کو داخلہ کی اجازت ہے۔ اس خبر کی تصدیق کرنے کے بعد انہوں نے مندر کے ذمہ داروں سے فون پر رابطہ کرکے تاریخ طئے کی اور اپنے ایک قریبی ساتھی سیتا رام شیوتر کرکے ساتھ مندر گئے۔ لیکن وہاں پہونچتے ہی اونچی ذات والے غنڈوں نے ہنگامہ برپا کیا۔ انہوں نے غنڈوں سے کہا کہ جس نے ہمیں مدعو کیا ہو اسکے کہے بغیر ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔ مندر کے جس پجاری نے یہ اعلان کیا تھا اس کی حالات ناگفتہ بہ ہوئی۔ کسی طرح معاملہ کو رفع دفع کیا گیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر واپس آئے مگر ان کی موجودگی سے ناپاک ہوئے مندر کو گائے کے پیشاب سے 'پاک' کر دیا گیا۔ 'بہشکرت بھارت' کے اداریوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً

مہاراشٹر میں اچھوتوں کو درپیش واقعات اور خود انہیں جو تلخ تجربات ہونے، اچھوتوں کو مطلع کرتے۔ ایک جگہ لکھا ''اچھوتو! غیر برہمن اقوام کے خلاف تمھیں استعمال کرنے کی خواہش منداور مکاروں کے ہاتھوں کھلونا نہ بن جاؤ۔ ہندو سنگھٹن والوں کی تم سے ہمدردی ان کی خود غرضی ہے مسلمانوں کے خوف سے وہ میٹھے بول کے ذریعے تمھاری غلط رہنمائی کریں گے۔ اور دلت سماج میں تفرقہ پیدا کریں گے۔ اونچی ذات والے کہتے ہیں کہ تعلیم آنے پر چھوت چھات ختم ہو جائیں گی۔ مگر میرا تجربہ سنو۔ مجھے برہمن کی ایک ہوٹل میں کپ کے بجائے گلاس میں چائے دی گئی (حالانکہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے)۔ اب ہمیں ذلت کی زندگی گزارنا نہیں چاہئے۔ اب ہمیں مندروں، تالابوں اور دوسرے آبی ذرائع کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔''

اس قسم کی تحریروں ان کے اخبار میں شائع ہوتی رہیں۔

11 - چودارتالاب کامعرکہ۔دوسرامرحلہ

جس قصبہ مہاڑ کے چودار تالاب کے پانی کیلئے اتنا ہنگامہ ہوا تھا۔اسی مہاڑ کی میونسپلٹی نے اپنا پچھلا فیصلہ قرارداد کے ذریعہ بدل ڈالا۔اور اچھوتوں کو پانی لینے سے منع کرنے والی قرارداد منظور کی۔

اونچی ذات والوں کے اس چیلنج کو ڈاکٹر امبیڈکر نے قبول کیا۔اچھوتوں کی میٹنگ 5 ستمبر 1927ء کو بلائی گئی۔جس میں کہا گیا کہ 25اور26 دسمبر 1927ء کو مہاڑ میں ستیہ گرہ کی جائے اپنے موقف کو ظاہر کرتے ہوئے 25نومبر 1927ء کے بہشکرت بھارت میں ایک طویل اداریہ لکھا اچھوتوں اور اونچی ذات والوں کی کشمکش کے تناظر میں ستیہ گرہ کے فلسفہ پر ایک

انتہائی علمی مقالہ لکھ ڈالا۔ اس مقالہ کے ابتدائی حصہ میں ایک اہم انکشاف کیا۔ وہ یہ کہ 1910ء کے خانہ شماری کے وقت ہی ملک میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کا یہ موقف رہا کہ آبادی شمار کرتے وقت اچھوتوں کو ہندوؤں میں شامل نہ کیا جائے بلکہ ہندو، مسلمان کے علاوہ اچھوت ایک تیسری قوم ہے مسلمانوں کے اس موقف سے سناتنی ہندوؤں نے اختلاف کیا۔ مگر آئندہ ڈاکٹر امبیڈکر کی مکمل لڑائی اسی بنیاد پر رہی اور ہم یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہی اس معرکہ کا آغاز کیا اور آئندہ کے دور میں ڈاکٹر امبیڈکر ہی اس معرکہ کے سرخیل رہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اس حقیقت کا اعتراف کر کے اپنی وسیع القلبی کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر 'مہاڑ' کی مجوزہ ستیہ گرہ کی تیاری میں لگ گئے اخراجات کا اندازہ تقریباً دو ہزار روپئے تھا۔ یہ امر مشکل تھا۔ ہر ایک کو مالی امداد کی درخواست کرتے۔ ہائی کورٹ میں وکلاء و بیرسٹروں سے شخصی طور پر ملتے۔ کسی ہندو وکیل نے ان کی مدد نہیں کی۔ پارسی، مسلمان اور دوسرے مذہب کے وکلاء نے تقریباً 100 روپئے کی مالی مدد کی۔ وہ دور ناٹک، ڈراموں اور نمائشوں کا تھا۔ ان تماشہ اور ناٹک کمپنیوں کے مالکوں سے یہ مدد مانگتے اس دور کا ایک معمولی واقعہ قابل ذکر ہے جو انکی سوچ کی غمازی کرتا ہے۔ پھٹے باپوراؤ (Pathe Bapu Rao) ان دنوں مشہور ناٹک، تماشہ کمپنی کے مالک تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر امبیڈکر ناٹک اور تماشہ کے اراکین سے چندہ جمع کرتے رہے ہیں۔ تو وہ 10، 9، 1927ء کو ڈاکٹر امبیڈکر کے گھر پہونچے، باپو راؤ کے ساتھ دونوں طرف لحیم شحیم دو عورتیں تھیں۔ دونوں کے پیروں زیور تھے، جسم پر زیورات تھے۔ خود باپورراؤ کے جسم پر برہمنی انداز کی دھوتی، پارسی فیشن کا کالا کوٹ، سر پر زر کا صافہ جو ایک خاص کولہاپوری انداز سے باندھا گیا تھا۔ گلے اور ہاتھوں میں رودراکش کے مالے، لمبی داڑھی، بڑی آن بان سے ڈاکٹر امبیڈکر کے آفس میں پہونچے اور ڈاکٹر سے کہا کہ وہ تماشوں کی چار سو کی آمدنی ستیہ گرہ کیلئے دینا چاہتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر امبیڈکر نے اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ پٹھے باپوراؤ کے چلے جانے کے بعد انکے ساتھیوں نے دریافت کیا کہ اس پیش کش کو ایسے نازک موقع پر کیوں آپ نے نامنظور کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس قسم کا سوال کرتے ہوئے اس سوال کرنے

والوں کو شرم آنی چاہئے یہ برہمن، اچھوت ذات کی لڑکیوں کو نچوا کر پیسے کماتا ہے۔ میری غیرت اس مدد کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔

مجوزہ ستیہ گرہ کی خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ اچھوتوں میں غیر معمولی جوش وخروش پیدا ہونے لگا۔ جگہ جگہ جلسے منعقد ہونے لگے اور چندے بھی جمع ہونے شروع ہوئے اس ستیہ گرہ کی خبر جب مہاڑ پہونچی تو وہاں کے اونچی ذات والے اور خود میونسپل کونسل کے ممبروں نے داؤ پیچ کھیلنا شروع کیا۔ انہوں نے ایک جلسہ منعقد کر کے ستیہ گرہ کی مخالفت کرنے کی تدبیر پر غور کرنا شروع کیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی صدارت میں ستیہ گرہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ وقتاً فوقتاً ہدایتیں جاری ہونے لگی۔

ستیہ گرہ کمیٹی کی طرف ایک پمفلٹ شائع کیا گیا۔ جس میں تحریر تھا کہ 25 / دسمبر 1927ء کو مہاڑ میں ایک سبھا ہونے جا رہی ہے۔ 19 اور 20 مارچ کو چودار تالاب میں اچھوتوں نے پانی پی کر جو حق جتلایا اسکی مزید تصدیق کیلئے اچھوت مہاڑ میں جمع ہو جائیں۔ ہمیں پیدائشی ناپاک ہونے کا جو کلنک اونچی ذات والوں نے لگایا ہے اسے دھونا ہمارا مقصد ہے ہم نے جن والدین سے جنم لیا ہے۔ وہ بھی اس کلنک سے محفوظ نہیں رہے۔ اس کلنک کو دور کرنا فرض ہے۔ اسلئے تمام اچھوتوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس عظیم الشان سبھا میں حاضر رہیں اور ستیہ گرہ میں حصہ لیں۔ اس پمفلٹ کے ذریعہ ستیہ گرہ کے دوران درکار ضروری سامان مثلاً ایک پلیٹ، لوٹا، کمبل اور تین دن کافی ہونے والے اشیاء خوردنی لانے کیلئے ہدایت دی گئی۔ مزید ہدایت دی گئی کہ ممبئی سے آبی راستہ سے آنے والے کشتی کا کرایہ 5 روپیہ جمع کرائیں۔ چونکہ کافی لوگ جمع ہونگے اس لئے شناخت کیلئے شرکاء اپنے اپنے سینوں پر کمیٹی کی طرف سے دیا جانے والا بیچ لگائیں۔ وغیرہ

ضلع کے حکام، کلکٹر، پولس آفیسر موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے 19 دسمبر کی ہی صبح 'مہاڑ' پہونچ گئے۔ دس ہزار افراد جمع ہوئے۔ ڈاکٹر امبیڈکر اپنے ڈھائی سو معاونین کے ساتھ 24 دسمبر 1927ء کو ممبئی سے 'پدماوتی' نامی کشتی سے روانہ ہوئے۔ اور شام ساڑھے پانچ بجے داس گاؤں بندرگاہ پہونچے جہاں سے 5 میل دور پیدل مہاڑ پہونچنا تھا۔ راستہ میں قلابہ ضلع کے پولس

سپر نٹنڈنٹ نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور کہا کہ کلکٹر ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ اسلئے یہ اپنے ایک ساتھی کو لیکر پولس سپر نٹنڈنٹ کے ساتھ 'مہاڑ' پہونچ گئے۔

مہاڑ ستیہ گرہ کے دن جیسے جیسے قریب آتے گئے ویسے ویسے قصبہ کے ماحول میں کشیدگی پیدا ہو رہی تھی۔ پہلے دن سے ہی آبادی کی اونچی ذات والوں نے مشکلات پیدا کرنا شروع کیا۔ کچھ اس قسم کا انتظام کیا کہ بازار میں کوئی ضروری چیز ستیہ گرہ کرنے والوں کو دستیاب نہ ہو، اب دوسرا اہم سوال تھا کہ اس دن دس ہزار، افراد کے جلسہ کا انعقاد کہاں کیا جائے۔ مہاڑ قصبہ کے آس پاس کے کھیت گجر، برہمن اور دوسری اونچی ذات والوں کی ملکیت میں تھے۔ انہوں نے اپنے کھیتوں میں جلسہ کے انعقاد کی اجازت دینے سے انکار کیا۔ ایک وسیع وعریض شامیانہ کیلئے کثیر رقبہ والی کھلی جگہ کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو فکر لاحق ہوئی۔ مہاڑ قصبہ کے ایک مسلمان فرد فتح خان کا کھیت آبادی سے قریب تھا۔ اس نے بخوشی اجازت دی۔ اونچی ذات والے ہندوؤں نے فتح خان سے درخواست کی کہ وہ اجازت نہ دے، مگر اس نے ایک نہ سنی اور کہا کہ جب وہ وعدہ کر چکا ہے تو خلاف ورزی کیوں کی جائے؟ مقامی لوگ سخت مایوس ہوئے وہ اس بھرم میں تھے کہ ستیہ گرہ کو ناکام بنانے کا یہ آسان طریقہ ہے مگر فتح خان کے تعاون سے وہ اپنے ارادوں میں ناکام رہے فتح خان کے کھیت میں 7,8 ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش والا شامیانہ نصب کیا گیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کے ساتھی جب اس عظیم اور تاریخی کارنامہ کی تیاری میں تھے اسی وقت اونچی ذات کے ہندو مختلف طریقوں سے اس ستیہ گرہ کو ناکام بنانے کے ساتھ ساتھ قانونی چارہ جوئی کی بھی تیاری میں تھے۔ پہلے تو انہوں نے ضلع کے کلکٹر کے پاس درخواست دی کہ ستیہ گرہ پر پابندی لگائی جائے جسے نامنظور کیا گیا۔ 12 دسمبر کو ہی انہوں نے مہاڑ کی دیوانی عدالت میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر ان کے ساتھ سیتا رام شیوتر کر اور دوسرے ساتھیوں کے خلاف ایک دعویٰ داخل کر کے عدالت سے مطالبہ کیا تھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کے ساتھی چودار تالاب پر جا کر پانی نہ پئیں اس قسم کا ایک امتناعی حکم جاری کیا جائے اصل مقدمہ کا فیصلہ نہ ہونے تک عارضی امتناعی حکم کے ذریعہ انہیں تالاب کے قریب جانے سے باز رکھا جائے۔ عدالت نے 14 دسمبر کو ہی امتناعی

احکامات جاری کر دیئے تھے۔ حکم میں کہا گیا تھا کہ عدالت کے مزید احکامات جاری ہونے تک ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کے ساتھی چودار تالاب پر نہ جائیں اور پانی نہ پیئیں۔

عدالتی احکام کی وجہ سے طے شدہ پروگرام میں کچھ تبدیلی کر دی گئی۔ 25 دسمبر کو ستیہ گرہ کے سلسلے میں پہلا اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس میں ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک طویل تقریر کی۔ جس میں انہوں نے پچھلے 19 مارچ کو چودار تالاب کے پانی پینے کے واقعے اور اچھوتوں پر اس وقت ہونے والے حملہ کے واقعات کا بھی تذکرہ کیا۔ تقریر میں 1789ء میں فرانس میں ہونے والے واقعات کا جائزہ لیا۔ اچھوتوں پر ہونے والے مظالم، ہندو مذہب میں ذات پات کی بنیاد پر سماجی تقسیم وغیرہ وغیرہ سارے مسائل زیر گفتگو رہے اور قرار دادیں منظور ہوئیں۔ باہر سے آنے والے شرکاء نے کھانے کا تھوڑا انتظام کیا تھا۔ اور آبادی میں کھانے کیلئے کسی چیز کے ملنے کی امید نہیں تھی۔ اب جو کچھ تھا سب ختم ہوا۔ اسلئے 25 دسمبر کو رات میں چنوں پر اکتفا کرنا پڑا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے جب تمام لوگوں کے سامنے چنے کھائے تو تمام شرکاء نے چنے کھانا شروع کیا اور اس طرح رات گزار دی۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ستیہ گرہ کی مہم کے ایک حصہ کے طور پر ہندوؤں کی مقدس کتاب 'منوسمرتی' جلائی جائے۔ اس ضمن میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔ شامیانہ کے سامنے ایک گہرا کھڈ تیار کیا گیا اس میں چندن کی لکڑی ڈال دی گئی۔ اور رات میں 9 بجے ڈاکٹر امبیڈکر کے ہاتھوں برہمنوں کی مقدس کتاب منوسمرتی جلد کا تاریخی کارنامہ انجام پایا اور یہ واقعہ بھی ملک کی دلت تحریک میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس سے قبل ڈاکٹر امبیڈکر ضلع کے کلکٹر سے مل چکے تھے۔ کلکٹر نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ستیہ گرہ کرنے والوں سے مخاطب ہونا چاہتے ہیں۔ دوسرے دن کی کاروائی شروع ہوئی۔ کلکٹر نے ستیہ گرہ کے شرکاء سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ چار ماہ سے اس تحریک کے بارے میں سنتے آئے ہیں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اپنا دوست تصور کریں۔ وہ ان کی تحریک سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ عدالت کے حکم کی وجہ سے ستیہ گرہ کے اس حصہ کو جس میں چودار تالاب کا پانی پینا شامل ہے۔ اسکی اجازت نہیں دے

سکتے اور عدالت کے آخری فیصلہ تک تالاب کے پانی پینے کا موضوع بھلا دیں۔ جس وقت عدالت کا فیصلہ ستیہ گرہ کرنے والوں کے حق میں ہوگا اس وقت ہی وہ پانی سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ دوسرے دن کی کاروائی میں کلکٹر کی تقریر کے بعد بہت سارے مقررین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ شام 7 بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کہہ کر جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا کہ دوسرے دن کے لائحہ عمل کیلئے رات ۹ بجے دوبارہ غور کیا جائیگا۔ اور صبح ۹ بجے کیا کرنا ہے طے کیا جائے گا۔ بعد میں آپس میں مشورہ ہوا۔ چونکہ کلکٹر نے حکومت کے موقف کا اظہار کیا ہے۔ کلکٹر کو ستیہ گرہ سے اور اچھوتوں کے مطالبہ سے پورا اتفاق ہے لیکن عدالتی حکم کی وجہ سے حکومت کی بھی کچھ مجبوری ہے اسلئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ آخری عدالتی فیصلہ تک ستیہ گرہ ملتوی رکھی جائے۔

شرکاء کو اس فیصلہ سے مایوسی ہوئی۔ ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو اس بات پر بضد تھا کہ عدالتی حکم کے باوجود ستیہ گرہ جاری رکھا جائے اگر چہ اس کیلئے جیل جانا پڑے ستیہ گرہ ملتوی کرنے کی قرارداد خود ڈاکٹر امبیڈکر نے تحریر کی اس لئے اس کی مخالفت کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے شرکاء سے کہا کہ ان کی تحریک کو حکومت کی اخلاقی حمایت حاصل ہے اور آج ستیہ گرہ کرنے والے چودار تالاب سے پانی نہیں لے سکتے اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ امتناعی احکامات کے باوجود شرکائے ستیہ گرہ آبادی میں سے ایک جلوس نکالا۔ کاندھوں پر لاٹھیاں لئے جب یہ جلوس شہر سے گذرا تو عوام نے خوف ہراس سے اپنے اپنے مکانوں کے دروازے بند کر دیئے۔ سڑکوں پر آنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔ جلوس تالاب کی سمت میں گیا۔ اس کے دو حصے ہوئے اور دونوں حصوں نے تالاب کو گھیر لیا۔ راستے میں مختلف نعرے لگائے گئے۔ عدالتی حکم کی وجہ سے کسی فرد نے تالاب میں جا کر پانی نہیں پیا۔ جلوس کی واپسی کے بعد شامیانے میں جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے مختصر تقریر کی اور شام میں ہونے والے جلسہ میں شرکت کی تاکید کی۔

27 دسمبر کو مہاڑ کے آس پاس کے علاقوں سے مہار اور دوسرے اچھوت خواتین ڈاکٹر امبیڈکر کو دیکھنے کیلئے جمع ہوئے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے خواتین کے ایک عظیم اجتماع کے خطاب کے

درمیان ایک خاتون روتی ہوئی آئی۔اس سے وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اونچی ذات والوں نے افواہ پھیلائی کہ ڈاکٹر صاحب کو ہلاک کر دیا گیا ہے تبھی سمجھ میں آیا کہ اتنی خواتین کیوں جمع ہوئی ہیں۔انہوں نے خواتین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ وہ اس بات سے خوش ہوئے ہیں کہ اتنی ساری خواتین جمع ہوئی ہیں اور کچھ باتیں ان کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔'' کہا کہ عورتیں سماجی زندگی کا اہم ستون ہیں انہیں کی مدد سے بہت سارے کام تکمیل پاتے ہیں۔آئندہ وہ بھی پریشد میں شریک ہوتی رہیں۔اچھوت پن کا مسئلہ مردوں سے زیادہ عورتوں کا ہے انہیں جانور سے بدتر سلوک ملتا ہے۔اس کا علم تمھیں بھی ہے۔کچھ ٹھکانوں پر تو ہمارا سایہ بھی ناقابل برداشت ہے۔آفس عدالت میں اور دوسری بہت ساری جگہوں پر اچھوتوں کے علاوہ سب کو مراتب ہیں عزت ہے لیکن ہمارا درجہ اتنا گرا ہوا ہے کہ تمھارے پیٹ سے جنم لینے والے کو کسی قسم کی ملازمت نہیں ملتی۔اسکے باوجود ایک قسم کا سوال تم سے کیا جاسکتا ہے کہ تم عورتوں نے ہمیں جنم دیوں دیا۔کیا اس کا جواب دے سکتے ہو۔برہمن یا کسی اور ذات کی خاتون نے جنم دیئے ہوئے بچے اور تمھارے جنم دیئے ہوئے بچے میں کیا فرق ہے۔؟ جو کردار ایک برہمن خاتون کا ہوتا ہے۔وہی تمھارا بھی ہوتا ہے۔تم بھی اپنے شوہروں کے اتنے وفادار ہوتے ہو جتنا برہمن خواتین،اسکے باوجود برہمن خاتون سے جنم لیا ہوا لڑکا ہر جگہ عزت پاتا ہے۔جبکہ تمہارا جنم دیا ہوا بچہ ہر جگہ بے عزت اور ذلت کی زندگی گزارتا ہے ان باتوں پر تم نے کبھی کیا غور کیا ہے اگر تم ان باتوں پر غور کرتے تو مردوں سے پہلے اچھوت عورتیں ہی ستیہ گرہ کرتیں۔اسلئے تمہیں یہ مزید کرنا ہی پڑے گا۔کہ یا تو ایسی اولاد کو جنم نہ دیں یا پھر انہیں جو کلنک لگتا ہے اسے دھو ڈالیں۔ان دو متبادل چیزوں میں کوئی ایک ہی کر سکتے ہیں۔علاوہ اس کے انہوں نے تقریر میں عورتوں کو صفائی،کپڑوں،ساڑیاں پہننے کے طریقہ وغیرہ کے متعلق نصیحت کی۔انہیں تاکید کی اگر کسی خاتون کا شوہر مکان میں مردہ مویشی کا گوشت لائے تو پکانے سے انکار کر دیں۔لڑکیوں کی تعلیم کا خیال رکھنے کی بھی تاکید کی گئی۔مختلف قراردادوں اور تجاویز کے بعد ستیہ گرہ کے اس پروگرام کو ملتوی کیا گیا۔باہر سے آنے والے ستیہ گرہ اپنے اپنے مقام کو واپس چلے گئے۔

مہاڑ کا قصبہ قلعہ رائے گڑھ کے قریب واقع ہے رائے گڈھ کا قلعہ تاریخ میں رایری کے نام سے جانا جاتا تھا۔ شیواجی مہاراج نے اس قلعہ کو جوکہ انتہائی پہاڑی علاقہ کے ایک اونچے پہاڑ پر واقع ہے اپنی راجدھانی بنائی تھی۔ 6 جون 1674ء کو اسی قلعہ میں شیواجی مہاراج نے ہزاروں لوگوں کی تعداد کی موجودگی میں اپنی تاجپوشی کروائی تھی۔ جن میں انگریز سفارتی نمائندے بھی موجود تھے۔ پورے مہاراشٹر اور خاص طور پر مراٹھا قوم کو اس قلعہ سے جذباتی لگاؤ ہے۔ 1680ء میں شیواجی مہارج کا اچانک انتقال ہوجاتا ہے۔ اسی سال مہاراج کے انتقال کے بعد مغل شہنشاہ اورنگ زیب اپنی کثیر فوج کے ساتھ راجپوتانہ کی مہم ادھوری چھوڑ کر مہاراشٹر میں داخل ہوتے ہیں پہلے بیجاپور کی عادل شاہی 1986ء پھر گولکنڈہ کی قطب شاہی 1687ء فتح کئے جاتے ہیں۔ اور پھر مغل سردار ذوالفقار خان کی سرکردگی میں رائے گڑھ فتح کیا گیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے 29 دسمبر تک اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مہاڑ میں قیام کیا اور پھر رائے گڈھ کے بودھ دور کی گپھائیں (Boudh Caves) دیکھنے روانہ ہوئے۔ وہاں سے واپسی کے بعد 5 بجے رائے گڑھ کیلئے روانہ ہوئے رات ساڑھے نو بجے قلعہ کے زیریں علاقہ میں داخل ہوئے۔ دوسرے دن ڈھائی ہزار سیڑھیاں چڑھ کر قلعہ میں داخل ہوئے۔ تمام دن شیواجی مہاراج کی سمادھی اور دوسرے تاریخی مقامات کا معائنہ کیا۔ اور دھرم شالہ میں قیام کیا۔ اس علاقے کے آس پاس کے دیہاتوں میں اتنی کشیدگی پیدا ہوئی تھی کہ افواہوں کا بازار گرم تھا۔ کبھی کبھی یہ افواہ پھیل جاتی کہ کچھ لوگ ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے قریب کے ٹھکانوں پر جمع ہوئے ہیں اس لئے ڈاکٹر امبیڈکر کے ساتھی بھی چوکنا رہتے احتیاطی تدابیر کرتے۔

ملک کی سماجی تاریخ کا ایک سانحہ ہے کہ ذرائع ابلاغ ہر دور میں اونچی ذات والوں کے ہاتھوں میں رہے ہیں اور ان کا انہوں نے غلط استعمال کیا ہے۔ مسلمان اقلیتیں ہوں یا پھر خود غیر مسلم بہوجنوں کی خبریں ہوں۔ ان طبقات کے متعلق غلط خبریں شائع کرنا انہیں بدنام کرنا، ان کی تحریکوں کو نشان ملامت بنانا۔ پسماندہ طبقات کے سیاسی اور سماجی رہنماؤں کی غلط تصویر عوام میں پیش کرنا وغیرہ وغیرہ ان ذرائع ابلاغ کا شیوہ رہا۔ اس دور کے ضلع قلابہ کے مشہور اخبار 'قلابہ سماچار'

نے 7 جنوری 1928ء کی اشاعت میں سرخی لگائی ''رائے گڈھ پر ڈاکٹر امبیڈکر کی چڑھائی'' اس خبر کے ساتھ یہ خبر شائع کی کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے قلعہ کے چوکیدار کو دھمکی دے کر قلعہ کے اندر واقع تالاب اور مندر کو ناپاک کیا۔ ۱۱ر جنوری کے شمارے میں یہ خبر شائع کی کہ ڈاکٹر امبیڈکر قلعہ میں شیواجی مہاراج کے تخت پر بیٹھ کر لوگوں سے اپنے پیر پڑوائے اور لوگوں سے کہلوایا کہ ہندوؤں کا یہ راج تمہارا ہے۔ اس طرح مراٹھوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی۔ ممبئی اور پونہ کے برہمنوں کے اخباروں نے جھوٹ موٹ کی خبروں کو اپنے اخباروں میں نمایاں طور پر شائع کر کے پورا ماحول خراب کرنے کی کوشش کی۔ ایک اخبار نے تو یہ خبر شائع کی کہ مراٹھوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کو شدید طور پر زخمی کیا اور وہ دواخانہ میں شریک ہیں۔ اس خبر کی اطلاع جب ان کی بیوی رمابائی کو ممبئی تک پہونچی تو ان کا برا حال ہو گیا۔ آخر 2 جنوری 1928ء کو ڈاکٹر امبیڈکر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آبی کشتی کے ذریعہ ممبئی کی بندرگاہ پر خیر خوبی سے پہونچے ہزاروں اچھوت اور دلت ان کے استقبال کیلئے موجود تھے۔

چودار تالاب کے پانی کے استعمال پر اچھوتوں کے خلاف امتناعی احکام جاری کرنے مہاڑ کے سب جج ودیا (Vidya) کی عدالت میں 12 دسمبر کو جو دعویٰ داخل کیا گیا تھا اس کے حشر کا بھی مختصر تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ دعویٰ نمبر 405/1927 میں یک طرفہ امتناعی حکم جاری کیا گیا تھا۔ وہ حکم دعویٰ کے آخری فیصلہ تک عمل میں رہا۔ اصل دعویٰ مہاڑ کی عدالت میں خارج کر دیا گیا۔ مدعی علیہ خود ڈاکٹر امبیڈکر تھے۔ ہندو لیڈر کسی نہ کسی طرح مقدمہ کو طویل کرتے گئے۔ 13 جون 1929ء کو کوئی مدعی عدالت میں حاضر نہ تھا۔ اسلئے مقدمہ خارج ہوا تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر چاہتے تھے کہ مقدمہ کی سماعت ہو۔ شہادتیں قلمبند کی جائیں مگر ایسا نہ ہوا۔ ہندوں کی طرف سے مقدمہ دوبارہ فائل پر لینے کا عریضہ دیا گیا ڈاکٹر امبیڈکر کا بیان قلمبند ہوا دوسرے گواہان کے بیانات بھی لئے گئے اور باضابطہ مقدمہ کی سماعت کے بعد مقدمہ مہاڑ کی عدالت نے 8 جون 1931ء کو خارج کر دیا گیا۔ اس وقت سب جج وی۔ آر صراف (V.R. Saraf) تھے۔ اس فیصلہ کے خلاف تھانہ کے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں اپیل نمبر 462/1933 داخل کی گئی

ڈسٹرکٹ جج ایس ۔ایم کیکنی نے بھی بحث کے بعد اپیل ٹھکرادی ۔ 30 جنوری 1933ء اونچی ذات والے برہمن مدعیان نے ممبئی ہائی کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔اور دوسری اپیل نمبر 462/1933 ہائی کورٹ میں جسٹس بردم فیلڈ اور جسٹس جے جے واڈیا کی بینچ کے سامنے اپیل کی سماعت ہوئی ۔ 17 مارچ 1937ء کو تحت کی عدالتوں کے فیصلوں کو برقرار رکھ کر دوسری اپیل بھی خارج کر دی گئی ۔اور اس طرح دسمبر 1927ء چودار تالاب کے پانی کے حق کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر نے جو قانونی لڑائی شروع کی تھی اس کا مارچ 1937 میں اختتام ہوااور ڈاکٹر امبیڈکر اور اچھوتوں کو کامیابی ملی ۔ایک طویل تاریخی معرکہ اچھوتوں کے کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔اس پورے مقدمہ میں ڈاکٹر امبیڈکر کو کافی محنت کرنی پڑی ۔آج جبکہ ملک کا دستور اس قسم کی پابندیوں کی اجازت نہیں دیتا مگر اس دور کے پس منظر میں یہ کامیابی کافی اہمیت کی حامل تھی ۔چودار تالاب کے پانی پر حق منوسمرتی کا جلایا جانا دلت تحریکوں میں سنگ میل بن گئے ہیں مہاڑ شہر کے ان واقعات نے اس شہر کو دلت تحریک میں ایک قسم کا تقدس عطا کیا ہے آج بھی ان تواریخ پر ہزاروں دلت مہاڑ جا کر اس تالاب کا پانی پی کر ڈاکٹر امبیڈکر کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ۔ان تواریخ پر مہاراشٹر کے شہروں میں ان دنوں کی یاد میں بڑے بڑے پوسٹر لگائے جاتے ہیں جن میں ڈاکٹر امبیڈکر کو تالاب کی سیڑھیوں سے اتر کر تالاب کے پانی کے دو گھونٹ پینے کا منظر دکھایا جاتا ہے ۔

راقم الحروف (مصنف کتاب ہذا) ،ایڈوکیٹ محبوب بھائی، مفتی محمد یوسف (کڑی والے) ، ایڈوکیٹ سیفن شیخ ،رفیق صاحب کلیانی ،سید احمد راجو، موسیٰ خاں پر مشتمل پھلے،شاہو،امبیڈکر و چار مسلم منچ کے عہدہ داروارا کین کے وفد کو علاقہ کوکن کے شہر مان گاؤں میں ایک تقریب میں شرکت اور مخاطب کرنے کیلئے دعوت دی گئی تھی ۔ یہ تقریب 29 نومبر 2006ء کو منعقد ہونے جارہی تھی ، ہمارا قافلہ مہاڑ سے ہو کر مان گاؤں پہونچا۔مہاڑ میں بی ۔ایس ۔ پی کے صدر مدھو کر گائیکواڑ کی رہنمائی میں چودار تالاب دیکھنے کا موقع ملا۔دلتوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی رہنمائی میں جس مقام پر معرکہ سر کیا اسے تقدس عطا ہوا ہے ۔دلت تحریک میں یہ واقعہ ایک سنگ میل بن گیا ہے ۔ یہ

حضرات مہاڑ کو کرانتی بھومی کہتے ہیں۔شہر کے قلب میں واقع اس چھوٹے سے تالاب کے دو گھونٹ پانی کے لیے انہیں کتنی کوشش کرنی پڑی اس کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر 'چودار تالاب' کے پانی پینے کے حق کے سلسلے میں کی جانے والی کشمکش کے تذکرہ میں فتح خاں صاحب کا تذکرہ انتہائی احترام سے کرتے ہیں۔ پورے مہاراشٹر سے 10.8 ہزار دلت ستیہ گرہ کے لیے جمع ہوئے تھے اس عظیم اجتماع کے لیے اس چھوٹے قصبہ میں ایک جگہ جمع ہو کر تقاریر کرنے قرار دادوں کو منظور کرنے اور قیام کے لیے ایک وسیع میدان کی ضرورت تھی۔قصبہ کے اطراف کے تمام اراضیات برہمنوں، مارواڑیوں، مراٹھوں اور گجر حضرات کی تھی، یہ سب کٹر ہندوتوو ادی کسی طرح ڈاکٹر امبیڈکر کی ستیہ گرہ کو ناکام دیکھنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے کھیتوں میں شامیانہ لگانے کی اجازت نہیں دی۔اس نازک اور اہم موقع پر فتح خاں آگے آئے اور انہوں نے اپنا کھیت اجتماع گاہ کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی۔حالانکہ کے گاؤں کے بااثر حضرات کی طرف سے ان پر زبردست دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنا کھیت اس مقصد کے لیے استعمال ہونے نہ دیں مگر ان پر اس دباؤ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ہم لوگ مدھوکر گائیکواڑ صاحب کی مدد سے فتح خاں صاحب کے مکان کا پتہ چلا کر پہونچ گئے۔مکان میں فتح خاں صاحب کے دو پوتے ایوب خاں اور بشیر خاں موجود تھے ہم نے مسلمانان ہند کی طرف سے ان کے گھرانہ کا شکریہ ادا کیا۔ایوب خاں کو ہم نے بتلایا کہ ان کے مرحوم دادا فتح خاں کی ایک چھوٹی سی پیشکش 'چودار تالاب' کے معرکہ میں ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کے لیے کتنی معاون ثابت ہوئی۔دوران گفتگو ایوب خاں صاحب نے کہا کہ ان کی دادی کہا کرتی تھی کہ ان کے مکان سے بہت سارے برتن اور ضروریات کی چیزیں بھی اجتماع گاہ کے لیے روانہ کی گئی تھیں۔آج بھی یہ گھرانہ متمول ہے۔ ریت کے کاروبار ہیں مقامی سیاست میں دخل ہے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ قافلہ 28 رنومبر کو مغربی گھاٹ کے سلسلہ کی ایک فلک بوس چوٹی پر واقع قلعہ رائے گڑھ دیکھنے کے لیے شب میں قلعہ کے زیریں علاقہ میں پہونچے جہاں 'پاچال' نامی موضع بسا ہے۔مجاور خاندان کے بہت سارے مسلمان اس موضع میں بڑی آن بان سے رہتے ہیں۔'پاچال' کی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر

اذان وادی میں گونجتی سنائی دیتی ہے ایمان تازہ ہوتا ہے۔مجاور خاندان کے ایک ذمہ دار سے گفتگو ہوئی انہوں نے بتایا کہ وہ ''مدارشاہ'' کے مزار کے مجاور ہیں یہ مزار قلعہ کے اوپری حصے میں راجہ شیواجی کی تعمیر شدہ عمارات کے قریب ہے۔ یہ وہی مدارشاہ ہیں جنہیں تاریخ مداری مہتر کے نام سے جانتی ہے۔آگرہ میں جب شیواجی راجہ، اورنگ زیب کی حراست میں تھے تو ان کی فراری کے لیے مداری مہتر نے جان پر کھیل کران کی مدد کی تھی۔ان کے ساتھ دوسری شخصیت ہیروجی فرزند کی تھی۔اپنے اس وفادار خدمت گذار کے انتقال کے بعد انہیں قلعہ میں دفن کیا گیا مزار کے لیے 'پاچال' میں زمینات انعام کے طور پر دی گئیں انہیں زمینات پر یہ مجاور قابض اور متصرف ہیں اور ہر سال یہ مجاور خاندان مدارشاہ کا عرس منعقد کرتا ہے۔آج بھی حکومت کی طرف سے عرس کے اہتمام کے لیے کچھ رقم ملتی ہے۔قلعہ میں راجہ شیواجی نے مسجد بنوائی تھی جو پونہ کے برہمن پیشوائی دور میں مسمار کی گئی مگر سرکاری نقشوں میں اس مسجد کا ٹھکانہ دکھایا گیا ہے قلعہ کے بالائی حصہ میں مدارشاہ کا مزار اور مسجد کی موجودگی راجہ شیواجی کی رواداری اور سیکولر کردار کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔

12 - دیگر اہم معرکے

1923ء میں لندن سے واپسی کے بعد اگرچہ وہ پیشہ وکالت سے منسلک رہے مگر ان کی زندگی اپنے پیشہ تک محدود نہ رہی۔سماجی اور سیاسی زندگی کے انتہائی مصروف سفر کا آغاز کیا تھا۔جس میں مختلف علاقوں کے دورے جلسوں کیا انعقاد وتخاطب تحریری کام،مختلف تنظیموں کی تشکیل اجتماعی جلسوں میں شرکت نمایاں شخصیتوں سے خط وکتابت درس تدریس،لیجسلٹیو کونسل کی بحثوں میں حصہ لینا،دلتوں کے حقوق کے تحفظات کیلئے بل پیش کرنا۔دوسرے اراکین کے پیش کردہ بلوں پر بحثوں میں حصہ لینا،برطانوی حکومت کی طرف سے آئے ہوئے مختلف کمیشن کے اراکین کے سامنے اپنا موقف رکھنا وغیرہ وغیرہ اتنی ساری محنت کی وجہ سے صحت پر برا اثر پڑنے لگا،ان کی خانگی

زندگی متاثر ہونے لگی۔ یہ سلسلہ 1930ء تک چلتا رہا طوالت کے خوف سے تفصیلات نظر انداز کی جاتی ہیں۔ مارچ 1924ء میں اپنی آفس میں انہوں نے اپنے معاونین کے سامنے کہا تھا' مجھے علم کی وجہ سے طاقت ملی ہے اسے میں صرف اپنے خاندان یا اپنی ذات کیلئے استعمال نہیں کرونگا بلکہ یہ ساری طاقت میرے اچھوت بھائیوں کی تحریک کیلئے صرف ہوگی۔ اگر میں اس میں کامیاب رہا تو اچھوت اور اونچی ذات والے دونوں مستفید ہونگے۔ اچھوتوں کے مسائل بہت پیچیدہ ہیں۔ ان تمام کو حل نہیں کر پاؤں گا۔ اس کا مجھے احساس ہے لیکن میں کم از کم دنیا والوں کی توجہ ان مسائل کی طرف مبذول کراؤں گا۔ اور سب کے سامنے رکھوں گا، مجھے کم از کم اتنا اعتماد ہے کہ اچھوتوں کے مسائل ایک ہمالیہ پہاڑ ہیں اور اس ہمالیہ سے بار بار ٹکرا کر اپنا سر پھوڑ لوں گا۔ ہمالیہ تو زمین دوز نہیں ہوگا۔ مگر میرے خون آلود سر دیکھ کر 7 کروڑ اچھوت اس ہمالیہ کو زمین دوز کرنے تیار ہوں گے۔''

مئی 1924ء میں شولا پور ضلع کے بارسی تعلقہ میں صوبائی 'بہشکرت پریشد' میں تقریر میں کہا کہ روم میں غلامی تھی مگر وہاں اس غلامی سے بچنے کے ذرائع تھے۔ اپنی کوششوں سے کئی غلام اور انکی نسل نے آزادی حاصل کی مساوی حقوق کے حقدار بنے مگر اچھوت پن غلامی کی ایسی صورت ہے کہ پہلے بھی اچھوت اب بھی اچھوت اور ان سے پیدا ہونے والی نسل بھی اچھوت، اس قباحت سے نکلنے کیلئے کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے صدیوں سے لوگ اچھوت ہی رہتے ہیں۔ اچھوتوں پر الزام ہیکہ وہ گندے رہتے ہیں۔ نالیاں صاف کرتے ہیں۔ ہزاروں قسم کی دیوی، دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ الزام عائد کرنا آسان ہے۔ مگر ان برائیوں کیلئے کون ذمہ دار ہے۔ اس پر کبھی غور نہیں ہوتا۔ دوران تقریر کیرالہ کے قصبہ ویکم (Vaikom) کی مثال دے کر کہا کہ وہاں ایک ایسی سڑک ہے جس سے مسلمان اور کرسچن گزر سکتے ہیں مگر اچھوت نہیں۔ حالانکہ یہ اچھوت ہندو دھرم کا ہی ایک حصہ ہیں۔ اسلئے انہوں نے کہا کہ ہندو دھرم ترک کرکے مسلمان ہونا زیادہ مناسب ہے۔ (دلت تحریک میں ویکم کی ستیہ گرہ کافی مشہور رہے) پچھلے دس سال کی ملک

کی سیاست کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ ملک کی آزادی کیلئے جو تحریک چل پڑی ہے اس میں مذہبی بنیادوں پر آبادی کی تقسیم کو زیادہ اہمیت دی جارہی ہے۔ ہندوں کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی آبادی کو بڑھا چڑھا کر پیش کریں اس کیلئے انہیں اچھوتوں کو ہندووں میں شامل کرنا ضروری ہے۔ مسلمان انہیں نظرانداز نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہ آج کروڑوں روپیے خرچ کر کے اچھوتوں کو مسلمان بنانے کیلئے تیار ہیں۔

۱۱/اپریل 1925ء کو بیلگام (موجودہ کرناٹک میں واقع) کے قصبہ نیپانی (Nipani) میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے جہاں جہاں ظلم ہوا وہاں زبردست معرکے ہوئے مخالفت ہوئی تصادم ہوا۔ جانی نقصان ہوا۔ مگر یہ رائیگاں نہیں گئے۔ اس قسم کا جب تک معرکہ نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری چھینی ہوئی انسانیت ہمیں واپس نہیں ملے گی۔ ہم پر اتنا ظلم اور ہم سے اتنی ناانصافی ہونے پر بھی ہم خاموش رہتے ہیں۔ ہم اس سے جھنجھلاہٹ بھی محسوس نہیں کرتے۔ ہمیں ان چیزوں کا احساس بھی نہیں۔ چیونٹی پر پیر دابا جائے تو وہ بھی ڈستی ہے مگر ہم جیسے انسانوں کو کوئی لات بھی مار دے تو ہماری طرف سے کوئی ردِ عمل نہیں ہوتا۔ اس کیفیت کیلئے انہوں نے بہت ساری وجوہات بتائیں علم کی محرومی کا خاص طور پر ذکر کیا۔

ضلع ساتارہ کے ایک قصبہ رحمت پور میں مئی 1926ء میں 'ضلع مہار پریشد' منعقد ہوئی۔ اسے مخاطب ہوتے کہا "ہندو سماج کے اونچی ذ ت والے خاص طور پر برہمنوں نے اس ملک کے لوگوں کو مذہب کے نام پر اپنے پیروں تلے دبا رکھا ہے اور یہی لوگ ہیں جو انگریزوں اور مسلمانون کے پیر چاٹتے ہیں اور عیش آرام کی زندگی گزارتے ہیں۔ اپنی طویل تقریر کے آخر میں کہا "میں نے اپنے دل اور ذہن کو برہمنوں کی غلامی سے آزاد کر دیا ہے۔ برہمنوں کی ذات ہمیشہ اپنی فوقیت قائم رکھنے کیلئے عوام کی غلط رہنمائی کرتی ہے۔ ان کے اس جھوٹ کو اجاگر کر کے اچھوتوں کو ان سے دور کرنا میرا اولین فرض ہے کیونکہ میں اپنی اندھی عوام کے ہاتھ کی لاٹھی ہوں"

5 جولائی 1927ء کو ممبئی میں اچھوتوں کا ایک زبردست احتجاجی جلسہ ہوا۔اس جلسہ میں اچھوتوں پر 9 مارچ 1927ء کو مہاڑ میں جو ظلم ڈھائے گئے اس کی مذمت کی گئی۔اور حکومت سے اچھوتوں کے مطالبات تسلیم کروانے کیلئے قرارداد منظور کی گئی۔

مہار وطن:

اسی دوران ڈاکٹر امبیڈکر ایک اور اہم مشن کی تکمیل میں سرگرم رہے۔یہ مسئلہ خود ان کی مہار ذات سے متعلق تھا، وہ کچھ یوں تھا، بیدر کی بہمنی حکومت نے مہاراشٹر کے کئی علاقوں میں مہاروں کو کچھ زمینات انعام کے طور پر ان شرائط پر دیئے گئے تھے کہ وہ سرکاری کاموں میں حکومت کے کارندوں سے تعاون اور ان کی مدد کریں۔جب بھی کوئی حکومت کا کوئی کارندہ یا آفیسر کسی دیہات میں پہونچتا تو انعامی زمین یافتہ مہار ان کی سربراہی کیلئے حاضر ہوتے۔اس کام کیلئے انہیں کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں دی جاتی۔اگر خاندان کا ذمہ دار کسی وجہ سے حاضر نہ ہوتا تو پھر اس کے قریبی رشتہ داروں کو یہ کام انجام دینا پڑا۔دن اور رات اور وقت کی کوئی قید نہیں تھی۔انعامات میں دی گئی زمینات 'وطن' کہلاتے۔ان وطن داروں اور وطن کے تعلق سے (یعنی مہار خدمت گزاروں کے تعلق سے) قانون 1874ء میں بن چکا تھا مگر اس سے ان مہار وطن داروں کو کوئی فائدہ پہونچ نہیں پا رہا تھا۔'مہار' لوگ اس وطن کے چکر میں کاہل اور ناکارہ ہو سکتے تھے۔ان کی زندگی گاؤں کے پٹیل، پٹواریوں کی خدمت میں گزرنے لگی۔کہیں 2 آنے ماہانہ تنخواہ بھی ہوتی کہیں 2 روپیئے اسی قسم کا ایک اور رواج دیہاتوں میں مروج تھا۔گاؤں کے موچی، مہار، اور دوسرے کم درجہ کی خدمات انجام دینے والوں کو سال بھر بڑے کاشتکاروں کی مختلف طریقوں سے انکی خدمات کرنا پڑتا۔معاوضہ کے طور پر سال میں جب فصل کٹتی تب کھلیان پر جاکر جو کچھ بچا رہتا لے آتے۔اس پورے نظام کی درستی کے لئے ڈاکٹر امبیڈکر کو کونسل میں مناسب قانون پاس کروانا ضروری تھا۔ اس کے لئے ماحول تیار کرنے اور مسائل کو سمجھنے سمجھانے کیلئے دورے کرنے پڑتے۔مہار وطن داروں کے جلسے منعقد کر کے یہ سمجھانے کیلئے کہ سارا نظام غیر انسانی ہے۔اس کام کی انجام دہی کیلئے

انہیں بہت محنت کرنی پڑی۔ 19 مارچ 1928ء کو کونسل میں بل رکھا اور اپنے موقف کی عمدہ طریقہ سے وضاحت کی انہوں نے تجویز رکھی کہ مناسب معاوضہ لیکر یہ انعامات خالصہ کر دیئے جائیں یعنی ان زمینات کی انعامی حیثیت ختم کر کے وطن داروں کو ان زمینات کے مالکان بنا دیا جائے۔ اس بل میں اتنے اتنی ترمیمات آئیں کہ بل کا مقصد ہی فوت ہوا۔ اونچے ذات والوں کی طرف سے اس بل کی اتنی مخالفت ہوئی کہ بل 24 جولائی 1924 کو واپس لینا پڑا۔

29 مئی 1929ء کو ضلع بلڈانہ کے قصبہ 'پاتورڈا' میں مدھیہ بھارت اور علاقہ کے اچھوتوں کی پریشد میں ڈاکٹر امبیڈکر نے صدارتی تقریر میں کہا کہ اس ضلع میں اونچی ذات والوں کے مظالم سے بچنے کیلئے مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہو جائیں گے مگر اس بھکشو شاہی کے کان پر جوں بھی نہیں چلی۔ انھوں نے اس دھمکی کا کوئی اثر نہیں لیا۔ ہندو مہا سبھا جو شدھی کی تحریک چلائی ہے اس کو اس دھمکی کی خبر بھی نہیں ہوئی۔

جلگاؤں ضلع کے مہاروں کی اس دھمکی پر اونچی ذات والوں کا یہ صرف یہ ردعمل تھا کہ مہار صرف کچھ سیاسی فائدے اٹھانے کے لیے اس قسم کی دھمکی دے رہے ہیں مگر جب 4 جون 1929ء کو اس علاقہ کے 12 مہار نے اسلام قبول کیا تو اونچی ذات والے ہندوؤں کی آنکھیں کھل گئیں۔ جھٹ دو کنویں ان مہاروں کے لئے وقف کر دئے گئے۔ مگر اتنی سی رعایت سے ڈاکٹر امبیڈکر مطمئن نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ "یہ کافی نہیں ہے ہندوؤں کو چاہئے کہ اس بات کا جائزہ لیں کہ حالات اس حد تک کیوں پہونچ گئے ہیں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ مسلمانوں اور کرسچنوں کا اچھوتوں پر بڑا احسان ہے اگر یہ ہندوستان میں نہ آتے تو معلوم نہیں اچھوتوں پر اور کتنا ستم ہوتا۔ اس کا تصور کرنا مشکل ہے۔"

اس دور میں ڈاکٹر امبیڈکر کی کوششوں اور تحریکوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک اور بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ انکی قربانیوں کے باوجود خود اچھوتوں میں ایک قابل لحاظ تعداد ایسی تھی جو ان کی مخالفت کرتی تھی۔ ڈاکٹر امبیڈکر مہار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اچھوتوں میں مہاروں کے علاوہ مانگ، موچی، ڈھور وغیرہ وغیرہ اور بھی طبقات تھے جو سماجی درجہ بندی میں مہاروں سے کم

سمجھے جاتے ہیں وہ پوری طرح ڈاکٹر امبیڈکر سے یکسو ہو نہیں پائے بلکہ ان کی مخالفت کرتے تھے۔ مہار کے علاوہ دوسرے اچھوت طبقات مہار کو رقابت کے جذبہ سے دیکھتے ہیں ڈاکٹر امبیڈکر خود مہار ہیں۔ محض اسی وجہ سے دوسرے اچھوتوں نے ان کی تحریک میں حصہ نہیں لیا اور مناسب رسپانس نہیں دیا۔ آج بھی دوسرے اچھوتوں کا ایک کثیر حصہ ہندوتو وادیوں کے نرغے میں ہے آج بھی غیر مہار اچھوت ڈاکٹر امبیڈکر کو مہار کے رہنما کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جبکہ انہوں نے تمام اچھوتوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا۔ کبھی کوئی تفریق نہیں کی۔

اکتوبر، نومبر 1929ء میں ممبئی سرکار نے اسٹارٹ کمیٹی مقرر کی کہ وہ ادی باسیوں اچھوتوں کی تعلیمی سماجی حالات کا جائزہ لیکر حکومت کو رپورٹ پیش کرے تاکہ ضروری اصلاحات کیلئے قدم اٹھائے جائیں۔ اس کمیٹی کا صدر اسٹارٹ نامی آئی۔ سی۔ ایس آفیسر تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو اس کمیٹی کے ایک ممبر کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ کمیٹی کے ایک اور ممبر تھے ٹھکر جو گاندھی جی کے بھگت تھے خاندیش، بیلگام اور ناسک کے علاقوں کا اس کمیٹی نے دورہ کیا۔ سفر کے دوران کمیٹی کے دوسرے اراکین کا برتاؤ ڈاکٹر امبیڈکر سے اچھا نہ رہا ایک پرائمری اسکول ٹیچر نے انہیں کلاس میں قدم رکھنے سے منع کیا۔ جب علاقہ خاندیش کے ضلع چالیس گاؤں کا دورہ جاری تھا اس وقت ہزاروں اچھوت چاہتے تھے کہ انہیں اپنی بستی لے جائیں مگر تمام تانگہ چلانے والے تمام ہندوؤں نے انہیں اپنے تانگوں میں بٹھانے سے انکار کیا۔ مجبوراً ایک اچھوت ٹانگہ والا جسے ٹانگہ ہانکنے کا ٹھیک تجربہ نہ تھا انہیں لے جانے پر راضی ہوا۔ مگر ٹانگہ والے کی ناتجربہ کاری سے ٹانگہ الٹ گیا یہ زخمی ہوئے۔ دسمبر 1929ء تک چل پھر نہ سکے۔ اس کمیٹی کی سفارشات پر مختلف آفسوں میں اچھوتوں کو آفیسر، کلرک وغیرہ کے عہدوں پر لگایا گیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی کا باریکی سے مشاہدہ کیا جائے تو یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اپنی تحریک میں کبھی بھی اچھوتوں کے طبقات میں تفریق نہیں کی۔ لیکن برہمن اور ہندوتو وادیوں نے اپنا قدیم حربہ استعمال کیا۔ اچھوتوں کے کچھ طبقات کو ورغلاتے رہے اور وہ ڈاکٹر امبیڈکر کے خلاف الزامات لگایا کرتے۔

14 اکتوبر 1956 کو جب ناگپور کی دکشا بھومی میں ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے لاکھوں

معتقدوں کے ساتھ ہندو مذہب ترک کرکے بودھ مذہب اختیار کیا تو ان میں اکثریت مہاروں کی تھی۔ دوسرے اچھوتوں کی رہنماؤں کو 50 سال کے بعد احساس ہورہا ہے کہ 1956ء میں انہوں نے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کا ساتھ دے کر ایک بڑی غلطی کی۔ مہاراشٹر کے بارے میں کم ازکم اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اچھوتوں میں مہاروں کی مقابلتاً دوسرے طبقات کے اچھی ترقی ہوئی ہے۔ تعلیم کا تناسب بڑھ گیا ہے۔ مہاروں میں بہت سارے اعلیٰ عہدوں پر پہونچ گئے ہیں۔ انجینئرنگ ،میڈیکل وغیرہ شعبوں میں آپ کو کافی مہار ملیں گے۔ اسکے برخلاف چمار، ڈھور اور مانگ طبقات جو ہندوتو کے زیر اثر رہے ہیں انہیں اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہورہا ہے، وہ ترقی کے میدان میں پیچھے رہے اور دوسرے یہ کہ بودھ مذہب اختیار نہ کرکے اپنے قدیم مذہب سے چمٹے رہنے سے انھیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ ہندوسماج میں انہیں وہی درجہ ہے جو پہلے تھا ان کے سماجی رہنما اپنی پالیسی پر نظر ثانی کررہے ہیں جس وقت یہ حروف لکھے جارہے ہیں دلتوں کی ایک شاخ 'کیکاڑی' کے ایک دانشور لکشمن مانے (Laxman Mane) بودھ مذہب کی تحریک بڑے زوروشور سے چلارہے ہیں۔ اور بالآخر ۲۷ مئی ۲۰۰۷ء کو اپنے ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ انہوں نے بودھ دھرم قبول کیا۔ اس تقریب کے لئے ممبئی کے مہالکشمی ریس کورس کے میدان کو منتخب کیا گیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا ارادہ تھا کہ دوسرا بڑے پیمانے پر تبدیلیٔ مذہب کا جلسہ وہ نہیں کریں گے۔ ان کی اسی خواہش کے احترام میں اس جگہ کو منتخب کیا گیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو اپنی زندگی میں یہ موقع نہیں ملا تھا۔

ڈاکٹر امبیڈکر پر جب تعصب کا الزام لگایا جاتا تو وہ بہت ناراض ہوتے۔ 20 جولائی 1927ء کو پونہ میں شہر کے'مانگ واڑے (اچھوت مانگ طبقہ کے رہائش والا محلہ) میں اچھوتوں کا ایک جلسہ ہوا۔ کچھ اونچی ذات والے رہنما بھی اس جلسہ میں شریک تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو جب تقریر کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا کہ آج چونکہ کوئی عنوان نہیں دیا گیا ہے اسلئے وہ چاہتے ہیں کہ کچھ دل کی باتیں صاف صاف کہیں۔ تقریر کا اقتباس ہے''مسٹر سکاٹ اور روائی دنڈے (غیر مہار اچھوت لیڈر) نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ مہار خود غرض ہوتے ہیں آپ لوگ جانتے ہیں

کہ میں خود ایک مہار ہوں۔ میں غیر مہار لیڈروں سے ایک سوال کرتا ہوں کہ انہوں نے مہاروں
کیلئے کچھ کیا ہے؟ دیکھا جائے تو غیر مہار اچھوتوں کی تعلیمی اور مالی حالت زیادہ بہتر ہے۔ ممبئی میں
چمار اور ڈھور کے کچھ لوگ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں میں نے آج تک کبھی یہ نہیں سنا کہ انہوں نے
مہاروں کیلئے کچھ کیا ہو۔ اسکے برخلاف ہم نے کئی اداروں کی تشکیل کی ہے اور اچھوتوں کے تمام
طبقات کی ترقی کیلئے مختلف کام انجام دیئے ہیں۔ یہ کام 'بہشکرت ہت کرنی سبھا' کے ذریعہ ہو رہا
ہے۔ شولا پور میں ایک بورڈنگ قائم کی مگر شولا پور کے چماروں نے کوئی مدد نہیں کی۔ اس کے
باوجود مہار، چمار، مانگ وغیر کے طلباء کو وہاں داخلہ دیا گیا۔ اب بھی چمار سماج کے بچوں کو داخلہ
دلوانا ہے تو ہم تیار ہیں ایسے بچے ضرور روانہ کریں۔ اسی طرح ناسک، جلگاؤں میں بھی تمام اچھوت
ذات کے بچوں کی تعلیمی ترقی کیلئے ہم کوشاں ہیں ایسی صورت میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مہاروں
کے خلاف کیوں شکایت کی جاتی ہے۔" انہوں نے بہت ساری مثالیں دے کر کہا" کانگریس کے
اجلاس میں کھاتے وقت الگ الگ برتن رکھے جاتے ہیں۔ مگر میری رہنمائی میں سبھائیں ہوتی
ہیں اس میں تمام ذات کے لوگ ایک ہی جگہ مل کر کھاتے ہیں اگر غیر مہار اچھوتوں کو الگ رہنا
ہے تو رہیں وہ الگ رہ کر بھی اچھوتوں کیلئے کچھ کرنا چاہتے ہوں تو ضرور کریں مگر کچھ مخصوص لوگوں
کے سایہ میں یہ کام نہ ہو" غالباً یہاں برہمن اور اونچی ذات والوں کی طرف اشارہ ہے۔) "مسلمانوں
سے اپنے آپ کو بچانے کیلئے ہندو مہاسبھا کے لوگ اچھوت پن کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں یہ
ان کا ایک حربہ ہے۔ اعلیٰ ذات کے ہندو کہتے ہیں کہ اچھوت اگر تعلیم حاصل کریں تو اچھوت پن
ختم ہو جائیگا۔ مگر اس ضمن میں، میں اپنا تجربہ سناتا ہوں۔ ممبئی ہائی کورٹ میں وکلاء کے چیمبر کے
قریب ایک برہمن ہوٹل والا تھا۔ جب میں چائے منگواتا وہ کپ وطشتری میں چائے روانہ کرتا۔ مگر
ایک گجراتی اخبار میں ایک خبر کے ساتھ میری تصویر شائع ہوئی جس میں یہ صراحت تھی کہ میں مہار
ہوں تو دوسرے دن اس برہمن ہوٹل والے نے شیشے کے پیالہ میں چائے روانہ کیا۔ اس سے یہی
نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اچھوت اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ پاک صاف رہیں تب بھی وہ اچھوت ہی
رہیں گے۔"

انہوں نے تجویز رکھی کہ آئندہ اچھوتوں کی پریشدوں میں مندروں میں داخلہ کا مسئلہ، تالاب، کنوؤں اور عام پانی کے ذرائع پر اچھوتوں پر لگائی گئی پابندی کے خلاف جدو جہد کرنے کیلئے ضروری اقدام اٹھانے پر غور ہوگا۔

مندروں میں داخلہ کا مسئلہ:

اس دور میں اچھوتوں میں ایک تحریک زور پکڑ رہی تھی وہ یہ کہ جب اچھوت ہندو دھرم کا ہی ایک حصہ ہیں تو پھر مندروں میں جانے پر پابندی کیوں، اس تحریک میں ڈاکٹر امبیڈکر کا اہم رول رہتا جہاں احتجاج کی ضرورت پڑتی ان کا اس احتجاج میں نمایاں حصہ رہتا۔ مہاراشٹر کے شہر امراوتی کے انبہ دیوی کے مندر میں اچھوتوں کے داخلہ کی کوشش شروع ہوئی۔ امراوتی میں صوبہ برار اچھوت پریشد 13، 14 نومبر 1927ء کو منعقد ہوئی۔ اپنی طویل تقریر کے ابتداء ہی میں انہوں نے ایک مزے دار بات کہی ''اعلیٰ ذات کے ہندو اور اچھوت ایک ہی دھرم سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں فریق اس بات سے متفق ہیں اعلیٰ ذات والے کبھی یہ نہیں کہتے کہ تم ہندو نہیں ہو۔ لیکن 1910ء کی مردم شماری کے وقت مسلمانوں نے کہا کہ اچھوتوں کی گنتی ہندوؤں کی حیثیت سے نہ کی جائے تو اس وقت کے اعلیٰ ذات کے نہ صرف ہندو بلکہ سناتنی (کٹر بنیاد پرست) ہندو بھی اس بات پر بضد رہے کہ اچھوت ہندو ہیں۔ جسکی وجہ سے اچھوتوں نے تسلیم کیا کہ انہیں ہندو کی حیثیت سے ہی شمار کیا جائے۔ مگر آج معاملہ الگ ہے اگر ہم ہندو ہیں تو ہمارے حقوق کیا ہیں؟

''انہوں نے اپنی تقریر میں کئی مسائل اٹھائے ستیہ گرہ کے فلسفہ کو تفصیل سے سمجھایا، اس کے لئے خود ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے حوالے دیئے۔ ستیہ گرہ کا نظریہ تفصیل سے اسلئے سمجھایا کہ آئندہ ہر مطالبہ کے وقت انہیں ستیہ گرہ کرنا پڑے گا۔''

تقریر کے اختتام پر ایک بات بہت زور دے کر کہی وہ یہ کہ اونچی ذات والے ہم سے کہتے ہیں کہ ہم دونوں فریق ایک ہی دھرم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلئے آپسی مسائل کیلئے ستیہ گرہ

کا ہتھیار استعمال نہ کیا جائے۔ وہ بھی ایسے وقت جب باہر سے ہندو دھرم پر حملے ہو رہے ہیں۔ یہ بات اصولی طور پر سننے کیلئے بہت میٹھی لگتی ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھوت اس بات پر کیوں غور کریں۔ جس دھرم میں اچھوتوں سے پیر کے چپل جیسا سلوک کیا جاتا ہے اس مذہب کی وہ حفاظت کیوں کریں؟ اس مذہب کی حفاظت کا کام اونچی ذات والے خود کریں۔ ''کھانے کیلئے ہم لڑنے کیلئے تم'' اس قسم کی نصیحت سننے کیلئے اچھوت اب اتنے بے وقوف نہیں رہے۔ اب تک ہم نے ہندوؤں کے مذہب کی حفاظت کی ہے۔ یہ ہماری غلطی تھی اس کا احساس اب ہو رہا ہے۔

انبہ دیوی کے مندر میں داخلہ کیلئے جوستیہ گرہ شروع کیا جانے والا تھا۔ وہ تین ماہ کیلئے ملتوی کئے جانے کا اعلان کیا گیا۔ اس پریشد کے دوران انہیں اطلاع ملی کہ 12 نومبر کو ان کے بڑے بھائی بالارام کا اچانک حرکت قلب بند ہونے سے ممبئی میں انتقال ہوگیا۔ پریشد کی وجہ سے وہ اپنے بھائی کی آخری رسومات میں شرکت کر نہ سکے۔ مگر ان کی غیر حاضری کے باوجود ان کی آخری رسومات میں شرکت کرنے کے لیے 3 تا 4 ہزار اچھوت اور ڈاکٹر امبیڈکر کے چاہنے والے شریک رہے۔ اس سے قبل اس بات میں ملازمت کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ بالارام فوج میں بینڈ بجانے والے دستہ میں ملازمت کرتے تھے۔ پانچویں کلاس تک ان کی تعلیم ہوئی تھی۔ جس وقت ڈاکٹر امبیڈکر لندن میں زیر تعلیم تھے اس وقت بالارام ہی ان کی بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ وہ شراب نوشی میں مبتلا تھے۔ کبھی کبھی دونوں بھائیوں میں سخت اختلاف بھی پیدا ہوتا۔ بعد میں انہوں نے ممبئی میونسپل کارپوریشن میں ملازمت اختیار کی تھی انہیں صرف ایک شادی شدہ بیٹی تھی۔ امراوتی سے واپسی کے بعد ان ہزاروں لوگوں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ان کی غیر موجودگی میں ان کے بھائی کی آخری رسومات میں شرکت کی اور ڈاکٹر امبیڈکر سے اپنی انسیت کا اظہار کیا۔

13- پاروتی ستیہ گرہ

'چودار تالاب' کے واقعہ اور مہاڑ کی ستیہ گرہ کے بعد اچھوتوں میں ایک نیا ولولہ و جوش پیدا ہوا تھا۔ ہر جگہ ستیہ گرہ کی بات ہونے لگی تھی۔ اس ضمن میں پونہ کے مشہور ※ پاروتی مندر' اور ناسک کے 'کالارام مندر' سے متعلق جو دلتوں کی تحریک شروع ہوئی وہ بھی تاریخی واقعات بن گئے ہیں۔ احمد نگر کے نظام شاہی کے دور میں پونہ میں ایک چھوٹا قصبہ تھا۔ جو پورندرے (Purandare) نامی برہمن کو جاگیر میں دیا گیا تھا۔ بعد میں یہ جاگیر شیواجی مہاراج کے والد شاہ جی کی جاگیر بن گیا۔ اسی جاگیر میں پاروتی ایک چھوٹا سا موضع تھا (جو اب پونے شہر میں ضم ہو گیا ہے) پاروتی میں ایک چھوٹی پہاڑی ٹیکری پر ایک چھوٹا مندر تھا۔ بعد میں پونہ کے برہمن پیشوا

وَں نے اس جگہ وہاں ایک خوبصورت مندر تعمیر کیا۔ پیشوا حکمراں اس مندر سے خاص لگاؤ رکھتے تھے۔ وہاں ایک خوبصورت مکان تعمیر کیا اور 1755ء میں تالاب زیریں حصہ میں بنایا۔ 22، 9، 1929ء کو پونہ کے سیلف گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ'' کے وسیع ہال میں ونائیک راؤ کی صدارت میں ایک میٹنگ بلائی گئی تاکہ پاروتی مندر میں اچھوتوں پر لگی پابندی دور کرنے کے اقدامات کئے جائیں۔ اس مقصد کیلئے ایک ستیہ گرہ کمیٹی بھی بنائی گئی۔ سناتنی برہمنوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے پہلے ہی سے ایک بحث چھیڑ دی کہ یہ عوامی مندر نہیں ہے۔ بلکہ پنچ کمیٹی کا خانگی مندر ہے۔ مندر میں کسے داخلہ دیا جائے کس پر پابندی لگائی جائے یہ پنچ کمیٹی کا ذاتی معاملہ ہے۔ بہت دنوں تک برہمنوں کے اخبار اور بہوجنوں کے اخبار کے درمیان سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ اعتراضات ہوتے رہے صفائی بھی دی گئی۔

13 اکتوبر 1929ء کو دسہرہ کا دن تھا۔ اس دن سے ستیہ گرہ کرنا طے کیا گیا۔ اچھوتوں کا ایک ڈیلیگیشن کلکٹر پونہ سے ملا اور صورت حال سے واقف کرایا۔ مذکورہ تاریخ جو اتوار کو تھی صبح سات بجے سے ہی لوگ پاروتی کی ٹیکری کے سامنے جمع ہونا شروع ہوئے۔ بہت سارے لوگ اس لئے جمع ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ پونہ کا کلکٹر، اسٹنٹ کلکٹر، تحصلید ار، انتظام کی نگرانی کرنے مندر کے قریب پہونچ گئے۔ مندر کے منتظمین نے ایک دن پہلے ہی مندر کے دروازے بند کر دیئے۔ صبح 9 بجے تک 3 سے 4 ہزار لوگ جمع ہو گئے۔ اس ستیہ گرہ میں کچھ اونچی ذات کے ہندو شامل ہوئے جو چاہتے تھے کہ مندر سب کیلئے کھلا رہے۔ برہمن اور ان کے ہم خیال بضد تھے کہ اچھوتوں کو داخلہ نہیں دیا جائے گا۔ دھکا بکی شروع ہوئی اس گڑبڑ میں ایک دلت رہنما راج بھوج کے کاندھے پر پتھر لگا اور وہ زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر تک مار پیٹ ہوتی رہی اس کے باوجود کچھ ستیہ گرہی اوپر ٹیکری پر پہنچ گئے، مگر مندر بند تھا۔ راج بھوج کو دواخانہ لے جایا گیا۔ ستیہ گرہ کے بعد واپس جاتے ہوئے کچھ لوگوں کو پیٹا گیا۔ گاڈگل (Gadgil) نامی برہمن اور دوسرے کچھ برہمنوں نے ستیہ گرہ کی حمایت کی تھی وہ بھی زخمی ہو گئے۔ حکام کو اندیشہ ہوا کہ معاملہ تشویش ناک حد تک بڑھ گیا ہے۔ اسلئے فوجی ٹکڑی کو طلب کیا گیا۔ مگر اس کے استعمال کی ضرورت نہیں

پڑی۔ پیر 14 تاریخ کو بھی مندر بند رکھے گئے۔ بہت دنوں تک اس واقعہ کا چرچا رہا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے اخبار ''بہشکرت بھارت'' کے ذریعہ تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا اور ستیہ گرہ کی ضرورت کو ثابت کیا۔

روپیہ کا مسئلہ (Problem of Rupee) یہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے اور انتہائی پیچیدہ مالی مسائل پر مقالے کے مصنف خود ہمیشہ روپیوں کے مسئلہ سے پریشان رہتے۔ باٹلی بائے اکاؤنٹنسی ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں ماہانہ 200 روپئے ملتے تھے وہ ملازمت 31/مارچ 1928ء کو ختم ہونے والی تھی گورنمنٹ لاء کالج (Law College) 1/جون 1928ء سے پروفیسر کی ایک اسامی خالی ہونے والی تھی۔ انہوں نے اس کے لئے عریضہ دیا۔ ان کا تقرر صرف ایک سال کیلئے کیا گیا گھریلو اخراجات کی بھرپائی کیلئے کچھ سہارا مل گیا۔ کالج میں ان کے لیکچر بہت موثر ہوتے اور کافی مشہور بھی تھے۔ طلباء بہت دلچسپی سے ان کے کلاس میں حاضر رہتے۔ انہیں مستقل ملازمت کہیں بھی نہیں ملی۔ قدرت شاید ان سے ایک عظیم کام لینے والی تھی، اسلئے ایسا ہو ورنہ ممکن تھا اپنی غیر معمولی علمی قابلیت کی وجہ سے یا تو حکومت کے کسی عہدہ پر فائز ہوتے یا پھر کسی یونیورسٹی میں پروفیسر بنتے معاشیات پر ان کے بہت ساری تصانیف شائع ہوتیں۔ 1927ء سے 1930ء تک ان کی زندگی کا دور بہت مصروف تھا۔ اچھوتوں کے سماجی حقوق کے حصول کیلئے انہوں نے کئی مورچوں پر جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ 'بہشکرت بھارت' شائع ہو رہا تھا۔ درس تدریس بھی جاری تھا، ان تمام مصروفیات کی پیشہ وکالت کو متاثر کیا۔

14 - سائمن کمیشن کی آمد

جس دور میں ڈاکٹر امبیڈکر کی اچھوتوں کے تعلق سے کئی تحریکیں برپا تھیں اسی دوران جنگ آزادی کی تحریک بھی کافی طاقتور ہورہی تھی۔ 1919ء میں حکومت برطانیہ نے جو کچھ سیاسی اصلاحات رائج کی تھیں وہ کہاں تک کارگر ہوئیں۔ ہندوستانیوں کو مزید کیا سیاسی مراعات دی جانی چاہئیں۔ ان کا جائزہ لینے کیلئے حکومت برطانیہ نے سر سائمن کے قیادت میں ایک کمیشن ہندوستان روانہ کیا۔ اس کمیشن کے تمام اراکین انگریز تھے، اس میں ایک بھی ہندوستانی کو نمائندگی نہیں دی گئی تھی۔ کمیشن 3،2،1928ء کو ہندوستان پہنچا، ہندوستانی سیاسی پارٹیاں اس کمیشن سے سخت ناراض تھیں۔ ہر جگہ اس کے آمد کی مخالفت ہوئی کالے جھنڈے دکھائے گئے۔ مظاہرے ہوئے واپس جاؤ کے نعرے لگائے گئے۔ مگر کچھ افراد نے نام نہاد تنظیموں کی طرف سے سائمن کمیشن کے پاس نمائندگی کی۔ کچھ انفرادی طور پر ملے۔ ملک کی سیاسی پارٹیاں کچھ بھی طے کریں مگر ڈاکٹر امبیڈکر نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اچھوتوں کی طرف سے نمائندگی کرنی چاہی۔ 23 اکتوبر 1928ء کو

کمیشن سے تعاون کرنے پر ان پر کئی گوشوں سے اعتراض ہوا مگر انہوں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔ اور ان پر تنقید کرنے والوں کو معقول جواب دیا۔ ملک کے اچھوتوں کے تعلق سے مسائل برطانوی حکومت تک پہونچانے کا اس سے اچھا کون سا موقع ہوسکتا ہے۔ اسلئے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور مطالبات سائمن کمیشن کے سامنے رکھے۔ ملک کی چوتھائی آبادی پر مشتمل اچھوتوں کے مسائل و مطالبات آج تک کسی قومی رہنما نے انگریزوں کے سامنے اتنے موثر طریقے سے نہیں رکھا تھا اور نہ کسی نے دھیان بھی دیا تھا۔ اس لئے یہ نمائندگی بھی تاریخی بن گئی۔ اور ڈاکٹر امبیڈکر کے آج تک کے کارناموں میں یہ بھی ایک اضافہ تھا۔ 23 اکتوبر 1928ء کو پونہ میں کمیشن کا اجلاس ہوا جہاں ڈاکٹر امبیڈکر کا بیان قلمبند ہوا کمیشن نے ان سے اچھوتوں، پسماندہ طبقات، اور شودراوں میں فرق، مہار اور مانگ کے آپسی تعلقات وغیرہ پر بہت سارے سوالات کئے اور معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے تمام سوالات کے معقول جواب دیئے کچھ سوالات اور ان کے جواب یوں تھے۔

سوال: آپ کے خیال میں ملک کے دستور میں اچھوتوں کو کس قسم کی نمائندگی دی جائے؟

جواب: ہم اچھوتوں کو ہندوؤں سے الگ ایک اقلیت کے طور پر تسلیم کیا جائے، یہ ہمارا پہلا مطالبہ ہے۔ برطانوی ہندوستان میں دوسری کسی اقلیت کے مقابل اچھوتوں کو تحفظات کی زیادہ ضرورت ہے۔ اچھوت مالی نقطہ نظر سے غریب ہیں تعلیمی بیداری میں پیچھے ہیں اور سماجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو انہیں غلامی کی حالت میں رکھے جانے سے وہ دوسری اقلیتوں کے مقابل زیادہ سیاسی ناانصافی کا شکار ہوتے ہیں اور انہیں مظالم سہنے پڑتے ہیں۔ اسلئے ہم محفوظ حلقہ انتخاب اور بالغ رائے دہی کے حق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

سوال : Depressed Classes (پسماندہ طبقات) کیا ہندوؤں کا ہی حصہ ہیں؟

جواب : جب تک ہم ہندو دھرم کی چوکھٹ سے باہر ہیں ہمیں ہندو کہیں یا غیر ہندو کوئی معنی نہیں رکھتا۔

سوال : ڈاکٹر امبیڈکر کیا دلت اور اچھوت ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں؟

جواب : ہاں

سوال : اچھوت کے معنی کیا؟ کیا آپ اس کی تعریف کرسکتے ہیں؟

جواب : جس ذات کہ وجہ سے یہ مان لیا جائے کہ دوسرا ناپاک ہو جاتا ہے وہ اچھوت ہے۔
حکومت ہند کا 1919ء کا ایکٹ پاس کیا گیا تھا۔ اس میں بہت سی باتیں تشنہ رہ گئیں تھیں۔ انتخاب میں انہیں کتنی نمائندگی دی جائے۔ اس کیلئے مرکزی یا ریاستی حکومت کے پاس اچھوتوں کی صحیح تعداد نہیں تھی۔ اسلئے ان کی صحیح تعداد معلوم کرنے سائمن کمیشن نے مختلف ریاستوں اور مرکزی حکومت کو ہدایتیں دی تھی۔ تب کہیں جا کر دلتوں کی تعداد 50 ملین یعنی 5 کروڑ کا تخمینہ کیا گیا۔ حکومت ممبئی نے سائمن کمیشن کو حکومت کی طرف سے جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اس نے اپنی رپورٹ کمیشن کو دی لیکن ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنا اختلافی نوٹ دیا۔ مسلمانوں کیلئے علیحدہ حلقہ انتخاب کے اصول کی مخالفت کی۔ دنیا کے کچھ مسلم ممالک کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ کیا ان ملکوں میں مسلمانوں کیلئے علیحدہ حلقہ انتخاب ہیں؟

سائمن کمیشن کے سامنے اچھوتوں کی اتنی موثر نمائندگی کی ملک بھر میں اس کا نوٹس لیا گیا اور فوری اچھوتوں کے ملکی سطح کے رہنما کی حیثیت سے معروف ہو گئے۔ اس کمیشن کی سفارشات جو حکومت برطانیہ کے پاس پیش کی گئیں اس میں ایک اہم سفارش یہ تھی کہ سیاسی اصلاحات نافذ کرنے سے پہلے ہندوستانی سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کی ایک گول میز کانفرنس منعقد کی جائے۔ گول میز کانفرنس کیلئے اچھوتوں کی نمائندگی کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر اور مدراس کے راؤ بہادر سری نواس کو دعوت دی گئی۔ سیاسی اور سماجی میدانوں میں اچھوت طبقہ کے لیڈروں کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر امبیڈکر نے بہت جلد اپنی ایک پہچان بنائی۔ برطانوی حکومت نے نوٹس لیا۔ وہ اب ڈاکٹر امبیڈکر کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی نہ تو کسی نے سفارش کی نہ کسی طبقہ کی طرف سے انہیں نامزدگی کی ضرورت تھی۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کا اعزاز انہیں اپنے خلوص محنت، اپنے اچھوت بھائیوں سے بے پناہ محبت اور ہمدردی کا پھل تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ڈاکٹر امبیڈکر صرف عمر کے 40 سال مکمل کر چکے تھے۔

15 - کالارام مندر ستیہ گرہ

مہاڑ کے چودار تالاب کے پانی پینے کا مسئلہ ہو یا پونہ کے پاروتی مندر، یا امراوتی کے انبہ دیوی کے مندر میں داخلہ کا مسئلہ ہو ڈاکٹر امبیڈکر اچھوتوں کو کہتے رہتے تھے کہ اس تالاب کے پانی پینے سے نہ وہ امر ہو جائیں گے۔ اور نہ ان مندروں میں داخل ہونے سے ان کے سارے مسائل ہو جائیں گے۔ ستیہ گرہ کی تحریکیں درحقیقت مساوی حقوق حاصل کرنے کی کوششوں کا ایک حصہ ہیں۔ اگر اچھوتوں کو ہندو تسلیم کیا جاتا ہے تو پھر یہ پابندیاں کیوں؟ اس بات میں کافی وزن تھا اسلئے کچھ روشن خیال اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے اس اصول سے اتفاق کرتے ہوئے اچھوتوں کی اس کشمکش میں ان کا ساتھ بھی دیا۔ مگر سناتنی دھرم والے اس سے اتفاق نہیں کرتے

اور ہمیشہ مخالفت پر اڑے رہتے اور وقت آنے پر تشدد سے کبھی باز نہیں آتے۔ اس ضمن میں چودار تالاب کے پانی کیلئے اور پاروتی کے مندر میں داخلہ کیلئے کیا گیا ستیہ گرہ تاریخی بن گیا۔ شہر ناسک کے کالارام مندر کا طویل ستیہ گرہ بھی دلت تحریک کا سنگ میل بن گیا۔

ریاست مہاراشٹر میں ناسک ہندوؤں کا ایک مقدس شہر تصور کیا جاتا ہے۔ ناسک کے اچھوت لیڈروں نے اکتوبر 1929ء میں ممبئی میں ڈاکٹر امبیڈکر سے ملاقات کی اور کالارام مندر میں داخلہ کا مسئلہ سامنے رکھا۔ اگرچہ ڈاکٹر امبیڈکر ابھی چودار تالاب کی قانونی کاروائیوں میں ہی مصروف تھے۔ پیشہ وکالت کی ذمہ داریوں کے علاوہ اور دوسری بہت ساری ذمہ داریوں نے ان کی صحت پر کافی اثر ڈالا تھا۔ وہ کافی کمزور ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی چودار تالاب سے متعلق آخری فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اگر فیصلہ خلاف ہو جائے تو اس کے اثرات کالارام مندر کیلئے مجوزہ ستیہ گرہ کا معاملہ کمزور ہو جائے گا۔ لیکن ناسک کے اچھوت رہنما بضد تھے۔ انہوں نے کہا کہ ناسک کی مجوزہ ستیہ گرہ کی ذمہ داریاں ان پر نہیں ڈالیں گے۔ وہ صرف ان سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ رہنمائی کریں گے اور ڈاکٹر امبیڈکر خود سیاسی حقوق کے حصول کیلئے اپنی توانائی صرف کریں۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے فوری طور پر ایک کمیٹی بنائی۔ اور کالارام مندر کے پنچوں (ٹرسٹیوں) کو مجوزہ ستیہ گرہ کی نوٹس دی گئی۔ اس دوران کچھ مخالفوں نے یہ افواہ پھیلائی کہ ممبئی میں بھی 50 ہزار اچھوت مندروں میں گھسنے والے ہیں۔ حالانکہ ڈاکٹر امبیڈکر کے سامنے ممبئی میں کچھ اس قسم کی تحریک فی الوقت نہیں تھی ان کے ذہن میں ممبئی میں بھی اس قسم کی تحریک کا خیال ضرور تھا۔ لیکن اس مسئلہ پر وہ بعد میں فیصلہ کرنے والے تھے۔ اس افواہ کا اثر ضرور پڑا۔ ممبئی کے بڑے بڑے مندر علی الصبح کھولے جانے لگے۔

ناسک کے کالارام مندر کے پاس سے 900 فٹ تک کسی بھی شخص کو لاٹھی، پتھر کسی قسم کا ہتھیار لانے پر کلکٹر نے پابندی لگادی ناسک کے کمشنر نے محسوس کیا کہ چودار تالاب اور پونہ کے پاروتی مندر کے معاملات نے اچھوتوں اور اونچی ذات والوں کے درمیان کافی منافرت پیدا کی ہے۔ اب ناسک کے مندر کی وجہ سے حالات اور بھی بگڑ جائیں گے۔ اس لیے کمشنر گھوشال

(جو رابندر ناتھ ٹیگور کے بہنوی تھے) نے پجاریوں اور ٹرسٹیوں کو بلا کر مندر کے متعلق دستاویز طلب کیں۔ مگر مندر کے وکیل نے دستاویز دینے سے انکار کیا بات ممبئی کے گورنر تک گئی 2 مارچ 1930ء تک ستیہ گرہ کی تیاری ہوئی اور 3/ مارچ کو شروع کی گئی۔ 2/ مارچ کو ڈاکٹر امبیڈکر کی جئے کے نعروں کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو ناسک کے مہار واڑے (دلت کی بستی) میں بلایا گیا وہاں سواگت کرنے کے بعد جلوس نکالا گیا جلوس کے آگے ملٹری نما بینڈ تھا۔ تقریباً 1600 افراد جلوس میں شریک تھے اور بینڈ کے ساتھ تقریباً 500 عورتیں پیش پیش تھیں۔ جلوس شام 5 بجے مندر کے قریب پہونچا۔ مندر کے سب دروازے بند تھے۔ کلکٹر، ڈی۔ ایس۔ پی اور دوسرے حکام موجود تھے، جلوس کی قیادت کرنے والوں نے تقاریر کیں۔ ستیہ گرہ کی تائید کی گئی اور منتشر ہو کر قریب کے موضع پاتھرڈی میں ان افراد نے اجتماعی طعام میں حصہ لیا۔ رات میں ڈاکٹر امبیڈکر کی تقریر ہوئی۔ دوسرے دن ڈاکٹر امبیڈکر کی قیادت میں الگ الگ گروپ بنا کر مندر کے مختلف دروازوں کے سامنے دھرنا دیا گیا۔ 9/ اپریل تک ستیہ گرہ جاری تھا۔ اسی دوران 'رام نومی' کا تہوار آگیا۔ فریقین میں عارضی سمجھوتا ہوا کہ رام نومی کے دن دونوں فریق کے نوجوانوں کے ذریعے کھینچوایا جائیگا۔ اس منظر کو دیکھنے کے لیے ہزاروں لوگ جمع ہوئے طاقتور اچھوتوں کے نوجوان جب رتھ کے قریب پہونچے تو رتھ کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہندو نوجوانوں نے رتھ دوسری طرف کھینچا۔ راستہ تنگ تھا دونوں طرف خار دار تار لگائے ہوئے تھے اور پولس والے بھی تعینات تھے اچھوت نوجوان رتھ کے پیچھے دوڑنے لگے۔ سنگ باری شروع ہوئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے ساتھیوں نے ان کے سر پر چھتری لگائی تا کہ کوئی پتھر ان کے سر پر نہ گرے مگر اس کے باوجود وہ معمولی زخمی ہوئے۔ پورے شہر میں اچھوتوں اور اونچی ذات والوں میں فساد شروع ہوا۔ ناسک ضلع کے مختلف مقامات پر اچھوتوں پر ظلم ہوا۔ اسکول بند کر دیئے گئے۔ اچھوتوں کو بازار سے کچھ خریدنا مشکل ہو گیا۔ ستیہ گرہ کرنے والوں کے لئے جس شامیانہ میں انتظام کیا گیا تھا۔ وہاں حاضر خواتین پر حملہ ہوا۔ پولس میں اونچی ذات والے ہندو تھے وہ بڑی حد تک اس ہنگامہ کیلئے ذمہ دار تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر جب ممبئی پہونچے تو ڈاکٹر مونجے (ہندو مہا سبھا) اور برلا (Birla) نے ان سے ملاقات کی۔ ستیہ

گرہ ملتوی کی گئی مگر اس کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے 1935ء تک جاری رہا۔

کلکٹر نے ایک چھٹی لکھ کر ستیہ گرہ کمیٹی کے سکریٹری کو مطلع کیا کہ کوئی بھی مندر کے قریب آئے گا تو نکال دیا جائے گا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ممبئی جا کر منتظمین سے ضروری معلومات حاصل کیں۔ 28 مارچ کو دوبارہ ناسک گئے۔ واقعات سے واقف ہو کر گورنر کو صورت حاصل سے مطلع کیا۔ ستیہ گرہ والوں پر دباؤ پڑ رہا تھا۔ دوسری طرف ضلع کے حکام کا جانبدارانہ رویہ انہیں پریشان کئے ہوئے تھا۔ ہندوؤں کے مظالم بڑھنے لگے۔ اچھوتوں کو شدید احساس ہوا کہ جس مذہب میں ان پر اتنے مظالم ہوتے ہیں اس میں رہنا بے معنی ہے۔ اسی دوران اخبار، کوہ نور، میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ہندوؤں کے مظالم سے پریشان ہو کر اچھوت ہندو مذہب ترک کر کے مسلمان ہونے جا رہے ہیں اس خبر کے ساتھ ہی ممبئی اور دوسرے علاقہ کے اچھوت بے چین ہو گئے اور ڈاکٹر امبیڈکر سے آ کر ملنے لگے۔ اور مطالبہ کیا کہ یہ تحریک جس موڑ پر جا رہی ہے۔ اس بارے میں خلاصہ کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے تمام اخباروں کو ایک مراسلہ روانہ کیا۔ اور اچھوتوں کے اسلام قبول کرنے کے تعلق سے جو خبر شائع ہوئی تھی اس کا خلاصہ یوں کیا۔

''ناسک کے اخبار کوہ نور میں 500 اچھوت بیزار ہو کر مسلمان ہونے جا رہے ہیں۔ اس قسم کی اطلاع میرے کانوں پر بھی آ چکی ہے۔ ستیہ گرہ جیسے اقدام کے بعد بھی اونچی ذات کے ہندوؤں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو اچھوتوں کا ترک ہندو مذہب بعید از قیاس نہیں۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اچھوت اتنی عجلت میں مذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ کرینگے۔۔۔۔ مگر جو مذہب تبدیل کرنا چاہتے ہیں انہیں روکنے کا مجھے کوئی اختیار نہیں۔۔۔۔۔

15 مارچ 1930ء کو مندر کے سامنے جو مار پیٹ ہوئی تھی اس سے فریقین کے درمیان تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے تھے۔ ماحول تنگ تھا۔ اچھوتوں نے انتہائی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ جان کر ڈاکٹر صاحب کو بہت خوشی ہوئی۔ رام نومی کے رتھ کے موقع پر ہونے والے ہنگامہ کی یاد تازہ تھی۔ اب خود رام نومی کا تہوار تھا۔ حالات بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ کلکٹر نے مندر کے آس پاس علاقہ میں دفعہ 144 ضابطہ فوجداری کے تحت 3 یا 3 سے زائد افراد کے ایک جگہ جمع ہونے

پر پہلے ہی سے پر پابندی عائد کر دی تھی۔ یہ پابندی 15 مارچ سے 14 اپریل تک تھی۔ ڈاکٹر امبیڈ کر کو پہلے سے ہی اس بات کا اندیشہ تھا کہ ضلع کے حکام اس قسم کی پابندی عائد کر دینگے۔ اسلئے صورت حال میں کیا حکمت عملی ہو وہ زیر غور تھی انہوں نے 16 مارچ کو ستیہ گرہ کے انتظامی امور کے سکریٹری بھاؤ راؤ گائیکواڑ کے نام لکھا'' .... مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے لوگوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا۔ ان کی اس ہمت پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں......''

2 مارچ 1930ء سے شروع ہونے والا یہ ستیہ گرہ 1934ء تک چلتا رہا۔ 3 مارچ 1934ء کو یعنی ٹھیک 4 سال بعد ڈاکٹر امبیڈ کر نے بھاؤ راؤ گائیکواڑ کے نام لیٹر لکھ کر ستیہ گرہ بند کروائی۔ ڈاکٹر امبیڈ کر خود بہ نفس نفیس اس میں حصہ نہ لے سکے کیونکہ حکومت برطانیہ نے انہیں لندن میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس (گول میز کانفرنس) میں شرکت کیلئے دوسرے ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ ساتھ، اچھوتوں کی نمائندگی کیلئے بھی مدعو کیا تھا۔ اب ان کی حیثیت صرف مہاراشٹر کے اچھوت رہنما کی نہیں رہی بلکہ قومی سطح پر اچھوتوں کی رہنمائی اور ان کی طرف سے نمائندگی کرنے کا انہیں موقع ملا۔ اس ستیہ گرہ کے دوران انہیں تین مرتبہ لندن جانا پڑا۔ مگر ناسک کے حالات سے واقف ہوتے رہتے تھے۔ لندن سے ستیہ گرہ کے منتظمین کو وقتاً فوقتاً مشورے دیتے رہتے ان چار سالوں میں ناسک میں بہت کچھ ہوا۔

ڈاکٹر امبیڈ کر لندن چلے گئے تھے۔ 4،9۔1931ء کو بھاؤ راؤ گائیکواڑ سکریٹری ستیہ گرہ کمیٹی کو لندن سے لکھا'' ...... یہ جان کر اطمینان ہوا کہ ستیہ گرہ پوری طاقت سے جاری ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس کو کامیاب کرنے کی پوری کوشش کرینگے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ جس تحریک کو میں نے شروع کیا اس کے لئے اتنی دور سے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس بات کو (شدید مشکلات کو) اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ میں اتنے ہی اہم کام میں مصروف ہوں جس کے اثرات دیر پا رہنے والے ہیں .... ڈاکٹر بھیم راؤ۔

یہاں اس بات کا بھی تذکرہ ضروری ہے کہ 21 نومبر 1930ء کو 'جنتا' نامی پندرہ روزہ اخبار شروع کیا۔ جو 31 جولائی سے ہفتہ وار ہوا۔ اسکی اشاعت کی ذمہ داریاں بھاسکر راؤ کو دی گئی

تھیں۔ناسک کی ستیہ گرہ کچھ دنوں تک ملتوی کر کے 5 نومبر 1931ء سے دوبارہ شروع کی گئی۔ اس ستیہ گرہ کیلئے ممبئی کے ایک مسلمان مینار سیٹھ نے اپنی کوششوں سے ہلال احمر کی سوسائٹی کی ایک امبولینس گاڑی ستیہ گرہ کرنے والوں کو دی تھی۔ 14,11 سن 1931ء کے 'جنتا' کے شمارے میں مسلمانوں کی طرف سے دی گئی امبولینس گاڑی کتنی مفید رہی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ستیہ گرہ کرنے والوں کی گرفتاری پر انکی ہمت کی داد لندن سے دیتے ہوئے انہیں مبارکبادی۔

' ممبئی پردیش کانگریس کمیٹی نے ایک قرارداد پاس کر کے ستیہ گرہ کی حمایت میں پارٹی کے سکریٹری ایس۔کے۔پٹیل کے ذریعہ بیان شائع کروایا۔اسی دوران یہ افواہ پھیلائی گئی کہ اچھوت ستیہ گرہی مسلمانوں کی مدد سے اونچی ذات والے ہندوؤں پر ظلم کر رہے ہیں۔کانگریس کے دو مقامی لیڈروں نے ستیہ گرہ کے خلاف آواز اٹھائی۔اچھوتوں کی تحریک اور انہیں بدنام کرنے کیلئے نئی نئی افواہیں پھیلاتے رہے۔

ناسک شہر میں ایک چھوٹا تالاب ہے جسے رام کنڈ کہتے ہیں۔رام کنڈ کے پانی میں ڈبکی لگانا بہت متبرک سمجھا جاتا ہے۔ستیہ گرہیوں نے جو 1 دسمبر سے رام کنڈ میں داخل ہونے کے اپنے عزائم کا اعلان کیا۔اعلان کے ساتھ ہی پولس اور اونچی ذات والوں نے رکاوٹیں کھڑا کرنا شروع کیں۔کلکٹر اور ڈی ایس۔پی نے ستیہ گرہی رہنماؤں کو گرفتار کرنے کی دھمکی دی۔ناسک میونسپل بورڈ نے فوراً رام کنڈ پر ایک بورڈ آویزاں کر دیا جس پر لکھا تھا رام کنڈ کی درستی کا کام جاری ہے رام کنڈ کو اچھوتوں نے گھیر لیا۔وہاں اونچی ذات والے ہندو بھی کثیر تعداد میں حاضر تھے۔ ایک اچھوت جسے کوئی پہچانتا نہ تھا اونچی ذات والوں میں بیٹھ گیا اور کچھ وقت گزرنے کے بعد 'امبیڈکر کی جئے'' کہتا ہوا 'رام کنڈ' میں کود گیا۔جسے بعد میں پولس والوں اور ہندوؤں نے پیٹا۔ دوسرے دن مسلمانوں نے اعلان کیا کہ رام کنڈ پر جانے والے راستے پر ان کا بھی حق ہے اس لئے وہ دوپہر میں اس راستے سے گزریں گے۔مسلمانوں کے ستیہ گرہ کرنے والوں سے اس قسم کے اشتراک سے حالات مزید کشیدہ ہونے کے آثار پیدا ہوئے ہیں۔کلکٹر نے دفعہ 144 ضابطہ فوجداری عائد کر کے عوام کے ہر قسم کے اجتماع ،جلوس وغیرہ پر دو ماہ تک پابندی لگا دیں۔

31دسمبر 1931ءکو پابندی کی معیاد ختم ہوئی۔ ۱جنوری 1932ءکو ستیہ گرہ دوبارہ شروع ہوا۔ پجاریوں نے اونچی ذات والوں کو مندر میں جا کر پوجا کرنے کیلئے ایک خانگی دروازہ کھلا رکھا تھا۔ اس دروازے سے دو اچھوت کسی طرح مندر میں داخل گئے اور ''امبیڈکر کی جئے'' کا نعرہ لگایا۔ ہندو فوراً ان پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر ستیہ گرہ کرنے والوں پر پتھروں کی بارش شروع ہوئی۔ کئی لوگ زخمی ہوئے اس واقعہ میں سنار ذات سے تعلق رکھنے والا ایک لڑکا بھی زخمی ہوا۔ اور 4 جنوری 1932ءکو انتقال کر گیا۔ اچھوتوں اور ہندوؤں میں کسی قسم کی مصالحت کے آثار نظر نہ آنے پر کلکٹر نے احتیاط کے طور پر پابندیاں عائد کر دیں۔ 6مارچ 1932ءکو ڈاکٹر امبیڈکر پیشاور اکسپریس سے دہلی روانہ ہوئے راستہ میں جتنے اہم اسٹیشنوں سے ٹرین گزرتی وہاں ڈاکٹر امبیڈکر کا زبردست استقبال کیا جاتا ان میں خاص طور پر ناسک، منماڑ، جلگاؤں اور ناگپور قابل ذکر ہیں۔

28فروری 1932ءکو مدراس میں اچھوتوں کی طرف سے زبردست استقبال کیا گیا اور کئی اداروں کی طرف سے گلپوشی کی گئی۔ 1932ءکے رام نومی کے موقع پر مختلف متبرک مقامات پر ستیہ گرہ کے اعلان سے اونچی ذات والوں نے مصالحتی کوششیں کیں مگر کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوسکا۔ مسلسل ستیہ گرہ کے بعد بھی کوئی چیز حاصل نہ ہوسکی بلکہ ایک قسم کی ناکامی کے بارے میں اپنے اخبار ''جنتا'' میں ایک مضمون کے اخیر میں لکھا ''اس ستیہ گرہ کی شکل میں اچھوتوں نے اونچی ذات والوں سے مساوی حقوق کا مطالبہ کیا۔ اپنے ہندو بھائیوں سے اچھوتوں نے مساوی حقوق اور محبت کی روٹی مانگی لیکن روٹی کی بجائے اونچی ذات والوں نے خصوصاً برہمنوں نے پتھر دیئے'' ناسک کے کالارام مندر کی اس ستیہ گرہ سے انتہائی دھماکہ خیز حالات پیدا ہوئے طویل عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہنے سے اچھوتوں کے لیڈروں اور منتظمین میں کچھ اختلافات بھی پیدا ہوئے الگ الگ گروپ بن گئے۔ یہ اختلافی مسائل بار بار ڈاکٹر امبیڈکر کے سامنے جانے لگے۔ انہوں نے اختلاف دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ کبھی کبھی وہ سوچتے کہ 1924ء سے اتنی ساری کوششوں کے بعد کیا نتیجہ ملا۔ بنیادی طور پر ان کی تعلیم یافتہ شخصیت تھی انہوں نے مذہبی وسماجی

مسائل پر کئی کتابیں لکھیں تھی۔ مالی اور معاشی امور پر 10 کتابوں کے نوٹس لکھ کر رکھ چکے تھے۔ مگر سماجی کام سے اور کچھ حد تک سیاسی مصروفیات۔ سے فرصت نہ ملتی۔

3 مارچ 1934ء کو انہوں نے ممبئی سے ستیہ گرہ کمیٹی کے سکریٹری بھاؤ راؤ گائیکواڑ کے نام جو لیٹر لکھا اس کا اقتباس پڑھ کر قاری یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ اس طویل ستیہ گرہ سے کیا حاصل ہوا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا بھاؤ راؤ گائیکواڑ کے نام جو لیٹر لکھا گیا ہے وہ دراصل جواب ہے بھاؤ راؤ گائیکواڑ کے اس لیٹر کا جس کے ذریعہ انہوں نے رام نومی کے موقع پر ملتوی شری ستیہ گرہ دوبارہ شروع کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب سے انکی رائے طلب کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے جو جواب دیا وہ کچھ اس طرح ہے۔

''کالارام مندر میں داخلہ کی ستیہ گرہ کا احیاء نہ صرف نامناسب ہے بلکہ اس ستیہ گرہ کو اب ختم کر دیا جائے۔ تمہیں اس لیٹر کو پڑھ کر ضرور تعجب ہوگا کہ جس شخص نے ستیہ گرہ شروع کیا تھا وہی اسے بند کرنے کیلئے کہہ رہا ہے۔ میں اس ستیہ گرہ کے ذریعہ اچھوتوں کو مورتی پوجنے والے بنانا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی مندر میں داخلہ کا حق حاصل کر کے انہیں ہندو سوسائٹی کا ایک حصہ بنانا چاہتا تھا میرا مقصد یہ تھا کہ اس کشمکش سے ہندو سوسائٹی کی مکمل طور پر اصلاح کر کے اچھوتوں کو اس کا ایک حصہ بنایا جائے۔ اس ستیہ گرہ سے میں چاہتا تھا کہ اچھوتوں میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہو۔ اور انہیں ان میں یہ شعور پیدا کروں کہ ان کا کیا مقام ہے اب جبکہ کچھ حد تک میرا مقصد پورا ہو چکا ہے اس لئے مندر میں داخلہ کی لڑائی غیر ضروری ہے اب میں چاہتا ہوں کہ اچھوت اپنی طاقت سیاست اور تعلیم پر مرکوز کریں اور مجھے امید ہے کہ ان دونوں کی اہمیت کا جلد احساس ہو جائے گا۔''

آپ کا بی۔ آر۔ امبیڈکر

16۔گول میز کانفرنس (پہلی)

(I Round Table Conference)

پچھلے 5.4 سالوں میں ڈاکٹر امبیڈ کرنے اچھوتوں کیلئے جو ہمہ جہتی کوششیں کیں اس کی وجہ سے اچھوتوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اپنے حقوق کے تحفظات کیلئے کچھ کرنا چاہیئے ۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ سائمن کمیشن اپنی رپورٹ تیار کر کے برطانوی حکومت کے سامنے پیش کر چکا تھا۔ ہندوستان بھر کی سیاسی پارٹیوں کی مخالفت مول لے کر سائمن کمیشن کے سامنے اچھوتوں کے تعلق سے انہوں نے موثر نمائندگی کی تھی۔ 1928ء سے 1930ء تک ملک ہنگامی دور میں تھا گاندھی کی قیادت میں غیر ملکی حکومت کے خلاف احتجاج جاری تھا۔ مگر اچھوت

اور ان کی قیادت ان سارے ہنگاموں سے دور رہی۔ ان کی اپنی لڑائی الگ تھی۔ انگریزوں سے آزادی ضروری ہے مگر انہیں اپنی سماجی آزادی اور اپنے حقوق کا تحفظ اس سیاسی آزادی سے بھی زیادہ ضروری تھا۔ انہیں اس بات کی فکر تھی کہ انگریز کے جانے کے بعد ان کی حیثیت کیا رہے گی۔ وہ چاہتے تھے کہ انگریز کے جانے سے قبل انہیں سماجی اور سیاسی حقوق کیلئے دستوری تحفظ چاہئے۔ انگریزوں کے بعد کہیں انہیں دوبارہ ہندوؤں کے غلام تو نہیں ہونا پڑے گا۔ یہ سوالات انہیں پریشان کئے ہوئے تھے۔

سائمن کمیشن کی سفارشات کے بعد انہوں نے میں 8اور 9/ اگست 1930ء کو دلتوں اور اچھوتوں کی ایک کل ہند پریشد ناگپور میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور ایک تنظیم (All India Depressed Classes Association) کے قیام کی تجویز رکھی۔ دوسری ریاستوں سے اچھوت رہنما لائے گئے۔ اب ان کی کشمکش صرف مہاراشٹر کی حد تک ہی محدود رکھنا نہیں بلکہ اسے کل ہند شکل دینا ضروری تھا۔ اس کانفرنس کی صدارت ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو سونپی گئی۔ انہیں اس کی توقع بھی تھی اسلئے انہوں نے اپنا طویل صدارتی خطبہ انگریزی میں لکھ کر چھپوالیا۔ یہ تقریر گویا ایک کتاب تھی جو کل 25 صفحات اور 36 ضمیموں پر مشتمل تھی۔ آئندہ کے دور میں انہوں نے جو معرکہ برپا کیا اسکی تخم ریزی اس تقریر میں کی تھی۔ یہ تقریر ایک تاریخی دستاویز بن گئی۔ طوالت کے خوف سے پوری تقریر کا ترجمہ یہاں پیش کرنا مشکل ہے۔ تقریر کیا ہے ڈاکٹر امبیڈکر کی انگریزی زبان پر عبور کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اقلیتوں کی تاریخ، انہیں وہاں دی گئی تحفظات کا جائزہ، دوسرے ملکوں کے تناظر میں بھارت میں اقلیتوں اور خاص طور پر اچھوتوں کی سماجی حیثیت ان کے مسائل ان کے ممکنہ حل کا نقشہ بھی انہوں نے سامنے رکھ دیا تھا۔ 1930ء کے بعد ڈاکٹر صاحب لگ بھگ 26 سال زندہ رہے۔ مگر ان 26 سالوں میں ان کے جو کارنامے، تحریکیں، تقاریر، تحریریں تھیں وہ کم وبیش اس تقریر میں اٹھائے ہوئے مسائل کے اطراف گھومتی نظر آتی ہیں۔

صدارت کا اعزاز بخشے جانے پر انہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔

تحریری صورت میں تقریر کے کچھ نکات ان ہی کے الفاظ میں پڑھئے:

''پہلا سوال جو آج افق پر ابھر کر نظر آ رہا ہے۔ وہ یہ کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہندوستان کے لوگ متحدہ طور پر خود حکمرانی کرنے کے لائق بن سکیں گے؟

ہم اچھوت اس سوال کے جواب کی تلاش میں یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو نہ صرف برطانوی ہند کے باشندوں کے ذہنوں میں پیدا ہو رہا ہے بلکہ پوری دنیا کی نظر اس مسئلہ پر ہے۔۔۔۔۔ اس ملک کی تشکیل ہی ایسی ہے کہ اس میں مختلف نسل، مذہب کے لوگ، الگ الگ فرقوں کے لوگ، متضاد عقائد رکھنے والے، مختلف زبانیں بولنے والے رہتے ہیں۔ اسی لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ متحدہ طور پر حکمرانی کے لائق رہ سکیں گے۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ دنیا میں ایسے بہت کم ممالک ہیں جو ایک جغرافیائی حدود میں ایک زبان ایک مذہب اور ایک تہذیب سے منسلک ہیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ خود حکمرانی کر رہے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان ممالک میں ایسی طاقتیں کام کرتی یں جو ان کو متحد بناتی ہیں۔ خود ہمارے ملک کی مثال لیجئے اگر چہ اس ملک میں تہذیب، زبانوں کی بنیادوں پر الگ الگ گروہ موجود ہیں مگر اس کے باوجود محض برٹش حکومت کی موجودگی سے ملک میں ایک قومیت کا احساس کچھ حد تک پیدا ہوا ہے۔ اور ہندوستان میں اگر ایک قوم کی حیثیت سے رہنا ہے تو سیلف گورنمنٹ کا جذبہ ہی یہ احساس پیدا کر سکتا ہے۔۔۔۔

کانگریس کے بہت سے اراکین کا یہ خیال ہے کسی شرائط اور تحدیدات کے بغیر دستور بنایا جائے تو سب کچھ ٹھیک ہوگا۔ یہ غلط تصور ہے ملک کی سماجی حالت کو نظر انداز کر کے جو دستور بنایا جائے گا۔ وہ ناکام رہے گا، دولت روایتی زمینداری اور سرمایہ داری اور اعلیٰ تعلیم کے بل بوتے پر ایسے طبقے وجود میں آئیں گے جو اس ملک کے غریبوں اور پسماندہ طبقات پر حاوی ہو جائیں گے۔ اس لیے اچھوتوں اور پسماندہ طبقات کیلئے دستوری تحفظات ضروری ہیں۔ اس ملک میں چھ کروڑ اچھوت ہیں کئی کروڑ جنگلوں اور پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ جنہیں آج تک معلوم نہیں کہ تہذیب کیا ہے۔ ان لوگوں کی موجودگی ہی یہ ثابت کرتی ہے کہ یہاں کے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور اعلیٰ

طبقہ نے اپنی ذمہ داری نہیں نبھائی ۔ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ مستقبل میں ان طبقات کا رویہ اچھوتوں ادی باسیوں، پسماندہ طبقات کے تعلق سے بدل جائے گا۔ میں اتنا بھولا نہیں ہوں کہ ان باتوں پر یقین کرلوں ۔ مجھے آج تک ایسی مثال نظر نہیں آئی کہ آج کا شیطان کل فرشتہ بن گیا۔ ہمیں کہا جاتا ہے کہ سیاسی آزادی تک انتظار کرو۔ سیاسی آزادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک عقلمند آدمی اس قسم کے بہکاوے میں نہیں آسکتا۔ اس لئے سماجی مسائل کو سیاسی نظام سے منسلک کرنا ضروری ہے"۔

یہ طویل تقریر درحقیقت اس دور کے سیاسی حالات اور اس میں اچھوتوں کے مطالبات پورے کئے جانے والی کوششوں کے پس منظر میں پڑھنا ضروری ہے ۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے پوری تقریر ان کے درپیش مسائل کو سامنے رکھ کر کی تھی ۔ سائمن کمیشن کی سفارشات ، سیلف رول، ڈومینین حیثیت، جداگانہ حلقہ جات انتخاب، مخلوط حلقے ۔اقلیتوں کے حقوق گاندھی جی کی تحریک سول نافرمانی وغیرہ وغیرہ جیسے مسائل پر بحث ومباحث اس دور میں عروج پر تھے ۔ اور وہ اپنے ہی سماج کے یعنی اچھوتوں کے کل ہند اجتماع سے مخاطب تھے ۔ تقریر کا آخری حصہ یوں تھا۔

" My execuse for this long speech lies in my desire to give give the fullest guidance . I can, I hope that this meeting will not be the last and that it will mark the begning of a great movement which will result in the emanicipation of our people and the establishement of such a state of Ours in which one man well have one value in all domains of life political, social and Economic.

Thank you once more both for the Honour and the bearing you have bestowed up on me.

ترجمانی : اس طویل تقریر کیلئے معذرت سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کے پس پردہ میری یہ خواہش ہے کہ آپ حضرات کی رہنمائی کروں میں امید کرتا ہوں کہ یہ کوئی آخری میٹنگ نہیں ہوگی ۔ بلکہ ہمارے لوگوں کی نجات کیلئے شروع کی جانے والی تحریک کا پہلا مرحلہ ہوگا۔

اور ہمارے ملک میں ایک ایسی سوسائٹی قائم ہو جس میں زندگی کے مالی، سیاسی اور

سماجی شعبہ جات میں ہر انسان کی حیثیت مساوی ہوگی، میں دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ اعزاز دیا اور آپ نے مجھے سنا۔

اس تقریر پر ملک بھر میں تبصرے ہوئے جس ذہانت اور علمی انداز سے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے اچھوتوں کے مسائل قومی سطح پر پیش کئے اس سے ہندوؤں کا طبقہ ناراض ہوا۔ ہندوؤں کے سماجی نظام پر جہاں انہوں نے حملہ کیا۔ وہیں حکومت برطانیہ کو بھی نہیں بخشا۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں کھلے طور پر شکایت کی تھی کہ حکومت برطانیہ نے ہندوستان میں اچھوتوں کیلئے کچھ نہیں

11/8/1930 کے ٹائمز آف انڈیا میں یہ خبر نمایاں شائع ہوئی۔ ''

"Presiding Over the first session of the all India Depressed Classes Congress, held in Nagpur on Friday, Dr. Ambadkar expressed great conecern at the Problem of the Caste ridden Hindu Oligarehy being granted Unrestricted Power" We demanded adequate Safegaurd and Pleaded for direct representation' in the Councils Commensurate with the Strength of the Community. Exhorting the depressed Classes to dismiss the congress demand as being impracticalbe and disastrous to the future of the Community, Dr. Ambadkar observed, It is only people cemented by the feeling of one Country, One Constitution and one destiny, Who may take the risk of being independent. No one Can say that this Country is miles distant form this position.

ترجمانی : جمعہ کے ناگپور میں کل ہند اچھوتوں کی کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے ڈاکٹر امبیڈکر نے ذات پات کی جکڑبندی میں گرفتار ہندو افراد اور جاگیردار طبقہ کو بے لگام طاقت دینے پر تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے پسماندہ اچھوتوں کے لئے مناسب تحفظات اور ان کی آبادی کے تناسب سے کونسل میں نمائندگی کا مطالبہ کیا۔ اچھوتوں کو زور دے کر کہا کہ کانگریس کے مطالبہ کو مسترد کردو کیونکہ یہ ناقابل عمل ہے اور مستقبل میں ان کیلئے تباہ کن ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا کہ جب تک عوام میں یہ احساس نہیں ہوگا کہ وہ ایک ملک ایک دستور سے منسلک ہیں اس وقت تک ملک کو آزاد دیکھنے کا خطرہ کون لے گا۔ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ملک ان

تصورات سے کوسوں دور ہے۔ (ٹائمز آف انڈیا ۱۱راگست ۱۹۳۰ء)
راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سائمن کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ہندوستانیوں کو مزید کیا سہولتیں دی جاسکتی ہیں اس پر غور کرنے کیلئے حکومت برطانیہ نے مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں کے نمائندوں اور ممتاز سماجی اور سیاسی شخصیتوں کو لندن میں آنے کی دعوت دی۔تاکہ یہ ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔ یہی کانفرنس Roundtable Conference اگول میز کانفرنس کے نام سے مشہور ہوئی۔بھیم راؤ امبیڈکر کو اس کانفرنس میں کیلئے اچھوتوں کی نمائندگی کیلئے دعوت دی گئی۔مدراس کے راؤ بہادر سری نواسن بھی اچھوتوں کی نمائندگی کیلئے منتخب ہوئے۔ڈاکٹر امبیڈکر کو وائسرائے کی طرف سے ممبئی کے گورنر نے 6 دسمبر 1930 کو دعوت نامہ دیا۔اچھوتوں کے کچھ حلقوں میں یہ تاثر تھا کہ اچھوتوں کی آبادی کے تناسب سے یہ نمائندگی ناکافی ہے۔

2/اکتوبر 1930ء کو دامودر کے وسیع میدان میں علاقہ ممبئی کے اچھوتوں کی طرف سے ایک عظیم الشان جلسہ ہوا انہیں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔پہلے دن 3700 روپئے کا عطیہ دیا گیا اور دوسرے دن کچھ اور رقم اس طرح سے 5000 روپئے انہیں دئیے گئے۔سپاسنامہ کے بعد جب وہ مخاطب ہونے کیلئے کھڑے ہوئے تو جذباتی ہو گئے تھوڑی دیر تک کچھ بول نہ سکے۔انہیں اس بات کارنج تھا کہ آئندہ 5،6 مہینے وہ اپنے لوگوں سے مل نہ پائیں گے۔انہوں نے کہا کہ مجھے یہ جو رقم دی جارہی ہے وہ غریب عوام کے پاس سے آئی ہے۔وہ یہ رقم اپنی خانگی مصرف کیلئے استعمال نہیں کریں گے رقم کا کچھ حصہ بند ہوئے اخبار کی دوبارہ اجرائی کیلئے صرف کرنے کیلئے مختص کریں گے۔انہوں نے کہا کہ آپ کے مسائل میں بین الاقوامی سطح پر لے جاؤں گا۔اور ضرورت پڑنے پر لیگ آف نیشن میں بھی۔

برطانوی حکومت نے ہر نمائندہ کے ساتھ ایک ملازم یا سکریٹری ساتھ لے جانے کی اجازت دی تھی۔دونوں کے اخراجات خود حکومت برطانیہ برداشت کررہی تھی۔ملک میں عدم تعاون کی تحریک شباب پر تھی،جو ہندوستانی تنظیمیں یا افراد،کانگریس پارٹی کی پالیسی کے خلاف جا کر حکومت برطانیہ کا تعاون کررہے تھے ان کے بارے میں کانگریس والے بہت غصہ میں تھے۔گاندھی جی اور دوسرے بہت سارے رہنما تو ڈاکٹر امبیڈکر سے بہت پہلے سے نالاں تھے

صرف نالاں ہی نہیں بلکہ ان سے نفرت بھی کرتے تھے۔ کانگریس کا دعویٰ تھا کہ صرف یہی پارٹی تمام ہندوؤں بشمول اچھوت اور پسماندہ طبقات کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسلئے ڈاکٹر امبیڈکر غیض وغضب کا نشانہ بنتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ غضب کا تھا۔ سیاست، دستور سازی، تاریخ، معاشیات، مذہب، سوانح کوئی بھی نئی پرانی کتاب ہاتھ لگتی، اس کا پورا مطالعہ کیئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اپنی مصروفیات کی وجہ سے کوئی کتاب پڑھنے سے اگر وہ محروم رہتے تو چڑچڑے بن جاتے اور جھٹ اس کتاب کا دوسرا نسخہ خرید لاتے۔ ممبئی کے مشہور کتب فروش، تاراپور والا، ٹھکر، مستری کی زکانوں میں یہ ایک مانوس شخصیت تھی۔

عدیم الفرصتی کی وجہ سے جو کتابیں، نہ پڑھ سکے۔ اور جن کتابوں کا مطالعہ ادھورا تھا انہیں لندن جاتے وقت ساتھ رکھنے کا منصوبہ بنایا۔ بحری جہاز کے ذریعہ لندن جانے کے لیے 15 سے 17 دن درکار تھے اور ان دنوں اچھا خاصا وقت مل جاتا ہے اسلئے جب ساری کتابیں جمع کی گئیں تو 4 صندوق بھر گئے اور مطالعہ کیلئے ساتھ رکھا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ کنجیاں بھول گئے اسلئے سفر میں ان کتابوں کا مطالعہ نہ ہوا۔

4 اکتوبر 1930ء کو وائسرائے آف انڈیا Viceroy of India نامی آبی جہاز سے ممبئی سے روانہ ہوئے۔ 11 اکتوبر کو قاہرہ میں کچھ وقت ملا۔ اہرام مصر دیکھنے گئے، 18 اکتوبر کو لندن پہونچے، تھامس کک اینڈ کمپنی کی لاج میں قیام کیا۔ دوران سفر خطوط کے ذریعہ بہاوراؤ گائیکواڑ کو چودارتالاب کے مقدمہ اور ناسک کی ستیہ گرہ کے سلسلے میں ہدایات دیتے رہے۔ ہندوستان میں کانگریس والوں کے داؤ پیچ اور ان کی پالیسی سے باخبر رہتے۔ لندن پہونچنے کے دوسرے دن ہندوستان سے آئے ہوئے دوسرے نمائندوں سے ملاقات کی۔ اچھوتوں کے مسائل پر ان سے گفتگو کرتے رہے اور ان سے ہمدردی اور حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ 29 اکتوبر کے ایک لیٹر کے ذریعہ بہاؤ راؤ کو مطلع کیا کہ 12 نومبر کو جارج پنجم کانفرنس کا افتتاح کرنے والے ہیں۔ لیبر لیڈر رایم لینس بری سے ملاقات کی۔ ہندوستانی فوج کے نامزد سربراہ سر فلپ چیٹ ووڈ سے بھی ملاقات کی۔ ہندوستانی افواج میں اچھوتوں کی بھرتی کے مسئلہ پر گفتگو کی گئی۔ بہت عرصہ سے

یعنی 96-1895 سے فوج میں اچھوتوں کی بھرتی بند ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو شکایت تھی کہ ابتدائی دور میں جس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں اپنے قدم جمارہی تھی اس وقت اچھوتوں نے ہی اپنی بہادری اور برطانوی کمپنی سے اپنی وفاداری سے ہندوستانیوں کو شکست دی تھی۔اور برطانوی حکام اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے رہے۔

اچھوتوں کے مطالبات کو ڈاکٹر امبیڈکر اور راؤ بہادر سری نواس نے تحریری طور پر برطانوی حکام کے سامنے رکھا۔ یہ تحریری بیان 15 صفحات پر مشتمل تھا۔اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ جب ملک آزاد ہوگا۔اس وقت حکومت ہندو اکثریت کے ہاتھوں میں رہے گی۔اسلئے اچھوتوں کو بے خوف اور خوش حال زندگی گزارنے کیلئے حسب ذیل تحفظات کو دینا ضروری ہے۔

۱) قدیم رواج اور قوانین کی وجہ سے اچھوتوں کو جو مظالم سہنا پڑ رہے ہیں انہیں ختم کرنے کیلئے اچھوت پن Untouchablity کو قانون کے ذریعے ختم کرنا۔

۲) مساوی حقوق: اچھوتوں کو دیئے گئے مساوی حقوق پر عمل نہیں ہوتا۔اسلئے اچھوت بے خوف ہو کر ان حقوق سے مستفید ہوں اور اگر کسی نے اسکی خلاف ورزی کی تو اس کو سزا دینے کی گنجائش رکھی جائے۔

۳) اونچی ذات والے ہمیشہ اچھوتوں کو نفرت سے دیکھتے ہیں اسکا مظاہرہ سیاست اور حکومت کے تمام شعبوں میں نظر آتا ہے۔کوئی ایسا قانون جو اچھوتوں کے مفادات کو متاثر کرسکتا ہے بنانے کا اختیار صوبائی حکومت کو نہ دیا جائے۔

۴) قانون ساز کونسلوں میں اچھوتوں کو بھرپور نمائندگی دی جائے۔

۵) سرکاری ملازمتوں میں مناسب نمائندگی کیلئے قانون سازی کی جائے مختلف سروس کمیشن اگر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو سزا کی گنجائش رکھی جائے اور دستور میں ضروری دفعات شامل کی جائیں۔

۶) حکومت چونکہ اونچی ذات والوں کے ہاتھوں میں جائے گی اور یہ ہندو، اچھوتوں کے تحفظات میں لاپرواہی کرتے ہیں تو ایسی صورت میں British North America Act 1867 دفعہ 93 کے مماثل قانون سازی کی جائے۔

۷) اونچی ذات والوں کی طرف سے ہونے والے مظالم اور اس پر نظر رکھنے کیلئے ایک محکمہ کے قیام کی گنجائش دستور میں رکھی جائے۔

۸) گورنر جنرل کی وزراء کی کونسل میں اچھوتوں کو نمائندگی دی جائے تاکہ اچھوتوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔

یہ گول میز کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی اس میں مختلف سماجی تنظیموں کے نمائندے سیاسی قائدین، مختلف ریاستوں کے حکمراں بلائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ ملک کی مشہور شخصیتیں مثلاً سر تیج بہادر سپرو، ہندو مہاسبھا کے ڈاکٹر مونجے، محمد علی جناح، مرزا اسمٰعیل، بڑودہ، بیکانیر وغیرہ کے والیان ریاست بھی مدعو تھے۔ اس کانفرنس میں آئندہ کیلئے لائحہ عمل تیار کرنا، درپیش آنے والے مسائل، دستور سازی وغیرہ سے متعلق امور پر مدعوین کانفرنس کی رائے سے واقفیت حاصل کرنا شامل تھا۔ 17 نومبر سے 21 نومبر تک مختلف نمائندوں کی تقاریر ہوئیں۔

مہاراشٹر کے علاقہ کوکن کے ایک دیہات میں ایک اچھوت گھرانے میں جنم والے ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی عمر کے صرف 39 ویں سال میں لندن کے عالیشان محل میں راجاؤں، ممتاز قانون داں، برطانوی ممبران پارلیمان اور برطانوی وزراء کے زانو بہ زانو بیٹھ کر اپنی انتہائی معیاری انگریزی کے ذریعہ اونچی دستوری مباحث میں حصہ لیتے ہیں۔ اچھوتوں کے مسائل بے باکی سے پیش کرتے ہیں۔ بات مدلل کرتے ہیں۔ ایک ایسی کانفرنس میں جس کا افتتاح برطانوی سامراج کا حکمراں جارج پنجم کرتا ہے۔ اور جس کانفرنس کی روداد پر سارے ہندوستان کی نظر ہے یہ منظر بڑودہ کا وہ راجہ بھی دیکھ رہا ہے۔ جس نے 1913ء میں اسی اچھوت بی۔ اے کے طالب علم کو قرض کی شکل میں اسکالرشپ دی تھی۔ جس کی مدد سے وہ لندن اور امریکہ کی معیاری یونیورسٹیوں سے اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کرتا ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر اپنی تقریر کی شروعات ہی میں کہتے ہیں "جن لوگوں کی حالت غلاموں سے بدتر جنکی آبادی فرانس کی آبادی کے برابر ہے جو ایک ملک کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں ان کی شکایات اور ان کے مطالبات اس کانفرنس میں رکھنا چاہتا ہوں۔ بھارت کی حکومت عوام کی عوام کیلئے اور عوام کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے۔ جن اچھوت عوام کی یہ بدتر حالت ہے اس کی بدتری کیلئے بڑی حدتک برطانوی حکومت کی پالیسی ذمہ دار ہے۔ برطانوی حکومت سے قبل ہماری جو مظلومیت تھی اس میں رتی برابر بھی فرق نہیں ہوا۔ ہم صرف موقع کے منتظر تھے برطانوی راج سے پہلے ہمیں کنویں سے

پانی لینا منع تھا کیا اسکے لئے برطانوی حکومت نے کچھ کیا۔ پہلے پولس فورس میں ہمیں داخلہ نہیں تھا۔کیا آج ہمیں پولس فورس میں داخلہ ہے؟ ان تمام سوالات کے جوابات نفی میں ہیں۔ہمارے دکھ رستے ہوئے زخموں کی طرح ہیں، برطانوی حکومت کی عملداری شروع ہوئے 125 سال ہوئے تب بھی ہمارے دکھ قائم ہیں۔ایسی حکومت کس کام کی؟'' یہ سوالات انہوں نے کانفرنس میں کئے۔

ملک کیلئے ڈومینین حیثیت Dominion Status کے مطالبہ کی تائید تو کی مگر اس کے دستور میں اچھوتوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ ہوگا یا نہیں اس پر شک کا اظہار کیا۔دستور کی تدوین کے وقت ہندوستانی سماج کی تشکیل جس میں اونچ نیچ پر مبنی درجہ بندی ہے ان جیسے مسائل پر توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا۔

انہوں نے کہا کہ اونچی ذات والے ہندو رہنماؤں نے اپنی سوچ میں کبھی تبدیلی نہیں لائی۔اچھوتوں کے زخموں پر دوسرا کوئی مرہم نہیں لگائے گا۔جب تک سیاسی اقتدار ان کے ہاتھوں میں نہیں آئے گا۔ان کی مصائب جاری رہیں گی۔اچھوت طبقہ کسی معجزہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا ہے۔طاقت کا استعمال عارضی نوعیت کا ہوتا ہے۔انہوں نے کہا کہ آئین سازی ایسی کی جائے جسے تمام عوام قبول کریں۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے جس جرأت اور موثر طریقہ سے اپنے خیالات و مطالبات کانفرنس کے سامنے رکھے۔اس سے نہ صرف ہندوستانی ہندو بلکہ وزیر اعظم برطانیہ میکڈونالڈ حیرت میں رہ گئے۔ لندن کے تمام اخبارات نے ان کی تعریف کی۔ برطانوی اور امریکی عوام نے پہلی مرتبہ اچھوتوں ک مسائل کی سنگینی کو سمجھا ہندو طبقہ کی نمائندگی کرنے والے ڈاکٹر مونجے ڈاکٹر جے کر ساتھ ہی ساتھ بھوپال کے نواب سر آغا خان، سکھوں کے نمائندے سے ملاقات کی گفتگو ہوئی۔اختلاف بھی سامنے آئے۔غرض بہت ہی موثر انداز میں ڈاکٹر امبیڈکر نے اچھوتوں کے مسائل برطانوی حکام کے سامنے پیش کئے اور سب کو متاثر کیا۔

8 نکات پر جو تحریری مطالبات کا چارٹر تیار کیا گیا تھا۔اس کی کچھ نقولات اپنے ساتھیوں کو ہندوستان روانہ کیں اور تاکید کی کہ ان مطالبات کی تائید میں ملک بھر میں جلسوں کا انعقاد کریں اور قرارداد یں پاس کر کے برطانوی وزیر اعظم کو تار بھیج دیں۔انگلینڈ کے بہت سارے ممبران،

پارلیمان نے اچھوتوں کی مدد کا وعدہ کیا۔ بالغ رائے دہندگی کے اصولوں پر انہیں ووٹ دلوانے کے حق کیلئے کوششوں کا وعدہ کیا۔

لندن میں ڈاکٹر امبیڈکر کی کامیاب نمائندگی کو دیکھتے ہوئے بڑودہ کے سیایاجی راؤ گائیکواڑ مہاراج نے ان کے اعزاز میں ایک چائے پارٹی کا اہتمام کیا۔ جس میں ہندوستان کے نمائندے اور مختلف راجے والیانِ ریاست شریک رہے۔ لندن کے قیام کے دوران ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک اپیل جاری کی کہ اچھوتوں کی ترقی کیلئے بہت سارے کام کرنا ہے۔ اس مقصد کے لئے 6 لاکھ روپیوں کی ضرورت ہے۔ اس پر آئے ہوئے کئی مندوبین نے اپنے اپنے عطیات کا اعلان کیا جس میں قابل ذکر یہ ہیں۔ (۱) اندور کے راجہ ہولکر 360 پونڈ (2) بھوپال کے نواب 200 پونڈ (3) ہز ہائی نیس آغا خان 175 پونڈ (4) بڑودہ کے مہاراج سیایاجی گائیکواڑ 150 پونڈ (5) بیکانیر کے راجہ 100 پونڈ (6) کشمیر کے مہاراج 100 پونڈ (7) پٹیالہ کے مہاراج 100 پونڈ (8) سر کاوس جی جہانگیر 75 پونڈ (9) دربھنگہ کے راجہ 50 پونڈ (10) اور سانگلی کے راجہ 25 پونڈ

لندن میں مصروف ترین زندگی گزارنے کے باوجود وہ کتابوں کی دنیا سے بے تعلق نہیں رہے۔ تھوڑا، بہت جو وقت ملتا اس دوران کتابوں کی دوکانوں پر جا کر کچھ قدیم کتابوں کے بارے میں پوچھ تاچھ کرتے اور خرید کرلاتے۔ اپنے قیام میں مزید 4 صندوق بھر کتابیں خرید کر ایک مزدور لیڈر روی ایم۔ پوار کے ذریعہ روانہ کیں امریکہ اور روس کے دورے کا خیال تھا مگر وقت مل نہ سکا۔ دوران قیام انہیں خوشخبری ملی کہ چودار تالاب کا مقدمہ جو مہاڑ کی عدالت میں چل رہا ہے اس کا فیصلہ ان کے حق میں ہو چکا ہے۔ پانی پینے کے لئے امتناعی احکامات واپس لئے گئے ہیں۔ دوسری خبر میں انہیں یہ ملی کہ لیجیسلیٹیو کونسل میں ان کی مدت مزید تین سال کیلئے بڑھا دی گئی ہے ان کی ایک اور خواہش پوری ہوئی وہ یہ کہ بہشکرت بھارت بند ہونے کے بعد ان کی خواہش تھی کہ کوئی دوسرا اخبار جاری کیا جائے۔ لندن سے آنے سے پہلے ہی ان کے معاونین نے اخبار 'جنتا' کا اجراء کیا۔

19 جنوری 1931ء کو کانفرنس ملتوی ہوئی۔ برطانوی پارلیمان میں وزیراعظم میکڈونالڈ

نے اعلان کیا کہ مستقبل کے آئین میں اقلیتوں اور دلتوں کے حقوق محفوظ کئے جائیں گے ایک طرح سے دیکھا جائے تو اس کانفرنس سے کوئی ٹھوس نتائج سامنے نہیں آئے مگر اس کانفرنس کا دوسرا اہم پہلو یہ تھا کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے پلیٹ فارم کے ذریعہ بھارت کے کثیر آبادی کے اچھوتوں کی مشکلات، مسائل بین الاقوامی برادری کے سامنے لانے میں کامیاب ہوئے۔حلقہ انتخابات مشترکہ ہوں یا ذات کی بنیاد پر الگ الگ ہوں اس اہم مسئلہ پر فیصلہ ہو نہ سکا کانفرنس کو ملتوی کرنے کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ کانگریس پارٹی نے اس کانفرنس کا مکمل بائیکاٹ کیا تھا۔کانگریس کا کوئی نمائندہ اس میں شریک نہ ہونے کی وجہ کوئی اہم فیصلہ کیا نہ جاسکا اس کانفرنس سے ایک اہم چیز سامنے آئی وہ یہ کہ اچھوتوں کی ایک علیحدہ حیثیت تسلیم کی گئی۔

ڈاکٹر امبیڈکر لندن سے روانہ ہوکر مارسلیسز کی بندرگاہ پہونچے اور وہاں سے یس۔یس۔ملتانیہ نامی جہاز سے 13 فروری 1931ء کو بھارت کیلئے روانہ ہوئے۔لندن کے قیام کے دوران میں کسی بھی شب میں رات 1 بجے سے قبل سو نہ سکے۔انہیں بحری سفر میں مکمل آرام ملا۔ 27 فروری کو ممبئی پہونچے۔ساتھیوں نے بندرگاہ پر شاندار استقبال کیا۔ملک میں سیاسی سرگرمیاں عروج پر تھیں 26 جنوری 1931ء کو بہت سارے کانگریسی قائدین کو جیل سے رہا کر دیا تھا۔ 5 مارچ کو گاندھی جی رہا ہوئے اور دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کا وعدہ کیا۔ قانون شکنی کی تحریک واپس لی گئی تھی۔واپسی کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے ساتھیوں کو گول میز کانفرنس کی روداد اور دوسرے متعلقہ واقعات سنائے۔

ہندو مہا سبھا کے رہنما ڈاکٹر مونجے Dr. Monje کے تیقنات پر کالا رام مندر داخلہ کی ستیہ گرہ کو کچھ دن کیلئے ملتوی کر دی گئی تھی۔مگر ڈاکٹر صاحب کی واپسی کے بعد جاری رکھنا طے کیا گیا۔ 14 مارچ 1931ء ڈاکٹر امبیڈکر ناسک گئے وہاں ذکریا منیار سیٹھ کے مکان میں قیام کیا تھا نہ عدالت میں زیر سماعت ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے وہ فوراً ناسک سے واپس ہوئے۔ اسی دوران ناسک میں اچھوتوں کے جلوس پر پتھراؤ ہوا کئی لوگ زخمی ہوئے۔

17 - ڈاکٹر امبیڈکر اور گاندھی جی

پہلی گول میز کانفرنس میں جو کچھ ہوا تھا اسکی خبر برطانوی اور ہندوستانی اخباروں میں شائع ہو رہی تھی۔ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کیلئے جن لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ ان کے بھی نام شائع ہوئے ان میں ڈاکٹر امبیڈکر سر تیج بہادر سپرو، ڈاکٹر جے کر، سیتلواد، مدن موہن مالویہ، سروجنی نائیڈو، سر مرزا اسمٰعیل محمد علی جناح، رام سوامی مدلیار وغیرہ وغیرہ شامل تھے۔ مستقبل کی آئین سازی کے لئے جو سب کمیٹی بنائی گئی اس میں ڈاکٹر امبیڈکر کا بھی نام شامل تھا۔ (پچھلی مرتبہ ایسا نہیں ہوا تھا) ڈاکٹر امبیڈکر کی دوبارہ شمولیت پر ملک بھر سے انھیں مبارکباد دی جانے لگی تھی۔ ملک کو ڈومینین حیثیت Dominion Status یعنی محدود آزادی دی جانے والی تھی۔ اچھوتوں کے

رہنماؤں کو یقین ہونے لگا کہ ملک کے مجوزہ آئین میں اچھوتوں کے حقوق ضرور محفوظ کئے جائیں گے۔کیونکہ اب خود ڈاکٹر امبیڈکر اس سب کمیٹی کے ممبر ہیں۔

جیل سے رہا ہو کر گاندھی جی ممبئی آئے انہوں نے بھی اچھوتوں کے مسائل پر توجہ دینا شروع کیا تھا۔انہوں نے کانگریسی کارکنان کو تاکید کی ان مسائل پر توجہ ضروری ہے انہوں نے Anti Untouchability مخالف اچھوت پن ذیلی کمیٹی بنائی۔کانگریس اور گاندھی جی کا موقف تھا کہ اچھوت چونکہ ہندو آبادی کا ہی حصہ ہیں اسلئے کانگریس کے پیش نظر ان کے مسائل ہمیشہ زیر غور رہے ہیں۔اور اصلاحات کیلئے وقتاً فوقتاً قدم اٹھائے جاتے رہے ہیں۔کانگریس اور گاندھی جی مندر میں داخلہ کے حق کی تائید کرتے ہیں لیکن مناسب یہ ہے کہ اچھوت اس کیلئے ستیہ گرہ نہ کریں بلکہ جو اعلیٰ ذات والے ہندو مندر میں اچھوتوں کے داخلہ کے حق میں ہیں وہ ستیہ گرہ کریں۔کچھ کانگریسی رہنما اس بات کی تائید میں تھے کہ ڈاکٹر امبیڈکر اور گاندھی جی میں اس ضمن میں گفتگو ہو۔یہ کوشش کامیاب بھی ہوئی۔گاندھی جی نے ایک چھٹی ڈاکٹر امبیڈکر کو لکھ کر ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔اس وقت ڈاکٹر امبیڈکر کو اگرچہ بخار آیا تھا لیکن اس کے باوجود ایسی حالت میں بھی طے شدہ وقت پر گاندھی جی سے ملنے گئے۔گاندھی جی نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر انہیں مناسب وقت نہ ملا تو وہ خود ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئیں گے۔یہ تاریخی ملاقات 14 اگست 1931ء کو سہ پہر میں ہوئی۔ یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ جس وقت پورا ملک سائمن کمیشن سے عدم تعاون کر رہا تھا اس وقت جب ڈاکٹر امبیڈکر کمیشن سے تعاون کر رہے تھے اس وقت گاندھی جی ڈاکٹر امبیڈکر کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ یہ اچھوتوں کی نمائندگی نہیں کرتے انہیں کون پوچھتا ہے؟ لیکن ایک ہی سال میں حالات بدل گئے گاندھی جی کو ڈاکٹر امبیڈکر کی حیثیت اور پوزیشن کا اعتراف کرنا پڑا۔اور ان سے ملاقات کی خواہش بھی۔

ڈاکٹر امبیڈکر اپنے 8 ساتھیوں کے ساتھ منی بھون ممبئی پہونچے۔گاندھی جی اور ڈاکٹر امبیڈکر پہلی مرتبہ آمنے سامنے ہوئے۔گاندھی جی نے ڈاکٹر امبیڈکر سے کہا کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو، پوچھ سکتے ہو۔ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا ''میں پوچھنے نہیں آیا ہوں بلکہ آپ کے سوالات کا جواب دینے آیا ہوں گاندھی جی نے ڈاکٹر صاحب سے کہا وہ کانگریس پر کچھ الزام عائد کرتے ہیں اس لئے انہیں

بلایا گیا ہے۔گاندھی جی نے مزید کہا کہ وہ اپنے بچپن سے ہی اچھوتوں کے مسائل پر غور کرتے آئے ہیں شاید اس وقت ڈاکٹر پیدا بھی نہیں ہوئے ہوں گے اور یہ کہ ہندو مسلم مسئلہ سے زیادہ ان کے نزدیک اچھوتوں کا مسئلہ اہم ہے انھوں نے یہ بھی کہا کہ بہت سے لوگوں نے اس بنیاد پر ان کی مخالفت کی کہ اچھوتوں کا مسئلہ مذہبی اور سماجی اداروں سے ہے اور کانگریس ایک سیاسی پارٹی ہے۔لیکن اس کے باوجود انہوں نے اب تک اچھوت طبقات کیلئے 20 لاکھ روپئے صرف کئے ہیں وغیرہ ایسی صورت میں ڈاکٹر امبیڈکر ان کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ جواباً ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا کہ وہ کھلے دل سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ گاندھی جی نے اچھوتوں کی ترقی کیلئے کس قسم کی کوشش کی؟ اچھوتوں کے مسائل کے حل کیلئے کانگریس کے تعمیری کام میں کون کون سے پروگرام شامل ہیں؟ مزید کہا کہ انہیں گاندھی جی کی نیت پر کوئی شک نہیں۔مگر انہیں اعتراض اس بات پر ہے پروگرام کے مطابق عملی طور پر کچھ نہیں ہوتا۔گاندھی جی نے تو بیس لاکھ روپئے صرف کئے مگر وہ خود (امبیڈکر) ان بیس لاکھ روپیوں میں بہت کچھ کر سکتے تھے۔ڈاکٹر امبیڈکر نے گاندھی جی کو مشورہ دیا کہ جس طرح وہ کانگریس سے وابستگی کیلئے کھادی کے استعمال کی شرط عائد کرتے ہیں اس طرح اگر وہ کانگریس والوں پر یہ شرط عائد کردیں کہ وہ ایک اچھوت طالب علم کو اپنے گھر رکھے یا ایک مرتبہ اپنے گھر اسے کھانا کھلائے یا ایک اچھوت کو اپنے پاس ملازم رکھے تو اس سے اچھوتوں کا کافی بھلا ہوگا۔اگر گاندھی جی ایسا کرتے تو کانگریس کا کوئی ضلع صدر اچھوتوں کے مندر داخلہ ستیہ گرہ کی کوئی سناتنی ہندو ہرگز مخالفت نہ کرتا۔کانگریس والوں کو شکایت ہے کہ انگریز حکومت میں ان کے دل و دماغ میں کیوں تبدیلی نہیں ہوئی اسی طرح اچھوتوں کو یہ شکایت ہے کہ اچھوتوں کے تعلق سے کانگریس والوں کے دل و دماغ میں کوئی تبدیلی کیوں نہیں ہوئی۔جب تک کانگریس والوں کے دل اچھوتوں کے تعلق سے صاف نہیں ہونگے تب تک اچھوت کسی طرح بھی ہندوؤں اور کانگریس والوں پر اعتبار نہیں کریں گے۔ہم خود اپنے بھروسہ اور خود اعتمادی کے بل بوتے پر ہی اپنا راستہ تلاش کریں گے۔ہم آپ جیسے 'مہاتما' کے بھروسہ و اعتماد پر نہیں رہیں گے۔

مزید کہا کہ تاریخ شاہد ہے کہ مہا تما کہلانے والے فریبی ،غیر حقیقی اور وہمی شخصیتیں ہیں جو اپنی حرکتوں سے کچھ گرد و دھول تو اڑاتے ہیں مگر وہ کبھی سماج کی سطح اونچی نہیں کر سکتے ۔کانگریس والے اس کے (ڈاکٹر امبیڈکر کے) کاموں سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟ انکی تصویر قوم کے غدار کی حیثیت سے ہندوؤں کے ذہنوں میں کیوں پیدا کی جاتی ہے ۔وہ آج تک سمجھ نہیں پائے ۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے اس ترش روی اور کھری کھری سنانے پر ماحول کو سنجیدہ بنایا۔ پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد انہوں نے تند لہجہ میں گاندھی جی کو اونچی آواز میں کہا" گاندھی جی مجھے ماتر بھومی (مادر وطن) نہیں ہے ۔" یہ انداز دیکھ کر گاندھی جی نے چونک کر کہا" ڈاکٹر صاحب تمہیں ماتر بھومی ہے اور اسکی خدمت کیسے کرنا چاہئے مجھے پہلی گول میز کانفرنس کی ان خبروں سے معلوم ہوا جو مجھ تک پہنچی ہیں ۔" اس پر ڈاکٹر امبیڈکر نے جواب دیا" میں دوبارہ کہتا ہوں ہمیں ماتر بھومی نہیں ہے جس ملک میں کتوں جیسی زندگی بھی ہم نہیں گزار سکتے ،کتوں کو جو سہولتیں ہیں وہ ہمیں نہیں میسر ہیں اس سرزمین کو اس سرزمین کے مذہب کو خود میں تو کیا جسے انسانیت کو تھوڑا بہت علم ہے اور جس میں خود اعتمادی ہو وہ بھی اس کو ماتر بھومی نہیں کہہ سکتا ۔" اس ملک نے ہمارے خلاف اتنا ناقابل معافی گناہ کیا ہے کہ ہم بڑی سی بڑی غداری اس ملک سے کریں تب بھی اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں رہے گی ۔اس لئے مجھے غدارِ قوم کی حیثیت سے کتنی بھی گالیاں دی جائیں تب بھی مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا ۔کیونکہ میرے ان نام نہاد خلاف قوم حرکات کیلئے اعلیٰ ذات کے ہندو ذمہ دار ہیں ۔میں اس قوم اور اس کا کوئی پجاری نہیں ہوں ۔" اس قسم کے متواتر حملوں کیلئے گاندھی جی تیار نہیں تھے ۔وہ امبیڈکر کے ان خیالات اور جذبات کو دیکھ کر بے چین ہو گئے ۔تمام ماحول مزید سنجیدہ ہوگیا ۔گاندھی جی کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے خود ہی سوال کر ڈالا ۔گاندھی جی مسلمان ،سکھ اور دوسری اقلیتوں کی سماجی حالت اچھوتوں کے مقابل میں کافی اچھی ہے ۔اچھوت سماج ہر طرح سے پسماندہ ہے ۔ہر مذہب کے ماننے والوں کی علیحدہ حیثیت گول میز کانفرنس میں تسلیم کی گئی ہے ۔کانگریس نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے ۔اچھوتوں کو مراعات اور نمائندگی دینے کیلئے گول میز کانفرنس میں سفارش کی گئی ہے ۔میرے خیال میں یہ ہمارے مفاد میں ہے اس بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں؟" گاندھی جی نے جواب دیا کہا" اچھوت ہندو سماج کا ایک حصہ ہیں انہیں میں ہندو سماج

سے الگ کرنے کے خلاف ہوں انہیں محفوظ (Reserve) نشتیں دینے کے خلاف ہوں۔''
ڈاکٹر امبیڈکر نے فوراً کہا'' آپ کی یہ رائے آپ کے منہ سے سنی اچھا ہو میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔'' یہ کہہ کر گاندھی جی کو نمستے کہتے ہوئے وہ نکل گئے۔جس وقت یہ واقعہ ہوا گاندھی جی اپنی شہرت کی بلندیوں پر تھے۔کروڑوں ہندوستانی عوام ان کو چاہتے تھے اس قدر عظیم رہنما کو اس قسم کا جواب دینا گویا ان کے عتاب کو دعوت دینا تھا۔اس قسم کا سخت جواب تند لہجہ میں سننا گاندھی جی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔مگر ڈاکٹر امبیڈکر اور گاندھی جی کے درمیان مستقبل کی طویل جنگ کیلئے چنگاری سلگ چکی تھی۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی مالی حالت 1930ء کے اختتام تک کچھ بہتر ہوگئی تھی۔انہیں ممبئی میں اپنے لئے دو مکان تعمیر کرنے کا خیال ہوا سنٹرل بینک آف انڈیا سے انہوں نے قرض لیا۔ایک رہنے کیلئے اور ایک کرایہ پر دینے کیلئے ممبئی کی ہندو کالونی میں پلاٹ نمبر 99اور 129 خرید ا1930ء کے ستمبر میں بھومی پوجن کیا۔پالے شاستری نامی شخص نے اس رسم کی ادائیگی کی۔پلاٹ کے چاروں گوشوں میں چار تانبے کے لوٹے گھڑے کر کے دفن کئے گئے۔ان لوٹوں میں 1930ء کے سکے اور ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کی بیوی رمابائی کے دستخط کردہ چار چھٹیاں ڈالی گئیں۔ان کے انتہائی قریب کے ساتھی اس رسم میں شریک تھے۔کچھ دنوں کے بعد کچھ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) کہتے ہیں پھر اس قسم کی رسم کے کیا معنی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا عقلیت پسندوں کی بیوی بھی ہوتی ہے۔اسلئے ان کی باتوں پر بھی توجہ دینی پڑتی ہے۔ اگر وہ ہر وقت عقلیت پسندی اپنائے تو اس کے ہاتھ سے سب کچھ نکل جائیگا۔پلاٹ نمبر 129 پر خود کے رہنے کے مکان کی تعمیر جنوری 1931ء میں مکمل ہوئی۔اس عمارت کو'راج گرہ' نام دیا گیا۔تعمیر کی نگرانی کا کام اپنے ایک قریبی دوست کو دیا۔پلاٹ نمبر 129 پر تعمیر شدہ مکان کا نام ''چار مینار'' رکھا مگر اسے 1941ء میں فروخت کر دیا۔مشہور قانون داں پروفیسر اے۔اے۔اے فیضی جو اس وقت لا کالج پر نسپل تھے ان سے تھانہ میں واقع ان کا ایک کھیت خریدا مگر اس سے کچھ آمدنی ہونے کی وجہ سے 1937ء میں اس کو فروخت کر دیا۔

18 - گول میز کانفرنس (دوسری)

پہلی گول میز کانفرنس کے خاطر خواہ نتائج نہ نکلنے کی وجہ سے وہ ملتوی کر دی گئی تھی۔ دوسری گول میز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان برطانوی حکومت نے کیا کانگریس پارٹی نے اپنی ایک قرارداد کے ذریعہ گاندھی جی کو نمائندگی کیلئے روانہ کرنے کا فیصلہ کیا (پہلی گول میز کانفرنس کا کانگریس نے بائیکاٹ کیا تھا) ملک سے کل 125 نمائندے لندن روانہ ہوئے حسب سابق اچھوتوں کی نمائندگی کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر اور راؤ بہادر سری نواسن منتخب کئے گئے۔ لندن کیلئے روانگی سے قبل ممبئی سے ڈاکٹر امبیڈکر کو رخصت کرنے کیلئے ممبئی کے کاوس جی جہانگیر ہال میں اچھوتوں کا ایک عظیم جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے تقریر میں گاندھی جی سے ملاقات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اس ملاقات سے انہیں بہت ناامیدی ہوئی۔ آج کے حالات میں وہ اچھوتوں کیلئے کچھ نہیں کر سکتے۔ 15 اگست 1931ء کو بحری جہاز یس۔یس ملتان میں بہت سارے نمائندے سوار ہوئے جس میں

مولانا شوکت علی بھی شامل تھے۔گاندھی جی 29اگست 1931ء کو یس۔یس۔راجپوتانہ نامی جہاز سے روانہ ہوئے۔ان کے ساتھ مدن موہن مالویہ، سروجنی نائیڈو، مہادیو دیسائی، پیارے لال، گھنشام داس برلا وغیرہ تھے۔گاندھی جی اپنے ساتھ 2 بکریاں لئے ہوئے تھے۔اور مدن موہن مالویہ نے پوجا کیلئے 5,4 گھڑے گنگا کا پانی بھی ساتھ لیا۔مسلم لیگ کی نمائندگی میں ڈاکٹر اقبال بھی شریک تھے۔ڈاکٹر امبیڈکر 29اگست کو لندن پہونچے جب کہ گاندھی جی 12 ستمبر کو پہونچے۔ کانفرنس 7 ستمبر کو شروع ہو چکی تھی۔پچھلی کانفرنس میں ہی اچھوتوں کی سماجی اور سیاسی حیثیت سے ایک علیحدہ اکائی تسلیم کی جا چکی تھی۔مگر کانگریس پارٹی نے جو پہلی کانفرنس کا بائیکاٹ کر چکی تھی اس ضمن میں اپنے موقف کا اظہار اب تک نہیں کیا تھا۔جس وقت پہلی کانفرنس جاری تھی اس وقت ملک میں کانگریس عدم تعاون کی تحریک چلا رہی تھی۔ان حالات کی وجہ سے عام طور پر یہ تاثر پیدا ہوگیا تھا کہ پہلی گول میز کانفرنس عدم تعاون کی وجہ سے ناکام ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا یہ کہنا تھا کہ گاندھی جی کا کانگریس کی نمائندگی کے لئے انتخاب بالکل غلط تھا۔کامیابی کے موقع پر گاندھی جی نے کوتاہ نظری کا مظاہرہ کیا۔وہ حکومت سے ایک قسم کی مصالحت کر کے ہی کانفرنس میں شریک ہوئے ہیں۔اس لئے وہ دوسری پارٹیوں کے نمائندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

کانفرنس کو مختلف 9 ذیلی کمیٹیوں میں تقسیم کیا گیا تھا ان میں ایک مایناریٹیز کمیٹی (Minorities Committee) تھی۔جس کے ذمہ سب سے مشکل اور اہم کام ملک کی فرقہ واریت کے مسئلے کو حل کرنا تھا۔اس کمیٹی کی اہمیت کے پیش نظر برطانیہ کے وزیر اعظم Ramsay Macdonald نے اس کی صدارت اپنے پاس رکھی۔اچھوتوں کیلئے بھی یہ کمیٹی اہمیت کی حامل تھی۔یہاں یہ تذکرہ ضروری ہے کہ 1919ء کے ایکٹ سے قبل حکومت برطانیہ نے Montagh. Chamsford کمیشن مقرر کیا تھا۔اس وقت بھی اچھوتوں کو آئینی تحفظات دینے کی بات کہی گئی تھی لیکن 1919ء کے دستور میں اچھوتوں کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا گیا سوائے اس کے کہ لیجسلٹیو کونسلوں میں کچھ اچھوت نامزد کئے جائیں۔اسلئے کانفرنس سے پہلے ہی

8 نکات پر تحریری مطالبہ کیا گیا تھا۔ جس کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔

دوسری کانفرنس میں فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی Federal Structure Commitee کے سامنے 15 ستمبر کو گاندھی جی نے تقریر کی اور کہا کہ کانگریس بہت پہلے سے اچھوتوں کے مسائل پر غور کرتی آئی ہے۔ 1920ء سے ہی کانگریس نے اچھوت پن دور کرنے کا مسئلہ اپنے سیاسی پروگرام کا ایک حصہ بنایا ہے۔ جس طرح ملک کیلئے سوراج اور اس کے حصول کیلئے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے اس طرح اچھوت پن دور کرنا بھی کانگریس کا ایک اہم پروگرام رہا ہے۔

فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کی 17 ستمبر 1931ء کی میٹنگ میں گاندھی جی نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''ہندو مسلم، سکھ مسئلہ کس طرح حل کیا جائے اس سے کانگریس نے اپنے آپ کو یکسو کر لیا ہے مگر جہاں تک اچھوتوں کا سوال ہے میں یہ سمجھ نہیں پایا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کیا کہنا چاہتے ہیں پھر بھی کانگریس ڈاکٹر امبیڈکر کے تعاون سے اچھوتوں کے مسائل کے تعلق سے نمائندگی کرے گی، اور اس معاملہ میں کانگریس کا ذہن اتنا ہی کھلا ہے جتنا پورے ملک کے کسی اور فرد یا کمیونٹی کے بارے میں ہے۔ اسلئے میں کسی اور کی مخصوص نمائندگی کی پوری طاقت سے مزاحمت کروں گا۔''

ڈاکٹر امبیڈکر کی نظر میں گاندھی جی کا مندرجہ بالا بیان اچھوتوں کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ درحقیقت اس اعلان سے جنگ شروع بھی ہوئی۔ مانیاریٹیز کمیٹی کے سامنے گاندھی جی کا موقف کیا رہے گا اس کا اندازہ آچکا تھا کیونکہ اس کمیٹی کے سامنے یہ مسائل بحث کا موضوع بننے والے تھے۔ درحقیقت گاندھی جی ہندو، مسلم، سکھ مسئلہ کو ہی حل کرنا چاہتے تھے۔ اچھوتوں کے مسئلہ کو انھوں نے ہندوؤں سے الگ سمجھا ہی نہیں تھا۔ اس مقصد کیلئے وہ مسلمان نمائندوں سے خانگی طور پر بھی گفتگو کرتے رہے۔

28 ستمبر کو مانیاریٹیز کمیٹی کی میٹنگ شروع ہوئی۔ وزیراعظم میکڈونالڈ (Macdonald) صدارت کر رہے تھے۔ میٹنگ کے دوران سر آغا خاں نے تجویز رکھی کہ گاندھی جی سے چونکہ رات میں غیر سرکاری میٹنگ ہونے والی ہے اس لئے یہ اجلاس ملتوی کیا جائے۔ اجلاس ملتوی کرنے کی تجویز پر ڈاکٹر امبیڈکر نے اٹھ کر کہا کہ انہیں اجلاس ملتوی کرنے پر کوئی اعتراض نہیں اور مختلف

اقلیتیں کوئی فیصلے کر رہی ہیں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ مگر جہاں تک اچھوتوں کا معاملہ ہے اس کے بارے میں، میں نے اپنا موقوف پچھلے سیشن (پہلی گول میز کانفرنس) میں واضح کر دیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مختلف اقلیتوں اور کانگریس کے درمیان یا مختلف اقلیتوں کے درمیان جو معاملات طے ہوں ان کا اچھوتوں سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ تمام تحفظات میں خود ان کے طبقات کا جو حصہ ہے اس پر دوسروں کے کئے معاہدات کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس اجلاس میں انہوں نے یہ بھی تجویز رکھی کہ تمام اقلیتیں اور کانگریس کے نمائندے ایک کمیٹی بنا کر ایک غیر رسمی چرچا کریں۔ اس تجویز پر وزیر اعظم میکڈونالڈ نے بھی کہا کہ ان کی بھی یہی رائے تھی مگر انہوں نے کہا وہ کمیٹی نہیں بنائیں گے۔ بلکہ فریقین خود آپس میں طے کریں کہ اس کمیٹی میں کون رہے گا۔ میٹنگ تین دن کے لئے ملتوی ہوئی۔ مگر کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوا، اور نہ کوئی معاملہ طے پایا۔ اسلئے 1 اکتوبر کو جب میٹنگ دوبارہ شروع ہوئی، اس وقت گاندھی جی نے مزید ایک ہفتہ تک میٹنگ ملتوی کرنے کو کہا۔ اس رائے کی سر آغا خان نے تائید کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے میٹنگ ملتوی کرنے کی تجویز پر کہا کہ وہ اس تجویز کے مخالف تو نہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ کس قسم کی کمیٹی گاندھی جی تشکیل دینا چاہتے ہیں۔ کیا اس کمیٹی میں اچھوتوں کی نمائندگی رہے گی۔ گاندھی جی نے کہا کہ نمائندگی رہے گی۔ صدر کمیٹی وزیر اعظم میکڈونالڈ نے مزید وقت ضائع نہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ مناسب فیصلے کریں۔ غیر رسمی میٹنگ میں مسلمانوں اور سکھوں کے معاملہ تک ہی بحث محدود رہی اور بغیر کسی فیصلہ کے برخاست ہوئی۔ اس غیر رسمی میٹنگ میں گاندھی جی نے اچھوتوں اور دوسری اقلیتوں کے بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ اگرچہ کہ ان کے مطالبات کو انہوں نے سنا۔

8 / اکتوبر کو وزیر اعظم کی صدارت میں مانیاریٹیز کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا۔ ابتداء میں ہی گاندھی جی نے کہا کہ انہیں یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ کمیونل مسئلہ پر وہ کسی متفقہ فیصلہ پر پہونچنے میں ناکام رہے۔ اس غیر رسمی کمیٹی کی ناکامی پر معافی مانگتے ہوئے کہا کہ تمام نمائندے جو ہندوستان

سے بلائے گئے ہیں ان میں ہی تضاد ہے یہ نمائندے جن اقلیتوں کی نمائندگی کرتے ہیں وہ ان کے منتخب کردہ نہیں ہیں ۔ یہ تمام حکومت کے نامزد کئے ہوئے ہیں ۔ اسلئے گاندھی جی نے غیر معینہ مدت کیلئے مائناریٹیز کمیٹی کے اجلاس ملتوی کرنے کی خواہش کی ۔ اقلیتوں کو یہ سن کر سخت اعتراض ہوا کہ ان پر یہ الزام ہے کہ وہ اپنی اپنی اقلیت کی نمائندگی نہیں کرتے اور یہ کہ وہ حکومت کے نامزد کردہ ہیں ڈاکٹر امبیڈکر نے گاندھی جی کے خیالات سے اختلاف کرتے ہوئے ان کے موقف پر سخت تنقید کی ۔ انہوں نے کہا کہ کمیونل مسئلہ کو یا تو اقلیتیں خود حل کریں یا حکومت برطانیہ اس کا حل نکالے وہ اپنے مسائل کسی ثالث کے سپرد کرنے کیلئے تیار نہیں ۔ انہوں نے مزید کہا کہ اچھوتوں نے اقتدار کی منتقلی کی کوئی تحریک شروع نہیں کی ہے ۔ یہ اقتدار کچھ مخصوص گروہ یا جاگیر دارانہ نظام کے حامی گروہ ، چاہے وہ مسلمان ہوں یا ہندو ان کے ہاتھوں میں ہرگز منتقل نہیں ہونا چاہئے ۔ اس اقتدار میں تمام فریق اپنی اپنی تعداد کے تناسب سے شامل ہوں ۔ وزیر اعظم نے اجلاس کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ وہ دوبارہ تمام کو مدعو کریں گے ۔ اور کہا کہ اگر وہ کسی متفقہ فیصلہ پر پہونچ گئے ہوں تو اس فیصلہ کو تمام فریقوں میں سرکیولیٹ Circulate کریں ۔ اور یہ کہ اس متفقہ فیصلہ میں حکومت برطانیہ رکاوٹ حائل نہیں کریں گی ۔ اگر ہندوستانی کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہونچ پاتے تو برطانوی حکومت ضرور ایسے قدم اٹھائے گی کہ ہندوستان آزادی کی سمت میں مزید آگے بڑھ سکے ۔

وزیر اعظم کے مشوروں پر تمام اقلیتوں نے اتفاق رائے سے ایک متفقہ فیصلہ پر مبنی دستاویز تیار کیا اور 12 نومبر 1931ء کو برطانوی وزیر اعظم کے حوالہ کیا کیونکہ 13 نومبر سے مائناریٹیز کمیٹی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا ۔ 13 تاریخ کے اجلاس کے شروعات میں برطانوی وزیر اعظم میکڈونالڈ نے کہا کہ ''ابتداء سے ہی اس کمیٹی کے تفویض سب سے اہم کام ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگ مجھے کوئی متفقہ پلان دے نہ سکے ۔''

اقلیتوں نے جو پلان دیا تھا اس دستاویز کو 'مائناریٹیز پیکیج' کہا گیا اس میں مختلف مذہبی طبقات کے حقوق کے تحفظات کا ذکر تھا ۔ اس پر حسب ذیل قائدین نے دستخط کئے تھے ۔

۱)   ہز ہائی نیس سر آغا خان   (مسلمان)

۲)   ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر   (اچھوت)

۳) راؤ بہادر پیز سیلوم (Rao Bhadur Pannir Selvam) (انڈین کرسچن)

۴) سر ہنری گڈنے (Sir Henry Gidney) (اینگلو انڈین)

۵) سر ہبرٹ کار (Sir Hubert Carr) (یوروپین)

اس کمیٹی میں کانگریس کی طرف سے گاندھی جی نے حصہ نہیں لیا تھا۔ اسلئے ان کے دستخط نہیں تھے۔ وزیر اعظم میکڈونالڈ نے کہا کہ یہ دستاویز تقریباً 46% ہندوستانیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ انہوں نے ہز ہائی نس سر آغا خان سے کہا کہ اس دستاویز پر انہیں تفصیل سے غور و بحث کیلئے وقت نہیں ہے۔ لیکن اس کانفرنس کی روداد کا ایک سرکاری ریکارڈ بن جائیگا۔

13 نومبر 1931ء کو مایناریٹیز کمیٹی میں بحث شروع ہوئی گاندھی جی بہت غصہ میں تھے۔ اور ہر اس نمائندہ سے خفا تھے جس نے مایناریٹیز پیکیج کے تیار کرنے میں حصہ لیا تھا۔ انہیں سب سے زیادہ اس بات پر غصہ آرہا تھا کہ اچھوتوں کی حیثیت ہندو سوسائٹی سے علیحدہ کیوں تسلیم کی گئی۔ ان کا خیال تھا کہ جہاں تک سکھ، مسلمان، اور ہندوؤں کے آپسی تعلقات اور ان کے حقوق کا تعلق ہے اس سلسلے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ ہو جائے تو کانگریس پارٹی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ان مذہبی گروہوں کے علاوہ کسی اور اقلیت اور فرقہ کیلئے علیحدہ انتخابی حلقہ کے مطالبہ کو کانگریس کبھی تسلیم نہیں کرے گی۔ اور اس قسم کے فیصلہ پر وہ ایک فریق کی حیثیت سے شامل نہیں ہوگی۔ اس موقع پر اچھوتوں کی طرف سے پیش کردہ مطالبات بہت افسوس ناک ہیں۔ وہ ہندوستان کی آزادی کی خاطر اچھوتوں کے حقوق کیلئے سودے بازی نہیں کریں گے۔ وہ خود اچھوتوں کی نمائندگی کرتے ہیں اگر اس مسئلہ پر ملک میں (ریفرنڈم) ہو تو وہ کامیابی میں سب سے آگے رہیں گے۔ وہ ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک دورہ کرکے عوام کو قائل کردیں گے کہ علیحدہ انتخابی حلقے یا علیحدہ ریزرویشن کبھی بھی اچھوتوں کے مفاد میں نہیں رہے گا۔ یہ بات نہ صرف اچھوتوں کے بلکہ اعلیٰ ذات والے ہندوؤں کے لئے بھی باعث شرم ہوتی ہے۔ نہ صرف اس کمیٹی کو

بلکہ پوری دنیا کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہندوسماج کے مصلحین اس داغ کو دور کرنے کا حلف لے چکے ہیں۔وہ نہیں چاہتے کہ خانہ شماری میں اچھوتوں کی گنتی الگ حیثیت سے ہو۔سکھوں کو ہمیشہ سکھ رہنے دیجئے۔مسلمانوں کو مسلمان اور یوروپین کو یوروپین کیا اچھوت ہمیشہ اچھوت رہیں گے؟اچھوتوں کے لئے کی گئی کوششوں اور ڈاکٹر امبیڈکر کی قابلیت کی سراہنا کرتے ہوئے کہا کہ وہ پوری سنجیدگی سے کہنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو جو آج تک تلخ تجربات ہوئے ہیں ان تجربات نے ان کی قوت فیصلہ کو شل کر دیا ہے۔۔۔۔ڈاکٹر امبیڈکر کا یہ دعویٰ کہ وہ تمام اچھوتوں کی نمائندگی کرتے ہیں مناسب نہیں؟۔۔۔۔مجھے کسی قسم کا اعتراض نہ ہوگا اگر اچھوت مسلمان ہوجائیں یا کرسچن بن جائیں میں اس حد تک ان کے اس قدم کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔لیکن میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ دیہاتوں میں ہندو دو طبقات میں تقسیم ہوں۔

مایناریٹیز کمیٹی کے صدر وزیر اعظم میکڈونالڈ نے جب دیکھا کہ تمام نمائندوں میں کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا تو انہوں نے کمیٹی کی کاروائیاں اور اجلاس غیر معینہ مدت کیلئے ملتوی کرتے ہوئے کہا کہ تمام نمائندے اپنی دستخطوں کے ساتھ ایک درخواست دیں کہ وہ وزیر اعظم کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں۔اور ان کا تشکیل شدہ آئین تمام طبقات کیلئے قابل قبول ہوگا۔وزیر اعظم نے کہا کہ برطانوی حکومت آئین کے سلسلے میں کئے ہوئے وعدے پورا کریں گے۔ہندوستانیوں کے مختلف مذاہب اور مختلف طبقات کے اختلافات اس کام میں رکاوٹ نہیں بن سکیں گے۔ڈاکٹر امبیڈکر لکھتے ہیں۔"ہر ایک نے محسوس کیا کہ اچھوتوں کے سب سے بڑے دشمن گاندھی جی ہیں انہوں نے اپنی ساری توانائی اور توجہ صرف اچھوتوں پر مرکوز کی تھی۔اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ گاندھی جی کی گول میز کانفرنس میں شرکت صرف اچھوتوں کے مطالبات کی مخالفت کیلئے ہے۔" گاندھی جی کے دوست بھی یہ سمجھ نہیں پائے کہ گاندھی جی نے اس قسم کا موقف کیوں اختیار کیا۔

مسلمانوں اور سکھوں کے حقوق تسلیم کرنا اور اچھوتوں کے حقوق کیلئے ضروری تحفظات سے انکار ایک معمہ اور تعجب خیز معمہ تھا۔جب بھی ان سے اس معاملہ پر کچھ دریافت کیا جاتا وہ غصہ میں آتے۔اور معقول انداز سے اپنے موقف کا دفاع کر نہیں پاتے۔گول میز کانفرنس میں تو کہتے

ہیں .بہت سنجیدگی سے ان کے مسائل پر غور کیا جارہا ہے ۔اس لئے فی الوقت ان کو سیاسی تحفظات دینے کی ضرورت نہیں ہے ۔لیکن کانفرنس کے باہر ان کا موقف یکدم بدل جاتا ،ایک تقریر میں انہوں نے کہا ''مسلم اور سکھ کافی منظم ہیں ۔جبکہ اچھوت ایسے نہیں ہیں ۔ان میں سیاسی شعور نہیں ہے میں انہیں بچانا چاہتا ہوں اگر انہیں علیحدہ حلقہ انتخاب دیا جائے گا ۔تو دیہاتوں میں ان کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی ۔جو کٹر پنتھی ہندوؤں کے مرکز ہیں ۔اس لئے ان کی اس حالت کا کفارہ ہندوؤں کو دینا چاہیئے کیونکہ زمانہ قدیم سے انہوں نے انکی طرف سے لاپرواہی کی ہے اس کی تلافی سماجی خدمت اور ان کی اصلاح سے کی جائے ۔علیحدہ انتخابی حلقوں سے ہم اچھوتوں اور کٹر پنتھی ہندوؤں کے درمیان اختلاف کے بیج بوئیں گے ۔میں مسلمانوں اور سکھوں کی علیحدہ نمائندگی برداشت کرسکتا ہوں کیونکہ وہ ایک لازمی برائی ضرور ہے ۔لیکن اچھوتوں کے لئے یہ ایک خطرہ ہے ۔۔۔۔علیحدہ انتخابی حلقوں سے یہ دائمی غلامی میں چلے جائیں گے ۔۔۔۔۔۔

میں ڈاکٹر امبیڈکر کی قدر کرتا ہوں ان کی تلخی کو میں سمجھ سکتا ہوں یہ ہمارے سر نہیں پھوڑتے یہ ان کے صبر کے علامت ہے ۔آج کل وہ شکوک میں اتنے گھرے ہوئے ہیں کہ وہ کچھ دیکھ نہیں پاتے ۔اور ہر ہندو کو اچھوت کا دشمن سمجھتے ہیں ۔اور یہ فطری چیز ہے ۔میں خود جب جنوبی افریقہ میں تھا میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے ۔میں جہاں بھی جاتا ہوں یوروپین مجھے وہاں سے نکالتے ۔''

لندن میں گاندھی جی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اقلیتیں مل کر کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو مسلمانوں کی تائید ہے ۔تب انہوں نے اچھوتوں کو مسلمانوں کی تائید سے محروم کرنے کیلئے ایک چودہ نکاتی پروگرام مسلمان نمائندوں کے سامنے رکھا اور مسلمانوں کے تقریباً تمام مطالبات کو تسلیم کرنے کا وعدہ کیا ۔شرط صرف یہ تھی کہ وہ اچھوتوں کی تائید نہ کریں ۔لیکن مسلمان نمائندے اس بات پر راضی نہیں ہوئے اور اچھوتوں کے حق میں تائید سے کنارہ کشی کرنے سے انکار کر دیا ۔اس کے بعد برطانوی وزیر اعظم نے گول میز کانفرنس کے اس دوسرے دور کے خاتمہ کا اعلان کر دیا ۔مسلمان نمائندوں کے اس موقف سے ڈاکٹر امبیڈکر بہت خوش ہوئے اور کئی جگہ

انہوں نے اپنی تحریروں میں اس کا اعتراف بھی کیا۔

تمام اقلیتی نمائندوں نے برطانوی وزیر اعظم کی ثالثی تحریری طور پر قبول کی تھی۔اس ثالثی کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر نے کوئی تحریر وزیر اعظم کو نہیں دی۔انہیں اس بات کا احساس تھا کہ ان کے مطالبات اتنے معقول ہیں کہ انہیں ثالثی کیلئے کسی سے درخواست کرنے کی ضرورت نہیں دوسری گول میز کانفرنس کے افتتاح کے ساتھ برطانوی حکومت نے لارڈ لوتھین Lord) (Lothian کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر کی اس کمیٹی سے کہا گیا کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ آئندہ جو آئین سازی ہوگی۔اس میں آبادی کے تمام حصوں کی نمائندگی کس طرح ہوگی۔اور یہ کہ کوئی طبقہ محروم نہ رہے۔برطانوی وزیر اعظم نے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اچھوتوں (Depressed Classes) کا مفاد کس طریقہ انتخاب میں رہے گا۔اور کس طرح علیحدہ نمائندگی کا حق دیا جائے۔ان ہدایات کی وجہ سے اچھوتوں کی آبادی کا تخمینہ ضروری تھا۔اسلئے جب گنتی شروع ہوئی تو ہندوؤں کی طرف سے اور خود لوتھین کمیٹی کے ہندو ممبران کی طرف سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ملک میں اچھوتوں کا وجود ہی نہیں ہے۔گول میز کانفرنس سے قبل اچھوتوں کی آبادی کا پتہ چلانے کی کبھی کوشش نہیں ہوئی۔اس سے قبل اندازہ تھا کہ اس ملک 7 تا8 کروڑ اچھوت ہیں لیکن لوتھین کمیٹی نے اس مسئلہ کو اٹھایا تو ہندوؤں نے 8،7 کروڑ کے عدد کو چیلنج کرنا شروع کیا۔جب ملک کے کٹر نیتی ہندوؤں کو معلوم ہوا کہ آبادی کے تناسب سے اچھوتوں کو نمائندگی ملنے والی ہے تب وہ بے چین ہو گئے کیونکہ اب تک اچھوتوں کی تعداد کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی مگر اب ہندوؤں کے مفادات پر ہونے والے اثرات کی وجہ سے انہوں نے کوشش کی کہ ان کی تعداد کو کم کر کے دکھایا جائے۔

کانفرنس کے اختتام پر گاندھی جی بہت مایوس ہوئے سب کچھ ان کے مرضی کے خلاف ہو رہا تھا۔اچھوتوں کی ہندوؤں سے علیحدہ حیثیت تسلیم کی جا چکی تھی۔لندن سے گاندھی جی سب سے پہلے روانہ ہوئے۔واپسی کے دوران ایک اخباری نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ وہ ہندوستان پہونچنے پر عدم اعتماد کی تحریک چلائیں گے۔گاندھی جی جیسے ہی ہندوستان واپس ہوئے

گرفتار کر لئے گئے۔گاندھی جی کو یہ خوف ستا رہا تھا کہ تمام فریقوں نے (سوائے کانگریس کے) برطانوی وزیر اعظم کو ثالث مقرر کیا ہے اس لئے گول میز کانفرنس میں اچھوتوں کی طرف سے کئے گئے مطالبات منظور کئے جائیں گے۔ برطانوی وزیر اعظم کا فیصلہ آنے سے پہلے ہی گاندھی جی جیل سے 11 مارچ 1932ء کو ہندوستانی امور برطانوی وزیر سر سیموئیل ہور (Sir Samuel Hoare) کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا اور پرانے موقف کو دہراتے ہوئے لکھا کہ اگر برطانوی حکومت نے اچھوتوں کو ہندوؤں سے الگ حیثیت عطا کر کے انہیں علیحدہ انتخابی حلقے دیئے گئے تو مرن برت رکھیں گے۔ 13، اپریل 1932ء کو سر سیموئیل ہور نے جواباً کہا کہ وہ گاندھی جی کی پوزیشن کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، مگر حکومت برطانیہ جو بھی فیصلہ کرے گی وہ معاملہ کی نوعیت اور اس کی خوبی کو سامنے رکھ کر کریگی اور ابھی لوتھین کمیٹی نے اپنی رپورٹ نہیں دی اسلئے فی الفور کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ رپورٹ آنے پر تمام پہلوؤں پر غور کر کے اور خود گاندھی جی اور ان کے رفقاء کی رائے کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔سر سیموئیل ہور نے یہ بھی لکھا کہ رپورٹ آنے پر گاندھی جی خود رپورٹ کا مطالعہ کریں اور فریقین کی رائے آنے پر مرن برت کے سلسلے میں فیصلہ کریں۔اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

17 راگست 1932ء کو برطانوی وزیر اعظم نے اپنے فیصلہ کا اعلان کیا جو تاریخ میں کمیونل اوارڈ (Communal Award) کے نام سے جانا جاتا ہے۔جن میں اچھوتوں کے بہت سارے مطالبات بہت حد تک تسلیم کئے گئے تھے۔(کچھ نا منظور کئے)اور ان کے لئے علیحدہ اور مشترک حلقہ انتخاب محفوظ رکھنے کی گنجائش رکھی گئی۔ایوارڈ کے تحت اچھوتوں کیلئے نشستیں محفوظ کی گئی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ عام انتخابات میں بھی انہیں ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا۔یعنی انہیں ووٹ دینے کا دہرا حق ملا۔گاندھی جی کی دھمکی کارگر نہیں ہوئی۔مگر دھمکی دیتے وقت گاندھی جی یہ بھول گئے تھے کہ وزیر اعظم کی ثالثی انہوں نے بھی تسلیم کی تھی۔

18 اگست 1931ء کو پونہ کی جیل سے گاندھی جی نے وزیر اعظم کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا اور مرن برت کے موقف کو دہرایا اور مرن برت 20 ستمبر سے شروع کرنے کی دھمکی دی۔

وزیراعظم نے 8 ستمبر کو جواب دیا اور لکھا کہ فیصلہ تبدیل نہیں ہوسکتا، جب گاندھی جی نے دیکھا کہ وزیر اعظم فیصلہ تبدیل کرنے والے نہیں تو 9 ستمبر کو ایک اور مراسلہ روانہ کیا اور لکھا کہ "علیحدہ حلقہ انتخاب قائم کرکے ہندو سماج میں ایک زہر کا انجکشن دیا جارہا ہے۔ تاکہ ہندو سماج ختم ہو۔ اور اس سے اچھوتوں کا بھی کوئی بھلا ہونے والا نہیں ہے۔ اور پھر 20 ستمبر سے گاندھی جی کا پونہ میں تاریخی مرن برت شروع ہوا۔

لندن میں گول میز کانفرنس (دوسری) کے اختتام کے بعد 5 نومبر 1931 کو کنگ جارج پنجم نے تمام ہندوستانی نمائندوں کو پارٹی دی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے ذریعے اچھوتوں کے تعلق سے معلومات حاصل کرکے کنگ جارج پنجم متاثر ہوئے۔ کانفرنس کے ختم ہونے تک ڈاکٹر امبیڈکر کے پاس کتابوں سے بھرے 32 صندوق تھے۔ وہ انہوں نے اپنے ساتھی سری نواسن کے ذریعہ ہندوستان روانہ کیا، اور خود آرام کرنے نیویارک روانہ ہوئے۔ ایک ماہ تک آرام کرنے کے بعد لندن پہونچے اس دوران نیویارک میں قدیم دوستوں سے ملاقات کی۔ اور پھر لندن سے روانہ ہوکر جمعہ 29 جنوری 1932ء کو ممبئی پہونچے۔ یس۔یس۔ ملتان نامی جس بحری جہاز سے لندن سے ممبئی سفر کر رہے تھے اسی جہاز میں خلافت تحریک کے مولانا شوکت علی بھی ڈاکٹر امبیڈکر کے ہمسفر تھے۔ ممبئی کی بندرگاہ پر ہزاروں اچھوت ڈاکٹر امبیڈکر اور مولانا شوکت علی کے استقبال کیلئے مسلمان حاضر تھے۔ دونوں رہنماؤں کے چاہنے والے اور یونیفارم میں والینٹیرس کثیر تعداد میں حاضر تھے۔ دونوں قائدین نے ایک ہی پلیٹ فارم سے اپنے چاہنے والوں کو مخاطب کیا۔ مولانا شوکت علی نے پہلے تقریر کی اور مسلم عوام سے خاص طور پر مخاطب ہوکر کہا کہ ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اچھوتوں کی مدد کریں کیونکہ وہ کمزور ہیں۔ طاقتور گروہ کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ کمزور گروہ کی مدد کرے۔ مولانا کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے خطاب میں کہا کہ انہیں اس بات سے مسرت ہورہی ہے کہ وہ اور مولانا شوکت علی ایک ہی ڈائس سے خطاب کررہے ہیں۔ یہ ایک نادر موقع ہے انہوں نے گول میز کانفرنس میں مسلمان نمائندوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے لندن میں اچھوتوں کی تائید کی ہے۔ مسلمان طاقتور ہونے کی وجہ سے وہ جو چاہتے ہیں گاندھی جی

سے منوا لیتے ہیں مگر گاندھی جی اچھوتوں کو کسی بھی قسم کی رعایت دینے کیلئے تیار نہیں ۔اس کے باوجود مسلمان اچھوتوں کے حق میں کھڑے رہے انہوں نے امید ظاہر کی کہ یہی دوستی کا جذبہ دونوں میں قائم رہے گا۔

تقاریر کے بعد ہزاروں اچھوتوں اور مسلمانوں پر مشتمل جلوس دونوں قائدین کے ساتھ بائیکلہ میں خلافت ہاؤس گیا۔راستہ میں شوکت علی کی جئے اور ڈاکٹر امبیڈکر کی جئے کے نعرے لگائے گئے ۔وہاں سے یہ جلوس پریل تک گیا جہاں ڈاکٹر امبیڈکر رہا کرتے تھے ۔انہوں نے پریس کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا" گاندھی جی نے ہمیشہ اناڑی پن کا ثبوت دیا۔جب بھی گاندھی جی کانفرنس میں بولے ان سے ان کی ایک قسم کی نااہلی کا اظہار ہوا۔کانگریس والے گاندھی جی سے بہتر آدمی کانفرنس میں بھیج سکتے تھے۔ اچھوت ان کے رویہ سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے"۔جمعہ 29 جنوری 1932ء کو تقریباً 114 اداروں کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا گیا۔اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر سولنکی نے کی۔ان سارے واقعات کے درمیان ایک اور اہم واقعہ درپیش آیا۔ہندو مہا سبھا کے لیڈر ڈاکٹر مونجے (Dr. Monje) اور راؤ بہادر ایم سی راجہ نے آپس میں ایک معاہدہ کیا اور ڈاکٹر امبیڈکر کی مخالفت میں مہم چلائی اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو تمام دلت ۔اچھوت ۔طبقات کی نمائندگی کرنے کا حق نہیں ہے۔اور یہ کہ لندن میں Minorities Pact کے نام سے دوسری اقلیتوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا اس سے دلتوں اور اچھوتوں کے مفادات کو نقصان پہونچا ہے ۔لیکن جو کوششیں کی گئی ہیں وہ ناکام رہی۔

28 فروری 1932ء کو ڈاکٹر امبیڈکر مدراس گئے جہاں ان کا استقبال کرنے کیلئے دس ہزار ،اچھوت ،مسلمان ،کرسچن اور غیر برہمن عوام جلسہ میں شریک رہے۔ 7 مئی 1932ء کو کامٹی (ناگپور) میں کل ہند اچھوت کانفرنس (All India Depressed Classes) میں انہوں نے شرکت کی۔ پورے ملک سے 15 ہزار افراد شریک ہوئے،ممبئی سے ناگپور ٹرین سے گزرتے وقت ہر اسٹیشن پر ہزاروں چاہنے والے ان کا استقبال کرتے اور نعرے لگاتے۔

(نوٹ : گول میز کانفرنس میں ڈاکٹر امبیڈکر بنیادی طور پر اچھوتوں کے حقوق کے لئے

لڑ رہے تھے ۔اسلئے ماینا ریٹیز کمیٹی کا جائزہ مختصر طور پر لیا گیا ایک اور اہم کمیٹی فیڈرل کمیٹی اسٹرکچر کمیٹی جس کے اجلاس کی بحثوں میں محمد علی جناح ،سر محمد اسمٰعیل ،سر محمد شفیع ،ظفر اللہ خان اور ڈاکٹر امبیڈکر حصہ لیتے نظر آتے ہیں ۔فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کی روداد پر سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آئے گا کہ وہاں بھی سب سے زیادہ ڈاکٹر امبیڈکر ہی نظر آتے ہیں ۔تقریر میں کئی موضوعات کا احاطہ کرتے تھے ۔وفاقی قانون، وفاقی عدلیہ، تعلیم، دستور سازی جیسے اہم مسائل پر جب وہ تقریر کرتے تو مختلف نمائندوں کی طرف سے اٹھائے جانے والے سوالات کا جواب دیتے ہوئے انگلینڈ، آسٹریلیا، آئرلینڈ وغیرہ جیسے ممالک میں وقوع پذیر تاریخی واقعات وہاں کے دساتیر کی دفعات وغیرہ کے حوالوں سے اپنی بات رکھتے، تمام اراکین کو احساس ہونے لگا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کسی بھی موضوع پر بحث کرنے سے پہلے پوری طرح تیاری کرتے ہیں اسلئے اٹھائے ہوئے نکات پر اعتراضات کا اور سوالات کا معقول جواب دیتے ہیں جو قارئین راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں ڈاکٹر امبیڈکر کے رول کو تفصیلی طور پر جاننا چاہتے ہیں وہ ان کی مشہور تصنیف

What Congress & Gandhi Have Done to untouchables

جو Baba Sheb Ambedkar Writings & Speeches کی جلد 9 (Vol IX) کا مطالعہ کریں ۔طوالت کے خوف سے تبصرہ سے گریز کیا گیا ہے ۔

19- پونہ پیکٹ (پونہ معاہدہ)

پہلی اور دوسری گول میز کانفرنس میں ڈاکٹر امبیڈکر انتھک کوششوں سے گاندھی جی اور کانگریس کی شدید مخالفت کے باوجود ملک کے اچھوتوں کی عام ہندوؤں سے ایک الگ شناخت وحیثیت دلانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔جس کے نتیجہ میں انہیں آئندہ ہونے والی انتخابی سرگرمیوں میں علیحدہ اور مشترکہ انتخابی حلقوں میں محفوظ نشستیں ملنے والی تھیں۔اس تصور سے ہی گاندھی جی ناراض تھے۔ان کا اصرار تھا کہ کانگریس کے رہنما کی حیثیت سے وہ پورے ملک کے عوام بشمول ہندو کی نمائندگی کرتے ہیں۔انہیں یہ خوف تھا کہ اچھوتوں کی الگ شناخت ایک قسم سے ہندو سماج کی تقسیم کے مترادف ہے۔اور وہ اس خیال سے کسی بھی طرح پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی کوششوں میں مسلمان نمائندوں کے اہم رول کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ ان کی ہی زبان میں پڑھئے۔

"The Seperation of the Untouchables from the Hindu was insisted upon by the Muslims in a memorial to the Govt. dated 27 Jan. 1910 in which they claimed that thier representation in the Political bodies of the Country Should be in proportion to the Population of Touchable Hindus and not Hindus as a Whole because they. Contended that the untouchables were not Hindus"

ترجمانی : ''مسلمانوں نے ایک یاداشت مورخہ 27 جنوری 1910ء کے ذریعہ حکومت سے نمائندگی کرتے ہوئے اچھوتوں کو ہندوؤں سے علیحدہ کرنے پر اصرار کیا۔ اور دعویٰ کیا کہ ان کی (ہندوؤں کی) نمائندگی ملک کے سیاسی اداروں میں آبادی کے تناسب سے ہونی چاہئے نہ کہ تمام ہندوؤں کی تعداد پر کیونکہ ان کا (ہندوؤں کا) کہنا تھا کہ اچھوت ہندو نہیں ہیں۔''

(Page 7 of the Dr.Baba Saheb Ambedkar Writhings & Speech.Vol 5. Published by Govt. of Mah.)

گاندھی جی 20 ستمبر 1932ء سے وزیر اعظم برطانیہ کے کمیونل اوارڈ Communal Award کے خلاف احتجاجاً مرن برت شروع کرنے کا اعلان کر چکے تھے۔ اس لئے اس تاریخ سے ایک دن قبل ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک طویل بیان شائع کیا۔ جس کی تلخیص یوں ہے۔

''مجھے مہاتما گاندھی اور سر سیموئیل ہور وزیر برائے ہندوستانی امور کی خط و کتابت اخبار میں پڑھ کر تعجب ہوا جس سے معلوم ہوا کہ گاندھی جی اس وقت تک مرن برت رکھنے والے ہیں جب تک عوامی رائے کے دباؤ میں اچھوتوں کی دی گئی نمائندگی کا حق واپس نہیں لیا جاتا۔ مہاتما گاندھی کے اعلان نے مجھے جس ناگفتہ پوزیشن میں ڈال دیا ہے اُسے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ گول میز کانفرنس میں جس مسئلہ کو گاندھی جی نے مقابلتاً کم اہمیت کا سمجھا تھا اس کے لیے وہ جان کی بازی کیوں لگا رہے ہیں خود گاندھی جی کے مطابق کمیونل اوارڈ دستور کی کتاب نہیں بلکہ اس کا ایک ضمیمہ ہے بہتر ہوتا گاندھی جی یہ انتہائی قدم ملک کی

آزادی کیلئے اٹھاتے جس کیلئے گول میز کانفرنس میں انہوں نے اتنا زور دیا تھا یہ انتہائی تکلیف دہ بات ہے کہ کمیونل اوارڈ میں اچھوتوں کو جو مخصوص نمائندگی دی گئی ہے اس کے بہانہ سے وہ جان دے دیں، علیحدہ انتخاب کا حق کرسچنوں، اینگلوانڈین، یوروپین اور مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح زمینداروں، مزدوروں اور تاجروں کو بھی دیا گیا ہے۔۔۔

مسٹر گاندھی نے اچھوتوں کو علیحدہ نمائندگی دینے پر جن خدشات کا اظہار کیا ہے وہ میری نظروں میں خام خیالی ہے۔ سکھوں اور مسلمانوں کو علیحدہ رائے دہندگی کا حق دینے پر پھوٹ نہیں پڑ سکتی ہے تو اچھوتوں کو بھی علیحدہ حق رائے دہندگی سے پھوٹ کیسے پڑے گی۔۔۔

مجھے یقین ہے کہ بہت سارے اس بات کو محسوس کرینگے کہ سوراج کے آئین میں اکثریتی طبقہ کے ظلم سے بچنے کیلئے اگر کسی طبقہ کو مخصوص حقوق کی ضرورت ہے تو وہ اچھوتوں کا ہے۔ یہ ایک ایسا طبقہ ہے جو بلاشبہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کی کشمکش کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ جس مذہب سے وہ منسلک ہیں وہ ان کو باعزت مقام دینے کی بجائے ان کی بے عزتی کرتا ہے۔ انہیں آپسی تعلقات سے محروم کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ انہیں ہندو سماج میں ترقی کی سیڑھی پر چڑھنے سے روکا جاتا ہے۔۔۔۔۔ مہاتما کی یہ پہلی کوشش نہیں ہے جو انہوں نے اچھوتوں کے سیاسی وجود کو ختم کرنے کیلئے کی ہے. اس سے قبل گول میز کانفرنس میں اقلیتوں کے درمیان ایک مائناریٹیز پیکٹ ہوا تھا۔ اس وقت مہاتما نے کانگریس اور مسلمانوں میں ایک معاہدہ کروانے کی کوشش کی تھی۔ مہاتما نے مسلمانوں کے ان چودہ مطالبات کے منظور کرنے کی پیشکش کی تھی۔ اور ان کے معاوضہ میں اچھوتوں کے مطالبہ کی مخالفت کرنے کا وعدہ مانگا لیکن مسلمان لائق تعریف ہیں کہ انہوں نے اس سیاہ معاہدہ میں فریق بننے سے انکار کیا۔ اور اس طرح سے مسلمانوں اور گاندھی جی کی مشترکہ مخالفت سے اچھوتوں پر آنے والی آفت سے وہ بچ گئے۔۔۔۔۔۔ میں مہاتما کے ان تیقینات کو قبول نہیں کرسکتا کہ وہ اچھوتوں کے لئے کچھ کریں گے۔ میں اپنے لوگوں کی حفاظت جیسے ہم مسئلہ کو حالات پر چھوڑ نہیں سکتا۔۔۔۔۔۔ ہندوستان میں بہت سے مہاتما پیدا ہوئے جنکا مشن اچھوت پن کو ختم کرنا تھا ان کی ترقی کیلئے کام کرنا تھا اور اپنے میں سمونا تھا لیکن ہر مہاتما

ناکام رہا۔ بہت سے مہاتما آئے اور چلے گئے لیکن اچھوت اچھوت ہی رہے، مجھے ان مصلحین کا کافی تجربہ ہے جن سے مہاڑ اور ناسک ستیہ گرہ کے وقت سابقہ پڑا۔ اچھوتوں کا کوئی بھی بہی خواہ اچھوتوں کی ترقی کا مسئلہ ان دھوکے بازوں کے کاندھوں پر رکھنا نہیں چاہے گا۔

۔۔۔۔۔۔۔اس لئے میں اصرار کرتا ہوں کہ میرے لوگوں کی حفاظت کیلئے قانونی ضمانت دی جائے۔ اگر مہاتما کو کمیونل اوارڈ میں کچھ تبدیلی کرنا ہے تو وہ اپنی تجاویز پیش کریں۔ کمیونل اوارڈ سے بہتر ضمانت دے سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مہاتما اس قسم کا کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ ہم نے جب علیحدہ حلقہ انتخاب کا حق مانگا تو اسکے معنی یہ نہیں کہ ہم ہندو سماج کا کوئی نقصان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حق ہم نے اس لئے طلب کیا کہ ہمارا مستقبل ان اعلیٰ ذات والوں کی مرضی اور خواہش پر منحصر نہ رہے۔۔۔۔۔۔۔مرن برت کا ہتھیار کسی اچھے مقصد کیلئے ہوتا تو بہتر تھا۔ ہندو، مسلم فساد، اچھوت، ہندو فساد کی روک تھام کیلئے یہ انتہائی قدم زیادہ مناسب ہے۔ معلوم نہیں مہاتما اس حقیقت سے واقف ہیں یا نہیں ان کی اس حرکت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھوتوں کے خلاف مہاتما کے چاہنے والوں کی طرف سے اچھوتوں پر تشدد ہوگا۔ اس قسم کا جبر ہندو سماج سے اچھوتوں کو نکل جانے سے روک نہیں پائے گا۔ اگر مہاتما نے سیاسی حقوق اور ہندو مذہب دو میں سے ایک کا انتخاب کرنے کیلئے کہا تو اچھوت سیاسی حقوق کا انتخاب کریں گے۔ اگر مہاتما اپنے ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنی اس حرکت کے نتائج پر غور کریں تو مجھے شک ہے کہ ان کی سرگرمیاں کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ مہاتما اپنے بیانات سے ایسی طاقتوں کو جنم دے رہے ہیں جن پر قابو پانا مشکل رہے گا۔ ان بیانات سے وہ ہندوؤں اور اچھوتوں میں خلیج پیدا کر رہے ہیں۔ جب گول میز کانفرنس میں گاندھی جی سے اختلاف کیا گیا تو پورے ملک میں ہنگامہ ہوا۔ اور نام نہاد قومی صحافت میں ایک سازش کے ذریعہ مجھے قومی مفاد و مقاصد کے خلاف ایک غدار ٹھہرایا گیا۔ میرے بیانات شائع نہیں کئے گئے۔ اور میری پارٹی ایسے جلسوں میں اس قسم کے مبالغہ آمیز رپورٹ شائع کی جو کبھی منعقد ہی نہیں ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اگر مہاتما چاہتے ہیں کہ یہ کہانی دہرائی نہ جائے تو بہتر ہے کہ وہ اپنا فیصلہ بدل ڈالیں اور

ہونیوالے خطرناک نتائج کو روک دیں لیکن مجھے یقین ہے کہ مہاتما یہ نہیں چاہتے ۔۔۔۔اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے اپنی عوام کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرے لئے تو یہ معاملہ یہاں ختم ہوگیا مگر اس کے باوجود مہاتما کی طرف سے کچھ تجاویز اگر پیش کی گئیں تو میں اس پر غور کرونگا۔ مجھے امید ہے کہ مہاتما مجھے اپنی زندگی اور میرے لوگوں کے حقوق میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ کیونکہ میں اپنے عوام کو ان کے ہاتھ اور پیر باندھ کر اونچی ذات کے ہندوؤں کی اگلی نسلوں کے حوالے نہیں کروں گا۔"

درحقیقت جس وقت مہاتما گاندھی نے مرن برت کا اعلان کیا تھا اس وقت وہ ساونت واڑی (مہاراشٹر میں اس وقت ایک چھوٹی ریاست) کی عدالت میں قتل کے ایک اہم مقدمہ کی پیروی کی تیاری میں مصروف تھے۔ اس کا تذکرہ انہوں نے اپنے ایک قریب کے دوست بھاؤ راؤ گائیکواڑ کے نام خط میں کیا ہے یہ خط 15/09/1932 کو لکھا گیا تھا اس خط میں انہوں نے اس بات کا اشارہ کیا تھا کہ گاندھی جی کا یہ اعلان ان کی پریشانی کا باعث بنے گا۔ 15 ستمبر سے ہی ملک کے تمام اخباروں میں ڈاکٹر امبیڈکر کے خلاف تبصرے ہو رہے تھے۔ مختلف لوگ ان سے آکر مل رہے تھے اور انہیں مجبور کر رہے تھے کہ وہ گاندھی جی سے یروڈا جیل (پونہ کا مشہور جیل جہاں گاندھی جی محروس تھے) جا کر ملاقات کریں۔

ڈاکٹر امبیڈکر سب سے یہی کہتے تھے کہ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جائے 18 ستمبر کی صبح کو مدن موہن مالویہ خود ملنے آئے۔ مگر انہیں مایوس جانا پڑا 19 ستمبر کی صبح مدن موہن مالویہ۔ ٹھکر کے علاوہ اس کے 10,15 کانگریس کے ورکرس نے ڈاکٹر صاحب سے آکر ملاقات کی۔ سرتیج بہادر سپرو اور بیرسٹر جے کرنے بھی فون کیا۔ اور کہا کہ وہ اس طرح سے اس بحران سے بے تعلق رہیں تو فریقین کیلئے نتائج اچھے نہ رہیں گے۔ 1932.9.19ء کی دوپہر میں ڈاکٹر صاحب ایک نشست میں حاضر رہنے کیلئے تیار ہوئے۔ نشست میں ڈاکٹر صاحب نے غصہ سے کہا کہ انہیں قریب کے کسی کھمبے پر پھانسی پر لٹکا دیجئے مگر صرف گاندھی جی کی جان بچانے کیلئے وہ اچھوتوں کو ملے ہوئے حقوق سے دستبردار نہیں ہونگے۔ اس نشست میں مدن موہن مالویہ کے علاوہ سی راج گوپال

چاریہ، باپو راجندر پرشاد، ولبھ ہیرا چند، سر ستیلواد، سر پرشوتم داس، سر چنی لعل، ڈاکٹر مونجے، ہردے ناتھ کنزرو وغیرہ وغیرہ جیسی نمایاں شخصیتیں موجود تھیں۔ڈاکٹر امبیڈکر نے صاف صاف کہا کہ گاندھی جی جیسی بڑی شخصیت سے زیادہ عزیز انہیں 6,7 کروڑ اچھوتوں کا مفاد ہے۔ڈاکٹر صاحب کے اس موقف سے ممبئی میں شدید ردعمل ہوا۔ڈاکٹر صاحب کا مندرجہ ذیل بیان جب اخباروں میں شائع ہوا تو کانگریس والے بہت ناراض ہوئے۔21 ستمبر کو گاندھی جی کا یہ بیان شائع ہوا کہ ان کا مرن برت اچھوتوں کے لئے دیئے گئے محفوظ سیٹوں کے خلاف نہیں بلکہ انہیں علیحدہ حلقہ انتخاب دینے پر ہے آخر میں ڈاکٹر جے کر ڈاکٹر امبیڈکر کو منانے میں کامیاب ہوئے۔رات ہی میں سر تیج بہادر سپرو، جے کر، مالویہ ممبئی سے پونہ کیلئے روانہ ہوئے اور صبح 7 بجے جیل میں گاندھی جی سے ملاقات کی ان حضرات نے دونوں فریقوں کے مطالبات کو پیش نظر رکھ کر معاہدہ کا ایک مسودہ تیار کیا۔سر تیج بہادر سپرو، مالویہ، جے کر نے گاندھی جی سے تفصیلی گفتگو کی اور اس گفتگو کی تفصیلات ڈاکٹر امبیڈکر کو سنائیں۔مسودہ دیکھ کر ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا کہ اس مسودہ میں بہت ساری تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔20 ستمبر رات میں یہ لوگ ممبئی سے پونہ روانہ ہوئے اور 21/9 کو گاندھی جی سے دوبارہ ملے۔

جیل میں گاندھی جی ایک آم کے گھنے درخت کے نیچے لوہے کے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔سامنے 10، 12 کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، ایک اسٹول پر سوڈا، پانی کی بوتل اور کچھ نمک رکھا ہوا تھا۔قریب ہی کچھ کتابیں اور اخبار رکھے ہوئے تھے۔21 تاریخ کو ڈاکٹر امبیڈکر کو پونہ بلایا گیا کانگریس والوں کے مسودے میں ڈاکٹر امبیڈکر نے مناسب تبدیلیاں کیں اور پوری کوشش کی کہ اچھوتوں کے حقوق زیادہ متاثر نہ ہوں۔ان دنوں کانگریس کے چوٹی کے رہنماؤں میں زبردست سرگرمیاں جاری تھیں۔جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا گاندھی جی کی جسمانی حالت برت کی وجہ سے نازک ہوتی جارہی تھی۔وقت کم تھا، پورے ملک کی نظریں پونہ میں ہونے والی سرگرمیوں پر تھیں۔گاندھی جی کی زندگی بچانے کی ذمہ داری ڈاکٹر امبیڈکر پر ڈال دی گئی تھی۔ملک کے ہندو عوام ڈاکٹر امبیڈکر کو ایک ویلن کی شکل میں دیکھ رہے تھے۔انہیں جان سے مار دینے کی دھمکیاں شروع ہوگئیں تھیں۔ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی میں شاید ہی ایسا بحران کبھی آیا ہوگا۔مگر

پورے عزم کے ساتھ وہ اپنی بات پر اڑے رہے۔ وہ بار بار گاندھی جی سے اپیل کرتے رہے کہ جو حقوق کمیونل اوارڈ سے ملا ہے وہ ان سے چھینا نہ جائے۔ مگر گاندھی جی بھی اپنے موقف پر اٹل تھے۔ کسی قیمت پر اوارڈ کے تحت اچھوتوں کو دیئے گئے تحفظات وحقوق دینے تیار نہیں تھے۔ اب سب کی نظریں ڈاکٹر امبیڈکر پر تھیں۔ کانگریس کے چوٹی کے رہنما آپس میں نشستیں کرتے ایک طرف وہ گاندھی جی کی زندگی بچانا چاہتے تھے۔ کچھ مراعات ڈاکٹر امبیڈکر سے حاصل کر کے گاندھی جی کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ درمیانی راستہ نکالنے کی ہر ایک کی خواہش تھی۔ برطانوی حکومت کا موقف تھا کہ اس ضمن میں کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ صرف ان تجاویز پر غور کرے گی جو کانگریس کے رہنما، ملک کے ہندو عوام اور اچھوتوں کے واحد نمائندے ڈاکٹر امبیڈکر کی طرف سے مشترکہ طور پر اس میں بڑی کوششوں کے بعد 24 ستمبر 1932ء یعنی برت شروع کرنے کے پانچویں دن زبردست عوامی دباؤ، کانگریسی رہنماؤں کی التجا کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر کے رویہ میں تھوڑی سی تبدیلی آئی۔ ایک درمیانی راستہ نکال کر آپس میں ایک معاہدہ کی شکل میں ایک دستاویز تیار کیا گیا۔ کانگریسی رہنما اور دوسرے لوگ 25 ستمبر 1932ء کو ممبئی گئے۔ دوپہر میں انڈین مرچنٹس چیمبرس میں ہندوؤں اور اچھوتوں کے درمیان ایک معاہدہ کا اعلان کیا گیا اور اس پر فریقین نے اپنے دستخط کئے اس جلسہ کی صدارت مدن موہن مالویہ نے کی گاندھی جی کی غیر معمولی مقبولیت اور ان کی زندگی کو پیدا ہونے والے خطرہ کے پیش نظر ڈاکٹر امبیڈکر کی مجبوری کو سمجھا جا سکتا ہے۔ کن حالات میں انہیں موقف بدلنا پڑا۔ اس پر تبصرے کی ضرورت نہیں۔ یہ نتیجہ ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے کہ گاندھی جی کو کچھ ہوتا تو اس کا شدید ردعمل پورے ملک میں ہوتا۔ دیہاتوں میں اچھوت اور دلت تشدد کا شکار ہوتے۔ 1932ء میں ان طبقات کی حالت آج کے مقابل میں زیادہ بدتر تھی۔ یقیناً انہیں جانی ومالی نقصان پہونچایا جاتا۔ دلت تحریکیں پونہ پیکٹ کو ایک سیاہ باب تصور کرتی ہیں۔ جس عزم کے ساتھ انہوں نے اچھوتوں کے حقوق کا تحفظ کیا ہر طرف سے دباؤ کے باوجود انہوں نے جو کچھ حاصل کیا تھا اس میں سے بہت کچھ کھونا پڑا۔ جس کا افسوس اور احساس آج کی دلت قیادت کو ہے۔

کمیونل اوارڈ کے ذریعہ اچھوتوں کی حیثیت عام ہندؤں سے علیحدہ تسلیم کی گئی انہیں مرکزی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیوں میں نشستیں محفوظ کی گئی تھیں۔انہیں مخصوص حلقہ جات میں اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے کا حق دیا گیا۔ان حلقوں میں صرف دلت ہی ووٹ دے سکتے تھے۔علاوہ اس کے تمام حلقہ جات میں بھی انہیں ووٹ دینے کا حق ملا تھا۔اس طرح یہ دہری ووٹنگ کے مستحق قرار پائے تھے۔یہ ڈاکٹر امبیڈکر کی بڑی زبردست کامیابی تھی۔مگر گاندھی جی کو کمیونل اوارڈ تسلیم نہیں تھا۔اسلئے مندرجہ بالا حالات کے تحت گاندھی جی کی جان بچانے کیلئے کچھ حقوق سے دستبردار ہونا پڑ رہا تھا اور اسی کے نتیجہ میں جو ہوا وہ پونہ پیکٹ کہلایا۔

ممبئی میں 25 ستمبر 1932ء کو دوپہر میں معاہدہ پر دستخط کیلئے متعلقین ایک جلسہ کی شکل میں جمع ہوئے اس جلسہ کی صدارت مدن موہن مالویہ کر رہے تھے۔اس موقع پر ڈاکٹر مبیڈکر نے بھی ایک تقریر کی جن لوگوں نے اس معاہدہ (پیکٹ) کی تکمیل کیلئے محنت کی ان کا انہوں نے شکریہ ادا کیا ان ساری کوششوں میں سب سے اہم رول سر تیج بہادر سپرو، سی راج گوپال اچاریہ، اور مدن موہن مولویہ کا تھا۔انہوں نے عام ہندوں سے کہا کہ انہیں امید ہے کہ وہ معاہدہ پر کاربند رہیں گے۔گاندھی جی نے 24/9 کو ہی اپنی رضامندی ظاہر کی تھی۔

پونہ پیکٹ کے اہم نکات:

(۱) مختلف صوبوں میں عام رائے دہندگان کے حلقوں میں اچھوتوں کے لئے کچھ نشستیں محفوظ کی گئیں مثلاً مدراس 30، ممبئی 15، سندھ 15، پنجاب 8، وغیرہ جملہ 148) مندرجہ بالا نشستوں میں اچھوت امیدواروں کا انتخاب مشترکہ رائے دہندگی سے ہوگا۔(۳) مندرجہ بالا اچھوتوں کے انتخاب کے دلت رجسٹرڈ ووٹر ہونگے، انکا الیکٹورل کالج ہوگا۔اس الیکٹورل کالج کے اچھوت ووٹر اپنے حلقہ سے کوئی چار امیدوار کا انتخاب کریں گے ان چار امیدواروں میں سے جو سب سے زیادہ ووٹ لے گا وہی امیدوار عام انتخاب میں حصہ لے گا۔(۴) مندرجہ بالا طریقہ مرکزی لیجسلٹیو کونسل کیلئے بھی اختیار کیا جائے گا۔(۵) مرکزی لیجسلٹیو کونسل میں عام نشستوں کے 18% نشستیں اچھوت

امیدواروں کے لئے محفوظ ہونگی (۶) مندرجہ بالا طریقہ کار سے اچھوت امیدواروں کیلئے یہ تحفظات صرف 10 سال کیلئے رہیں گے۔ (۷) دونوں فریقوں کی رضامندی سے مندرجہ بالا انتخابات کا طریقہ ختم کیا جائے گا۔ (۸) اچھوتوں کو جوحق رائے دہندگی دیا گیا وہ لوتھین کمیٹی کی سفارشات کے اصولوں کے تحت رہیگا۔ (۹) لوکل باڈیز کے انتخابات میں یا پبلک سروس کمیشن کے تقررات میں اچھوت پن کبھی مانع نہ ہوگا۔ (۱۰) ہر صوبہ میں تعلیم کیلئے جو گرانٹ ملتی ہے اس میں سے ایک معقول رقم اچھوتوں کے بچوں کی تعلیمی ترقی کیلئے مختص ہوگی۔

اس معاہدہ کی دفعات کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے آئین میں شامل کرنے کیلئے بھی رضامندی دی گئی۔

پونہ پیکٹ میں فریقین کی جانب سے 40 افراد نے دستخط کیے۔ جن میں نمایاں شخصیتیں درج ذیل تھیں۔

۱) مدن موہن مالویہ	۲) سر تیج بہادر سپرو،
۳) ایم، آر، جیکر،	۴) ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر،
۵) شری نواسن،	۶) ایم سی راجہ
۷) راج گوپال اچاریہ،	۸) راجندر پرساد،
۹) جی ڈی برلا،	۱۰) اے وی ٹھکر،
۱۱) جی، این راج بھوج،	۱۲) جی۔ اے گوائی،
۱۳) پی۔ بالو،	۱۴) پی۔ جی۔ سالونکی،
۱۵) ایچ این کنزرو	۱۶) جی، کے گاڈگل،

پیکٹ پر 22 اصحاب نے پونہ میں دستخط کئے اور 18 نے ممبئی میں۔

پیکٹ پر دستخط کرنے پر ہی ڈاکٹر امبیڈکر کونسل ہال چلے گئے۔ جب ان کے ملاقاتی نے ان سے دریافت کیا کہ ''کیوں بابا صاحب آخیر میں گاندھی جی سے مصالحت کر ہی لی'' ڈاکٹر امبیڈکر نے جواب دیا ''کیا کروں جے کر میرے پشت پر چھرا لے کر کھڑے تھے اور سامنے سپر و سینے پر پستول لگائے ہوئے تھے۔''

24-9-1932 کو تیج بہادر سپرو اور ایم آر جے کرنے بذریعہ تار برطانوی وزیر اعظم کو معاہدہ کے بارے میں اطلاع دی اور درخواست کی کہ معاہدہ کو فوراً منظوری دی جائے۔ تاکہ گاندھی جی کا مرن برت ختم ہو جائے۔ وائسرائے کو بھی اطلاع دی گئی۔ حکومت برطانیہ نے اس معاہدہ کو 26 ستمبر کو منظوری دی۔ 27 ستمبر حکومت برطانیہ کے نمائندہ نے منظوری کا حکم سہ پہر کے وقت گاندھی جی کو دکھلایا۔ تمام کی خواہش تھی کہ گاندھی جی فوراً برت کا خاتمہ کر دیں۔ اس پر گاندھی جی نے اصرار کیا کہ حکومت نے جو منظوری دی ہے اس پر اچھوتوں کے تمام رہنما اپنی تائید کا اعلان کر دیں مگر جب کنزرو اور گوپال چاری نے انہیں بتلایا کہ اس پیکٹ پر اچھوت لیڈروں کی رضامندی لی گئی ہے تب گاندھی جی اپنا برت ختم کرنے پر راضی ہوئے۔ اس موقع پر رابندرناتھ ٹیگور بھی حاضر تھے۔ برطانوی حکومت کے نمائندے کرنل ڈائل نے مشورہ دیا کہ کستوربا گاندھی کے ہاتھوں پھلوں کا رس دیا جائے۔ رابندرناتھ ٹیگور نے گیتا نجلی سے ایک بھگتی گیت دہرایا۔ کچھ لوگوں نے بھگوت گیتا کے کچھ اشلوک پڑھے۔ تقریباً 200 لوگ جمع تھے۔ حاضرین نے گاندھی جی کے پسند کا ایک ابھنگ اجتماعی طور پر گایا۔ کستوربا گاندھی نے سنگترے کے رس کا ایک گلاس گاندھی جی کو دیا اور ایک سنگین بحران کا خاتمہ ہوا۔

کمیونل اوارڈ سے اچھوتوں کو دو فائدے ہوئے تھے۔

(۱) علیحدہ حلقہ انتخاب یعنی ایسے حلقوں میں اچھوت امیدوار کو اچھوت ہی ووٹ دے سکتے تھے۔

(۲) دوسرے یہ کہ عام انتخابات میں اچھوت بھی حصہ لے سکتے تھے۔ اگرچہ پونہ پیکٹ کے ذریعہ اچھوتوں کیلئے محفوظ حلقے بڑھا دیئے گئے مگر دہرے ووٹ کا حق ختم ہوا۔ پونہ پیکٹ سے یہ فائدہ ہوا کہ عام حلقوں میں اچھوت ووٹ کی اہمیت بڑھ گئی کیونکہ ان حلقوں میں عام ہندو دلت مفادات کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کرے گا اسلئے کہ اسے بھی اچھوتوں کے ووٹ پر منحصر ہونا پڑے گا۔ پونہ پیکٹ میں اچھوتوں کو زیادہ محفوظ حلقے دیئے گئے اس سے اس نقصان کی تلافی کچھ حد تک ہوئی جو دہرے ووٹ کے حق سے محروم رہنے سے ہوئی تھی۔

20 - رمابائی کا انتقال

مرن برت ختم ہوتے ہی اچھوتوں کیلئے مندر میں داخلوں کی خبریں شائع ہونے لگیں تھیں۔ مگر صحیح طور پر دیکھا جائے تو یہ مندر زمانہ سے بند تھے یا پھر ویران اور شکستہ حالت میں تھے۔ بعض تو ایسے مندروں کے تعلق سے خبریں چھپی تھی کہ حقیقت ان کا وجود ہی نہیں تھا۔ ابتداء میں گاندھی جی مندر داخلہ کی تحریک ہی کے خلاف تھے۔ مگر حالات نے انہیں اس مسئلہ پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کیا۔ 23 ستمبر 1932 یعنی پونہ پیکٹ پر دستخط ہونے سے ایک دن قبل ممبئی کے ورلی علاقہ میں ڈاکٹر امبیڈکر نے دلتوں کے ایک جلسہ کو مخاطب ہو کر کہا " آج کل تمہیں مندر میں داخلہ دینے کی بات ہو رہی ہے۔ یہ خلوص سے ہو رہا ہے اس پر بھی مجھے شک نہیں۔ مگر مندروں میں جانے سے تمہارا کچھ بھلا ہو گا ایسا بھی نہیں؟ ۔۔۔ اصل مسئلہ ہمارے پیٹ کا ہے۔ تعلیم کا ہے کپڑوں کا

ہے۔" ایک اور موقع پر کہا تھا" گلے میں تلسی کا مالا ڈالنے سے مارواڑی کے چنگل سے بچنے میں مدد نہیں ہوگی ہم اگر رام کا نام جپ کریں تب بھی مالک مکان آپ کو کرایہ معاف نہیں کرے گا۔"

اس سے قبل تذکرہ ہو چکا ہے کہ جس وقت ڈاکٹر امبیڈ کر ساونت واڑی میں ایک قتل کے مقدمہ کی پیروی میں مشغول تھے اسی وقت گاندھی جی نے 16 ستمبر کو اپنے برت کا اعلان کیا تھا۔اس صورت سے نمٹنے کیلئے مقدمہ کی تاریخ ملتوی کروادی تھی اب اس مقدمہ کی سماعت 19 اکتوبر کو رکھی گئی۔اسلئے وہ ساونت واڑی چلے گئے۔4 دن کی بحث کے بعد انھوں نے مختلف مقاموں کا دورہ کیا کہ جہاں ان کے اعزاز میں جلسے رکھے گئے تھے۔

7 نومبر 1932ء کو گول میز کانفرنس کے تیسرے دور کیلئے ممبئی سے وکٹوریہ نامی جہاز سے لندن روانہ ہوئے۔لیکن سیدھے لندن نہ جاتے ہوئے ممبئی سے جینوا بندرگاہ پر اترے وہاں سے ٹیورن نامی شہر کو بذریعہ ٹرین پہونچے اور وہاں سے پیرس،اور وہاں سے روانہ ہو کر 18 نومبر کو لندن پہونچے۔لندن پہونچنے سے ایک دن قبل ہی کانفرنس شروع ہو چکی تھی۔لیکن اہم مسائل پر غور وفکر 21 نومبر کو شروع ہوا۔انہیں مسلمان نمائندوں سے تھوڑی شکایت ہوئی۔وہ یہ کہ مسلمانوں کو بہت ساری سہولتیں ملنے کے باوجود وہ ایک علیحدہ گروپ بنائے ہوئے ہیں جسکی قیادت سر آغا خان کررہے تھے۔ان کے ترجمان ظفراللہ خان تھے۔برخلاف اس کے ہندوؤں کا ان کی روایت کے مطابق کوئی گروپ نہیں تھا۔ان میں سے جب بھی کوئی کہتا ایسا لگتا کہ وہ خود اپنے لئے کہہ رہا ہے۔ہندو،مسلمان،فریقین کسی بھی بات پر متفق نہیں تھے۔اس مرتبہ مندوبین بھی کم آئے تھے۔اور اس سے قبل جو جوش وخروش تھا اب وہ نہیں رہا تھا۔اس کانفرنس کے ایجنڈے میں جو باتیں شامل تھیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پچھلی دو کانفرنسوں کی رپورٹیں تیار کرنا
۲۔ جو کام باقی تھے ان کی تکمیل
۳۔ مختلف رپورٹ کے ضمیمے تیار کرنا
۴۔ عورتوں کو کچھ محدود حد تک رائے دہندگی کے حقوق پر غور

۵۔ انتخابی حلقہ جات، میں توسیع

۶۔ اچھوتوں کے ایک بڑے حصہ کو حق رائے دہندگی وغیرہ وغیرہ

ڈاکٹر امبیڈکر نے دفاعی سب کمیٹی اور ٹریڈ کمیٹی کی کاروائیوں میں بھی حصہ لیا۔ دوران قیام ڈاکٹر امبیڈکر، جے کر، سر کاوس جی جہانگیر، جوشی، کیلکر، سپرو، نانک چند، ابن، ابن سرکار، وغیرہ نے برطانوی سرکار سے نمائندگی کی کہ پیدائش ذات، مذہب، کی بنیادوں پر جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں انہیں دور کیا جائے۔ اس دوران ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ محسوس کیا کہ ملکی مسائل کے تعلق سے مسلمانوں کے نمائندوں میں ایک قسم کی عدم دلچسپی پائی جاتی ہے۔ 24 دسمبر 1932ء کے دن کانفرنس کا اختتام ہوا۔ 23 جنوری 1933ء کو گنگا نامی جہاز سے ممبئی واپس پہونچے۔ ممبئی پہونچتے ہی پونہ جیل سے گاندھی جی کا ایک ٹیلی گرام ملا جس میں انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ 4 فروری کو ملنا طے ہوا۔ اسی دوران گول میز کانفرنس کے مندوبین کو وائسرائے نے ایک غیر رسمی بات چیت کے لئے دہلی بلایا تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر دہلی سے واپس ہوتے ہی طے شدہ پروگرام کے تحت 4 فروری کو گاندھی جی سے ملاقات کیلئے پونہ جیل گئے۔ گاندھی جی نے خندہ پیشانی سے ڈاکٹر امبیڈکر کا استقبال کیا۔ مدراس اسمبلی میں اچھوتوں کے مندر داخلہ سے تقاریر بل کے تعلق سے گفتگو ہوئی۔ اور اس کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر کا تعاون طلب کیا گیا۔ دوران گفتگو ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا 'اچھوتوں کو اب چاتر ورن (سماج کی چار درجوں میں تقسیم) میں شودر بن کر رہنا نہیں چاہئے۔ ہندو دھرم میں اب میں ذہنی طور پر مطمئن نہیں ہوسکتا۔ میں اب ایمانداری سے اپنے آپ کو ہندو کہلا نہیں سکتا۔ اسکی وجہ سے (ہندو مذہب کی وجہ سے) انہیں کبھی اطمینان نہیں ملے گا۔۔۔۔ جو مذہب مجھے نچلا درجہ دیتا ہے اسے میں کیوں قبول کروں؟ یہ غلط رسم جاری رہنے والی ہے اسلئے مندر میں داخلہ سے کیا فائدہ'' گاندھی جی نے جواباً کہا کہ چاتر ورن کے تصور میں عدم مساوات کو کوئی مقام نہیں (دراصل گاندھی جی ہندو سماج کے چاتر ورن کے نظریہ کی تائید میں تھے) مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصلاحات ہونے پر اچھوت پن کا رواج ختم ہوجائے گا۔''

اب جگہ جگہ اچھوتوں اور دلتوں کے جلسے ہونے لگے۔ ڈاکٹر امبیڈکر بلائے جانے

لگے۔کہیں دلتوں کو مردہ مویشیوں کے گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں۔انہیں سماجی حالت سدھارنے کی تاکید کر کے کبھی کہتے ہیں پوجا، ارچا، جپ وغیرہ جیسی حرکتوں سے کیا حاصل ہونے والا ہے۔ 12/اپریل کو ممبئی کے پریل علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا "میں زندگی بھر ایک طالب علم کی حیثیت سے رہنا چاہتا تھا مگر اچھوتوں کی تحریک میں خود جھونک دینا پڑا۔" 23/اپریل کو پریل ہی میں جب انہیں سپاس نامہ پیش کیا گیا تو تقریر میں "میں لندن جانے والا ہوں مجھے رخصت کرنے بندرگاہ آ کر ایک دن کی مزدوری سے محروم نہ ہونا۔"

لندن جانے سے قبل گاندھی جی سے جیل میں دوبارہ ملاقات کی 24/اپریل کو مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کیلئے لندن روانہ ہوئے۔اس کمیٹی کیلئے جن افراد کا انتخاب ہوا اس میں جے کر، سر اکبر حیدری، سر مرزا اسمٰعیل، ہز ہائی نیس آغا خان اور ڈاکٹر امبیڈکر شامل تھے۔

جب یہ لندن میں تھے اس وقت ڈاکٹر امبیڈکر کی مخالفت میں ایک گروپ کام کر رہا تھا۔اس گروپ نے افواہ پھیلائی کہ ڈاکٹر امبیڈکر اسلام قبول کرنے والے ہیں، ڈاکٹر صاحب کے ایک قریب کے ساتھی ساودکر (Sawadkar) نے اس ضمن میں 12-8-1933 کو ایک لیٹر لکھا اور ڈاکٹر امبیڈکر سے خلاصہ کرنے کی خواہش کی۔ 13 ستمبر کو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا اور لکھا کہ "گوائی (Gawai) سے (جو ڈاکٹر امبیڈکر کے ساتھیوں میں سے تھے) مذہب بدلنے کے بارے میں دو چار مرتبہ گفتگو ہوئی تھی۔لیکن میں نے گوائی سے کہا تھا میں ہندو مذہب میں نہیں رہوں گا اور اپنے آپ کو ہندو نہیں کہلواؤں گا۔دوسری بات یہ کہ میں مسلمان نہیں بنوں گا۔تیسری بات میں یہ کہ میں کوئی بھی مذہب اختیار کروں گا فی الوقت میں بودھ مذہب کی طرف راغب ہوں۔(ساودکر Sawadkar کے نام 13-9-1933 کا لیٹر) اچھوتوں کے مستقبل کے تعلق سے اس قدر مصروفیت ہے کہ میں نے اپنی خود کی شخصیت کو فراموش کر دیا ہے۔اور یہ مسائل جب تک حل نہیں ہوتے مجھے اس مسئلہ پر سوچنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔"

جس وقت ڈاکٹر امبیڈکر لندن میں تھے اس وقت ملک میں ہندوؤں نے پونہ پیکٹ کے خلاف آواز اٹھانا شروع کی۔ہندوؤں کے جن رہنماؤں نے پونہ پیکٹ کی حمایت کی تھی اب وہ

اس پیکٹ کے خلاف بولنے لگے۔ بنگال کے اعلیٰ ذات کے ہندو قائدین نے برطانوی وزیر اعظم کو تار کیا کہ بنگال میں اچھوت کا وجود نہیں۔ اسلئے بلا وجہ بنگال میں ان کیلئے نشستیں محفوظ کرنا غلط ہوگا۔ ان کا کہنا تھا کہ بنگالی ہندوؤں کی نمائندگی ہی نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ رابندر ناتھ ٹیگور نے بھی جو گاندھی جی کے مرن برت کے وقت موجود تھے اپنا تصور بدل دیا۔ ہندو مہا سبھا کے لیڈروں نے دہلی میں ایک میٹنگ میں پونہ پیکٹ کو منظوری دی تھی اب یہی لیڈر کہہ رہے تھے کہ پنجاب میں اچھوتوں کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اسلئے پنجاب کو اس پیکٹ کی شرائط سے مثتنیٰ کیا جائے۔

لندن میں Joint Committee on Indian Coustitutional Reforms کی نشستیں 11 جولائی سے 28 جولائی 1933ء تک اور پھر 3/ اکتوبر سے 7 نومبر 1933ء تک رکھی گئیں تھی، مشترکہ کمیٹی کے اجلاسوں میں ڈاکٹر امبیڈکر نے بحث کے دوران اپنی قابلیت وصلاحیت، گہرے مطالعہ اور دستوری پیچیدگیوں پر پُر از معلومات تقاریر سے اپنا سکہ جمایا۔ 13 اکتوبر 1933ء کے مشترکہ کمیٹی کے اجلاس میں برطانوی پارلیمان کے ممبر ونسٹن چرچل نے ہندوستان کو دیئے جانے والے سیاسی حقوق کے تعلق سے ایک تحریری بیان دیا۔ ان کی تجویز تھی کہ کچھ سیاسی حقوق دیئے جائیں مگر باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھ میں رہے۔ اس بیان پر 24، 25 اکتوبر کے اجلاس میں بہت سارے اراکین نے سوالات کی بوچھار کی تب بھی چرچل اپنے موقف سے ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ اس بحث میں ڈاکٹر امبیڈکر نے خاص طور پر حصہ لیا۔ اور چرچل کی توجہ برطانوی پارلیمان میں دیئے ہوئے بیان کو بنیاد بنا کر ان پر خوب جرح کی۔ چرچل خود بھی اس جرح سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

کانفرنس کے اختتام کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر 8 جنوری 1934ء کو ہندوستان واپس ہوئے مسلسل کام کرنے کی وجہ سے وہ تھکن محسوس کرنے لگے تھے۔ اسلئے کچھ آرام کرنے کی غرض سے مارچ تا مئی 1934ء پورڈی، مہابلیشور، پنھال گڑھ وغیرہ جیسے صحت افزاء مقامات پر انہوں نے قیام کیا۔ پھر اپنے پیشہ وکالت کی طرف توجہ دینا شروع کی۔ اور لاء کالج میں جزوقتی تدریسی کام بھی قبول کیا۔ کتابوں کا ذخیرہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ ان کے انتظام کی فکر ہوئی اپنے نئے مکان راج گرہ

میں رکھنے کا خاص اہتمام کیا، بودھ دور میں بیمبی سار Bimbi Sar نامی راجہ کا دارالخلافہ راج گرہ تھا۔ اسی مناسبت سے یہ نام رکھا گیا تھا۔ مکان میں کتابوں کے ذخیرہ کو مناسب ٹھکانہ ملا۔ جگہ کی تعمیر میں خود دلچسپی لی۔

نئی نئی کتابوں کی خریدی مسلسل سفر، سماجی وسیاسی زندگی کی مصروفیات مکان کی تعمیر یہ ساری چیزیں اچھی مالی حالت کے متقاضی تھیں۔ 1932ء سے ہی لاء کالج کے پرنسپل کے عہدہ کے خواہش مند تھے۔ مگر اس وقت کے ہائی کورٹ کے جج نے حکومت کو یہ خفیہ رپورٹ بھجی کہ ڈاکٹر امبیڈکر اچھوتوں کے لیڈر ہیں۔ سرکاری عہدہ پر تقرری کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ایسا فرد حکومت کے اعتماد کا ہو۔ اسلئے عہدہ پر ان کا تقرر نہیں ہوگا۔ لیکن انہوں نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ جون 1935ء میں انہیں لاء کالج کا پرنسپل اور پیری (Perry) پروفیسر آف جورس پروڈینس کے حیثیت سے ایک سال کیلئے تقرر کا حکم صادر ہوا۔ اس کی مدت میں بعد میں تین سال کیلئے توسیع ہوئی۔ لیکن انہوں نے تین سال کوئی کام نہیں کیا۔ پرنسپل کی حیثیت سے اگرچہ انہوں نے مختصر عرصہ کیلئے ملازمت کی لیکن اس دور میں بہت ساری اصلاحات کیں۔ لاء کالج کی لائبیریری میں قانون کی سیکڑوں کتابوں اور جرائد ورسائل کا اضافہ کیا۔ چرچ گیٹ ممبئی کے پاس کالج کیلئے علیحدہ بلڈنگ منظور کروانے میں کامیاب رہے۔ پہلے لاء کالج جزوقتی ہوا کرتا تھا مگر ان کے دور میں تمام دن چلتا، انہوں نے پرنسپل کے عہدہ سے استعفیٰ دیا۔ اور ان کی جگہ پروفیسر اے اے فیضی کا تقرر ہوا۔

نومبر 1934ء میں انہیں ایلورہ کے غاروں کی سیر کا شوق ہوا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ 24 ستمبر 1934ء کو ممبئی سے روانہ ہوکر اورنگ آباد پہونچے اورنگ آباد میں بہت سارے دلتوں نے ان کا استقبال کیا۔ وہاں ایک دن کا قیام بڑھا دیا۔ وہاں دولت آباد کا قلعہ دیکھنے گئے۔ جہاں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا نظام کا دور تھا قلعہ میں ایک مسلمان پہرہ دار تھا ڈاکٹر صاحب نے کسی قریب کے حوض یا چھوٹے تالاب کے پانی سے ہاتھ پیر دھوئے پہرہ دار نے چیخنا چلانا شروع کیا کہ ''دھیڑوں نے پانی ناپاک کر دیا۔'' مہاراشٹر میں اچھوتوں کے دو نمایاں طبقات تھے

ایک مہار (دھیڑ) اور دوسرا مانگ، ڈاکٹر امبیڈکر کا تعلق مہار طبقہ سے تھا اب یہ الفاظ قانونی طور پر متروک ہو گئے ہیں مرکزی قانون جو Atrocities Act کہلاتا ہے کے مطابق ان الفاظ کا استعمال کسی شخص کیلئے قانونی جرم ہے یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے ایسی ناپسندیدہ حرکتیں ہوا کرتیں۔

اس مسلم پہرہ دار کے چیخنے چلانے سے بہت سارے مسلمان جمع ہوئے ڈاکٹر صاحب نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس گروہ کے ایک مسلمان شخص سے سوال کیا کہ اگروہ مسلمان ہو جائیں تو کیا یہ پابندی رہے گی۔؟ ان کا مذہب اس قسم کی تعلیم دیتا ہے۔؟ معاملہ ختم ہوا مگر اس قسم کا کوئی واقعہ نہ ہونے پائے اس لئے ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ایک سپاہی کر دیا گیا۔ اس قسم کا ایک واقعہ مہاراشٹر کے سنہہ گڑھ قلعہ میں ہوا تھا۔ جب ڈاکٹر صاحب اس قلعہ میں کچھ دن آرام کرنے گئے تھے۔ اسی دن 50,60 لوگ قلعہ میں آئے اور ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ شیواجی مہاراج کے اس قلعہ میں ناپاک کرنے کیوں آئے ہو۔ یہ کہہ کر وہ ڈاکٹر امبیڈکر پر حملہ کرنے والے ہی تھے کہ انہوں نے بڑی جرأت سے اس ممکنہ حملہ کو ناکام کر دیا۔

اونچے اونچے مقام پر فائز ہونے کے اعلیٰ تعلیم سے سرفراز ہونے کے باوجود انہیں زندگی میں ایسے کئی تجربات سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک مرتبہ چودار تالاب کے مقدمہ کے سلسلے میں وہ مہاڑ جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک ندی پار کرنا تھی۔ سیلاب آیا ہوا تھا۔ اسلئے کچھ گھنٹوں کیلئے رکنا ضروری ہو گیا تھا۔ آس پاس کسی اونچی ذات والے نے انہیں کھانے پینے کی چیزیں مہیا نہیں کی۔ ممبئی واپس ہو کر بند کمرے میں خوب روئے۔

جو شخص دنیا کے سب سے اونچے تعلیمی اداروں سے اعلیٰ ترین ڈگریوں سے سرفراز ہے جو برطانوی وزیر اعظم سے دستوری نکات پر بحث کرتا ہے۔ ونسٹن چرچل پر اجلاسوں میں جرح کرتا ہے لاء کالج کا پرنسپل ہے اس شخص کے ساتھ قدم قدم پر اس قسم کا برتاؤ سنگین سماجی برائیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

رمابائی کا انتقال:

ایلورہ کی سیر سے واپس آنے پر ان کی بیوی رمابائی بیمار ہوگئیں تھیں۔ درحقیقت رمابائی کی صحت بہت عرصہ سے خراب تھی۔ تین لڑکے اور ایک لڑکی بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ صرف ایک لڑکا یشونت بچا تھا وہ بھی کمزور تھا اور اکثر بیمار رہتا۔ ڈاکٹروں کا علاج جاری تھا۔ 24 جنوری سے یہ اپنی بیوی کے پاس بیٹھے رہے۔ خود کافی پلاتے اور دوائیاں دیتے آخر کار بروز اتوار 26 مئی کو انتقال ہوا۔ اپنی بیوی کو پیار سے رامو کہتے۔ خطوط میں رامو سے مخاطب کرتے۔ انتقال کے بعد ڈاکٹر صاحب بلک بلک کر روئے۔ ''رامو میں نے تجھے زندگی میں کوئی سکھ نہیں دیا'' زور زور سے کہتے، رمابائی کے انتقال کی خبر ممبئی شہر میں فوراً پھیل گئی ہزاروں مزدور کارخانوں اور گرنیوں کا کام چھوڑ کر راج گرہ کے سامنے جمع ہو گئے۔ شمشان بھومی کے جلوس میں 40 تا 50 ہزار لوگ شامل تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی بیوی کی حیثیت نے پوری اچھوت قوم کی 'ماں' کا اعزاز پایا اور آج بھی برقرار ہے۔

رمابائی کے معالج ڈاکٹر دستور نے 1926ء میں کہہ دیا تھا وہ اگر وہ دوبارہ حاملہ ہوں گی تو انہیں دق کا عارضہ لاحق ہوگا۔ اس دور میں یہ لاعلاج مرض تھا۔ اسلئے ڈاکٹر صاحب دور دور اپنی مصروفیات میں رہتے تبدیلی آب و ہوا کیلئے انہیں کچھ ماہ دھارواڑ (موجودہ کرناٹک میں واقع) میں ایک رشتہ دار کے پاس رکھا گیا۔ رمابائی ایک صابر خاتون تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی سماجی، سیاسی زندگی یا پھر مطالعہ و تحریر کے لئے مختص کر دی تھی۔ شادی کے بعد شباب کے عالم میں تعلیم کے سلسلے میں 7 سے 8 سال تک باہر رہے۔ وہ خود ہی طالب علم کی حیثیت سے ہندوستان کے باہر رہے تو بیوی بچوں کی کیا مدد کرتے۔ مناسب توجہ نہ ہونے کی وجہ سے صحت کی دیکھ بھال نہ ہوسکی۔ 4 بچے بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔ 5 بچوں کے بعد ماں کی صحت پر برا اثر پڑا۔ ڈاکٹر صاحب کو ہمیشہ اس بات کا قلق رہا کہ ان کی مصروفیات اور مالی حالات نے بچوں کی طرف خاطر خواہ توجہ دینے کا موقع نہیں دیا۔ رمابائی اگرچہ پڑھی لکھی خاتون نہیں تھیں مگر وہ ہمیشہ اس بات پر فخر کرتیں کہ ان کے شوہر نے امریکہ اور لندن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے جہاں ڈاکٹر صاحب انہیں

راموکہتے یہ اپنے شوہر کو صاحب کہتیں شوہر کی حفاظت سے ہمیشہ متفکر رہتیں ۔مذہبی رسومات ادا کرتیں اور شوہر کے لئے اُپاواس (شوہر کی صحت اور حفاظت کیلئے برت رکھتیں) کرتیں مہاراشٹر میں پنڈھرپور، مشہور تیرتھ گاہ ہے جہاں وٹھل رکمنی کا مندر ہے رمابائی کی بڑی خواہش تھی کہ پنڈھرپور جاکر وٹھل ،رکمنی کا درشن کریں کیونکہ پڑوس کی ہم محلہ بہت ساری خواتین پنڈھرپور جاکر آئی تھیں ڈاکٹر صاحب نے صاف صاف اپنی بیوی رمابائی سے کہا کہ انہیں دور سے ہی مندر کی دیوی، دیوتا کا درشن لینا پڑے گا۔کیونکہ ہمارے داخلہ سے مندر ناپاک ہوجاتا ہے۔اسلئے ہمیں یہ ذلت پسند نہیں۔ اسلئے رمابائی کو پنڈھرپور جانے سے منع کیا۔لاءکالج کے پرنسپل کی حیثیت سے تقرر کا حکم رمابائی کے انتقال سے قبل ملا تھا۔اس وقت یہ بہت خوش تھیں ۔لاءکالج کے پرنسپل ہونے کا مطلب آئندہ ہائی کورٹ جج بن جانے کا راستہ صاف تھا۔ڈاکٹر صاحب اس کے خواہش مند بھی تھے۔مگر ان کی سیاسی زندگی اس کے لئے رکاوٹ بنی۔اچھی ملازمت کی وجہ سے مالی خوشحالی کے دن آنے کے امکانات پیدا ہوئے تھے مگر افسوس کہ خوشحالی کے یہ دن دیکھ نہ سکے۔رمابائی کے انتقال کے بعد دو ہفتے ڈاکٹر امبیڈکر بالکل مغموم رہتے۔ایک مرتبہ اپنے ایک بااعتماد رفیق کھیر موڑے Khairmode (جنہوں نے 12 جلدوں میں انکی سوانح حیات لکھی اور جس سے راقم الحروف نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔) کو 1923ء سے 1929ء تک کے دور کے واقعات کو سناتے ہوئے اپنی بیوی کے بارے میں کہا''اس نے (رمابائی نے) میرے لئے بہت تکالیف برداشت کی ہیں'اپاواس' کئے،صرف ایک ساڑی پر مکان میں رہ کر زندگی گزاردی، میں نے اپنے بچوں کو بچانے کیلئے کچھ نہیں کیا اب آئندہ میں اپنے اکلوتے لڑکے یشونت کے لیے جو ممکن ہے کروں گا۔میں علاج کے لئے اسے لندن میں رکھوں گا۔وہ میرا اکلوتا لڑکا ہے۔لیکن میں نے اسکی تعلیم کے معاملہ میں تساہلی سے کام لیا میری بیوی اور میرے لڑکے کا میں مجرم ہوں۔ لیکن میں کیا کرسکتا کہ میں نے سماجی انقلاب کا بیڑا اٹھایا ہے۔ 1913ء سے 1921ء کے دوران اپنی ذہنی وعلمی صلاحیت کی ترقی کی خاطر،سماج کی فلاح وبہبود کیلئے مطالعہ میں اپنے آپ کو غرق کردیا۔ہر دن 20 سے 22 گھنٹے مطالعہ کیا ڈگریاں حاصل کیں، میں ایک عالم بنا لیکن اپنے خاندان کیلئے کچھ نہ کرسکا۔''یہ کہتے ان آنکھیں اشکبار ہوتیں۔رمابائی کے انتقال کے 15 دن

بعد انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی مصروفیات شروع کی۔ کبھی راج گرہ میں جا کر بیوی کو یاد کر کے تنہا روتے۔ ان سارے واقعات نے ان کی صحت پر اثر ڈالا، سر میں درد کی شکایت ہوئی ڈاکٹروں کے علاج سے مایوس ہو کر لوناولہ (پونہ کے قریب ایک ہل اسٹیشن) جا کر ایک آیورویدکا علاج کیا۔ کچھ افاقہ ہوا۔

22 جولائی 1935ء کو انہوں نے ایک اعلان شائع کیا کہ "میں نے اچھوتوں کے بہت سارے کام کئے لیکن میں اب عوامی زندگی سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہوں۔ آئندہ ڈاکٹر سولنکی (ڈاکٹر امبیڈکر کے ایک رفیق اور اچھوت رہنما) کی رہنمائی میں اچھوت عوام اپنی تحریک چلائیں" اس اعلان کے ساتھ ہی ممبئی، پونہ علاقہ کے اچھوتوں میں ایک قسم کی بے چینی پیدا ہوئی۔ 24 جولائی کی ٹائمز آف انڈیا کی اشاعت میں ڈاکٹر سولنکی جو اس وقت لیجسلٹیو کونسل کے رکن کی حیثیت سے پونہ آئے تھے لکھا کہ "اس خبر سے اچھوت عوام میں بڑی مایوسی اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے سیاست سے کنارہ کشی کی ہے۔ وہ ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ان سے الگ ہو گئے جبکہ وہ انہیں قانون ساز اسمبلی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے کہا کہ "انہیں کچھ بھی علم نہیں کیونکہ انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں لکھا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ خبر درست ہے تو بڑے اچنبے کی بات ہے۔"

الگ الگ حلقوں سے الگ الگ باتیں آرہی تھیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ یہ ریاستی کابینہ میں وزیر بننا چاہتے ہیں یا پھر ہائی کورٹ کے جج ممبئی کے اس دور کے دوسرے مشہور اخبار 'کرانیکل' Chronicle نے ان کی سیاست سے کنارہ کشی کے اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ قیاس ظاہر کیا کہ ڈاکٹر امبیڈکر لاء کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے سرکاری عہدہ پر فائز ہیں اسلئے انھوں نے یہ اعلان کیا ہے۔ کیونکہ سرکاری ملازمت میں ہونے کی وجہ سے کسی تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے۔ یہ بھی قیاس ظاہر کیا کہ جب بھی ہائی کورٹ میں جگہ خالی ہو لاء کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے ڈاکٹر امبیڈکر کو یقینی طور پر ترقی دے کر ہائی کورٹ جج بنایا جائے گا۔ یا پھر سیاسی اصطلاحات کے بعد بننی والی ریاستی کابینہ کے وزیر۔ بعد کے وقوع پذیر واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ 1937ء میں ہونے والے انتخابات کے پیش نظر انہوں نے پرنسپل کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔

21 - آتش فشاں پھوٹ پڑا (۱)

پچھلے 15 سال سے ڈاکٹر امبیڈکر سماجی اور سیاسی میدان میں ملک کے اچھوتوں کی طرف سے ملک کی سب سے طاقتور سیاسی پارٹی کانگریس سے اور سب سے طاقتور سیاسی قائد گاندھی جی کے خلاف برسرپیکار تھے۔ساتھ ہی ساتھ چودار تالاب کی تحریک، پونہ ستیہ گرہ، ناسک کی کالارام مندر داخلہ کی ستیہ گرہ میں بھی اپنے آپ کو مشغول کر رکھا تھا اچھوتوں کو ہندوستانی سماج میں ایک باعزت مقام دلانا۔چھوت چھات کی لعنت ختم کرنا۔اچھوتوں کی طاقت کو منوانا اور ان کے حقوق دلوانا ان کے اہداف تھے، کچھ حد تک کامیابی بھی ہوئی تھی۔لیکن جو حقوق انگریزوں سے لڑ کر لینے میں انہیں کامیابی ہوئی خود ان کے ہم مذہب ہندو انہیں بحال کرنے کے مخالف تھے۔ملک سے مستقبل میں انگریزوں کا ممکنہ اخراج نے ڈاکٹر امبیڈکر کو یہ شدید احساس دلایا کہ یہی مناسب وقت ہے کہ جب ان حقوق کو مستقبل کے مجوزہ دستور میں پیوست کر کے قانونی تحفظ دلایا جائے۔بیسویں

صدی کے دوسرے تیسرے دہوں میں Self Rule سیلف رول Dominion Status (ڈومینن اسٹاٹس) جیسی اصلاحات کے چرچے تھے۔ مکمل آزادی کا مرحلہ بعد کا تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں جو کامیابی حاصل ہوئی ان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ انہیں یقین تھا جو کچھ حاصل کرنا ہے 'اب نہیں تو کبھی نہیں'، برطانوی حکومت نے تو اچھوتوں کی طویل سماجی تاریخ کی روشنی میں ان کی زبوں حالی سے واقف ہو کر جہاں جہاں مناسب سمجھا وہاں وہاں مراعات دینا شروع کر دیا تھا۔ مگر کانگریس پارٹی گاندھی جی کی رہنمائی میں یہ تسلیم ہی کرنے کو تیار نہیں تھی کہ اچھوت ہندو سماج سے الگ ایک طبقہ ہے۔ ان کا موقف صرف اتنا کہ ہندو سماج میں کچھ خرابیاں ضرور ہیں جو اصلاحی اقدامات سے آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی۔ سماج میں مصلحین پیدا ہوئے ہیں اور آئندہ بھی پیدا ہونگے جو ان خرابیوں کو دور کریں گے۔ کانگریس پارٹی اور گاندھی جی کا کہنا تھا کہ پہلا ہدف ملک کی سیاسی آزادی ہے، ہندو سماجی اصلاح بعد میں اچھی طرح ہو گی۔

ڈاکٹر امبیڈکر پچھلے دو تین ہزار سالہ تاریخی حقائق کے پیش نظر اس فریب میں آنے تیار نہیں تھے۔ علاوہ خود اس دور کے حالات بھی اس بات کو ظاہر کر رہے تھے کہ اچھوت سماج بلاوجہ خوش فہمی میں نہ رہے۔ جب ڈاکٹر امبیڈکر کی یہ درگت ہو سکتی ہے تو دوسروں کے بارے میں سوچنا بھی بیوقوفی ہو گی۔ ان سارے واقعات اور پوری تاریخ کو سامنے رکھ کر انہوں نے ایک ہی نتیجہ نکالا کہ ہندو مذہب والے اچھوتوں کو وہ مقام دینے کیلئے تیار نہیں جس کے وہ خواہش مند ہیں اچھوت عوام کی طرف سے کبھی کبھی انہیں یہ پیغام ملتے رہتے کہ اب ہندو کی حیثیت سے رہنا بیکار ہے انہیں جب بھی اس قسم کے پیغام اپنے چاہنے والوں سے رفیقوں سے مختلف علاقوں کے قائدین سے ملتے اس سے وہ ناراض نہ ہوتے اور نہ سختی سے مخالفت کرتے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی انہیں خطوط پر سوچ رہے ہیں، ناسک کے قریب ایک دیہات کے کچھ اچھوت مسلمان ہونا چاہتے تھے انہیں مشورہ دیا کہ کچھ دن انتظار کرو، اور یہ دیکھو کہ ہندوؤں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے یا نہیں۔ 1929ء میں جلگاؤں کے اچھوتوں کو انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ اونچی ذات والے ہندو اگر ایک مقررہ مدت میں تمھاری شکایت دور نہ کر دیں، تو تمھیں جو بھی مذہب انسانی حقوق دیتا

ہے۔تم سے انسانوں جیسا سلوک کرتا ہے۔تمہارے کھانے پینے رہنے اور تمہاری خود کی ترقی میں پوری آزادی دے وہ مذہب بلا جھجک قبول کرلیں۔اس مشورہ پر 12 اچھوت مسلمان ہو گئے تھے۔اس پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔پچھلے دس سال کی کارکردگی کا جائزہ اور آئندہ کا سیاسی لائحہ عمل طے کرنے سیاسی اور سماجی حالات پر غور کرنے ضلع ناسک کے ایک شہر ایولہ (Yaola) میں 13/اکتوبر 1935ء کو ایک جلسہ کے انعقاد کا اعلان اچھوتوں کے رہنماؤں کی طرف سے کیا گیا تھا ڈاکٹر امبیڈکر ایولہ کی پریشد میں شرکت کیلئے ممبئی سے روانہ ہوئے۔ناسک شہر میں مختلف حلقوں کی طرف سے استقبال کیا گیا۔راستہ میں اچھوتوں اور دلتوں کو جب بھی معلوم ہوا کثیر تعداد میں جمع ہوتے۔گلپوشی ہوتی پرتپاک استقبال ہوتا۔آخر کار 13/اکتوبر 1935ء کو ایولہ شہر پہونچے نظام حیدرآباد کی ریاست سے اور آس پاس کے علاقوں سے تقریباً 10 ہزار لوگ جمع تھے۔لوگوں میں کافی جوش وخروش تھا۔13/اکتوبر 1935ء کو ایولہ میونسپل کونسل کی طرف سے ان کا استقبال کیا گیا۔خطبہ استقبالیہ کا پر جواب دیتے ہوئے کہا ''ہماری ساری کوششوں اور تحریک کے بعد ہمیں ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اونچی ذات والوں کے نظریہ میں کچھ تبدیلی گی اور وہ ہم سے محبت کا برتاؤ کریں گے،اسلئے ہم کو ہندوؤں سے دور رہ کر اپنی ترقی کیلئے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے۔

اس تقریب کے بعد رات میں دس بجے ڈاکٹر امبیڈکر کے ایک رفیق امیت ڈھونڈی بارن کھمبے Amit Dhondiba Rankhambe کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ڈیڑھ گھنٹہ ڈاکٹر امبیڈکر نے انتہائی جذباتی تقریر کی۔اچھوتوں کی معاشی سماجی تعلیمی اور سیاسی میدان میں بدحالی کا جائزہ لیا۔ناسک کے کالارام مندر میں داخلہ کیلئے کی گئی ستیہ گرہ کے دوران اچھوتوں پر جو غیر انسانی برتاؤ ہوا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ''ہمیں ہندو سماج میں مساوی حقوق حاصل کرنے کی غرض سے کی گئی تحریک میں ناکامی ہوئی۔اس تحریک کے لئے وقت اور پیسہ ضائع ہوا یہ ایک بڑی تکلیف دہ حقیقت ہے۔اب ہمیں ان سارے مسائل ومعاملات کے حل کیلئے آخری فیصلہ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ہماری کمزوری اور اور تنزلی کا سبب یہ ہے کہ ہم ہندو سماج

کا ایک حصہ ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اب ہم ہمیں مساوی درجہ مساوی مواقع اور یکساں سلوک اور بنیادی حقوق اور مناسب برتاؤ دینے والے کسی مذہب کو نہ اختیار کریں؟ آواز بلند کر کے کہا "ہندو مذہب سے قطع تعلق کرو، ایسا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرو جس میں تمھیں عزت اور سکون ملے لیکن یاد رکھو جو مذہب تم اپنے لئے انتخاب کرو گے اس میں مساوی درجہ یکساں مواقع اور یکساں برتاؤ ملنا چاہئے۔" خود اپنے بارے میں انہوں نے کہا کہ "میں ایک اچھوت ذات میں پیدا ہوا ہوں کوئی میرا قصور نہیں لیکن مرتے وقت میں ہندو کی حیثیت سے نہیں مروں گا۔"

تقریر کے آخر میں ناسک کے کالارام مندر میں ستیہ گرہ بند کرنے کیلئے کہا۔ انہوں نے مزید کہا کہ 5 سال ضائع ہو گئے۔ اونچی ذات والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اچھوتوں کی محنت غارت ہوئی۔ اور کہا" آئندہ سے اچھوت ہندو سماج میں نہ رہ کر ایک علیحدہ شہری کی حیثیت سے اپنے مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کریں اب تمھارا برتاؤ اس طرح ہونا چاہئے کہ اونچی ذات والوں اور باہر کی دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ تم نے ایک آزاد سماج کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

ڈاکٹر امبیڈکر نے پچھلے دس سال کی کارکردگی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کوششوں کے باوجود ہندو سماج نے ناقابل معافی نفرت کا اظہار کیا ہے۔ اب یہ ساری کوششیں بند ہونی چاہئیں۔ آئندہ اس قسم کی تحریکوں میں وقت اور پیسہ ضائع نہ کر کے ملک کے دوسرے سماج اور طبقات کے ساتھ مساوی حقوق اور مساوی درجہ حاصل کرنے کیلئے کوشاں ہونے کیلئے ایک قرارداد منظور کی گئی۔

پریشد ختم ہوئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ اس تاریخی تقریر کے بعد ان کی زندگی کے اہداف، کوششیں بدل گئیں ان کے اعلان سے پورے ملک کی سماجی تنظیموں، سیاسی پارٹیوں ملک کے مفکرین اور دانشوروں کے طبقہ کو زبردست دھکا پہونچا' راج گرہ پر اندرون ملک اور بیرون ملک سے تاروں (ٹیلیگرام) کی برسات شروع ہوئی۔ مسلمان، کرسچن، سکھ، لیڈر اور مختلف مذہبی حلقے حرکت میں آ گئے، الگ الگ حلقوں سے جو ردعمل ہوئے اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

امرتسر سے گولڈن ٹیمپل (سنہری مندر) کے نائب صدر دریپ سنگھ ٹھوبیہ نے ڈاکٹر صاحب کے نام 16 / اکتوبر کو تار کیا اور لکھا کہ "سکھ مذہب وحدانیت اور انسانی مساوات پر قائم اس لئے آپ سکھ مذہب قبول کریں۔" ہریجن سیوک سنگھ (کانگریس اور گاندھی جی کی زیر نگرانی دلتوں کی ترقی کے لئے کام کرنے والی تنظیم) کے صدر متھرا داس ون جی نے کہا کہ یہ اعلان بدبختانہ ہے۔ احمد آباد کے آریہ سماجی قائد شروت شاستری نے ڈاکٹر امبیڈکر کو 21 / اکتوبر کو خط کے ذریعے معلوم کیا اگرچہ وہ پیدائشی برہمن ہیں پھر بھی وہ اپنی لڑکی کی شادی ڈاکٹر صاحب کے لڑکے یشونت کے ساتھ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ پنجاب لیجسلیٹیو کونسل کے رکن ڈاکٹر کنہیا لال جو ایک آریہ سماجی تھے۔ (مگر بعد میں وہ خالد لطیف گوبہ بن گئے تھے) ڈاکٹر امبیڈکر سے ملنے ممبئی روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر خالد لطیف گوبہ بعد میں طویل عرصہ تک سپریم کورٹ میں وکالت کرتے رہے یہ ایک دانشور تھے ان کا مطالعہ وسیع تھا) ایسوشی ایٹڈ پریس Associated Press نامی خبر رساں ایجنسی کے نمائندے نے واردھا میں 15 / اکتوبر کو میں گاندھی جی سے ڈاکٹر امبیڈکر کے اعلان کے بارے میں تبصرہ چاہا گاندھی جی نے اپنے رد عمل کے طور پر کہا "جو تقریر ڈاکٹر امبیڈکر سے منسوب کی گئی ہے ناقابل یقین ہے۔ اگر انہوں نے ایسی تقریر کی ہے اور اس کانفرنس میں اس قسم کی قرارداد منظور کر کے ہندو مذہب سے علیحدگی کا اعلان کر کے کسی ایسے مذہب کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو مساوات کا تیقن دیتا ہے تو میں اسے ایک بدبختانہ واقعہ قرار دیتا ہوں۔ یہ واقعہ (کانفرنس اور اس میں ہندو مذہب ترک کرنے کا اعلان) ایسے وقت میں وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ جبکہ ملک میں ایک آدھ واقعہ کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو اچھوت پن اپنے آخری مرحلہ میں ہے" گاندھی جی نے مزید کہا 'میں ڈاکٹر امبیڈکر جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اونچی شخصیت کے غصہ کو سمجھ سکتا ہوں جو کوئی تھا' (گجرات کا ایک دیہات جہاں دلتوں پر ظلم ہوئے تھے) اور ایسے ہی دوسرے دیہاتوں میں ہونے والے مظالم کی وجہ سے ہے لیکن مذہب کوئی گھڑی یا مکان نہیں کہ جب چاہے تبدیل کیا جا سکے۔۔۔۔" ڈاکٹر امبیڈکر کا اگر ایشور پر اعتقاد ہے تب میں انہیں زور دے کر کہوں گا کہ وہ غصہ کو کم کریں۔ اور اپنے قدیم مذہب کی پوزیشن کو دیکھیں، وہ خود اسکی خوبیوں کو پرکھیں نہ کہ اس مذہب

سے بے وفائی کرنے والوں کی کمزوریوں کی عینک سے دیکھیں" آگے بڑھ کر کہا "لاکھوں غیر تعلیم یافتہ ہریجن ان کی بات تسلیم نہیں کرینگے کیونکہ ان کی زندگی اچھے یا برے ہر حال میں اونچی ذات والوں سے وابستہ ہے" گاندھی جی کا یہ تبصرہ ڈاکٹر امبیڈکر کی نظر میں لایا گیا تو انہوں نے کہا کہ "ہم کونسا مذہب اختیار کرینگے ہم نے طے نہیں کیا۔ کونسا طریقہ ہم اختیار کرینگے ابھی ہم نے اس پر بھی غور نہیں کیا۔ لیکن ہم نے ہر پہلو سے اور بہت گہرائی سے غور کر کے طے کیا ہے کہ ہندو مذہب ہمارے لئے اچھا نہیں ہے۔" غیر مساوی سلوک اس مذہب کی بنیاد ہے۔ اس مذہب کی اخلاقیات ہی ایسے ہیں کہ اچھوت کبھی بھی زندگی کے اعلیٰ مدارج پر نہیں پہونچ سکتے۔" جب ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا گیا کہ وہ مذہب کب تبدیل کرینگے اور یہ کہ ان کا یہ فعل انفرادی رہے گا یا اجتماعی؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اپنا مذہب بدلنے کا فیصلہ کرلیا ہے مجھے اسکی کوئی فکر نہیں کہ عوام میرے ساتھ آتے ہیں یا نہیں۔ یہ طے کرنا انکا اپنا کام ہے۔۔۔۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ گاندھی جی اچھوتوں کو اپنے اپنے پسند کے راستے پر جانے دیں۔"

ڈاکٹر امبیڈکر کے اس اہم اعلان کے بعد ہندوؤں اور سکھوں میں یہ خوف و ہراس پیدا ہوا کہ اچھوت اگر مسلمان یا کرسچن ہو جائیں تو سکھوں اور ہندوؤں کی آبادی ان مسلمانوں اور کرسچنوں کے مقابل میں کم ہوگی۔ اور یہ لوگ آئندہ سیاسی اقتدار حاصل کرینگے۔ اس خوف سے شنکر اچاریہ کرت کوٹی اور ممبئی کے ہندو مہا سبھا کے لیڈر ڈاکٹر ایم۔ بی، ویلکر 25 /اکتوبر کو راج گرہ پر ڈاکٹر صاحب سے ملے۔ اور اپنی بات ان کے سامنے رکھی۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا "میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا جس سے ملک کو دھوکہ ہوگا۔" انہوں نے یہ بھی کہا کہ کون سا مذہب اختیار کرنا ہے اس پر وہ ہندو مہا سبھا اور دوسروں سے گفتگو کریں گے۔

ناسک کے قریب اچھوتوں کے نوجوانوں کی تنظیم کی طرف سے 10 نومبر کو ایک پریشد منعقد ہوئی جس میں کچھ مسلمان بھی شریک تھے اس پریشد میں مذہب بدلنے کی قرارداد کو منظوری دی گئی۔ مکانوں میں رکھے گے دیوی، دیوتاؤں، اور برہمنوں کے بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا۔

بنارس کی مہابودھی سوسائٹی کے سکریٹری نے بذریعہ تار درخواست کی کہ اگر ڈاکٹر

امبیڈکر ہندو مذہب ترک کرنا چاہتے ہیں تو وہ بودھ مذہب اختیار کرلیں کیونکہ یہ ایشائی ملکوں میں کثیر آبادی کا مذہب ہے اور اس میں اونچ نیچ نہیں ہے۔ اگر انہوں نے بودھ مذہب اختیار کیا تو کچھ بودھ پرچارک روانہ کئے جائیں گے۔ اخباروں میں موافق اور مخالف مراسلے شائع ہوئے۔

شنکر چاریہ کرت کوٹی (Shankar Charya Kurt koti) اور ناسک کے کچھ ترقی پسند ہندوؤں نے 26/اکتوبر کو ناسک میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندوؤں کو جگانے کا جو کام کیا وہ اطمینان بخش ہے ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر کی قیادت کی تعریف بھی کی۔ لیکن یہ بھی کہا گیا کہ ان کی اس تحریک سے اچھوت مسلمان یا کرسچن ہو جائیں گے تو یہ ہندوؤں اور ہندو سماج کیلئے خطرہ کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس لئے شنکر اچاریہ کے آشیرواد سے آر۔ جی۔ پردھان اور پانچ ہندوؤں پر مشتمل ایک وفد ممبئی روانہ کیا گیا۔ جس نے 10/نومبر کو ڈاکٹر امبیڈکر سے ملاقات کی۔ اور ان سے درخواست کی کہ وہ دوسرا مذہب اختیار کرنے میں عجلت نہ کریں۔ کیونکہ مندروں میں متبرک مقاموں پر پانی کے عام ذرائع پر اچھوتوں کو اجازت/داخلہ ملنے کیلئے ماحول بنانے کیلئے ابھی کچھ وقت لگے گا۔ ہندوؤں کے محلوں میں اچھوتوں کو رہنے کی اجازت ملنے کیلئے ہندوؤں کے ذہنوں کو تیار کرنے کیلئے بھی ابھی وقت درکار ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے مختلف وجوہات بتاتے ہوئے کہا کہ تمام کام کرنا ان کیلئے ممکن نہیں ہے۔ مزید کہا کہ اچھوت کسی طاقتور مذہب کو اختیار کریں گے جیسے سکھ یا بدھ مذہب خود ان کا اپنا ارادہ سکھ مذہب کی طرف راغب ہے۔ مسلمانوں کے مذہب کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ان کے مذہبی معاملہ میں ہاتھ ڈالنا خطرناک ہے دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں بھی مسولینی یا مصطفےٰ کمال پاشا جیسے مذہبی اور سماجی ڈکٹیٹروں کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کیلئے جمہوریت مناسب نہیں گاندھی جی کے بارے میں کہا کہ ان کا ایسا خیال تھا کہ یہ سماجی ڈکٹیٹر ثابت ہوں گے۔ مگر موجودہ حالات میں یہ ممکن نہیں، دوران گفتگو اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور یہ کام کرنا بھی نہیں چاہئے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے قریبی ساتھی ڈاکٹر سولنکی، گول میز کانفرنس میں مدراس کے ان کے ساتھی راؤ بہادر سری نواس بھی ان کے اس

اچانک فیصلے سے ناراض تھے۔

ایولہ سے ممبئی آنے کے بعد کا ایک واقعہ کا تذکرہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ وہ کچھ دن آرام کی غرض سے ممبئی کے قریب وسائی نامی شہر میں مقیم ڈاکٹر سدانند گالولکر Dr. Sadanand Galwalkar) کے پاس گئے تھے وہاں ایک ہندو مشنری مسور کر مہاراج Masoorkar) Maharaj) ڈاکٹر صاحب کے پاس پہونچے۔ تین گھنٹوں تک ملاقات رہی ڈاکٹر صاحب نے مہاراج سے کہا کہ اچھوتوں کے مذہب بدلنے سے ہندوؤں کا کوئی خاص نقصان ہونے والا تو نہیں۔ مہاراج نے جواب دیا کہ ''ہندوؤں میں یہ کمی اتنے پر رکنے والی نہیں بلکہ اس سے ہندو سماج ختم ہوگا۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر ایسا ہوا بھی تو ہندوستان کی تاریخ ختم نہیں ہوگی۔ اسپر مہاراج بول اٹھے ''پاکستان جیسا ایک اور استھان قائم ہوگا۔'' اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا ''ہاں یہ درست ہے۔ یہ کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی لیکن اس افسوسناک صورت حال کو روکنا ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہے۔'' مہاراج نے کہا ''کوئی دوسری ترکیب بتایئے'' ڈاکٹر صاحب نے جواباً کہا 'کسی طے شدہ مدت میں ہم اچھوتوں کو اس ذلت کی زندگی سے نکالنے کی ضمانت ہندو رہنما ہمیں دیں۔'' مہاراج نے کہا ''اس مسئلہ کی شکل دیکھی جائے تو اس کے حل کے لئے کچھ وقت دیا جائے اور مذہب کے تبدیلی کی اعلان کو واپس لیا جائے اور تبدیلی مذہب کا مسئلہ اگلے دنوں تک ملتوی رکھا جائے''۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ''5 سے 10 سال تک ہندوؤں کے دلوں میں کسی تبدیلی کیلئے انتظار کیا جائے گا۔ لیکن درمیان کے وقفہ میں آپ لوگ کے۔ کے۔ سکٹ (K.K. Sakat) نامی اچھوت رہنما کو جسے کیسری اخبار (کیسری اخبار بال گنگا دھر تلک کا جاری کردہ تھا اور سخت سناتنی ہندوؤں کے نقطہ نظر کا حامی تھا) ایک مثالی ہندو کہتا ہے اسے شنکراچاریہ کے عہدہ پر فائز کیا جائے اور پونہ کے 100 برہمن خاندان اس کے پیروں کی پوجا کریں۔ تاکہ یہ ثابت ہو کہ ہندوؤں کو سماجی مساوات تسلیم ہے۔'' یہ شرط لگا کر کہا ''ہندو کی تعریف کیا ہے''۔

ایولہ میں تبدیلی مذہب کیلئے منظور شدہ قرارداد پر کس طرح عمل کیا جائے اس پر غور کرنے ناسک روڈ اسٹیشن کے قریب ایک پریشد کے انعقاد کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسی دوران پیر

جماعت علی نامی شخص نے پنجاب کے اخباروں میں یہ خبر شائع کروائی کہ ڈاکٹر امبیڈکر اسلام قبول کرنے والے ہیں اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا اس پیر جماعت علی سے ملاقات ضرور کی تھی اس وقت اسلام قبول کرنے پر غور بھی کیا گیا مگر بعد میں کچھ نہیں ہوا۔

پونہ کے قیام کے دوران مختلف مذہبی حلقوں کے نمائندے ان سے ملاقات کرتے رہے۔ اپنے اپنے مذہب کی تائید میں مختلف دلائل کے ساتھ گفتگو رہتی جب بھی مسلمانوں کے نمائندے ملنے آتے تھے یہ عام طور پر ترکی ٹوپی پہنتے رہتے۔ 13 جنوری 1936ء کو پونہ میں سکھوں کی طرف سے منعقد کردہ ایک بھجن کے پروگرام میں یہ شریک رہے۔ مسلمانوں کا ایک وفد جس میں انبالہ (پنجاب) اسمبلی کے ممبر غلام بھیک نیرنگ، اشرف علی اور سید نامی اصحاب پر مشتمل ایک ڈیلیگشن پونہ کے ایک آشرم میں ان سے آکر ملا۔ اسی دوران ٹائمز آف انڈیا کی 16 جنوری 1936ء کی اشاعت میں ایک خبر شائع ہوئی اس خبر کی سرخی تھی۔

Dr. Ambadkar May embrace Islam-Hope of Muslim Deputation.

اس خبر کی سرخی کے نیچے خبر یوں تھی۔ "غلام بھیک نیرنگ ایم ایل اے، مرکزی تبلیغ کمیٹی انبالہ کے سکریٹری اپنے ساتھیوں ڈاکٹر درانی، مولوی زکریا منیار، مولوی خوجاندی جنہیں ڈاکٹر امبیڈکر کے اعلان تبدیلی مذہب سے پیدا ہونے والی صورت پہ نظر رکھنے روانہ کیا گیا تھا، ایچ، ایچ، مولیدنا (H.H. Moledena) کے مکان پر اس مسئلہ پر گفتگو کرنے جمع ہوئے۔ بہت سارے مقامی مسلمان بھی حاضر تھے۔ اس گفتگو میں وفد نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اگر چہ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے چاہنے والوں کے سامنے کھلے طور پر کہا کہ وہ اسلام قبول نہیں کریں گے لیکن اس کے باوجود یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اسلام قبول کریں گے۔ اسلئے یہ طے کیا گیا کہ مسلم امت اس موقع سے پیدا ہونے والی صورت حال سے نمٹنے اور مہاراشٹر میں تبلیغ کے کام کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ خبر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اے۔ اے۔ خان ایڈوکیٹ کے مکان میں ان کی صدارت میں میٹنگ ہوئی۔ (Times of India 16-1-1936)

کرسچنوں اور مسلمانوں کی یہ ساری کوششیں منظم طور پر نہیں تھیں، پنڈت مدن موہن

مالویہ اور ہندو مہا سبھا کے دوسرے رہنماؤں نے مسلمانوں اور کرسچنوں کی ان حرکات کو دیکھا تو انہوں نے طے کیا کہ اچھوتوں کے ساتھ جو غیر انسانی رویہ برتا جاتا ہے اس میں تبدیلی کی جائے۔ اچھوت سماج سے اچھا سلوک کیا جائے۔ اور تمام کاموں کے لئے ایک کروڑ روپیوں کا ایک فنڈ جمع کیا جائے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود کوئی بھی مذہبی قائد یا مذہبی تنظیم نے ڈاکٹر امبیڈکر کو قائل کروا نہ سکا کہ وہ کسی مخصوص مذہب کے لئے راضی ہو جائیں۔ اس دور کے اخبارات کا جائزہ لیا جائے تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ سکھ مذہب کیلئے وہ نرم گوشہ رکھتے تھے۔ سکھ مذہب قبول کرنے کیلئے جن پانچ شرائط کی پابندی تھی ان میں سے صرف کرپان رکھنے کی شرط ان کیلئے قابل قبول تھی۔ بال رکھنے کی شرط سے وہ متفق نہیں تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر ان شرائط کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں یہ جاننے کیلئے ماسٹر تارہ سنگھ کی رہبری میں ایک کمیٹی گرودوارہ پربھندک کمیٹی نے مقرر کی تھی۔ علاوہ اس کے اچھوتوں کیلئے 7 لاکھ روپیہ کا فنڈ جمع کرنا اور ایک خالصہ کالج کے ابتداء کی بھی تجویز پیش نظر تھی۔ 1936ء کے پہلے چھ ماہ میں ڈاکٹر امبیڈکر مختلف نمائندوں سے ملاقاتیں کرتے رہے اور مذہبی لٹریچر کا مطالعہ کرتے رہے۔ لیکن آہستہ آہستہ کبھی بودھ مذہب اور کبھی سکھ مذہب کی طرف جھکاؤ کے اشارے ملنے لگے تھے۔ سکھ نمائندے تو 'راج گرہ' میں قیام کرتے۔ نوسکھوں (اچھوتوں) کیلئے صنعتی فنی تعلیم اور یونیورسٹی کی تعلیم تجاویز ڈاکٹر امبیڈکر کے سامنے رکھتے سکھ مذہب کی طرف رجحان دکھلایا مگر اپنے آخری فیصلہ کا اعلان کبھی نہیں کیا۔ اسی دوران اپنے لڑکے یشونت اور بھتیجے مکند کو دو ماہ کیلئے امرتسر روانہ کیا۔ اور ان دونوں کا قیام گردوارے میں رہا، جہاں سکھوں نے ان دونوں کی خوب آؤ بھگت کی۔ مذہب تبدیل کرنے کے مسئلے پر 12/13 جنوری 1936ء کو پونہ میں ایک پریشد منعقد ہوئی۔ پروفیسر این۔ شیوراج (جو اچھوتوں کے ایک قائد تھے) کی صدارت میں اس پریشد کے خطبہ صدارت میں انہوں نے کہا کہ یا تو ہمیں کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالنی چاہئے یا پھر آریہ قوم کی آمد سے قبل یہاں کی دراوڑ قوم کا جو مذہب تھا اس کی تجدید کرنی چاہئے۔

سکھوں کی دعوت پر 12/ اپریل 1936ء کو ڈاکٹر امبیڈکر امرتسر گئے۔ وہاں ایک

اجتماع کا انعقاد ہوا۔سکھ گرو دوارہ پربھندک کمیٹی اور دوسری سکھ تنظیموں نے اسکا اہتمام کیا تھا۔اس جلسہ میں ڈاکٹر امبیڈکر سکھوں کے روایتی پوشاک میں شامل ہوئے۔ایک عظیم جلوس نکالا گیا۔ ہزاروں افراد بشمول خواتین اس جلوس میں شامل رہے۔ڈاکٹر امبیڈکر جس پوشاک میں جلوس میں شامل ہوئے تھے۔اسکا فوٹو ممبئی کے اس وقت کے مشہور ہفتہ وار السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا Illustrated weekly of India کے اپریل 1936ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔جلسہ سے مخاطب ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب نے حاضرین سے سوال کیا کہ کیا آپ ہماری لڑکیوں سے شادی کریں گے اور اپنی لڑکیاں شادی میں ہمیں دیں گے؟ اس پر حاضرین جلسہ نے ’ہاں‘ میں جواب دیا۔جلسہ میں حاضرین سے کہا کہ ان کا اگلا قدم کیا ہوگا۔وہ آج کہہ نہیں سکتے ،لیکن اتنا ضرور کہا کہ سکھ مذہب انہیں پسند ہے۔

ہندوؤں کے شنکر اچاریہ اور ہندو مہا سبھا کے ڈاکٹر مونجے وغیرہ کو ڈاکٹر امبیڈکر کے سکھ مذہب اپنانے پر اعتراض نہیں تھا انہیں اعتراض تھا ان کے کرسچن یا مسلمان بننے پر۔

ان دنوں ایک اور اہم واقعہ ہوا۔لاہور میں ایک دلت تنظیم تھی جس کا نام تھا ’’ذات پات توڑ و منڈل‘‘ اس تنظیم نے جنوری 1936ء میں ایک میٹنگ میں طے کیا کہ مارچ 1936ء میں اپنے ہونے والے اجلاس کی صدارت کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر کو بلایا جائے۔اس ضمن میں اس منڈل کے ایک نمائندے اندرسین نامی شخص کو ممبئی روانہ کر کے انہیں دعوت نامہ دیا۔انہوں نے جلسہ کی صدارت قبول کی، کچھ ہی دنوں کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر کو اطلاع دی گئی کہ مجوزہ اجلاس مارچ کی بجائے لاہور میں ہی مئی 1936ء کو ہوگا۔انہوں نے اس اجلاس کی صدارت کے لئے صدارتی خطبہ ضبط تحریر میں لانا طے کیا۔ادھر پنجاب میں ڈاکٹر امبیڈکر جیسے ’مخالف ہندو‘ شخص کی صدارت کے بارے میں تنازعہ شروع ہوا۔کئی نمائندہ شخصیتوں نے خود کو اس منڈل سے الگ کر دیا۔خطبہ صدارت کے چند صفحات ممبئی کے پریس سے جہاں چھپانے کیلئے دیا گیا تھا وہاں سے پنجاب پہونچ گئے۔امرتسر میں سکھوں کے جلسہ میں ڈاکٹر امبیڈکر نے جو تقریر کی تھی سکھ مذہب کی طرف اپنے رجحان کا جو اظہار کیا تھا اس سے پنجاب کے ہندو واقف ہو گئے تھے۔اس کی وجہ سے بھی ڈاکٹر

امبیڈکر کے خلاف ہندوؤں میں جذبات بھڑک اٹھے، ذات پات توڑ ومنڈل صرف اچھوتوں کی تنظیم نہیں تھی بلکہ اس میں ہندو بھی شامل تھے۔ اس تنازعہ کی وجہ سے خود ذات پات توڑ ومنڈل کے ذمہ داروں نے اس صدارتی خطبہ کے کچھ حصے حذف کرنے کی درخواست کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک لفظ بھی کم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسلئے مئی میں ہونے والا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ انہوں نے جو صدارتی تقریر چھپائی تھی اسکو تقسیم کر دیا۔ اور ایک کتابچہ کی شکل میں شائع بھی کیا اس کا ٹائٹیل Anhilation of Castes ذاتوں کا خاتمہ رکھا۔ یہ مقالہ اتنے علمی انداز سے لکھا گیا اور اس میں ظاہر کئے گئے خیالات اتنے انقلابی تھے کہ پورے ملک میں اس کی شہرت ہوئی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور آج بھی ڈاکٹر امبیڈکر کے لٹریچر میں نمایاں طور پر شائع ہوتا ہے۔ حکومت مہاراشٹر کی طرف سے Dr. Baba Saheb Ambedkar Writings & Speeches کے نام سے جو 21 جلدیں شائع ہوئی ہیں اسکی پہلی جلد ہی میں یہ مقالہ شائع کیا گیا۔ اس مقالہ کے ملک کی کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے۔

تبدیلی مذہب کے سلسلے میں ایولہ (ناسک ضلع) اور پونہ میں کئے گئے اعلانات کا کیا اثر ہوا۔ اس تحریک کو کتنے اچھوتوں کی تائید ہے اس کا جائزہ لینے کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر نے ممبئی کے نائیگاؤں دادر کے علاقہ میں 30 اور 31 جولائی 1936ء کو ممبئی کے مہار طبقہ کی ''کل ممبئی علاقہ مہار پریشد'' منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس جلسہ میں ایک یوروپین پادری اسٹینلی جونس کو دعوت دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سارے مسلمان اور سکھوں کی نمایاں شخصیتیں اس جلسہ میں شریک رہیں۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کی تقریر میں کیا اشارے ملتے ہیں۔ شامیانہ میں 50 ہزار اشخاص بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ پریشد کی صدارت نظام کی حیدرآباد ریاست کے اچھوت قائد بی۔ ایس۔ وینکٹ راؤ (جنہیں حیدرآبادی امبیڈکر بھی کہا جاتا ہے) نے کی۔ اجتماع گاہ کو رما بائی نگر نام دیا گیا۔ اجتماع گاہ میں جو نعرے مختلف ٹھکانوں پر تحریر کئے گئے تھے وہ یوں تھے۔

انسانیت حاصل کرنا ہو تو مذہب بدل ڈالو

منظم ہونا ہو تو مذہب بدل ڈالو

طاقت حاصل کرنا ہوتو مذہب بدل ڈالو
مساوات حاصل کرنا ہےتو مذہب بدل ڈالو
جومذہب تمھیں انسانوں کا سلوک نہیں دے اس مذہب میں کیوں رہتے ہو؟
جو دھرم تمہیں پانی سے محروم کرتا ہے اس دھرم میں کیوں رہتے ہو؟
جو دھرم تمہاری ملازمتوں کیلئے رکاوٹ بنتا ہے اس دھرم میں کیوں رہتے ہو؟
جو دھرم تمھاری قدم قدم پر بے عزتی کرتا ہے اس دھرم میں کیوں رہتے ہو؟
جو دھرم چیونٹیوں کو شکر ڈالنا گوارا کرتا ہے مگر انسان کو پانی سے محروم کرتا ہے اس دھرم میں کیوں رہتے ہو؟ وغیرو غیرہ

اس جلسے میں بہت سارے اچھوت نوجوان سر پر تر کی ٹوپیاں پہن کر آئے تھے اس سے ایک اشارہ مل رہا تھا کہ نوجوان طبقہ اسلام کی طرف رحجان رکھتا تھا۔ اس جلسہ کی تقریر میں ڈاکٹر امبیڈکر نے 50 صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ کی شکل میں پہلے ہی سے چھپالی تھی۔ اس کتابچہ کا عنوان ''مکتی کون پتھے''،یعنی نجات کس راہ سے رکھا گیا۔ چونکہ اس طویل تقریر میں مذہب تبدیل کرنے کے بارے میں محرکات کا تذکرہ کیا گیا تھا کہ اسلئے راقم الحروف نے اس طویل تقریر کی تلخیص کر کے حیدرآباد کے مشہور روزنامہ'رہنمائے دکن'کی 27 مارچ 1995ء میں شائع کروایا تھا۔ سہ روزہ دعوت نئی دہلی میں بھی تقریر کی تلخیص شائع ہوئی تھی۔ اس تقریر سے ڈاکٹر امبیڈکر کی سوچ وفکر کے بہت سارے پہلو سامنے آتے ہیں اس لئے اس کے لئے ایک علیحدہ باب مختص کیا گیا ہے۔

22- 'مکتی کون پنتھ' یا نجات کس راہ سے؟

یہ اجتماع تبدیلی مذہب کے مسئلہ پر غور وفکر کرنے سے بلایا گیا ہے میرے خیال میں یہ اجتماع اس لئے اہم ہے کہ اس پر تمھارے مستقبل کا دارومدار ہے۔آپ حضرات اتنی تعداد میں یہاں جمع ہوئے ہیں یہ دیکھ کر میں بہت خوش ہوں میں نے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں جب سے اعلان کیا ہے اس وقت سے ہر جگہ چھوٹے موٹے جلسے منعقد ہو رہے ہیں اور مختلف خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔لیکن اجتماعی طور پر اس مسئلہ پر غور کرنے لئے آج تک موقع نہیں ملا تھا اور اس کی مجھے سخت ضرورت تھی۔تبدیلی مذہب کی مہم کو کامیاب بنانے کیلئے اچھی خاصی تیاریوں کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ تحریک یہ مسئلہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں،اور نہ یہ معاملہ کوئی تفریحی نوعیت کا ہے یہ مسئلہ انسانی زندگی کی کامیابی کا مسئلہ ہے۔جس طرح ملاح کو اپنا جہاز ایک بندرگاہ سے

دوسری بندرگاہ تک کامیابی سے لے جانے کیلئے جوضروری اقدامات اور کوششیں درکار ہیں اسی طرح مشن کو کامیاب کرنے کیلئے بھی تیاریوں کی ضرورت ہے۔ملاح کے سفر میں تیاری مسافروں کی تعداد کااندازہ کرنے کے بعد ہی ہوتی ہے۔

اپنے قدیم مذہب کوترک کرنے کیلئے مذہب کو قبول کرتے وقت مختلف پہلوؤں پر غور کرناضروری ہے۔اور یہ کہ'اچھوت پن'' کیاہے؟ جب تک سمجھ میں نہیں آئے گا۔اس وقت تک مجھے تبدیلی مذہب کیلئے قائل کرانادشوار ہوگا۔اچھالباس پہننے پر زمین جائداد خریدنے پر شادی کی بارات میں گھوڑے پرسوار ہونے پر وغیرہ جیسی حرکتوں پرکیا کیا ظلم ڈھائے جاتے ہیں اس کا تجربہ آپ تمام حضرات کو ہے۔لیکن ان کی بنیادی وجوہات بھی آپ سب کو معلوم ہوناضروری ہے یہ مسئلہ ایک فرد کادوسرے فرد سے جھگڑے کا نہیں،''اچھوت پن'' کامسئلہ درحقیقت دوطبقات کا ٹکراؤ ہے۔یہ مسئلہ ایک فرد کادوسرے سے کشمکش کامسئلہ نہیں بلکہ ایک طبقہ کادوسرے طبقہ پر ناانصافی کاہے۔ایک پوراانسانی طبقہ دوسرے کوناپاک نیچ اور پست سمجھتا ہے۔اوراپنے آپ کو اُونچا سمجھنے والاطبقہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتا۔اس طبقہ نے تمھیں جونچلی سیڑھی پر بیٹھنے کا حق دیاہے اس کا کہناہے کہ یہ'دائمی' ہے۔اس میں کوئی ردّوبدل نہیں ہوسکتا۔وہ طبقہ خود کوسناتن یعنی قدیم اور مقدس تصور کرتا ہے۔اس کے یہ معنی ہوئے کہ یہ طبقاتی کشمکش مستقل طور پر رہنے والی ہے۔اس فلسفہ اور نظام حیات کا کوئی متبادل بھی نہیں ہے۔اسلئے جولوگ مساوی حقوق چاہتے ہیں ان کااس نظام زندگی سے اور اس فلسفہ سے تال میل کیسے ہوسکتا ہے۔اسلئے آپ میں جولوگ اپنی زندگی عزت سے اور مساوی حقوق کے اصولوں پر گزارنا چاہتے ہیں انہیں ضروری ہوگیا ہے کہ اس مسئلہ پرغور کریں۔اور متبادل زندگی ڈھونڈ نکالیں اس طبقاتی کشمکش میں آپ اپنا بچاؤ کس طرح کرسکتے ہیں؟اس مسئلہ کاحل میرے خیال میں مشکل نہیں،کسی بھی کشمکش میں جس کے پاس طاقت زیادہ ہوتی ہے وہی کامیاب ہوتا ہے اس لئے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کشمکش میں کامیاب ہونے کیلئے کیا آپ کے پاس اتنی طاقت ہے؟کسی طبقہ کو کامیابی کے لئے تین اقسام کی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱) افرادی کی ۲) مال کی ۳) ذہنی

آپ حضرات کے پاس اول الذکر یعنی افرادی طاقت نہیں ہے اور جو کچھ بھی ہے وہ منظم نہیں ہے ۔مختلف ذاتوں میں منقسم ہے ۔یہی حال مالی طاقت کا ہے تمھارے پاس تجارت نہیں ،ملازمت نہیں ،زراعت نہیں ،اور ذہنی طاقت تو صدیوں کی غلامی کی وجہ سے مفلوج ہوگئی ہے ۔تم ناامید اور نامرادی کے ماحول میں جی رہے ہو ۔یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ تمہیں کرنا کیا ہے ۔؟

آپ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ اقلیت میں ہیں ۔مگر تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان بھی اقلیت میں ہیں ۔جس طرح کسی دیہات میں دو چار مکان دلتوں کے ہوتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے بھی دو چار مکان ہوتے ہیں ۔لیکن مسلمانوں کے راستے کوئی نہیں جاتا اس کی وجہ کیا ہے؟ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ دیہات کے ان چند مسلمانوں کی پشت پر ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی طاقت ہوتی ہے اور ہندوؤں کو اس کا احساس ہے ۔اسلئے ان پر کوئی ظلم نہیں کرتا ۔لیکن ہندوؤں کو یہ بھی احساس ہے کہ تمھاری مدد کرنے والا کوئی نہیں یہ انتظامیہ بھی تمھاری مدد کو پہونچ نہیں سکتا ،اسلئے اب ضروری ہوگیا ہے کہ تمہیں بھی طاقتور بننا ہے تم پر جب ظلم ہوتا ہے تو تمھارے مذہب والوں کو اس بات کا ضرور احساس ہوتا ہے کہ تم پر ظلم ہو رہا ہے ۔مگر وہ تمھاری مدد اسلئے نہیں کرتے کہ تم ان کے مذہب سے تعلق نہیں رکھتے ۔اسلئے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ جب تک تم دوسرا مذہب اختیار نہیں کر لیتے تمھیں دوسروں کی طاقت نہیں ملے گی ۔اور جب تک تم اسطرح کمزور رہو گے اس وقت تک تم اور تمھاری آئندہ نسل بھی ظلم کا شکار رہے گی ۔

تمھیں اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ ہندو مذہب تمھارے لئے فائدہ مند ہے یا نہیں انسان کی ترقی کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ہمدردی ،مساوات اور آزادی ان تینوں چیزوں میں سے تمھیں کچھ بھی میسر نہیں ،جب یہ تینوں تمھیں عدم میسر ہوں تو پھر جتنا جلد ہوسکے تمھیں ہندو مذہب ترک کرنا چاہئے ۔دیکھا جائے تو تمھارا ہندو سماج سے کیا تعلق ہے ،جس طرح مسلمان ہندوؤں سے بالکل الگ ہیں اسی طرح تم بھی ہندو سماج سے الگ ہو ،جس طرح مسلمان اور کرسچن ہندوؤں سے رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہوتے اسی طرح تمھارے اور ہندوؤں میں یہ رشتہ قائم

نہیں ہوتا اسلئے اگر تم مذہب ترک کر دو گے تو کوئی یہ نہیں کہے گا کہ ہندو سماج دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور نہ کسی کو اس بات کا احساس بھی ہو گا۔ آج جس طرح سے تم ہندو سماج سے الگ ہو ہندو مذہب ترک کرنے کے بعد کوئی نئی بات واقع نہیں ہوتی۔

آپ لوگوں میں سے کچھ نے اپنے نام بھی تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ آپ کی شناخت نہ ہو مگر کیا فائدہ ہوا؟ جب نام بدل سکتے ہیں تو مذہب کے بدلنے میں کیا قباحت ہے۔ تبدیلی مذہب بھی دراصل تبدیلی نام ہے۔ تبدیلی مذہب کے ساتھ نام میں بھی تبدیلی آئے گی۔ وہ زیادہ فائدہ مند ہے اگر تم مسلمان ہوئے کرسچن ہوئے بودھ ہوئے، سکھ ہوئے تو تبدیلی مذہب کے ساتھ نام میں تبدیلی آئیگی اور یہ زیادہ فائدہ مند ہے۔ ان نام میں وہ تعفن نہیں جو تمھارے ناموں سے اب منسوب ہے۔ اس نئے مذہب کے اختیار کے ساتھ جو نام تمھیں ملے گا اس کے بارے میں تحقیق نہیں ہو گی۔ لیکن خود کو ہریجن چوکھا ملا کہلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہندو مذہب میں رہ کر ناموں میں پھیر بدل آپ لوگوں کیلئے افادیت کا باعث نہیں ہو گا۔ اس لئے آپ حضرات مذہب بدل کر اپنے نام ہمیشہ کیلئے کیوں نہیں بدلتے۔

تبدیلی مذہب کے مخالف کہتے ہیں کہ تمھارے آباو اجداد کیا بیوقوف تھے کہ انہوں نے ہندو مذہب ہی کو پسند کیا؟ یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے بغاوت کیوں نہیں کی؟ ان کا صرف یہ جواب ہے کہ تمھارے آباو اجداد کا مذہب ہندو تھا یہ تصور ہی غلط ہے۔ یہ ایک غلامی تھی۔ جو ان پر لادی گئی تھی۔ اور یہ نظام ان پر زبردستی عائد کیا گیا تھا، مگر اب حالات وہ نہیں رہے۔ اب کوئی زور زبردستی نہیں کرسکتا۔ اب اس آزادی کا فائدہ اٹھا کر اس نظام سے چھٹکارا حاصل نہیں کریں گے تو تم جیسا کوئی نیچ نہیں ہو گا۔ اور یہ بات مجھے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے تمھارے آباو اجداد ہندو تھے اور تمھیں بھی ہندو رہنا ہے ایک احمقانہ تصور ہے۔ اس قسم کی دلیل جانوروں کیلئے مناسب ہے انسانوں کیلئے نہیں، تغیر میں زندگی ہے مذہب کی تبدیلی ھی ایک اہم تغیر ہے اس ضمن میں ایک اور بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ہندو مذہب میں ضروری اصلاحات کی جائیں گی، یہ کہہ کر مصلحین مذہب ہمیں ترک مذہب سے منع کرتے ہیں۔ ان کی اصلاحات صرف یہ کہ اعلیٰ

ذات والوں کو برا بھلا کہا جائے اور ہمیں نصیحت کی جائے کہ ہم صاف ستھرے رہیں ہم اپنے پیروں پر کھڑے رہیں ہم تعلیم حاصل کریں وغیرہ حقیقت میں دیکھا جائے تو ہندو مذہب کی اصلاح سے ہمیں کوئی لینا دینا نہیں ہے اور نہ یہ ہماری غرض ہے۔ہم تو اس غلامی سے آزادی چاہتے ہیں اور ہمیں چاہیے سماجی مساوات اور یہ صرف ہندو مذہب کو ترک کرنے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب تک روٹی بیٹی کا تعلق ہوگا اس وقت تک سماجی مساوات حاصل کرنا ناممکن ہے۔اسلئے ضروری ہے کہ ہندو سوسائٹی کی چار حصوں میں تقسیم ختم کردی جائے اور برہمنی نظام کا مکمل طور پر صفایا ہو جائے،کیا یہ ممکن ہے؟ اور اگر ممکن نہ ہو تو کیا آپ سمجھتے ہیں وہ مساوی حقوق تمھیں ملیں گے؟ اسلئے اس کے مقابلہ میں ترک مذہب کتنا آسان طریقہ ہے۔ہندو سماج دوسرے سماج مثلاً کرسچن اور مسلمان سماج سے مساویانہ برتاؤ کرتا ہے اسلئے اگر تم چاہتے ہو کہ تمھیں بھی مساویانہ حقوق ملیں تو ہندو مذہب کو ترک کرنا ہی اس کے لئے آسان طریقہ ہے۔اس کی وجہ سے کسی قسم کے جھگڑے بھی باقی نہیں رہیں گے۔جھگڑے اور فساد کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی۔تمھیں ان کے مندروں میں داخل ہونے کیلئے نہ جھگڑا کرنا پڑے گا نہ تم ازدواجی تعلقات کا مطالبہ کرو گے۔اور نہ سماجی مساوات کا مسئلہ باقی رہے گا۔برخلاف اس کے ترک مذہب کے بعد ہندوؤں سے تمھارے تعلقات خوشگوار رہیں گے۔اسلئے ہندو مذہب کا ترک کرنا ہی ایک دانشمندانہ قدم ہوگا۔اس ضمن میں ایک اور اعتراض ہوتا ہے کہ کرسچنوں اور مسلمانوں میں ایک حد تک ذاتی بھید بھاؤ ہے لیکن میرا کہنا ہے کہ ہندو سماج اور دوسرے مذاہب میں پائے جانے والے ذاتی بھید بھاؤ میں کافی فرق ہے جب کسی ہندو سے سوال ہوتا ہے کہ اس کا مذہب کیا ہے؟ تو معاملہ مذہب تک نہیں رہتا۔بلکہ اگلا سوال ذات کے تعلق سے ہوتا ہے جبکہ دوسرے مذہب میں یہ بات نہیں ہے دوسرے مذہب میں ذات کا نظام اس مذہب کا اہم جز نہیں ہوتا۔مسلمانوں اور کرسچنوں میں کچھ ذاتی بھید بھاؤ ہے تو اسے ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کوشش میں مذہب رکاوٹ نہیں بنتا مگر ہندو مذہب میں پائی جانے والی ذاتی بھید بھاؤ کو ختم کرنے کی کوشش میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہب ہے۔اسلام اور عیسائیت میں ذاتی بھید بھاؤ کو ختم کرنے کی کسی بھی تحریک کی

مذہب کی طرف سے ہمت افزائی ہوتی ہے اس لئے ہندوؤں کے مذہب کے بغیر ذاتی بھید بھاؤ کو ختم کرنے کیلئے اسلام اور عیسائیت کو ختم کرنا ضروری نہیں ملک کیلئے آزادی جتنی ضروری ہے اتنی ہی ضرورت اچھوتوں کیلئے ترک مذہب کی ضرورت ہے۔ ترک مذہب اور غلامی سے چھٹکارہ دونوں کا مقصد آزاد زندگی ہے۔

اس ضمن میں ایک شک یہ بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ ترک مذہب کے بعد تمھارے سیاسی حقوق کا کیا ہوگا؟ میرے خیال میں اس مسئلہ کو اتنی اہمیت دینے کی ضرورت نہیں، جو حقوق 'پونہ پیکٹ' کے تحت دیئے گئے ہیں وہ لامحدود مدت کے لئے نہیں ہیں۔ ایک نہ ایک دن وہ واپس لئے جائیں گے۔ اور تمھیں اپنے بل بوتے پر سماجی وسیاسی حقوق حاصل کرنے ہوں گے۔ ترک مذہب تمھارے لئے اتنا ضروری ہے کہ ضرورت پڑنے پر ان حقوق کی قربانی تمہیں دینی پڑے گی یہ حقوق تمھارے کرسچن ہونے پر مسلمان ہونے پر ملیں گے یا سکھ بن جانے پر بھی حاصل رہیں گے تمھارے حقوق ختم نہیں کئے جاسکتے برخلاف اس کے سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لیے تمہارا موجودہ مذہب کو ترک کرنا ضروری ہے۔

میں نے طے کیا ہے کہ میں ہندو مذہب چھوڑ دوں، اس مذہب کے اصولوں کو میرا ذہن قبول کرنے تیار نہیں، وہ میری خودداری سے متصادم ہوتے ہیں۔ انسان مذہب کیلئے پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ مذہب انسان کیلئے ہے۔ تمھیں طاقتور بننا ہے مساوی حقوق حاصل کرنا ہے۔ آزادی حاصل کرنا ہے تو ترک مذہب ضروری ہے۔ جو مذہب تمھیں انسان بننے نہیں دیتا، جو تمھیں پانی سے محروم رکھتا ہے اسے کیوں اپناتے ہو؟ اس مذہب سے کیوں تعلق رکھتے ہو جو تمھیں ذہنی اذیت دیتا ہے جہاں ایک انسان دوسرے سے انسانی برتاؤ نہیں کرتا۔ ایک ایسا مذہب جس میں انسان کی انسانیت کو تسلیم کرنا خلاف مذہب ہے۔ وہ مذہب نہیں ایک مرض ہے۔ جہاں ایک ناپاک جانور کو چھونا برداشت کیا جاتا ہے لیکن انسان کو چھونا ناقابل برداشت ہے وہ دیوانہ پن ہے جہاں ایک پورے انسانی طبقے کو علم دولت ہتھیار سے محروم رکھا جاتا ہے وہ انسانیت سے ایک مذاق ہے۔ جاہل کو جاہل، غریب کو غریب رہنے کی ترغیب دینا وہ انسانیت سے ایک

مذاق ہے وہ مذہب نہیں ایک سزا ہے۔

ترک مذہب کسے مسئلہ پر اٹھائے جانے والے سوالات کے جوابات دینے کی میں نے کوشش کی ہے۔جب تک تم پوری طرح مطمئن نہیں ہوتے اس وقت تک تم یہ اقدام نہ کرنا، آج آپ حضرات جو طے کریں گے اس کی روشنی میں میرا اگلا قدم ہوگا، اگر آپ لوگ ترک مذہب کیلئے تیار نہیں تو کوئی سوال باقی نہیں رہے گا۔ایسی صورت میں مجھے جو کچھ کرنا ہے وہ میں کروں گا۔ اگر آپ ہندو مذہب ترک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اجتماعی طور پر منظم طریقہ سے تبدیلیٔ مذہب کرنے کا مجھے تیقن دیجئے۔اور ہاں اپنی مرضی سے الگ الگ مذہب اختیار کرنے کا تمھارا فیصلہ ہو تو شاید میں تمھارا ساتھ نہ دے سکوں۔میری خواہش ہے تم میرے ساتھ آؤ۔ہم جس مذہب کو بھی اختیار کریں اس مذہب میں ترقی کیلئے ہم اپنی صلاحیتوں کے مطابق محنت کرینگے۔بہر حال اپنی مرضی سے فیصلہ کریں، نہ کہ صرف میری خواہش پر، آپ حضرات میرے ساتھ اس مہم میں آنے کیلئے اگر تیار نہیں ہیں تو مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا۔میں صرف یہ سمجھوں گا میری ذمہ داری ختم ہوگئی۔تمھاری آنے والی نسلوں کی قسمت وہی ہوگی جو تم آج طے کروگے۔اگر اپنی سماجی آزادی چاہو گے تو تمھاری آئندہ نسلیں بھی آزاد رہیں گی، اس لئے کہتا ہوں کہ آج کا تمھارا فیصلہ انتہائی اہم ہے۔آخر میں مہا تما گوتم بودھ کی ان نصیحتوں کی طرف توجہ مبذول کراؤں گا جو انہوں نے اپنے شاگردوں کو اپنے انتقال سے قبل کی تھی۔جس میں انہوں نے خاص طور پر کہا تھا کہ "انسان کو خود منور ہونا چاہیئے نہ کہ زمین کی طرح روشنی کیلئے کسی اور پر انحصار کرے۔دوسروں کے سہارے زندگی گذارنے کے بجائے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کریں اور یہ کہ سچ کا سہارا لیں نہ کہ دوسروں کی پناہ میں جائیں۔"

مندرجہ بالا تلخیص ہے ان پچاس صفحات کی تحریری تقریر کا طوالت کی وجہ سے پوری تقریر کا ترجمہ ممکن نہیں۔اس پوری تقریر میں کچھ نکات قابل غور ہیں۔پہلے تو یہ کہ ترک مذہب کیلئے اپنا فیصلہ لادنا نہیں چاہا۔ان کے پیش نظر معروف چار مذاہب تھے یعنی اسلام، عیسائیت، بودھ دھرم اور سکھ مذہب ان چاروں مذاہب کے تعلق سے کسی کے بارے میں منفی رائے نہیں دی۔اپنے پیروؤں اور چاہنے والوں کو اختیار دیا کہ وہ جو چاہیں اختیار کریں۔صرف ایک بات پر بار بار زور

دے رہے تھے وہ یہ کہ ہندو مذہب چھوڑ دیں۔تقریر کے آخر میں ایک پیغام ضرور دیا کہ وہ بودھ مذہب کیلئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔اور آخر میں انہوں نے 14 اکتوبر 1956ء کو بودھ مذہب ہی اختیار کیا۔دوسری اہم بات یہ تھی اس تقریر کے ذریعہ ہندو مذہب ترک کرنے کے منصوبہ کی تکمیل کیلئے کوئی تاریخ مقرر نہیں کی اور نہ اسکا اظہار کیا کہ کس طریقہ سے ترک مذہب کی رسم ادا کی جائیگی۔ ایک اور سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اس اعلان کے بعد 21 سال کے طویل کا عرصہ ہندو مذہب کو ترک کرنے میں کیوں لگا،اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ اس اعلان کے بعد ملک کی سیاسی زندگی اس تیز رفتار دور سے گزر رہی تھی کہ انہیں فرصت نہیں ملی۔دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ ایک طرح ہندو مذہب کے رہنماؤں کو موقع دے رہے تھے کہ دیکھو ہمارے لئے کچھ کرو ورنہ ہم ہندو مذہب چھوڑ دیں گے۔ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انہیں اس بات کا پورا یقین نہ ہو کہ اجتماعی طور پر ہندو مذہب چھوڑ کر نئے مذہب کے قبول کرنے کی رسم میں قابل لحاظ اچھوت ان کے ساتھ آئیں گے۔اپنی تقریر میں انہوں نے خود کہا تھا کہ ملاح مسافروں کی تعداد کو دیکھ کر ہی اپنے سمندری سفر کا آغاز کرتا ہے۔

23 - اور آتش فشاں پھٹ پڑا (۲)

13 / اکتوبر 1935 ء کو ایولہ (ناسک ضلع) میں ہندو مذہب سے الگ ہونے کا اعلان اور پھر 30 / مئی 1936 ء کو ممبئی میں کل ہند مہار پریشد میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو مذہب سے قطع تعلق کی قرارداد سے پورے ملک میں اور خاص طور پر سناتنی ہندو طبقوں میں بے چینی پھیل گئی اور یہ بے چینی آسانی سے سمجھی جا سکتی تھی۔ اچھوتوں پر مشتمل ایک کثیر آبادی اگر مسلمان اور کرسچن ہو جاتی ہے تو اسکے کے اثرات ملک پر ہوتے۔ مگر ڈاکٹر امبیڈکر کونسا مذہب قبول کرنے جا رہے ہیں ابھی یہ بات کھل کر سامنے ہی نہیں آئی تھی مکتی کون پتھے (راہ نجات کس راستے سے) کے عنوان سے جو تقریر انہوں نے پہلے ہی شائع کی تھی اس کے ابتدائی جملے معنی خیز تھے۔ انہوں نے کہا تھا ' جس طرح ایک ملاح کو ایک بندرگاہ سے دوسری بندرگاہ جہاز لے جانے کیلئے بہت ساری تیاریاں درکار ہیں، کتنے مسافر جہاز میں ہوں گے اس کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے۔ میری کیفیت

اس ملاح کی طرح ہے۔"اس قسم کے خیالات کا اظہار کرنے میں وہ حق بجانب بھی تھے۔ انکا خود کا انفرادی معاملہ ہوتا تو کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا لیکن اپنے کروڑوں ہم مذہب کو اس کے لئے تیار کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ ان کے سامنے 4 مذہب تھے۔ اسلام عیسائیت، بودھ اور سکھ مذہب ہر پہلو سے غور کرنا ضروری تھا۔ اسلام اور عیسائیت کے تعلق سے ضرور مثبت خیال رکھتے تھے۔ مگر اس ضمن میں انکی مشکلات سمجھ میں آسکتی ہیں۔ ملک کا کثیر ہندو طبقہ اس ملک کی مخصوص تاریخ کے پس منظر میں ان کی سخت مخالفت کر رہا تھا۔ اسلام اور عیسائیت اس ملک میں بیرونی مذاہب تھے۔ بیسویں صدی کی ابتداء سے ہی اس ملک میں جو مذہبی اور سیاسی معرکے برپا تھے ان کے پیش نظر ڈاکٹر امبیڈکر کے لئے ان دونوں مذاہب کے بارے میں سوچنا تھوڑا مشکل تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور ملک کے اچھوت شاید اتنی جرأت نہیں رکھتے تھے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مذہب اختیار کر کے ملک کی کثیر ہندو آبادی کی دشمنی مول لیں۔ لیکن ہمیں اس بات کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ کسی اچھوت کو انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے پر اپنی ناراضگی نہیں جتائی، اور نہ کسی کی ہمت شکنی کی مسلم رہنماؤں سے بھی بات چیت کرتے رہتے تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں میں اکثر یہ موضوع زیر گفتگو رہتا کہ کیا ڈاکٹر امبیڈکر اسلام قبول کرنے والے تھے؟ مصنف کتاب ہٰذا نے اس سوال کا جواب ان کی تحریروں ان کی گفتگو اور مختلف اوقات میں جو انہوں نے مذہب کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ قاری بھی اس کتاب کے پڑھنے کے بعد کوئی نتیجہ ضرور اخذ کرسکتا ہے اسلئے جواب قاری پر ہی چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر امبیڈکر کے بارے میں کوئی رائے خاص طور پر ان کے تبدیلیٔ مذہب کے بارے میں قائم کرنے سے پہلے انکی پوری کشمکش، ان کا مشن، ان کی تحریک اس دور میں کانگریس کا غلبہ جس میں برہمن زیادہ تھے اور ہندتو کے حامی تھے۔ اب تک کسی مسلمان دانشور نے اس موضوع پر زیادہ تحقیق بھی نہیں کی ہے۔ زیر نظر کتاب کے ذریعہ اس مسئلہ کے مختلف پہلو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے نتیجہ اخذ کرنا اور رائے قائم کرنا قاری کا کام ہے۔ بیسویں صدی کے تیسرے دہے میں ملک کو انتہائی پیچیدہ مسائل درپیش تھے۔ ہندو مسلم تناؤ فسادات انگریزوں کے خلاف آزادی کی لڑائی، ان مسائل

کے علاوہ اچھوتوں کے اپنے الگ مسائل اور سماجی مساوات کیلئے ہندوؤں سے کشمکش، ان حالات میں شاید ڈاکٹر صاحب کیلئے یہ ممکن نہ ہوتا کہ وہ کروڑوں اچھوتوں کو اسلام کی طرف راغب کرتے۔ گول میز کانفرنس ہو یا چودار تالاب کی ستیہ گرہ یا کالارام مندر میں داخلہ کا ستیہ گرہ جب بھی مسلمانوں کی طرف سے معمولی مدد بھی ملی تو دل کھول کر اعتراف کیا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کی طرف ہمیشہ حرف نظر کرتے ہوں جہاں مسلمان رہنماؤں کی غلطیاں نظر آئیں خوب تنقید بھی کی۔

اسلام اور عیسائیت کے علاوہ ان کے سامنے دو متبادل مذاہب تھے۔ ایک بودھ مذہب اور دوسرا سکھ مذہب، ان کے قریب کے ساتھیوں میں ان دونوں کے بارے میں گفتگو رہتی اور لوگ اس نتیجہ پر پہونچ رہے تھے کہ ان دونوں میں کسی ایک کا انتخاب ہوگا۔ 1935ء اور 1936ء کے درمیان سکھ حلقوں سے بہت قریبی تعلق رہا ہندوستانی نے جب یہ دیکھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر ہندو مذہب ترک کرنے کے فیصلہ پر اٹل ہیں تو انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ ہندوستان میں جنم لئے ہوئے کسی مذہب کو اپنالیں اشارہ بودھ اور سکھ مذہب کی طرف تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر سناتنی ہندوؤں کی مرضی کو مکمل طور پر نظرانداز کرنے کے پوزیشن میں نہیں تھے۔ ان کے ساتھیوں نے انہیں مشورہ دیا کہ سکھ مذہب اختیار کرنے کیلئے ہندو مہا سبھا کے رہنماؤں کی تائید حاصل کی جائے۔ کیونکہ مہا سبھائی سکھ مذہب کو ہندو مذہب کا ایک حصہ تصور کرتے تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں میں آپس میں شادی بیاہ بھی ہوتے ہیں بہت سارے سکھ ہندو مہا سبھا کے ممبر بھی تھے۔ ہندو مہا سبھا کے صدر ڈاکٹر مونجے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ 8 جون 1936ء کو ممبئی میں ڈاکٹر امبیڈکر سے ملے۔ دو تین دن ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور رہوا۔ گفتگو کے نتیجے میں ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک بیان تیار کیا، ڈاکٹر مونجے کی تائید حاصل کی گئی۔ اس بیان میں تین شرائط پر اتفاق ہوا۔ (۱) تمام اچھوت سکھ ہونگے۔ (۲) نو سکھ شیڈول کاسٹ کی فہرست میں شامل کئے جائیں گے۔ (۳) پونہ پیکٹ کے ذریعہ دی گئی مراعات، سکھ ہونے پر بھی جاری رہیں گی۔ پھر یہ بیان مختلف مہا سبھائی لیڈر مثلاً بیرسٹر جے کر، سیٹھ جگل کشور برلا، مدن موہن مالویہ وغیرہ کی تائید حاصل کرنے روانہ کیا گیا۔ ڈاکٹر مونجے نے اس بیان کی نقل مدارس کے اچھوت رہنما ایم سی

راجہ کو بھی خانگی طور پر روانہ کیا۔ اس بیان میں ڈاکٹر امبیڈکر نے سکھ مذہب اختیار کرنے کے فوائد اور نقصان دونوں کا تقابلی مقابلہ کیا عیسائیت یا اسلام قبول کرنے اچھوتوں کا یہ نقصان بیان کیا کہ یہ ہندوستانی تہذیب سے محروم رہیں گے۔ انہوں نے مسلمان ہونے کی صورت میں ملنے والے فوائد کا بھی تذکرہ کیا۔ وہ یوں تھے۔ اچھوت اگر مسلمان ہو جائیں تو انہیں وہ تمام چیزیں ملیں گی جو ان کی ضروریات ہیں کیونکہ مسلمانوں کے پاس معاشی ذرائع لامحدود ہیں۔ ۲) مسلمان تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اسلئے نو مسلم اچھوتوں کی وہ اچھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں۔ انہیں وہ سیاسی سہولتیں بھی ملیں گی۔ جو مسلمانوں کو میسر ہیں۔ کرسچن ہونے میں یہ فائدہ ہوگا کہ حکومت کی سرپرستی حاصل رہے گی اگر چہ ان کی تعداد کم ہے اور یہ کہ کرسچن ہونے کی صورت میں برطانیہ اور امریکہ کی طرف سے ہر قسم کی سہولت ملے گی۔ سکھ مذہب قبول کرنے پر معاشی مدد ملنے کے امکانات نہیں تھے سماجی طور پر زیادہ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ ان کی آبادی صرف 40 لاکھ ہے اور وہ پنجاب تک ہی محدود ہیں۔

ان دنوں مدراس کے اچھوتوں کے چوٹی کے لیڈر ایم۔سی راجہ تھے۔ مگر وہ ڈاکٹر امبیڈکر سے اختلاف رکھتے تھے۔ دونوں رہنماؤں میں نباہ نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر مونجے اور ان کے مہا سبھائی ساتھیوں کے ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر نے جو مذکورہ بالا معاہدہ سکھ مذہب اختیار کرنے کے سلسلے میں ہوا تھا۔ اس کی نقل ڈاکٹر مونجے نے ایم۔سی۔ راجہ کو روانہ کی تھی۔ ایم۔سی راجہ نے اس معاہدہ کی مخالفت کی۔ ایم۔سی راجہ نے ڈاکٹر مونجے کو کہا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کے ساتھ ان کا معاہدہ ناقابل قبول ہے ان کا خیال تھا کہ مذہب کی تبدیلی میں روحانیت کا عنصر بھی ہوتا ہے، اور یہ کہ سکھ مذہب کو اختیار کرنے کہ معنی ہیں ایک ہی مذہب کے ایک فرقہ کی طرف سے دوسرے فرقہ کی طرف سفر، ڈاکٹر امبیڈکر کی تجویز کی نوعیت کاروباری ہے جس میں کچھ نشستوں اور مراعات کی خاطر مذہب بدلنے کی بات ہو رہی ہے۔ ایم۔سی۔ راجہ نے جن خیالات کا اظہار کیا گاندھی جی نے اس کی تائید کی۔ بہر حال پورا معاملہ متنازعہ بن گیا اخباروں میں موافق و مخالف آرائیں ڈاکٹر صاحب تنقید کا نشانہ بنے مگر اس کے باوجود سکھ مذہب کو اپنانے کے اشارے دیتے جا رہے تھے۔ 18 ستمبر

1936ء کو 13 اچھوتوں کے ایک گروہ کو سکھ مذہب کی اسٹڈی کیلئے امرتسر روانہ کیا انہوں نے سکھ مذہب اختیار بھی کیا۔

مذہب کی تبدیلی کی تحریک کے سلسلہ میں ان کے تحریری بیانوں اور تقاریر کا مطالعہ کیا جائے تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ اس پیچیدہ مسئلہ کو وہ کم از کم نظریاتی طور پر حل نہ کر سکے۔ کبھی کبھی تضاد اور کنفیوژن نظر آتا ہے۔ یقیناً ان کیلئے یہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا۔ 1936ء جیسے جیسے گزرتا گیا اس محاذ پر خاموشی چھانے لگی۔

ان حقائق کے باوجود 14 / اکتوبر 1956ء کو اپنے لاکھوں ساتھیوں کے ساتھ اجتماعی طور پر ناگپور میں 'دھم کی دکشا' کیوں لی یعنی بودھ مذہب کیوں اختیار کیا؟ کیا یہ فیصلہ اچانک تھا؟ بودھ مذہب سے انہیں کب سے دلچسپی پیدا ہوئی تھی؟ ڈاکٹر امبیڈکر کے بودھ مذہب اختیار کرنے سے کیا ہندوستان میں بودھ مذہب کا احیاء ہوا ہے؟ اس سے ملک کی سماجی و مذہبی زندگی پر کیا اثرات ہونے والے ہیں؟

ان سوالات کے جواب ڈھونڈنے کی کوشش ضروری ہے اس کیلئے ان کی زندگی میں مہاتما گوتم بودھ اور بودھ مذہب سے کہاں کہاں تعلق آیا اور اس نے ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی پر کیا اثرات چھوڑے اور خود ڈاکٹر امبیڈکر کا اس ضمن میں کیا ردعمل رہا اس کا سرسری جائزہ بھی ضروری ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے انتقال سے 9 ماہ قبل 15 مارچ 1956ء میں اپنی مشہور کتاب (Buddha and his Dhạm) 'بودھ اور ان کا دھام' نامی کتاب کے پیش لفظ میں ایک اہم انکشاف کیا۔ اکتوبر 1992ء میں حکومت مہاراشٹر نے جو ایڈیشن شائع کیا اس میں یہ پیش لفظ نہیں ہے۔ 1957ء کے پہلے ایڈیشن میں شاید ہو کہ وہ کس طرح مہاتما بودھ اور ان کی تعلیمات سے پہلی مرتبہ متاثر ہوئے یہ حقیقت انہیں کے الفاظ میں پڑھئے۔

''مجھ سے ہمیشہ ایک سوال پوچھا جاتا ہے کہ میں نے اعلیٰ درجہ کی تعلیم کیسے حاصل کی؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ بودھ مذہب کے اصولوں کی طرف کیوں راغب ہوا؟ یہ سوالات مجھ سے اسلئے دریافت

کئے جاتے ہیں کہ میں بھارت کے ایک اچھوت کی حیثیت سے پہچانے جانے والے سماج میں پیدا ہوا ہوں پہلے سوال کا جواب دینے کیلئے اس کتاب کا پیش لفظ مناسب جگہ نہیں ہے لیکن دوسرے سوال کے جواب کیلئے یہ مناسب موقع ہے ویسے اس سوال کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ بودھ کا مذہب مجھے سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کسی بھی مذہب سے اسکا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ عصر حاضر کے کسی تعلیم یافتہ انسان کو کوئی مذہب چاہیے تو بودھ مذہب اختیار کرنا اس کیلئے مناسب ہے، تمام مذاہب کا میں نے انتہائی باریکی سے 35 سال مطالعہ کیا ہے۔ میرا یقین مضبوط ہوگیا ہے۔ میں بودھ کے اصولوں کی طرف کس طرح راغب ہوا وہ ایک علیحدہ بحث ہے، قارئین کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ وہ واقعہ یوں ہے۔

''میرے والد فوج میں عہدیدار تھے۔ ان کی انتہائی مذہبی شخصیت تھی، میری زندگی میں ڈسپلن ان کی تربیت سے آیا۔ بچپن سے ہی میرے والد کی مذہبی مصروفیات میں تضاد نظر آتا۔ ان کے والد رامانند فرقہ سے تعلق رکھتے تھے جبکہ وہ خود کبیر پنتھی تھے۔ مورتی پوجا پر ان کا یقین نہ تھا مگر گنپتی کی پوجا کرتے، گنپتی کی پوجا ہمارے لئے کرتے حالانکہ مجھے یہ سب پسند نہیں تھا۔ وہ اپنے پنتھ کی کتاب پڑھتے مگر ہم بھائی بہنوں کو سوتے وقت رامائن اور مہابھارت کے قصے سناتے۔ آنگن میں لوگ جمع ہوتے اور میرے والد انہیں بھی سناتے یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔''

''جس وقت میں نے انگریزی چوتھی کلاس پاس کیا اس وقت میرے سماج کے لوگوں نے ایک تقریب منعقد کرکے مجھے مبارکباد دی۔ دوسرے سماجی طبقات کی تعلیمی ترقی کے مقابل میری کامیابی کوئی خاص اہمیت کی حامل نہ تھی۔ لیکن سماج کے لوگوں کا کہنا تھا ہمارے طبقہ میں اتنی اونچی تعلیم حاصل کرنے والا میں پہلا طالب علم ہوں۔ میرے والد سے اجازت طلب کرنے آئے تھے۔ لیکن انہوں نے انکار کردیا انہیں شک تھا کہ اس قسم کی تقاریب سے میں مغرور ہوجاؤں گا۔ لیکن آنے والے ناامید نہیں ہوئے پھر یہ لوگ دادا کیلوس کر (Dada Keluskar) کے پاس گئے۔ (وہی کیلوس کر جنہوں نے ابتدائی دور میں ڈاکٹر امبیڈکر کی تعلیم کیلئے بڑودہ دربار سے تعلیمی وظائف دلوائے تھے) کیلوس کر کی سفارش سے میرے والد راضی ہوگئے اور تقریب کیلوس کر کی

صدارت میں ہوئی۔اس دور میں ان کی شخصیت ایک مشہور ادیب کی حیثیت سے متعارف تھی۔ جلسہ کے اختتام پر انہوں نے ان کی اپنی لکھی ہوئی مہا تما گوتم بودھ کی سوانح حیات مجھے انعام کے طور پر دی۔میں نے یہ کتاب انتہائی ذوق سے پڑھی اور کافی متاثر ہوا۔"

ڈاکٹر امبیڈکر 1956ء میں اعتراف کرتے ہیں کہ وہ بچپن سے بودھ مذہب سے متاثر ہوئے تھے۔30 مئی 1936ء کی تقریر "مکتی کون پتھے یا نجات کس راہ سے" کے آخری حصہ میں جب وہ گوتم بدھ کی نصیحت کا خاص طور پر تذکرہ کرتے ہیں تو یہ بھی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ بودھ مذہب کیلئے یکسو ہو چکے تھے۔اور 14 اکتوبر 1956ء کو لاکھوں معتقدوں کے ساتھ اس مذہب کو قبول کر کے یہ ثابت بھی کر دیا۔مگر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے سکھ مذہب کی طرف جھکاؤ کے اشارے کیوں ملتے ہیں (راقم الحروف) کا خیال ہے کہ اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

24 - مزدور پارٹی کا قیام
Independent Labour Party

سائمن کمیشن، گول میز کانفرنس کی رپورٹوں کے بعد برطانوی حکومت نے ملک کیلئے The Govt of India Act. 1935 یعنی 1935ء کا انڈیا ایکٹ منظور کیا۔ اس ایکٹ کے ذریعے صوبائی حکومتوں کو محدود اختیارات دیئے جانے طے کئے گئے۔ اس ایکٹ کے تحت تمام صوبائی اسمبلیوں کیلئے انتخابات اور صوبائی حکومتوں کی تشکیل ہوتی تھی اس لئے 1937ء میں انتخابات ضروری تھے ان انتخابات کے پیش نظر ڈاکٹر امبیڈکر نے 15 اگست 1936ء میں ایک نئی سیاسی پارٹی (Independent Labour Party) کی بنیاد رکھی۔ کانگریس، ہندو مہا سبھا اور دوسری سیاسی پارٹیوں نے تمام ہندوؤں اور اچھوتوں کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لے رکھی تھی۔ انہیں لگام لگانا ضروری تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے محسوس کیا کہ گول میز کانفرنس، پونہ پیکٹ، وغیرہ کے

ذریعہ جو سیاسی حقوق اچھوتوں کیلئے حاصل کئے گئے تھے ان سے استفادہ ضروری ہے اور ان کے لئے ایک سیاسی پارٹی کی بھی ، اچھوتوں کے علاوہ ملک کے محنت کش عوام مزدوروں کاشتکاروں سے تعاون کرتے ہوئے ان کے حقوق کو منسلک کر کے قومی سطح پر ایک سیاسی پارٹی کا قیام عمل میں لانا ایک اہم قدم تھا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اس پارٹی میں تمام مذاہب اور فرقہ کے لوگ شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی اشارہ دیا کہ جن حلقوں میں اچھوتوں کے ووٹ زیادہ ہیں اور جو اچھوتوں کے لئے محفوظ نہیں ہیں وہاں سے ان کی نئی آزاد لیبر پارٹی کے امیدواروں کی کامیابی کے زیادہ امکانات ہیں۔

نئی صوبائی اسمبلیوں میں منتخب ہندوستانی ممبروں کی وزراتیں تشکیل ہونی تھیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ممبئی لیجسلیٹیو کونسل کے لئے اپنے امیدواروں کو الیکشن میں لانا طے کیا۔ ممبئی کونسل میں اچھوتوں کے لئے 15 نشستیں محفوظ تھیں۔ علاوہ اس کے کچھ آزاد امیدواروں کی تائید کا بھی اعلان کیا گیا۔ الیکشن کی پوری تیاریاں کی گئیں۔ 11 / نومبر 1936ء کو جینوا کے راستے لندن روانہ ہوئے ان کے سفر کا ایک اہم مقصد وہاں کے قانون کے ماہرین اور سیاست دانوں سے یہ مشورہ کرنا تھا کہ اگر اچھوت سکھ مذہب اختیار کر لیں تو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی رو سے اچھوتوں کو ملنے والی مراعات سے وہ کہیں محروم تو نہ ہو جائیں گے۔

تبدیلی مذہب کے اعلان کے ساتھ اس کے اثرات سامنے آنے لگے۔ والئ تراونکور ریاست نے اپنی ریاست کے 600 منادر اچھوتوں کیلئے کھلے کر دیئے میسور کے راجہ نے دسہرہ میں دلتوں کی شرکت پر پابندی برخاست کر دی۔ ممبئی کے ایک مشہور ہفتہ وار نے خبر شائع کی کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے انگلینڈ میں ایک انگریز خاتون سے شادی رچائی ہے اور اس خاتون کو لے کر 14 / جنوری کو وہ ممبئی واپس آ رہے ہیں۔ لیکن 14 / جنوری کو جب وہ واپس آئے تو وہ خبر جھوٹ ثابت ہوئی۔ اخباری نمائندوں سے انہوں نے کہا کہ انہیں چوری چھپے شادی کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور یہ کہا کہ میرا ارادہ فی الوقت صرف انتخابات میں حصہ لینا ہے تبدیلی مذہب کے بارے میں انہوں نے کہا ''یہ میرا اٹل فیصلہ ہے لیکن کون سے مذہب کو اختیار کروں گا میں نے یہ طے نہیں

کیا۔"بعد میں سکھ مشن کے ذمہ داروں سے ان کے اختلافات سامنے آئے اور سکھ مذہب کے بارے میں انہوں نے اپنا فیصلہ ہمیشہ کیلئے بدل ڈالا۔

انتخابات کی مہم دیر سے شروع ہوئی۔ڈاکٹر امبیڈکر کے 17 امیدواروں میں سے 13 امیدوار کامیاب ہوئے۔خود ڈاکٹر امبیڈکر ممبئی کی E.ADF وارڈ سے کھڑے تھے۔ممبئی لجسلیٹیو کونسل کے لئے لیبر پارٹی کے 15 امیدواروں نے حصہ لیا۔جن میں سے 14 کامیاب رہے۔ کانگریس نے ڈاکٹر امبیڈکر کو الیکشن میں شکست دینے کی پوری کوشش کی ان کے خلاف اپنا ایک امیدوار بابوجی پالون کر کو کھڑا کیا۔اتنا ہی نہیں ڈاکٹر امبیڈکر کے ووٹ تقسیم کروانے دیگر دو اچھوت امیدوار دیورخ کر (Devrukhkar) اور پی۔این بھوج راج (P.N. Bhojraj) کو اسی حلقہ سے کھڑا کیا۔ان تمام کوششوں کے باوجود ڈاکٹر امبیڈکر کامیاب ہوئے۔علاقہ برار اور سنٹرل پروانس سے لیبر پارٹی کے 14 امیدوار کھڑا کئے گئے تھے مگر کوئی منتخب نہیں ہوا۔مسلم لیگ نے بنگال اور پنجاب میں حکومت بنائی باقی تمام صوبوں میں کانگریس کو کامیابی ہوئی۔ممبئی صوبہ میں ان کی سیاسی پارٹی کے 14 امیدوار کامیاب ہونے کی وجہ سے پورے صوبہ کے اچھوت حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔جگہ جگہ جلسے منعقد کر کے مبارکبادیاں دی گئیں۔صوبہ ممبئی میں کانگریس کو بھاری اکثریت ملنے کے باوجود برطانوی حکومت سے اختلاف کی وجہ سے انہوں نے حکومت بنانے سے انکار کیا۔اسلئے ممبئی کے سر دھن جی کوپر (Sir Dhanjee Coopar) اور جمنا داس دونوں نے مل کر حکومت بنائی کونسل میں کانگریس کے لیڈر بال گنگا دھر کھیر نے حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پر ڈاکٹر امبیڈکر کی تائید مانگی،مگر ڈاکٹر امبیڈکر نے انکار کیا۔کہا کہ چھ ماہ کے اندر گورنر کونسل کی تشکیل کرنا ہے۔اس وقت وہ اپنی پالیسی ظاہر کریں گے۔

اسی دوران ایک خوش خبری ملی۔چودار تالاب کا مقدمہ (اپیل) جو اب تک ممبئی ہائی کورٹ میں زیر سماعت تھا اس کا فیصلہ 16 مارچ 1937ء کو ہوا۔ہندوؤں کی اپیل خارج کر دی گئی۔اور تحت کی دونوں عدالتوں نے اچھوتوں کے حق میں جو فیصلے دیئے تھے وہی قائم رہے اور آخر کار طویل قانونی لڑائی کے بعد اچھوت قانونی طور پر چودار تالاب مہاڑ کے پانی پینے کے حقدار

ثابت ہوئے۔ڈاکٹرامبیڈکر کیلئے یہ ایک بڑی تاریخی کامیابی تھی۔

بڑی پس وپیش کے بعد 19 جولائی 1937ء کو کانگریس نے ممبئی صوبہ کی حکومت بنانے کی تیاری دکھائی۔کو پروزارت نے استعفیٰ دیا۔لجسلیٹیو کونسل کے سوائے امبیڈکر کے تمام ممبران نے حلف وفاداری لیتے وقت ہاتھوں میں گیتا کی مقدس کتاب لی لیبر لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے اپنی کارکردگی شروع کی۔ان کا خاندانی پس منظر ہی ایسا تھا کہ وہ مزدوروں کے مسائل سے اچھی طرح واقف تھے انہیں چاہنے والے اچھوت زیادہ تر ممبئی کی کپڑوں کی ملوں کے مزدور تھے،رشتہ دار بھی محنت کش طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

مقام پوائے باوڑی،ممبئی کامگار میدان ممبئی میں 30 مئی 1937ء کو مزدوروں کے ایک اجتماع سے مخاطب ہو کر کہا''صوبائی قانون ساز کونسل میں جو تمہارے نمائندے منتخب ہوئے ہیں وہ تمہارے مفاد کے تحفظ کیلئے ہمیشہ تیار ہیں۔ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ کسی وقتی مفاد کے لئے کانگریس سے ملکر تمہارے ساتھ بے ایمانی نہیں کرینگے ہمیں قومی مفاد بھی پیارا ہے۔اس لئے عوامی مسائل کے حل کیلئے ہم کسی سے بھی تعاون کرینگے۔لیجسلیٹیو کونسل میں پیش کرنے کیلئے بلوں کے مسودے ہمارے پاس تیار ہیں صرف وقت کا انتظار ہے۔''

مقام کنکاولی ضلع رتنا گری (علاقہ کوکن) 14/5/1938 کے علاقہ کے کاشتکاروں (Tenants) کے عظیم جلسہ کو آپ نے مخاطب کیا اور کہا'کھوتی بل'اگر نامنظور ہو جائے تو وہ جیل جانے کیلئے تیار ہیں وہ اس کے لئے ستیہ گرہ بھی کریں گے۔

علاقہ کوکن میں'کھوتی سسٹم'جاری تھا۔اراضی کے مالک انتہائی نامنصفانہ شرائط عائد کرکے آمدنی کا کثیر حصہ محنت کش کاشتکاروں سے وصول کرتے۔اس ظالمانہ نظام کے خلاف ہمیشہ آوازیں اٹھتیں مگر کسی موثر قانون کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس کھوتی طریقہ سے کاشتکار چھٹکارا نہیں پا رہے تھے۔ڈاکٹر امبیڈکر نے اس'کھوتی سسٹم'کے خلاف خاص مہم چلائی تھی۔کنکاولی کی سبھا میں کہا''ہماری لڑائی صالح اصولوں کے لئے ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ ملک کا اقتدار سیٹھ جی۔بھٹ جی،ساہوکار،زمین دار اور سرمایہ دار کانگریس کے پاس جانے کے بجائے محنت کش عوام

کے پاس جائے۔ یہی ہمارا ہدف ہے۔ مزید کہا گاندھی جی کی زندگی میں نے بچائی۔ گاندھی جی کی کانگریس کبھی بھی غریبوں کیلئے کام کرنے والی نہیں ہے۔ میں خود کبھی کانگریس میں نہیں جاؤں گا۔ گاندھی جی کے سامنے سبھاش چندر بوس، پنڈت جواہر لعل نہرو نے سر جھکائے مگر مجھ پر گاندھی جی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آج تک کانگریس صرف بھٹ جی اور سیٹھ جی کی مالی مدد پر زندہ ہے اس لئے کانگریس ان کی غلام ہے۔"

انتخابی وعدوں کے مطابق اسمبلی میں تین بل پیش کئے گئے (۱) کوکن میں رائج کھوتی نظام کو ختم کرنا (۲) ساہو کاری کو سرکاری ضوابط کے تحت لانا (۳) مہار وطن ایکٹ میں مناسب ترمیم، یہ تینوں قوانین عوامی بھلائی کیلئے تھے مگر کانگریس نے ان کی خوب مخالفت کی کیونکہ عوامی بھلائی کے کسی بھی ایکٹ کی کامیابی کا سہرا وہ ڈاکٹر امبیڈکر کے سر باندھنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اسمبلی میں جب کوئی بل پیش ہوتا تو اس پر ڈاکٹر امبیڈکر کی بحث اتنی مدلل ہوتی کہ مخالف بھی داد دیتے۔ ان کے معیاری بحث کرنے والا کونسل میں کوئی نہ تھا۔

ڈاکٹر امبیڈکر سب سی بڑی مخالف پارٹی کے قائد ہونے کی وجہ سے اپوزیشن کے قائد کی حیثیت سے بات کرتے اسلئے کانگریس والے ان کی مخالفت کرنا ضروری سمجھتے 17/9/1937 ادی دراوڑ نوجوانوں نے ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کیا۔ تقریر میں نوجوانوں کو کانگریس میں شرکت سے منع کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ اگر وہ کانگریس میں چلے گئے تو اچھوتوں کے دکھوں کو عوام کے سامنے کون لائے گا۔ نومبر کے آخر میں ان کے ایک قریبی ساتھی بھاؤ راؤ گائیکواڑ کے اعزاز میں ایک جلسہ رکھا گیا اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ 30 دسمبر کو پنڈھر پور، 4 دسمبر 1938ء کو شولا پور کے میونسپل کمیٹیوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کے اعزاز میں سپاس نامے پیش کئے۔ وہ ان میونسپلٹیوں کے ممبر نہ ہوتے ہوئے بھی ان کے اعزاز میں رکھے جلسوں کیلئے شکریہ ادا کیا۔ شولا پور میں کہ سکھوں کے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے اس بات کا تذکرہ کیا کہ اس دور کے مشہور صحافی آچاریہ آترے نے 'وندے ماترم' نامی ڈرامہ لکھ کر ان کے مذہب بدلنے کے فیصلہ کا مذاق اڑا رہا ہے۔ مگر مذہب بدلنے کا فیصلہ اٹل ہے جنوبی ہند میں ان کے ہم مذہب یعنی کرسچن مذہب تبدل

کر کے کرسچن بننے والوں سے وہی برتاؤ کرتے ہیں جو ان کے اچھوت ہونے کی حیثیت سے ہندو کرتے ہیں۔ کرسچن نہ بننے کی سمت شاید یہ ایک اشارہ ہو۔

ممبئی آ کر اسمبلی پر کاشتکاروں کے مورچہ کی قیادت کی اس مورچہ میں تھانہ، قلابہ، رتنا گری، ناسک، ساتارہ وغیرہ کے ہزاروں کاشتکار شریک رہے 'کھوتی طریقہ' ختم کرنے کیلئے نعرے لگائے گئے۔ مطالبات کی ایک فہرست چیف منسٹر کو دی اور قریب کے آزاد میدان میں جلسہ منعقد کر کے تقریر میں کہا" دنیا میں دو ہی طبقے ہیں ایک طبقہ ظلم کرنے والوں کا دوسرا طبقہ ظلم سہنے والوں کا۔"

لوکل باڈیز کے تعلق سے کانگریس کی جانب سے ایک بل اسمبلی میں پیش ہوا اس میں اچھوتوں کیلئے ہریجن کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی ڈاکٹر امبیڈکر کے قریبی ساتھی بھاؤ راؤ گائیکواڑ نے اس پر اعتراض کیا۔ انھوں نے کہا کہ کئی جلسوں میں اچھوتوں نے اس لفظ پر اعتراض کیا ہے۔ اسلئے اس بل میں لفظ 'ہریجن' استعمال کر کے اس کو قانونی حیثیت نہ دی جائے۔ اور بحث کے آخر میں کہا کہ اگر اچھوت 'ہری' کی اولاد ہیں تو کیا اونچی ذات والے راکشس ہیں؟ اگر سب کیلئے یہ لفظ استعمال ہو تو انہیں کوئی اعتراض نہیں مگر اس درستی کو منظور نہیں کیا گیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ اپنی طاقت کے بل پر ظلم کر رہی ہے یہ کہہ کر انھوں نے اسمبلی کی باقی کاروائی کا بائیکاٹ کیا۔ گجرات میں 'ہری' لفظ غلام کیلئے استعمال کیا جاتا ہے شاید ڈاکٹر امبیڈکر کو یہ معلوم تھا۔

13,12 فروری 1938 کو ریلوے کے اچھوت ملازمین کا ایک عظیم اجتماع منماڑ (ممبئی۔ دہلی ریلوے لائن پر مشہور جنکشن) میں ہوا تقریباً 20 ہزار مزدور شریک ہوئے۔ ایک طویل خطبہ صدارت انگریزی میں چھپا کر تقسیم کیا گیا۔ چونکہ مسائل ریلوے ملازمین کے تعلق سے تھے اور ریلوے میں زیادہ تر انگریز عہدیدار تھے اسلئے انگریزی زبان کے ذریعہ ان عہدہ داروں تک مسائل کو پہونچایا۔ مسائل نہ صرف عہدہ داروں تک بلکہ گورنر وزیر ریلوے وغیرہ کے گوش گذار کرنا بھی تھا۔ تقریر میں کہا" مزدوروں کو دو دشمنوں سے واسطہ ہے۔ (۱) براہمنزم (۲) سرمایہ داری۔ لفظ براہمنزم کی تشریح کرتے ہوئے کہا براہمنزم کے معنی صرف اقتدار اعزاز اور مفاد

پرستی نہیں اگر چہ اس کے معنی میں مساوات، بھائی چارگی اور آزادی کے اصولوں کی نفی کرنا، یہ تصور صرف براہمنوں تک محدود نہیں بلکہ یہ اس کے بانی ضرور ہیں۔ محکمۂ ریلوے کی مثال دیتے ہوئے کہا ایک اچھوت گینگ مین Gangman دن رات صرف گینگ مین کی حیثیت سے کام کرتا ہے اسے ترقی کے کوئی مواقع نہیں۔ اس کا تقرر کبھی پورٹر کی حیثیت سے بھی نہیں ہوتا کیونکہ بحیثیت پورٹر اسے ہمیشہ اسٹیشن ماسٹر کے مکان میں ملازم کی حیثیت سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اسٹیشن ماسٹر ہمیشہ عام طور پر اونچی ذات والا ہوتا ہے اسلئے وہ پورٹر سے گھریلو ملازم کی حیثیت سے اسکی خدمات حاصل نہیں کرسکتا، کیونکہ اس پورٹر کا اسٹیشن ماسٹر کے گھر میں داخلہ ہی ممنوع ہے۔ محکمۂ ریلوے میں ملازمت کیلئے کسی قابلیت کی ضرورت نہیں رہتی، ہزاروں کرسچن، برہمن، اینگلو انڈین جو نان میٹرک ہوتے ہیں کلرک کی حیثیت سے لئے جاتے ہیں۔ مگر کسی اچھوت، نان میٹرک کا کبھی کلرک کی جگہ پر تقرر نہیں کیا جاتا، ورکشاپ میں صرف قلی کی حیثیت سے لیا جاتا ہے جہاں زندگی بھر وہ قلی ہی رہتا ہے۔ اس طویل تقریر میں کیپٹل ازم، مارکسزم، ٹریڈ یونیزم وغیرہ بہت سارے مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ تقریر کے کچھ حصوں کے مراٹھی ترجمے میں تشریح کی تاکہ مزدور سمجھ سکیں۔ مزدوروں کے سامنے تقریر کیا تھی ایک عالمانہ مقالہ تھا۔

جلسہ گاہ میں نوجوان اچھوتوں کے اجتماع سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا تعلیم یافتہ مگر بدکردار شخص جانور کے مماثل ہے۔ اگر تعلیم یافتہ شخص کی تربیت غریب کے مفاد کے خلاف ہو تو یہ شخص سماج کیلئے آفت بنا رہتا ہے۔ ایسے تعلیم یافتہ شخص پر میں لعنت بھیجتا ہوں۔ تعلیم سے زیادہ کردار اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ نوجوانوں میں مذہب کے خلاف رجحان دیکھ کر افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے اس لئے اس نظریہ سے اتفاق نہیں کیا کہ مذہب افیون کی گولی ہے کہا۔ ''اگر مجھ میں کچھ اچھی باتیں ہیں اور مجھ سے کچھ اہم سماجی کام ہوئے ہیں تو وہ میرے مذہبی رجحانات کی وجہ سے ہی ہوئے ہیں مجھے مذہب چاہیے نہ کہ مذہب کے نام سے ڈھونگ۔

ممبئی لجسلٹیو کونسل میں 39-1938ء کے بجٹ پر اتنی موثر تقریر کی کہ تمام ممبران حیرت زدہ رہ گئے۔ مختلف محکموں کو الاٹ شدہ رقم کا تجزیہ کیا۔ دوسرے ممالک دوسری ریاستوں

کے بجٹ کے حوالے دیئے۔فی کس آمدنی کے موضوع پر بحث سب کچھ ان کی تقریر کے موضوعات رہے۔جب بھی زبان کھولتے اپنی لیاقت کا سکہ جماتے۔ممبئی اسمبلی کی تمام بحثوں میں ان کی کارکردگی بے مثال رہتی حکومت مہاراشٹر نے ان کی تحریروں پر مشتمل جو سیریز شائع کی ہے ان میں Dr. Baba Saheb Ambedkar. Speech and Writings کی جلد نمبر (Vol.II) میں ان کی کارکردگی کی پوری روداد شائع ہوئی ہے۔

لیجسلیٹیو کونسل کی کاروائی میں حصہ لیتے رہے اور مقدموں کی پیروی بھی جاری تھی۔1938ء کے ابتدائی مہینوں میں چھتیس گڑھ کے ستنامی گرو کے ایک مقدمہ میں ناگپور کی عدالتی کاروائیوں سے فراغت کے بعد ناگپور اور کامٹی (نزد ناگپور) میں ان کے اعزاز میں عظیم الشان جلسے ہوئے۔ جوں ہی دلت عوام کو خبر ملتی کہ ڈاکٹر امبیڈ کر شہر میں آئے ہوئے تو وہ دیوانہ وار جمع ہوتے۔

31 جولائی 1937ء کو ایک مقدمہ کے سلسلے میں دھولیہ جارہے تھے۔چالیس گاؤں اسٹیشن (ممبئی دہلی ریلوے لائن پر) پر ہزاروں چاہنے والے جمع ہو گئے۔امبیڈ کر کون ہیں؟' 'ہمارے بادشاہ ہیں۔'' کے نعروں سے فضا گونج اٹھی،اپنے اعزاز میں منعقد جلسہ میں انہوں نے کہا' 'کانگریس کی تشکیل شدہ وزارتوں کے ذریعہ کس طرح برہمن میرے سامنے آئے ہیں۔تمام وزیر برہمن ہیں ایک بھی اچھوت ان کی کسی بھی وزارت میں موجود نہیں۔''ممبئی کانگریس کی حکومت اقتدار میں آنے کے باوجود یہ لاء کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔مئی 1938ء کو کوکن علاقہ کا دورہ کیا۔ہر جگہ اپنے خیالات کا اظہار کیا،گاندھی جی کے بارے میں ہمیشہ سخت الفاظ استعمال کرتے،'چترا' نامی ہفتہ وار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا''منہ میں رام بغل میں چھری رکھنے والے کو اگر 'مہاتما' کہہ سکتے ہیں تو موہن داس 'مہاتما' ہیں۔''

ستمبر 1938ء کو ممبئی لجسلیٹیو کونسل میں صنعتی تنازعہ Industrial Dispute سے متعلق ایک بل برسر اقتدار پارٹی کی طرف سے زیر بحث آیا۔جس میں مزدوروں کی ہڑتال پر پابندی عائد کی گئی تھی۔اس بل کے ذریعہ ہڑتال کے دوران پولس کا استعمال،کارخانہ داروں کا تحفظ، مزدوروں کے حقوق سے متعلق بہت سارے مسائل پر اسمبلی میں بحث ہوئی۔ڈاکٹر امبیڈ کر اور

جمنا داس مہتا نے اس بل کے کئی دفعات کی مخالفت کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا کہنا تھا کہ ہڑتال کرنا مزدوروں کا دیوانی حق ہے نہ کہ فوجداری جرم کانگریس کو اگر ایسا لگتا ہے کہ آزادی ان کا بنیادی حق ہے تو ہڑتال کرنا بھی مزدوروں کو بنیادی حق ہے۔ دوران بحث کے۔ ایم۔ منشی اور ڈاکٹر امبیڈکر میں سخت کلامی ہوئی۔ اکثریت کی طاقت پر بل منظور ہوا۔ اس بل کے پاس ہونے پر اسے کالا قانون کہا گیا ہر طرف سے مخالفت ہونے لگی، اور ناپسندیدگی کا اظہار ہوا۔

ممبئی کی گرنی کامگار یونین اور ڈاکٹر امبیڈکر کی آزاد لیبر پارٹی کی طرف سے 7 ستمبر 1938ء کو ایک دن کی ہڑتال کا اعلان کیا گیا۔ مزید 60 مزدور یونین نے اسکی تائید کی۔ کانگریس کی طرف سے مخالف میں زبردست پرچار شروع ہوا۔ ہڑتال سے ایک دن قبل طے شدہ ہڑتال کو عمل میں لانے کا طریقہ کار اور دوسرے مسائل پر غور کرنے کیلئے ایک میٹنگ ہوئی جس میں ڈاکٹر امبیڈکر کے علاوہ پرولیکر Parulekar، ڈانگے Dange، نیم کر Neemkar، میرج کر Mirajkar جیسے مشہور مزدور قائدین حاضر تھے۔ تمام مزدور قائدین کی رہنمائی میں ایک عظیم جلوس نکالنا طے ہوا۔ تمام مزدور یونین اور تنظیموں کو یہ پیغام دیا گیا کہ وہ اس قانون کی مخالفت کریں۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے معاونین کے ساتھ ہڑتال کامیاب کروانے کیلئے باضابطہ اسکیم بنائی۔ تمام علاقوں میں الگ الگ کمیٹیاں بنائی گئیں۔ کانگریس کے مشہور قائد ایس۔ کے۔ پاٹیل (جوساکا پاٹیل کے نام سے مشہور تھے) ہڑتال کی مخالفت میں میدان میں اترے، مزدور علاقوں میں مخالف ہڑتال مہم چلائی پولس نے ایک بڑی پولس فورس ڈیوٹی پر لگا دی۔ ہڑتال کو کامیاب بنانے کیلئے اگرچہ تمام مزدور تنظیمیں ایک پلیٹ فارم پر آگئیں تھیں مگر پوری تحریک کے روح رواں ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کی آزاد لیبر پارٹی تھی، ہڑتال سے قبل تقریباً 80 ہزار مزدوروں کے اجتماع کو مزدور قائدین نے مخاطب کیا۔ 6 نومبر کو شام میں مزدور قائدین کی میٹنگ ہوئی۔ ہڑتال کی کامیابی کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اس کمیٹی نے ایک لائحہ عمل بنایا ان تیاریوں یں چوٹی کے تمام مزدور قائد بشمول اندولعل یاگنک Indulal Yagnik، مرج کر Mirjkar کامریڈ ڈانگے Comarde Dange وغیرہ معاون تھے۔ 7 نومبر کی صبح پولس

حرکت میں آ گئی، تمام کارخانے بند ہو گئے ۔کانگریس کے حمایتی اخباروں اور سرمایہ داروں نے ہڑتال کو ناکام بنانے اور اسکی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ۔ان کوششوں کے پس پشت یہ مقصد تھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کی اہمیت مزدور طبقہ میں بڑھ نہ جائے ۔مزدور علاقوں میں پتھراؤ ہوا کچھ پولس والے زخمی ہوئے کچھ جگہوں پر پولس کو فائرنگ کرنا پڑا۔ دو لوگ زخمی ہوئے ۔وزیر داخلہ K.M. Munshi کی کار جس میں سردار ولبھ بھائی پٹیل موجود تھے پتھراؤ ہوا شیشے ٹوٹے مگر کوئی زخمی نہیں ہوا۔شہر بھر میں مظاہرے ہوئے ۔کل 72 لوگ زخمی ہوئے ۔مزدور قائدین کے اعلان پر مہاراشٹر کے دوسرے صنعتی شہروں میں بھی ہڑتالیں ہوئیں ۔شام میں کامگار میدان میں مزدوروں کا اجتماع ہوا۔ تمام چوٹی کے قائدین نے خطاب کیا۔ 'کالے قانون' اور وزیر داخلہ کے ایم منشی کے پتلے جلائے گئے ۔ہڑتال کی کامیابی پر مزدوروں کو مبارکباد دی گئی ۔

اس ہڑتال سے دو چیزیں سامنے آئیں ۔ڈاکٹر امبیڈکر ایک منظم مزدور قائد کی طرح ابھرے دوسرے یہ کہ کمیونسٹ پارٹی کے قائدین کے قریب ہوئے اگر چہ انہوں نے اس آزاد لیبر پارٹی کی انفرادیت کو برقرار رکھا۔

دسمبر 1938ء کے آخری ہفتہ میں نظام حیدر آباد کے زیر تسلط ریاست حیدر آباد کے شہر اورنگ آباد میں ضلع دلت طبقہ کی پریشد منعقد ہوئی ۔جس کی صدارت ڈاکٹر امبیڈکر نے کی ۔اپنی تقریر میں ان مسائل کا تذکرہ کیا جو حیدر آباد ریاست کے دلتوں کو درپیش تھے اس میں خاص طور پر دلتوں پر ہونے والے مظالم انہیں مسلمان بنانے کی کوششیں، مسلمانوں کی مدد سے برہمن کس طرح اچھوتوں کو مندروں میں داخلہ سے منع کرتے ہیں بہت ساری باتوں کا تذکرہ تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر اب سیاست میں اتنا الجھ چکے تھے کہ تبدیلی مذہب کی بات اب کم ہونے لگی تھی ۔

1939ء کے آغاز میں 'مہاڑ' شہر میں کاشت کاروں کی پریشد کا انعقاد ہوا۔ 7 ہزار کاشتکار کی حاضری رہی ڈاکٹر امبیڈکر نے تقریر میں کہا ''7 صوبوں میں کانگریس کی حکومت ہے ۔بنگال اور پنجاب میں غیر کانگریسی (مسلم لیگ) حکومتیں ہیں کانگریس ان کو گرانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے ۔ممبئی میں اقتدار پر آ کر 18 ماہ ہو گئے، اب تک کچھ نہیں کیا۔

آج کل ہندو مسلمان تنازعہ سب سے اہم مسئلہ بن گیا ہے مگر آزاد لیبر پارٹی کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم تو صرف اپنے پیٹ کے مسئلہ سے ہی پریشان رہتے ہیں۔ ملک میں 8,9, کروڑ مسلمان ہیں مگر یہ کوئی مزدوری کرنے والے غلام نہیں تھے۔ سوائے مہاراشٹر کے ملک کے باقی حصوں پر اکبر، اورنگ زیب اور دوسرے مسلمان بادشاہوں کی حکومت تھی۔ مسلمانوں کی ساری کوششیں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کیلئے ہیں ہندوستان کے تین چوتھائی حصہ پر مسلمان قابض تھے۔ تم لوگ اس خیال میں مت رہو کہ ملک کے 9 کروڑ مسلمانوں سے اپنا تعلق ہے ہندوستان سے باہر بھی افغانستان، عراق، ایران، ترکستان، مصر کی طاقت اگر ضرورت پڑے تو ان مسلمانوں کی پشت پر ہے۔ مسلمان کہتے ہیں ''ایک بار پھر پانی پت ہو جانے دو'' ہندو اور مسلمانوں کا ایک ہونا ضروری ہے۔ کانگریس جس کے ہاتھوں میں اقتدار ہے یہ اسکی ذمہ داری ہے۔ ہندو مسلمان میں جو لڑائی ہو رہی ہے۔ اس کیلئے کانگریس نے کیا کیا؟ جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا؟

پچھلے 7,5 دن قبل پٹنہ میں مسلمانوں کا ایک جلسہ ہوا۔ خبر تھی کہ مسلمانوں نے اعلان کیا ہے کہ ہندوؤں کے خلاف ستیہ گرہ کی جائے مگر مسلمانوں کی ستیہ گرہ کوئی گاندھی جی کی ستیہ گرہ نہیں ہے۔ ہندوستان توڑ نے یہ کوئی مسلمان بہو جن کا مطالبہ نہیں ہے۔ ان کا مطالبہ ہے مسلمانوں کا وزیر لیگ کا ہونا چاہئے جب کانگریس نے کچھ پراونس میں مسلمان وزیر بنائے تو ممبئی میں لیگ کا کوئی وزیر کیوں نہیں؟

دوسرا مسئلہ سامراج شاہی کا ہے۔ انگریزی سامراج کے چلے جانے پر بھی یہاں کے گجراتی ساہوکار، کھوت، گرنی کے مالک جانے والے نہیں ہیں وہ تمہارا خون چوسنے والے ہیں۔ میری خواہش یہ ہے کہ یہاں سے سامراج شاہی چلی جائے، مگر کانگریس کیا کرتی ہے۔ حکومت برطانیہ راج واڑوں کے ہاتھوں میں ہماری گردنیں دینے کی تیاری میں ہے۔ انگریز سرکار ہم پر وفاقی سرکار لادنے والی ہے۔ اسکے خلاف کانگریس کیا کر رہی ہے؟ ------------

گاندھی ہندوستان کو سامراج شاہی بنانے والے ہیں؟ اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ ممبئی صوبہ کی حکومت کی آمدنی زیادہ تر گجرات کے علاقہ پر صرف ہوتی ہے۔ (اس وقت گجرات، سندھ کا علاقہ

ممبئی پراونس میں شامل تھا)۔اپنی تقریر میں انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا۔ولبھ بھائی پٹیل نے ممبئی کے وزیر اعلیٰ کھیر (Kher) کی ایک جلسہ میں بے عزتی کی تھی۔تقریر میں ولبھ بھائی پٹیل نے کہا تھا کہ میں ان کا استقبال ممبئی کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے نہیں بلکہ گاندھی جی کے بھکت کی حیثیت سے کرتا ہوں۔ایسا کہہ کر انہوں نے مہاراشٹر کی بے عزتی کی ہے اس کا بدلہ کون لے گا۔ اگر میرے بارے میں اس قسم کا جملہ کہتے تو میں ولبھ بھائی پٹیل کو۔۔۔۔۔(چھاپنے کے لائق نہیں) میں ان کے (ولبھ بھائی پٹیل کے) جلسوں میں جاؤں گا۔ہمت ہو تو وہ میرے جلسوں میں آئیں۔"

پونہ میں معاشیات اور سیاسیات کے مطالعہ کا ایک قدیم ادارہ ہے جس کا نام گوکھلے انسٹی ٹیوٹ آف پالیٹیکل سائنس اینڈ اکنامکس) ہے۔ 30 جنوری 1939ء کو اس ادارہ کے یوم یاسیس پر ڈاکٹر امبیڈکر کو مخاطب کرنے بلایا گیا تھا۔انہوں نے 3 گھنٹے انتہائی علمی او پُر مغز تقریر کی اور ہندوستانیوں کو اشارہ دیا کہ برطانوی حکومت،حکومت ہند کے 1935ء کے ایکٹ کی مدد سے ایک وفاقی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔اس تصور کے خلاف انہوں نے موقف اختیار کرتے ہوئے وارننگ دی ہے کہ یہ ملک کے مفاد کے خلاف ہے۔انہوں نے کئی موضوع چھیڑے۔کئی خرابیوں کی طرف نشاندہی کی۔مثلاً یہاں کی دیسی ریاستوں کی نوعیت،ان کے مرکز سے تعلقات عام (بہوجن) شہریوں کا مرکزی حکومت سے تعلق وغیرہ پر غور کیا جائے تو کئی خامیاں نظر آتی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں وفاق بنانے سے مختلف راجے۔مہاراجے۔نوابوں کی ریاست میں لوک شاہی شروع ہوگی۔ملک میں اتحاد ہوگا۔اس نئے طرز حکومت سے فائدہ ہوگا۔مگر جنھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء پڑھا ہے اس سے انہیں معلوم ہوتا کہ ملک میں کبھی اتحاد نپیدا نہیں ہوگا۔کانگریس والے ڈومینین اسٹیٹس (Dominion Status) کی بات کر رہے ہیں مگر وفاق بنایا جائے تو یہ صورت بھی باقی نہیں رہے گی۔مکمل آزادی کی بات دور رہی ملک میں کل 650 ریاستیں ہیں جس میں تقریباً 498 کو وفاق میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔اگر اتنی بڑی تعداد باہر رہ جائے تو پھر وفاق کیسے رہ سکتا ہے۔۔۔۔۔غریبوں کا برا حال ہوگا۔وغیرہ

وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔

فروری 1939ء سے گاندھی جی کے وطن راجکوٹ کی دیسی ریاست میں سیاسی اصلاحات کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔اس وقت گاندھی جی اور سبھاش چندر بوس کے درمیان اختلافات اپنے عروج پر تھے۔اصلاحات کیلئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس میں اچھوتوں کو شامل کئے جانے کیلئے اچھوتوں کی طرف سے مطالبہ ہو رہا تھا۔راج کوٹ کے اچھوتوں نے اس ضمن میں ڈاکٹر امبیڈکر کو ممبئی سے بلایا۔اپریل 1939 کو وہ راج کوٹ گئے۔ وہاں کے راجہ سے ملاقات کی۔ایک عظیم الشان جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے مطالبہ کیا کہ اچھوتوں کو نمائندگی ملنی چاہئے۔گاندھی جی سے اس ضمن میں ملاقات بھی ہوئی مگر ان کی علالت کی وجہ سے تفصیلی طور پر بات چیت نہ ہو سکی۔ڈاکٹر امبیڈکر نے وائسرائے سے درخواست کی کہ وہ راج کوٹ کے معاملہ میں خود مداخلت کریں۔

مہاراشٹر میں چلائی جانے والی تحریکوں میں مہاراشٹر کے 'مہار' طبقہ نے انکا ہمیشہ ساتھ دیا۔لیکن مہار طبقہ کے روایتی مخالف ذاتوں مثلاً 'مانگ'، 'چمار' ڈھور وغیرہ نے ان کی ہمیشہ مخالفت کی۔ڈاکٹر امبیڈکر کی عین خواہش تھی کہ یہ طبقات بھی ساتھ دیں کیونکہ تمام اچھوتوں کے مفادات مشترکہ ہیں تبدیلی مذہب کے مسئلہ پر ان کے بہت سے قریبی ساتھی بھی ان سے دور ہو گئے تھے۔ ان میں سیتارام شیوتر کر اور دتّو باقابل ذکر ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے کبھی مختلف ذاتوں میں کوئی تفریق نہیں کی مگر ان کے مخالف لوگ ان پر ہمیشہ الزام لگاتے رہے یہ چونکہ خود 'مہار' ہیں اسلئے وہ صرف اپنی کمیونٹی کو فروغ دے رہے ہیں۔یہاں تک کہ آزاد لیبر پارٹی کا قیام بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔کانگریس نے بھی اس پالیسی کو اپنایا۔مختلف الیکشن کے موقعوں پر ڈاکٹر امبیڈکر کے امیدواروں کے خلاف دوسری ذات کے امیدواروں کو مقابلہ میں لایا جاتا اور ڈاکٹر صاحب میں اور دوسری ذات والوں کے درمیان دراڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی۔ڈاکٹر امبیڈکر پر یہ الزام تھا کہ مہار کمیونٹی ہی کو زیادہ نمائندگی دی جاتی ہے۔مگر انہوں نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "لیبر پارٹی میں" اسی کمیونٹی کی اکثریت ہے اسلئے نمائندگی بھی اسی کمیونٹی کو ملے گی۔مندرجہ بالا خیالات کا اظہار

انہوں نے چمار سماج کے زیر اہتمام منعقد کردہ جلسہ میں کیا۔ جو جولائی 1939ء میں ہوا۔

یوم نجات Day of Deliverance

ستمبر 1939 میں پولینڈ کے مسئلہ پر یوروپ میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ برطانیہ کے مدمقابل جرمنی، اور اٹلی تھے۔ حکومت برطانیہ نے جنگ کی اس نازک گھڑی میں ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں سے ہر قسم کی تائید اور مدد کا مطالبہ کیا کانگریس پارٹی نے بھی مطالبہ کیا کہ ہندوستان کے بارے میں بھی حکومت برطانیہ اپنی پالیسی کا اعلان کرے۔

حکومت برطانیہ چاہتی تھی کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں اپنی تائید کا اور تعاون کا پہلے اعلان کرے ملک کی آزادی کے بارے میں بعد میں فیصلہ کیا جائے گا۔ کانگریس کی اس پالیسی سے ملک میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہوگئی تھی۔ وائسرائے لنلتھگو Linlithgo نے ہر طبقہ، ہر سیاسی پارٹی کے جملہ 92 بھارتی قائدین سے اکتوبر 1939ء سے ملاقاتیں کیں اور یہ سلسلہ اکتوبر کے پہلے دو ہفتوں تک جاری رہا۔ گاندھی جی، محمد علی جناح، جواہر لعل نہرو، ساورکر، ولبھ بھائی پٹیل، راجندر پرساد، ڈاکٹر امبیڈکر اس میں شامل تھے۔ 9 اکتوبر کو ڈاکٹر امبیڈکر وائسرائے سے ملے۔ اور اچھوتوں کے موقف سے وائسرائے کو واقف کرایا۔ ساتھ ہی ساتھ 'پونہ پیکٹ' کے غیر اطمینان بخش نتائج کے بارے میں شکایت کی۔ مجوزہ سیاسی اصلاحات کے بارے میں یہ طے کیا کہ بعد میں کسی مناسب موقع پر گفتگو کی جائے گی۔

مختلف قائدین سے ملاقات اور گفتگو کے بعد وائسرائے نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس کے ذریعہ برطانوی حکومت کی عوام کے تعلق مختلف ممکنہ سیاسی اصلاحات کی صراحت کی گئی۔ اس بات کی بھی تشریح کی گئی کہ جنگ کے اور اہم سیاسی قائدین سے گفتگو کے بعد ہی ان کی رضامندی سے انتظامی قوانین میں درستی کی جائے گی۔ اور کسی بھی اہم انتظامی امور اور قوانین میں اصلاحات اقلیتوں کی رضامندی کے بغیر نہیں کئے جائیں۔ یہ بھی طے ہوا کہ مختلف سیاسی پارٹیوں پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی بھی دوران جنگ تشکیل دی جائے گی۔

وائسرائے کے اس اعلان سے کانگریس پارٹی ناراض ہوگئی۔ اس دور میں برطانوی ہند کی مدد بھی برطانوی سامراج کی مدد متصور ہوگی۔ اس لئے ہندوستان میں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کو جہاں کانگریس کا اقتدار تھا حکم دیا کہ نومبر میں مستعفی ہوجائیں۔ 1935 کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے مطابق مرکزی حکومت نے ان ریاستوں میں حکومت چلانے کے اختیارات صوبائی گورنروں کو دیئے جن کی مدد کیلئے عہدہ داروں کی مشاورتی کمیٹیاں بنائی گئی۔ اسطرح ہر صوبہ کی حکومت دوبارہ حکومت برطانیہ کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ساتوں صوبوں کی کانگریسی حکومتوں کے استعفیٰ کے ساتھ محمد علی جناح نے اعلان جاری کیا اور بتایا کہ کس کس طرح ان کانگریسی حکومتوں کے دور میں مسلمانوں پر ظلم ہوا۔ اسلئے کانگریسی حکومتوں کے برخاست ہونے کی خوشی میں 13 دسمبر 1939 کو انہوں نے تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ 22 دسمبر کو 'یوم نجات' Day of Deliverance کے طور پر منائیں۔ جناح صاحب کے اس اعلان پر مختلف حلقوں کی طرف سے تنقیدیں بھی ہوتی رہیں انہوں نے 14 دسمبر 1939 کے اخباری روزنامہ ٹائمز آف انڈیا میں ایک بیان کے ذریعہ شکایات اور مظالم کا ذکر کیا۔ جو کانگریس کے زیر اقتدار صوبوں میں مسلمانوں پر ہوئے ان میں خاص طور پر اس بات کا تذکرہ تھا کہ مسلمانوں کو 'وندے ماترم' گیت پڑھنے پر مجبور کیا جاتا۔ کانگریسی جھنڈے کا احترام کروانا۔ اردو کے بجائے مسلمانوں پر ہندی لادنے کی کوششیں شامل تھیں۔ ان مظالم کی تحقیقات کروانے وائسرائے سے ایک رائل کمیشن مقرر کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے محمد علی جناح کی طرف سے 'یوم نجات' منانے کے فیصلہ کی تائید کی۔ جناح صاحب کے اس فیصلہ کو مخالف ہندو رنگ دینے کی کوشش کی گئی۔ مگر مسلم لیگ نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ یہ ایک سیاسی فیصلہ ہے نہ کہ مذہبی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے علاوہ مدراس کے مشہور اچھوت قائد ایم سی راجہ نے بھی جناح صاحب کے اس اقدام کو جائز قرار دیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ بھی کہا کہ کانگریس کے دور میں مسلمانوں پر ہونے والے اگر 5 واقعات ہوں تو وہ اچھوتوں پر ہونے والے 100 واقعات گنا سکتے ہیں۔

'یوم نجات' کے سلسلے میں بھنڈی بازار ممبئی میں مسلمانوں نے ایک جلسہ کا انعقاد کیا۔ تقریباً 60 ہزار افراد جمع تھے۔ اس جلسہ میں ڈاکٹر امبیڈکر کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اس جلسہ میں انہوں نے کانگریس کی پالیسی پر سخت تنقید کی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے دہلی سے بھی اپنا اخباری بیان شائع کیا۔ کہا ''کانگریس اور گاندھی غیر کانگریسی اشخاص اور پارٹیوں کے بارے میں جب تک سوچنے کا تکبرانہ انداز نہیں بدلتے اس وقت تک اقلیتوں کے مسائل حل ہو ہی نہیں سکتے۔ دیش بھکتی کوئی کانگریس کی میراث نہیں ہے کانگریس سے اختلاف کرنے کا سب کو حق ہے میرا اس بات پر یقین نہیں کہ کانگریس کے دور حکومت میں مسلمانوں کو ستایا جاتا ہے۔ ان پر کسی قسم کا ظلم ہوتا ہے۔ دوسری اقلیتوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حکومت کے کاروبار میں حق ملنا چاہئے۔ آخر میں کہا ''اگر بھارت کی تقسیم کا مطالبہ مسلمانون کے ذہن نشین ہو گیا تو سمجھ لو ملک کے متحد ہونے کی امید ختم ہو گئی۔'' کہا دلت طبقہ نے دوسرا مذہب اختیار کیا تو اس کی ذمہ داری کانگریس پر رہے گی۔''

ڈاکٹر امبیڈکر سے جب ٹائمز آف انڈیا کے نمائندے نے جناح صاحب کے یوم نجات کے تعلق سے رد عمل جاننا چاہا تو انہوں نے کہا ''میں نے جب جناح کے یوم نجات کے بارے میں پڑھا تو مجھے شرم محسوس ہوئی کہ انہوں نے مجھ سے پہلے ہی بازی مار لی ہے میں جن جذبات جس زبان میں اظہار کرنا چاہتا تھا وہ جناح سے بھی شدید ہو سکتے تھے۔''

اچھوتوں کے مسائل جاننے کیلئے اکتوبر 1939 کے تیسرے ہفتہ میں پنڈت جواہر لعل نہرو نے ڈاکٹر امبیڈکر سے دو دن گفتگو کی یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ خانگی محفلوں میں پنڈت نہرو، ڈاکٹر امبیڈکر کو چوتھی جماعت کالڑ کا کہتے تھے۔ بعد میں ممبئی صوبہ کے کانگریس کے صدر بھولا بھائی دیسائی کے بنگلہ پر ڈاکٹر امبیڈکر کی کانگریسی قائدین سے 3,4 دن گفتگو رہی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے خیالات گاندھی جی تک پہونچانے وردھا سے مہادیو دیسائی آئے کانگریس کی حکومتوں کے استعفیٰ سے پیدا ہونے والے حالات تک ہی گفتگو محدود رہی۔

مہاراشٹر کے اچھوت ہر سال 19 مارچ کو یوم آزادی منا رہے تھے کیونکہ اسی دن

1928 میں اچھوتوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی قیادت میں مہاڑ کے چودار تالاب کا پانی پیا تھا۔
19 مارچ 1939 کو ڈاکٹر امبیڈکر مہاڑ گئے تھے۔ 8,10 ہزار افراد کی موجودگی میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا ''ہندوستانی عوام نے سیاست پر پوری طاقت مرکوز کی ہے سماجی اور معاشی مسائل کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ ہندو سماج کیلئے اب وقت آگیا ہے کہ قدیم سماجی تشکیل کو توڑ کر ایک نئی عصری سوچ وفکر پر سماج کی دوبارہ تشکیل کرے۔'' اس دن 'مہاڑ' کی میونسپل کونسل نے ڈاکٹر امبیڈکر کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ 25 دسمبر 1939 کو بیلگام (حال کرناٹک) میں مسلم لیگ کی طرف سے جناح صاحب کا یوم پیدائش منایا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر امبیڈکر کو بھی دعوت دی گئی۔ جلسہ کی صدارت مولانا قطب الدین احمد نے کی اس موقع پر تقریباً 3 ہزار افراد حاضر جلسہ رہے۔ جب صدر جلسہ نے ڈاکٹر امبیڈکر کو تقریر کرنے کی دعوت دی تو تالیوں کی گونج میں یہ کھڑے رہے اور کہا ''صدر صاحب اور مسلمان بھائیو، میرا خیال تھا مجھے تقریر کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی لیکن صدر صاحب نے چونکہ مجھے دعوت دی ہے اسلئے میں انہیں ناامید کرنا نامناسب سمجھتا ہوں۔

اپنی تقریر میں کہا کہ'' آپ لوگ آج اپنے قائد جناح صاحب کا یوم پیدائش منانے جمع ہوئے ہیں۔ میرا اور ان کا پیشہ ایک ہے۔ ہم دونوں بیرسٹر ہیں۔ گول میز کانفرنس میں ہم دونوں نے برابری سے کام کیا ہے۔ ان پر کانگریس کا جتنا غصہ ہے ان سے زیادہ مجھ پر ہے۔ بیرسٹر جناح صاحب سے مجھے جو تجربہ ہوا ہے وہ یہ کہ وہ دوسروں کے اثرات و دباؤ میں نہ جانے والے مسلمان قائدین میں پیش پیش ہیں۔ یہ کبھی پیسوں سے خریدے نہیں جاسکتے۔ انہیں خریدنا ناممکن ہے۔ ان کی بے لوثی سے میں ان کی بہت قدر کرتا ہوں۔ اس موقع پر مجھے سیاست پر مسلمانوں سے دو باتیں کرنی ہیں، اور یہ بے موقع ہے ایسا بھی میں تصور نہیں کرتا۔ مسلمانوں کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہے کہ وہ ہندی ہیں۔ اس ملک میں ہی تمھارا جنم ہوا اور اسی میں تمہیں مرنا ہے۔ یہ ایک یقینی امر ہے۔ اپنا ملک آزاد ہوا تو آپ بھی آزاد ہوں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے اسلئے آپ آزادی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ یہ صاف ہے کہ آپ لوگوں کی ہمیشہ یہ پالیسی رہے گی۔ کچھ مسلمانوں کا ایسا

کہنا ہے کہ یہ اپنا ملک نہیں بلکہ افغانستان، عربستان، ترکی وغیرہ ہمارے ملک ہیں۔لیکن میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ افغانستان، عربستان، ترکی سے لڑائی ہو تب کس کی طرف داری کروگے۔ ہندوستان کی یا غیر ملک کی؟ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہندوستان کی آزادی سب کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری آپ پوری نہیں کریں گے تو ہندوستان کے عوام کا آپ پر اعتماد نہیں رہے گا۔ یہ مجھے کہنے کی ضرورت نہیں۔"

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا تمام ہندوؤں سے شکایت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کی یہ بڑی غلطی ہے۔ یہاں آنے پر مجھے معلوم ہوا کہ مراٹھا اور لنگایت برہمنوں کے خلاف ہیں، ان لوگوں میں آپس میں بات چیت بھی نہیں ہے۔ لنگایت، مراٹھا، اور راچھوت سب پسماندہ ہیں۔ اسلئے ان سارے دکھی لوگوں کے آپس میں اتحاد اور تعاون پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں آپسی مفاد ہے۔ 1937 سے قبل ممبئی سرکار میں لنگایت، مراٹھا اور مسلمان وزیر موجود تھے بغیر اختلاف کے کام کرتے تھے لیکن آج تم لوگوں میں اتحاد و اتفاق کیوں نہیں؟ اپنے مفاد کی خاطر تم الگ الگ تنظیمیں ذاتوں کی بنیاد پر بنا سکتے ہیں تب بھی سیاسی میدان میں آپ لوگ جب تک اتحاد نہیں کریں گے۔ اس وقت تک آپ لوگوں کا فائدہ نہیں ہوگا۔ مینڈک کتنی بھی پھول جائے وہ بیل نہیں بن سکتی۔ یہی صورت ذاتوں کی بنیادوں پر بنائی گئی تنظیموں کی ہے۔ صوبائی اسمبلی میں مسلمانوں کے تیس ممبر ہیں۔ مسلم سماج اگر دوسرے سماجوں سے الگ رہ کر کام کرے تو ان ممبروں کی تعداد 30 سے 31 نہیں ہوگی۔ یہ تیس مسلمان نمائندے دوسرے سماجوں سے علیحدہ رہ کر جتنا بھی شور مچائیں دلت سماج کا اور پسماندہ سماج کا کچھ بگڑنے والا نہیں اسلئے مسلمان نمائندوں کو دوسروں چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ یہ میری درخواست ہے کیونکہ اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔

کار حادثہ

دسمبر 1939 کے آخری دنوں میں ایک مقدمہ کے سلسلے میں ڈاکٹر امبیڈکر اپنی کار

میں کولھاپور آئے ہوئے تھے۔ دوستوں اور چاہنے والوں کے اصرار پر 3,4 دن کولھاپور کے گیسٹ ہاؤس میں انہوں نے قیام کیا۔ مخالف برہمن قائدین سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ کولھاپور سے بروز بدھ مطابق 3 جنوری 1940 کراڈ جانے کیلئے نکلے۔ اس دن کراڈ شہر کی میونسپل کونسل ان کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد کررہی تھی کراڈ کے قریب ایک موڑ پر ڈرائیور نے بریک لگایا۔ یہ اچھل کر کار سے باہر گر پڑے۔ ڈرائیور اور ڈاکٹر صاحب دونوں زخمی ہوئے ان کے سر پر چوٹ لگی تھی۔ فوراً دواخانہ میں شریک کیا گیا مرہم پٹی کی گئی ڈاکٹر صاحب کے منع کرنے کے باوجود میونسپل کونسل کے جلسہ میں حاضر رہے۔ ان کی تقریر سننے ہزاروں لوگ جلسہ میں شریک تھے۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد انہیں بخار آیا تھا۔ اسی حالت میں پونہ پہنچ گئے جہاں کار کے ہونے والے حادثہ کی اطلاع پہونچ چکی تھی۔ ان کے ہزاروں چاہنے والے عیادت کیلئے آئے۔ مکمل صحت کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

فروری 1940 میں ممبئی کے ایک ہفت روزہ 'آشا پرموذ' کو انٹرویو دیا۔ جو 21 اپریل 1940 کو شائع ہوا۔ دوران انٹرویو کچھ دلچسپ باتیں کہیں۔ کہا کہ ''انہیں سیاست سے سخت نفرت ہے۔'' بیوقوفی سے لکھی ہوئی اگر کوئی کتاب ہے تو وہ ''گیتا'' ہے۔ It is an Irresponsible book of ethics. انٹرویو کے ایک سوال کے جواب میں کہا ''بودھ مذہب کے زوال کے بعد گیتا کو اہمیت حاصل ہوئی۔'' بودھ مذہب کے زوال کی وجہ بتاتے ہوئے کہا ''اسکی وجہ یہ تھی کہ اس مذہب سے برہمنوں کو زبردست اختلاف تھا ان کی (برہمنوں کی) خواہش تھی کہ جتنا جلد ممکن ہو بودھ مذہب ختم ہوجائے، کیونکہ بودھ مذہب میں دیئے گئے آزادی اور مساوات کے اصول برہمنوں کو پسند نہیں تھے۔ انہیں خوف تھا کہ آزادی اور مساوات کا دور شروع ہوجائے تو سماج میں ان کا مقام باقی نہیں رہے گا۔'' ڈاکٹر امبیڈکر سے پوچھا گیا کہ برہمن اقلیت میں ہوتے ہوئے بہوجنوں کو مات دینے میں کس طرح کامیاب ہوئے۔ جواباً کہا ''ایک اقلیتی طبقہ تھا جس کے ہاتھوں میں فوجی اور سیاسی طاقت تھی مگر اس میں کنفیوژن تھا انہیں اپنے ہاتھوں میں لینے برہمن طبقہ نے ایک چال چلی۔ کشتری طبقہ کے رام، کرشن جیسے ہندو دیوتاؤں کو تسلیم کیا۔ اور اس

طرح انہیں اپنی طرف راغب کرلیا۔اور خود رام اور کرشن کے بھجن گانے لگے۔بڑی چالاکی سے بودھوں کی مخالفت کی۔برہمنوں کی یہ چال اگر ناکام ہوجاتی تو ملک کا نقشہ آج کچھ اور ہی ہوتا۔" مزید کہا" آج کے ہندو مذہب میں دو دھارے بہہ رہے ہیں ایک ویدک اور دوسرا بودھ،آج کے ہندو مذہب میں جو کچھ بھی اچھی چیزیں نظر آتی ہیں وہ بودھ مذہب کا 90% حصہ ہیں.لیکن اس میں جو ذاتی بھید بھاؤ ہیں اور مذہب کی جو عملی صورت ہے وہ ویدک دھرم کا حصہ ہے اسلئے پورا نظام بگڑ گیا۔" مذہب کی ضرورت کے بارے میں کہا" دھرم کی پابندی نہ ہو تو ہر انسان کی حفاظت کیلئے پولس کی ضرورت ہوگی۔" اس سوال پر کہ کیا انہیں کسی ایشور پر بھروسہ ہے؟ جواباً کہا کہ' I do belive In God'' (میں ایشور پر یقین رکھتا ہوں)۔میرا کسی مخصوص دیوتا پر یقین نہیں۔کوئی غیر معمولی طاقت ہے جو ہم پر اثر ڈالتی ہے۔یہ میری رائے ہے کہ کوئی Conscience Agency ضرور ہے۔" اور سوالات کے جواب میں کہا" سیاست ایک ایسی چیز ہے جس سے میں بہت نفرت کرتا ہوں۔سیاست سے کنارہ کشی کے بعد میں ادبی کام کرنا چاہوں گا۔میں تحریری کام میں تمام وقت صرف کرونگا۔میں بودھ کی سوانح حیات اور ایک علیحدہ ناول بھی لکھنا چاہتا ہوں" آپ بیتی کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا" ایسی کوئی چیز لکھنے کے لائق نہیں ہے۔" 26 جنوری 1940 کو ڈاکٹر امبیڈکر اپنی لیبر پارٹی کے زیر اہتمام یوم نجات (مکتی دیوس Deliverance Day) منانا چاہتے تھے۔اس تقریب میں وہ مسلم لیگ اور دوسری غیر کانگریسی پارٹیوں کو مدعو کرنا چاہتے تھے لیکن یہ تقریب بعد میں شہر مہاڑ میں 19 مارچ کو منعقد ہوئی۔وہی مہاڑ جہاں انہوں نے دسمبر 1927 میں چودار تالاب کا پانی پی کر ایک نئی تاریخ کا آغاز کیا تھا۔ 19 مارچ کو مکتی دیوس کے موقع پر تقریباً 15000 افراد حاضر تھے۔تقریر کرتے ہوئے کہا" اگر ہم نے یہ سمجھ لیا کہ سیاسی آزادی ہی سب کچھ ہے تو یہ ہمارے لئے خودکشی کے مترادف ہوگا۔رومانیہ اور چین جیسے عظیم ملک اگر چہ سیاسی طور پر آزاد ہیں مگر یہ ممالک کسی نہ کسی ملک کی حاکمیت میں ہیں۔برطانوی حکومت کی غیر موجودگی یہ معنی نہیں کہ ہمیں سیاسی سماجی اور معاشی آزادی ہے۔" ہندو سماج کی تمام خرابیاں اس آریہ تہذیب کی وجہ سے ہیں ہندو سماج کی

چار طبقات میں تقسیم کسی زمانہ میں اگر رہی بھی اب اس کی افادیت ختم ہوگئی ہے۔اسکی تشکیل کو اب مکمل طور پر ختم کرنا ضروری ہے اس آریہ تہذیب نے عورتوں کو پست اقوام سے بھی نیچے مقام دیا۔ اس مذہب میں خواتین اور پسماندہ اقوام کو مذہب کے نام پر ہلاک کیا گیا۔انسانی مساوات کی بنیادوں پر ہندوسماج کی دوبارہ تشکیل ضروری ہے انہوں نے اس دور کی ان تمام تحریکوں کا جائزہ لیا جس کے ذریعہ اچھوتوں اور محنت کش عوام کو ان کے حقوق دلانے کیلئے چل رہی ہیں انہوں نے کہا کہ ان کے مسائل کا حال ان کے خود مکتفی ہونے پر ہے۔وغیرہ وغیرہ

اسی دن شام میں مہاڑ کی میونسپل کونسل کی طرف سے انہیں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔

جنوری 1940 میں ممبئی حکومت نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس کے تحت سرکاری دستاویز اور دوسرے ریکارڈ میں ناموں کے ساتھ ذاتوں کا اندراج مثلاً چمار، مہار، مانگ وغیرہ کے استعمال کا رواج ممنوع قرار دیا۔ 6 فروری 1940 کے ٹائمز آف انڈیا میں ڈاکٹر امبیڈکر سے منسوب ایک بیان شائع ہوا جو یوں تھا۔

''کانگریس اور گاندھی کے اس نظریہ سے میں متفق نہیں ہوں کہ انڈیا ایک قوم ہے اور نہ مسلم لیگ کی خارجی معاملات کی کمیٹی کہ اس نظریہ سے کہ ہندو مسلم ایک قوم نہیں بن سکتے میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہم ایک قوم نہیں ہیں مگر مناسب سماجی انجذاب کا عمل شروع ہو تو ہم ایک قوم بن سکتے ہیں''

25 - پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم
(Pakistan or Partition of India)

پورے ملک کی فضا گرم تھی 26 مارچ 1940 کو لاہور میں قیام پاکستان کی قرارداد مسلم لیگ نے منظور کی۔ بین الاقوامی سطح پر دیکھا جائے تو دوسری جنگ عظیم شروع ہو کر اپنے شباب پر تھی۔ ہٹلر کی فوجیں بلجیم، ہالینڈ، ناروے وغیرہ پر قابض ہوگئیں تھیں۔ وائسرائے نے اپنی وزرات میں توسیع کا اعلان کیا۔ اور جنگ سے متعلق امور کیلئے ایک کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ اس اعلان پر کانگریس نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ سبھاش چندر بوس جو کانگریس کی صدارت پر قابض تھے۔ گاندھی جی سے اختلافات کی بناء مستعفی ہو گئے۔ 22 جون 1940ء کو جناح ڈاکٹر امبیڈکر اور ساورکر سے ملاقات کی۔ وہ فیڈرل طرز حکومت کے خلاف تھے۔ جب سبھاش چندر بوس نے ڈاکٹر امبیڈکر سے ملاقات کی تو ان سے ڈاکٹر امبیڈکر نے دو سوالات پوچھے (۱) کیا وہ کانگریس کے خلاف الیکشن میں حصہ لیں گے؟ (۲) اچھوتوں کے بارے میں ان کی کیا پالیسی ہے؟ سبھاش بابو دونوں سوالات کے کوئی معقول جواب نہ دے سکے، ڈاکٹر امبیڈکر فطری طور پر ہر مسئلہ کو اچھوتوں

کے حقوق کے تحفظات کے تناظر میں دیکھتے بار بار اپنے نقطہ نظر کی وضاحت بھی کرتے رہتے۔ بار بار مختلف انداز سے کہتے کہ ملک کی سیاسی آزادی انہیں بہت زیادہ عزیز نہیں تھی، گاندھی جی نے جنگ کوششوں میں حکومت کا ساتھ نہ دینے کسی بھی کوشش میں تعاون نہ کرنے کا اعلان کیا۔ مگر ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا "تشدد کا راستہ نہ اختیار کرے والوں کی خدمت ضرور ہونی چاہئے۔ مگر طاقت کا تشدد کے خلاف استعمال نہ کرنا گناہ نہیں"۔

پاکستان کا نظریہ مسلمانوں میں عام ہونے لگا۔ ہر طرف سے تائید ہونے لگی، لیکن پاکستان کے نظریہ اور تصور پر کسی نے بھی ایک محقق کی حیثیت سے جائزہ نہیں لیا۔ نظریہ پاکستان پر مسلمانوں کی تاریخ کے پس منظر میں کسی نے بھی گہرائی سے روشنی نہیں ڈالی تھی۔ نعرے تھے پر جوش تقاریر اور جذبات، ایسی فضا میں 1940ء کے اواخر میں ڈاکٹر امبیڈکر کی مشہور تصنیف Thougths on Pakistan منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب درحقیقت سیاسی حلقوں میں ایک بم کا دھماکہ ثابت ہوئی۔

کتاب کی تصنیف کی غایت کچھ یوں تھی۔ "لاہور میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے ساتھ ہی ادھر ممبئی میں ڈاکٹر امبیڈکر کی آزاد لیبر پارٹی کی اکزیکیٹیو کی میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں پاکستان کے مسئلہ پر غور کرنا بھی شامل تھا۔ میٹنگ میں کونسل اپنی کسی رائے دینے سے قاصر تھی۔ اس لیے ڈاکٹر امبیڈکر کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اس کمیٹی کو پاکستان کے مسئلہ پر رپورٹ تیار کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہی رپورٹ 28 دسمبر 1940ء میں ایک کتابی شکل میں آئی جس کا عنوان Thoughts on Pakistan تھا۔ اسے ممبئی کے مشہور پبلیشر ٹھکرس اینڈ سنس (Thaekcr's and Sons) نے شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1945ء اور تیسرا ایڈیشن 1946ء میں Pakistan or the Partition of India 'پاکستان یا انڈیا کی تقسیم' کے ٹائٹیل سے شائع ہوا۔ اور پھر 1990ء میں حکومت مہاراشٹر نے چوتھا ایڈیشن شائع کیا۔ ملک کی سیاست میں بیسویں صدی کے تیسرے اور چوتھے دہے میں پاکستان کا مسئلہ سب سے متنازعہ بن گیا تھا اس کتاب کو اس دور میں جو اہمیت حاصل ہوئی اس کے بارے میں اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن 1945ء کے پیش لفظ میں صاحب کتاب یوں رقم طراز ہیں۔

" Iam glad that the book has been of service to Indians who are faced with this knoty Problem of Pakistan. The fact that Mr. Gandhi & Mr. Jinnah in their recent talks cited the book an authority on the subject which might be consulted with advantage bespeaks The worth of the book."(Preface to 2nd Edition 1945)

ترجمانی: مجھے خوشی ہے کہ ہندوستانیوں نے جن کے سامنے پاکستان کا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ان کے لئے یہ کتاب کارآمد ثابت ہوگی۔یہ حقیقت کے مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح دونوں نے ہی اپنی حالیہ گفتگو کے دوران اس کتاب کے مباحث کو اپنے موقف کی وضاحت کیلئے سند کے طور پر استفادہ کیا ہے اس سے کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔"

اس کتاب میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد،ان کی تاریخ، ہندوؤں کا مزاج، ہندو اور مسلم سوسائٹی کی سماجی حالت،مذہبی عقائد وغیرہ بہت سارے موضاعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں 20 ضمیمے ہیں یہ ضمیمے زیادہ تر جدولوں پر مشتمل ہے۔مختلف صوبہ جات میں مسلمانوں کی تعداد، دیسی ریاستوں کی آبادی مختلف زمروں میں وغیرہ دی گئی ہے۔اس کتاب سے ڈاکٹر امبیڈکر ایک مورخ کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔انہوں نے پوری کتاب کو ایک دیوانی مقدمہ کی شکل میں ترتیب دیا ہے۔ہندو اور مسلمانوں کے موقف کو سامنے رکھا خود کو ایک جج کی حیثیت سے الگ رکھا۔دونوں کے بیانات کو سامنے رکھا۔اور غیر جانبدارانہ جج کی حیثیت سے فیصلہ مسلمانوں (مسلم لیگ) کے حق میں دیا اور پاکستان کے قیام کو جائز قرار دیا۔ہندوستان کے ہندوؤں سے مخاطب ہوکر کہا کہ امن اور ترقی کی ضرورت ہے تو پاکستان کا قیام ضروری ہے اور اس میں دونوں قوموں کا فائدہ ہے۔یہ فیصلہ جرأت مندانہ تھا۔دونوں فریقین کے موقف کو واضح کرنے کیلئے تاریخ سے بہت سارے حوالے دیئے ہیں۔اس کتاب کی اصل روح کو سمجھنے کیلئے کافی ذہانت اور تاریخ کے پس منظر کو جاننے کی ضرورت ہے۔سطحی علم رکھنے والوں کے بس کی بات نہیں ہے کہ اس کتاب میں دیئے گئے دلائل کو سمجھیں۔سیاق وسباق سے الگ کر کے کسی بھی اقتباس کو ڈاکٹر امبیڈکر سے منسوب کر کے غلط نتائج اخذ کرنے کی کافی گنجائش ہے۔یہ کم علمی سے بھی ہوسکتا ہے اور

شرارت سے بھی ،اس دور کے چوٹی کے اخباروں اور دانشوروں نے اس کتاب اور اس کے مصنف کی صلاحیت کو سراہا۔اس ضمن میں ایک مثال دی جاسکتی ہے۔ سنگھ پریوار کے ایک ہمدرد، ایس۔ایچ۔دیشپانڈے نے 5 جنوری 1994ء کے ٹائمز آف انڈیا میں شائع شدہ مضمون Evaluating Hindutva میں ڈاکٹر امبیڈکر سے ایک بیان منسوب کیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ بہرحال اس مضمون کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں البتہ اس مضمون کے ضمن میں پونہ یونیورسٹی کے شعبہ سیاست کے صدر پروفیسر سریندر جوندھلے Surender Joudhale نے ڈاکٹر امبیڈکر سے منسوب خیالات کی تردید کرتے ہوئے 19/1/94 کے ٹائمز آف انڈیا ایک مراسلہ شائع کیا اور لکھا۔

In fact one should be very cautious while interpreting Dr. Ambadkar's Polemical Treatise Pakistan Or Partition of India (First Published in 1940) followed by later Editions with significant additions.)Prof. A.H. Deshpande only quotes Dr. Ambadkar's views on Muslim, but Conveniently avoids quoting Dr.Ambadkar on the Hindu Raj, which has remained the grand design of the sangh parivar. In recent times. Dr. Ambadkar Said that "If Hindu Raj does become a fact it will, no doubt, be greatest calamity for this country. No Matter what the Hindus say, Hinduism is menace to liberty, equality and fraternity . On that account it is incompatible with democracy. Hindu Raj must be prevented at any cost." (Page No.358. Pakistan or Partition of India)

ترجمانی: ڈاکٹر اے۔ایچ۔دیشپانڈے صرف ان نظریات کا حوالہ دیتے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں سے ہے جبکہ ہندو راج کے متعلق امبیڈکر کے خیالات کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا ہے جو موجودہ دور میں سنگھ پریوار کا ایک عظیم منصوبہ ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر کہتے ہیں کہ اگر ہندو راج حقیقت بن جائے تو بلاشک وشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس ملک کے لئے یہ ایک آفت ہوگی۔عام ہندو چاہے کچھ کہیں ہندوازم آزادی، مساوات اور بھائی چارگی کیلئے مہلک خطرہ ہے۔جو ملک کی جمہوریت سے کسی طرح میل نہیں کھاتا۔لہٰذا ہر ممکن قیمت پر ہندوازم کو روکنا ضروری ہے۔(صفحہ 358 کتاب

مذکورہ) اس مناظراتی کتاب سے کس طرح غلط فہمی ہوتی ہے یا پیدا کی جا سکتی ہے اس کا تجربہ راقم الحروف کو کچھ یوں ہوا۔

پچھلے 20 سالوں سے مصنف کتاب ہٰذا۔ دلت۔ مسلم۔ او بی سی، مسلم۔ مراٹھا کے آپسی اتحاد و اتفاق کے لئے مناسب ماحول پیدا کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک مشن پر ہے۔ ہندوتو کے علمبردار خاص طور پر برہمن طبقہ آر۔ ایس۔ ایس کے زیر قیادت مسلمانوں کے تعلق سے کیا پالیسی اپنائے ہوئے ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ مسلمانوں کی طرف اس نفرت کی مہم کو بے اثر بنانے کی علمی انداز میں اور ملک کے کثیر غیر مسلم آبادی کی سماجی تاریخ کے پس منظر میں کبھی کوشش نہیں ہوئی۔ اور کوئی کام کرنا چاہیں تو انہیں برہمنزم کے خلاف تحریکیں چلانے والے کچھ اکابرین مثلاً مہاتما جیوتی با پھلے (مہاراشٹر 1890-1827)، شاہو مہاراج (کولھا پور ریاست مہاراشٹر کے حکمراں 1920-1887)، ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر (مہاراشٹر 1956-1891) کی تحریکوں اور تحریروں سے واقفیت ضروری ہے۔ 'پھلے۔ شاہو۔ امبیڈکر' فکر و سوچ کی دیوار اس ملک میں 'ہندتو' کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ تینوں حضرات مہاراشٹر سے وابستہ ہیں اسلئے ان کی تحریروں کو جاننے کے لئے مراٹھی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔ اگرچہ پچھلے چند سالوں میں ملک کی تقریباً تمام معروف زبانوں (سوائے اُردو) میں ترجمے ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی زیادہ تر تحریریں انگریزی میں ہیں لیکن ان کے مشن کو جاننے کیلئے مراٹھی سے اچھی واقفیت ضروری ہے۔ ملک کی اکثریت میں جو اصطلاح 'بہوجن' سے معروف ہے کے دلوں میں ان حضرات سے بے پناہ عقیدت ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ اکابرین مسلمانون اور اسلام کے تئیں اچھے جذبات رکھتے تھے۔ ان اکابرین کی اسلام سے اور مسلمانوں سے کبھی نفرت یا دشمنی نہیں رہی، اسلامی تعلیمات کی قدر کرتے تھے۔ مسلم دانشوروں نے اس پہلو کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی، نام نہاد علماء، عالم دین تو ان باتون کی اہمیت کو سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے اسلئے ہمیں ان سے کوئی شکایت نہیں۔ لیکن مسلم اہل قلم، ادیب، دانشور، سیاستدانوں کی ان نکات سے عدم واقفیت جہاں حیرت انگیز ہے وہیں مسلمانوں کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں۔ ہندوستانی

مسلمانوں کو ان زمینی حقائق کو نہ سمجھنے کی کافی قیمت چکانی پڑی ہے۔ مصنف نے کتاب اس کمی کو پورا کرنے کیلئے جو مشن چلا رکھا ہے اس کتاب کی تصنیف بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ تحریر کچھ موضوع سے ہٹ گئی مگر ضروری تھی۔

22, 25,28 جون 1997ء دہلی کے موقر سہ روزہ دعوت میں جو جماعت اسلامی ہند کی سرکاری پالیسی کی ترجمانی کرتا ہے، علاقہ مہاراشٹر کے ضلع جلگاؤں کے ایک اہل قلم اکبر رحمانی مرحوم نے تین قسطوں میں ایک مضمون تحریر فرمایا تھا ''کیا ڈاکٹر امبیڈکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھے؟''

مرحوم مضمون نویس نے اپنے مضامین میں زیر بحث کتاب 'پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم' سے اتنے سارے اقتباسات دیئے کہ کوئی شخص ان پر سرسری نظر ڈالنے پر فوری اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ان حلقوں میں جو دلت مسلم اتحاد کیلئے کوشاں ہیں ایک بے چینی اور اضطراب پیدا ہوا تھا۔ ان میں قابل ذکر مشہور سماجی ورکر صحافی اور بیڑی کے مشہور کارخانے دار مرحوم عبدالحفیظ خان (حیدرآباد) ظہیر آباد (میدک ضلع آندھرا پردیش) کے سماجی رکن سید مقصود نے مصنف ہذا سے ربط پیدا کیا اور ان مضامین کے تعلق سے وضاحت مانگی۔ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ 'پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم' اونچے درجہ کی انگریزی میں تحریر کردہ ہے اردو میں اب تک اس کا ترجمہ نہیں ہوا (معلوم نہیں پاکستان میں ہوا یا نہیں) اسلئے اس کتاب کے مباحث ایک عام قاری کی پہونچ سے باہر ہیں اگرچہ کہ کتاب مہیا ہو سکتی ہے۔ راقم الحروف مضمون کے مطالعہ کے بعد خود اس نتیجہ پر پہونچا کہ مرحوم رحمانی صاحب نے ڈاکٹر امبیڈکر کے ساتھ انصاف نہیں کیا یہ کہ اس مضمون سے ایک غیر ضروری تنازعہ پیدا ہو سکتا ہے کئی غلط فہمیوں کو جنم لینے کا موقع مل سکتا ہے۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ سہ روزہ 'دعوت' کے صفحات کے ذریعہ ہی مرحوم رحمانی صاحب کے تین طویل اقساط پر مشتمل مضمون کا معروضانہ جائزہ لیا جائے۔ تاکہ اٹھائے گئے نکات پر غیر جانبدارانہ نقطہ نظر سے روشنی ڈالی جائے۔ اس مقصد کے تحت راقم الحروف کا جوابی مضمون 7 اگست 1997ء کے دعوت میں شائع ہوا۔

دلچسپ بات یہ کہ چند ہی دنوں کے بعد 'دعوت' کے صفحات میں مرحوم رحمانی صاحب نے تقریباً 10 اقساط پر مشتمل ایک طویل مضمون لکھا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ڈاکٹر امبیڈکر وہ نہیں تھے جسے خود انہوں نے اپنے پہلے مضمون کے ذریعہ ثابت کیا تھا۔ یعنی خود اپنے ہی موقوف سے روگردانی کی۔ مرحوم کا یہ رویہ ناقابل فہم ہے۔ ان چند سطور کو لکھنے کا مقصد مرحوم پر تنقید ہر گز نہیں میرے مضمون کی اشاعت کے وقت وہ بقید حیات تھے۔

میری خواہش تھی کہ مرحوم کا مضمون بھی شائع کیا جائے اس سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔ مگر صفحات اس کی اجازت نہیں دیتے اسلئے میں نے صرف اپنے مضمون کے لئے اگلے باب کو مختص کیا ہے۔ اس سے زیر موضوع کتاب کے طرز پر تھوڑی روشنی پڑتی ہے۔ پس منظر کے طور پر مندرجہ بالا سطور تحریر کئے گئے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی اس علمی کتاب کا تجزیہ یہاں نہ مطلوب ہے نہ ممکن ایک شائع شدہ مضمون کو دوبارہ اس کتاب کا حصہ بنانے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

26 - ڈاکٹر امبیڈکر اور اسلام

(یہ مضمون سہ روزہ 'دعوت' دہلی کے 17 اگست 1997ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا)

ڈاکٹر امبیڈکر کے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق خیالات کو جاننے کی ہندوستانی مسلمانوں کو ہمیشہ سے دلچسپی رہی جو ملک کے موجودہ اور گزشتہ سیاسی حالات کے پس منظر میں فطری بات ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اسلام کیوں قبول نہیں کیا۔ اگر وہ اسلام قبول کرتے تو ہندوستان کے افق پر کیسی تبدیلیاں رونما ہوتیں؟ اور پھر وہ اس ملک کے سیاسی اور اقتدار کے ڈھانچہ کو کس حد تک متاثر کرتے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کو جاننے کے لئے خواص اور عوام دونوں میں دلچسپی پائی جاتی ہے۔ اس زاویہ نگاہ سے اب تک کسی نے بھی تحقیقی کام نہیں کیا اور اگر کیا بھی تو وہ منظر عام پر نہیں آیا۔ اور ایسا کیوں ہوا؟ یہ سوال بھی خود اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ خواہ کوئی شخص کتنا ہی عظیم ہو اس کے قبول اسلام یا ردِ اسلام سے

نہ اسلام کی رفعت و بلندی میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے اور نہ ہی مسلمانوں کیلئے کسی بہت بڑے فائدے یا نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔ یہ تو اللہ کی نعمت ہے جو لوگوں کو میسر ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ عنایت فرماتا ہے۔ اور اللہ کی یہ عنایت منحصر ہوتی ہے اس کو طلب کرنے والے کے اخلاص اور خدا پرستی پر جس کا حقیقی محرک محض رضائے الٰہی اور فلاح آخرت ہو نہ کہ دنیوی مقاصد اور مناصب کا حصول۔

اخبار دعوت کی تین اشاعتوں 22 جون تا 28 جون 1997ء میں "کیا ڈاکٹر امبیڈکر اسلام اور مسلمانوں کے مخالف تھے؟" کے عنوان سے ایک مقالہ اکبر رحمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے افسوس کے اس قدر اہم اور حساس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے جس احساس اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے تھا اور کسی تحقیقی مقالہ کو تصنیف کرتے ہوئے جس دقیقہ رس فکر و نظر کی ضرورت ہوتی ہے اس کا موصوف نے لحاظ نہیں رکھا۔ سہواً اگر ایسا ہو جائے تو نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ مگر مقالہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں سہو کا کوئی دخل نہ تھا، بلکہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ غیر ذمہ داری کا عنصر غالب ہے۔

ہندوستان میں جس وقت تحریک آزادی اپنے شباب پر تھی اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو اور مسلم میں ایک سے بڑھ کر ایک عظیم شخصیتیں موجود تھیں۔ علمی سطح ہو کہ سیاسی سطح یا مذہب کی سطح پر ہو کہ سماجی و معاشرتی سطح حتی کہ ادب و فنون لطیفہ کے میدان میں بھی جیسی عبقری شخصیتیں اس دور میں موجود تھیں آج ان کا ثانی دکھائی نہیں دیتا۔

ڈاکٹر امبیڈکر اسی دور کی عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ ان کے پایہ کی علمی شخصیت نہ اس وقت کے ہندوؤں کے درمیان کبھی موجود رہی اور نہ آج کے دور میں ایسا کوئی پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں نے جب ان کے کمال علم و ہنر کے سامنے اپنی قوم کے اکابرین کو بونا پایا تو انہوں نے ان کی حیثیت کو کم کرنے کا راستہ ڈھونڈ نکالا۔ اس عظیم مفکر کو محض ایک دلت رہنما کی شخصیت ہی دی جیسا کہ اس قوم کا مزاج ہے اور اس سے بڑھ کر اگر اور کچھ ان کی صلاحیت کو تسلیم کیا تو بس اتنا کہ بھارت کی دستور سازی کا ایک اہم ستون قرار دیا۔

مسلمانوں کا ڈاکٹر امبیڈکر کے تئیں کیا رویہ رہا؟ اس پر کہیں روشنی نہیں ملتی انہوں نے

امبیڈکر کی علمی لیاقت کو قابل اعتبار اس لئے نہیں سمجھا کہ وہ ایک دلت تھے۔ یا اس لئے کہ ان کا تعلق بہر حال ہندو معاشرہ سے تھا جس کے ساتھ اس وقت کے مسلم رہنماؤں کی مخالفت تھی یہ فیصلہ ناممکن ہے گمان دونوں طرف جاتا ہے مگر اس طرح کا گمان محض تقصیر کی طرف لے جائیگا اس لئے اس معاملہ پر سکوت زیادہ مناسب ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی ہمہ جہتی علمی و سیاسی خدمات کا جائزہ آگے چل کر لیا جائیگا۔ بحث کے آغاز میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی پہلو ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت سے مخفی نہیں رہا اس دور کے مسلم قائدین جن میں محمد علی جناح، لیاقت علی خان، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا حفظ الرحمن، رفیع احمد قدوائی، مولانا ابولکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر علامہ اقبال، ڈاکٹر سید محمود وغیرہ نے کبھی امبیڈکر کے اسلام یا مسلمانوں سے متعلق نظریات سے اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کا اسلام دشمن عناصر کی صفوں میں شمار کیا یہ محض دعویٰ نہیں حقیقت ہے۔ اکبر رحمانی نے ڈاکٹر امبیڈکر کی کتاب 'پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم' کے کچھ اقتباسات کو سیاق اور سباق سے علیحدہ کر کے ایک مضمون کی شکل میں شائع کر دیا۔

قارئین کی متعدبہ تعداد کے لئے یہ ممکن نہیں کہ کسی بھی مضمون میں دیئے گئے حوالوں کو ان کے اصل متن سے مقابلہ کر کے دیکھیں خاص کر جب یہ کتابیں اردو میں دستیاب نہ ہوں بلکہ صرف انگریزی یا مراٹھی میں ہوں۔ اس صورت میں کسی بھی مضمون کے مندرجات کو وہ جوں کا توں تسلیم کرتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ رحمانی صاحب کے اس مضمون کو پڑھ کر قارئین کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی کتاب 'پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم' کے حوالوں کی مدد لے کر رحمانی صاحب نے مضمون تیار کیا ہے اس کے متعلق وضاحت ضروری ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1940ء شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1945ء اور پھر تیسرا ایڈیشن 1946ء میں منظر عام پر آیا۔ 1990ء میں حکومت مہاراشٹر نے اس کتاب کو از سر نو شائع کیا۔ پہلا ایڈیشن جب شائع ہوا تو خود ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کے کہنے کے مطابق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے خیالات نہیں تھے بعد میں جب مختلف حلقوں کی طرف سے اعتراضات آئے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے خود اپنے نظریات

کیوں نہیں ظاہر کئے تو انہوں نے سمجھا کہ کتاب میں مزید ایک باب کا اضافہ کر کے پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم سے متعلق اپنے خیالات پیش کئے۔ دوسرے ایڈیشن کے پیش لفظ میں ڈاکٹر امبیڈکر لکھتے ہیں کہ

Part V is an Addition,it contains my own views ,on the various issues involved in the problems of Pakistan.It has been added because of the criticism levelled against the first edition that while I wrote about Pakistan,I did not state views I held on the subject. (Page I)

ترجمانی: کتاب کا پانچواں حصہ مسئلہ پاکستان سے متعلقہ امور پر میرے اپنی ذاتی نظریات پر مشتمل ہے اس کا اضافہ اس تنقید کے پیش نظر کیا گیا کہ جب میں نے مسئلہ پاکستان پر جو کچھ لکھا ہے اس پر خود اپنے موقف کو کیوں واضح نہیں کیا۔"

The book appears to have Supplied a Real want .I have seen how the thoughts ,ideas and arguments Contained in have been pillaged by authors, Politicians and editors of news papers to support their sides .I am sorry that they did not observe the decency of acknowledging the sources even when they lifted not merely the arguments but also the language of the Book. But that is the matter I do not mind .I am glad that the book has been of service to Indians who are faced with this knotty problem of Pakistan .The fact that Mr. GANDHI and Mr. JINNAH in their recent talk cited the book as an authority on the subject which might be consulted with advantage speaks the worth of the Book. (Page 1)

ترجمانی: یہ کتاب ظاہر ہے ایک ضرورت کی تکمیل کرتی ہے مین نے دیکھا ہے کہ اس کتاب کے مندرجات، تصورات، خیالات و مباحث کا منصفین، سیاست داں، اور اخبارات کے مدیر حضرات نے بھرپور تصرف کیا ہے تا کہ وہ اپنے موقف کو ثابت کر سکیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ہندوستانیوں نے جن کے سامنے پاکستان کا پیچیدہ مسئلہ ہے ان کے لئے یہ کتاب کارآمد ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح دونوں نے حالیہ گفتگو کے درمیان اس کتاب کے مباحث کو سند کے طور پر اپنے موقف کی وضاحت کیلئے استفادہ کیا ہے۔ اس سے کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔"

اس پیش لفظ میں ڈاکٹر امبیڈ کر لکھتے ہیں کہ ''اس کتاب نے ہندوں اور مسلمانوں کو ناراض کر دیا ہے اگر چہ دونوں کی ناراضگی کی وجوہات مختلف ہیں مجھے اس بات پر افسوس نہیں کہ ہندوؤں نے اس کتاب کو یکسر مسترد کر دیا ہے مسلمانوں نے سرے سے اپنایا ہی نہیں۔'' آگے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں اس کتاب کے مصنف کی حیثیت میں ایک فریق نہیں ہوں (بلکہ ثالث ہوں)۔کتاب کے اختتام پر ڈاکٹر امبیڈ کر نے Epilogue (اختتامیہ) لکھا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ کتاب کی تصنیف کا انداز ایک دیوانی مقدمہ کے مماثل ہے۔کسی بھی مقدمہ میں جب مدعی اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے تو فریق ثانی جواب دعویٰ پیش کرتا ہے۔دعویٰ اور جواب دعویٰ کی روشنی میں کچھ تنقیحات قائم کی جاتی ہیں۔جن کی روشنی میں کوئی فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ملاحظہ ہو

I have said all that I can say about the subject .To use legal language I have drawn the pleadings -------- I have adopted that prolix style dear to Victorian Lawyers under two sides plied one another with plea ,replication ,rejoinder and rebutter, surrejoinder and surrebutter and so on .I have done this deliberately with the object that a full statement of the case for and against Pakistan may be made (Page No.405)

ترجمانی : ''میں یہاں کچھ توقف کرتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ زیر بحث (پاکستان) سے متعلق میں نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو مجھے کہنا تھا قانونی زبان میں کہا جائے تو میں نے اسی طرز کو اپنایا ہے جو برطانوی نظام عدالت کا خاصہ ہے جس کے تحت فریقین اپنا اپنا مدعا بیان کرتے ہیں پھر ان کا اعادہ کیا جاتا ہے پھر دعویٰ جواب دعویٰ سے گزر کر تفصیلات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔میں نے جان بوجھ کر اس طرز کو اپنایا ہے جس کا مقصد ہے کہ فریقین کو مخالف اور موافق بیانات دینے کا پورا پورا موقع حاصل ہو۔''

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ڈاکٹر امبیڈ کر نے اپنی کتاب عام نہج سے ہٹ کر لکھی ہے۔اور انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے اس کی انہوں نے خود وضاحت کی ہے انہوں نے ایک مقدمہ ترتیب دیا خود اس مقدمہ میں یہ فریق نہیں رہے پھر جانبین کی جانب سے اپنے موقف کے ثبوت میں دلائل وشواہد پیش کئے تنقیحات (Issues) قائم کیں۔ان تنقیحات پر مزید

فریقین کے موقف کی تائید میں مباحث پیش کیے۔ان مباحث کا خلاصہ کتاب کی صورت میں قاری کے سامنے رکھا۔خود اپنا فیصلہ انہوں نے کتاب کے پانچویں حصہ میں پیش کیا۔انہوں نے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کر کے پاکستان کی تشکیل کو حق بجانب قرار دیا۔

رحمانی صاحب نے جن اقتباسات کو نقل کر کے ان کو ڈاکٹر امبیڈکر سے منسوب کیا ہے۔ حقیقت اس طرح نہیں ہے جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر نے پوری بحث میں اپنے خیالات پیش نہیں کیے بلکہ فریقین کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔یہ ایک اچھوتا انداز ہے جسے کسی نے اختیار کیا ہے۔اس انداز کو خوبی اور نزاکت سے ڈاکٹر امبیڈکر نے برتا ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی مذکورہ کتاب کے نفس مضمون کو سمجھنے میں عین ممکن ہے راقم الحروف کو بھی لغزش ہوئی ہو۔مگر اس موقع پر ایک اقتباس نقل کرنا ضروری سمجھا گیا تا کہ کتاب کے لکھتے وقت مصنف کے ذہن کی ترجمانی کی جا سکے۔

29 جنوری 1994ء کے ٹائمز آف انڈیا میں ایک مراسلہ سریندر جوندھلے (Surender Jondhle) ڈپارٹمنٹ آف پولیٹیکل سائنس پونہ یونیورسٹی کا شائع ہوا تھا۔ جو دراصل ایس۔ ایچ۔ دیشپانڈے (S.H. Deshpande) کے ایک مضمون Evlaluating Hindutua شائع شدہ 5 جنوری 1994ء کے رد عمل میں تھا۔جس میں جوندھلے صاحب نے لکھا کہ

In fact one should be very cautious while interpreting Dr.Ambedkar's polemical treatise "Pakistan or Partition of India "professor Deshpande only quotes Dr Ambedkar views on Hindu 's Raj which has remain the grand design of the Sangh Parivar in the recent times .

Dr Ambedkar said that "If Hindu Raj becomes the fact it will no doubt be the greatest calamity for this country . No matter what the Hindus say ,Hinduism is the menace to liberty ,equality ,fraternity .On that account it is hot compatible with democracy .Hindu Raj must beprevented at any cost .(Partition or Partition of India 1999 Edition)

ٹائمز آف انڈیا کے مذکورہ مراسلہ کو یہاں نقل کرنے کی اصل غایت اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ

ڈاکٹر امبیڈکر کی کتاب سے نتائج اخذ کرنے میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے رحمانی صاحب نے وہ احتیاط نہیں برتی جس کے نتیجہ میں عام قاری اسے اسلام اور مسلم مخالف خیال کرنے لگا۔ چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب کو تصنیف کرنے میں روایتی انداز سے ہٹ کر مناظراتی انداز اختیار کیا گیا۔ اور پاکستان سے متعلق فریقین کے نقاط نظر کو مقدمہ کی شکل میں ترتیب دے کر مصنف نے اپنے آپ کو الگ رکھا۔ یہ کتاب کی اصل اسپرٹ ہے۔ ان سطور میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کتاب کے خاص پہلو کو عام فہم انداز میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی مذکورہ کتاب کی اشاعت کے بعد سے آج تک کسی نے ان کے خیالات پر کوئی اعتراض نہیں کیا اگر چہ اس دور کی مقتدر قیادت جن کے نام اوپر گنوائے جا چکے ہیں سب موجود تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب کے منظر عام پر آجانے کے بعد کیبنٹ مشن کی آمد کے بعد حکومت برطانیہ نے دستور ساز اسمبلی کی تشکیل کیلئے صوبائی اسمبلیوں سے ممبروں کے انتخاب کے پلان کا اعلان کیا۔ کانگریس اور گاندھی جی ڈاکٹر امبیڈکر کے سخت خلاف تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی صلاحیتوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی انہیں ممبئی صوبہ سے دستور ساز اسمبلی کے لئے منتخب نہیں کیا ڈاکٹر امبیڈکر کو دستور ساز اسمبلی میں جانے کی خواہش تھی مگر ممبئی کی قانون ساز کونسل (لیجسلیٹیو کونسل) میں ان کے ممبر نہیں تھے اور نہ انہیں کوئی مدد کرنے والا تھا اسلئے بنگال کے اچھوت لیڈر جوگندر ناتھ منڈل نے انہیں بنگال سے امیدواری دی اور انہیں کامیاب بنانے کیلئے مسلم لیگ کی مدد لی۔ مسلم لیگ کا ڈاکٹر امبیڈکر کو دستور ساز اسمبلی میں پہونچانے کے لئے جوگندر ناتھ منڈل اور ڈاکٹر امبیڈکر کو مدد کرنا ایک تاریخی فیصلہ تھا جس کے نتائج دور رہوئے۔ کیا مسلم لیگ کی قیادت کو معلوم نہ تھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار مذکورہ کتاب میں کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے کچھ کیا ہی نہیں اسی لئے بنگال کی مسلم لیگ کی قیادت نے اپنی مدد سے ڈاکٹر امبیڈکر کو 1946ء میں دستور ساز اسمبلی میں پہونچانے میں اہم رول ادا کیا۔

31 مئی 1946 کو ممبئی میں مکتی کون پتھے (نجات کس راستہ ہے) کے عنوان سے تقریر کی تھی۔ (پچھلے صفحات میں تقریر کی تلخیص دی گئی) اس تقریر سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ان کا

ذہن کن خطوط پر سوچ رہا تھا۔اس حقیقت کی طرف بھی انہوں نے توجہ دلائی تھی کہ ہندو سماج اور مسلم معاشرہ میں ذات پات کی بنیادوں پر پائی جانے والی تفریق میں فرق ہے۔ان کے مطابق ہندو مذہب کی بنیاد ہی ذات پات اور اونچ نیچ کے اصولوں پر ہے جبکہ موخرالذکر مذہب (اسلام) میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ہندو مذہب میں اس تفریق کو ختم کیا جائے تو اس راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ خود ہندو مذہب ہے جبکہ مسلمان اگر اس بیماری کو دور کرنا چاہیں تو خود اسلام ہی ان کی راہیں آسان کرتا ہے۔اسلام کی اسپرٹ ہی ذات پات کی تفریق کو ختم کرتی ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے پیروؤں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا ''تم اگر تبدیلی مذہب کا فیصلہ کرو تو منظم طریقہ سے یہ کام کرو۔مجھے یقین دلاؤ تبدیلی مذہب کے معاملہ میں کوئی اجتماعی فیصلہ ضروری نہیں۔انفرادی طور پر ہر شخص جو چاہے مذہب اختیار کرے وہ اس میں آزاد ہے اور اس معاملہ میں میرا ہر طرح تعاون تمہارے ساتھ رہے گا۔جس مذہب کو تم چاہو قبول کرو یاد رکھو اس کے لئے جو کاوش و محنت درکار ہے وہ تمھیں کرنی ہوگی'' (اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے پیروؤں کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی کہ وہ جو چاہیں مذہب قبول کرلیں ان کی طرف سے کسی ایک مذہب قبول کرنے کی ترغیب نہیں اگر چہ وہ خود بودھ مذہب کے لئے یکسو ہو چکے تھے۔ اور انہوں نے 1956ء میں بودھ مذہب قبول بھی کیا) لیکن تبدیلی مذہب کا فیصلہ تمہارا اپنا ہو، اس لیے نہ ہو کہ میں تمھیں ترغیب دے رہا ہوں، میری پیروی تم پر لازمی نہیں اس لئے کہ یہ پیروی پھر جذباتی غلامی ہوگی۔تمہاری عقل اور ضمیر آواز دے تو تم ہاں کہو اور اگر انکار کرو تو مجھے اسکا دکھ نہیں۔بہر حال مجھے یہ اطمینان رہے گا کہ میں نے اپنی ذمہ داری پوری کی ہے۔گوتم بدھ کا ایک واقعہ سناتے ہوئے انہوں نے تقریر ختم کی اور اس نصیحت کو دہرایا تو یہ اشارہ صاف تھا کہ ان کا پلان بودھ مذہب کی طرف ہے ان کے بعد کے مضامین میں بھی بودھ مذہب کی تعلیمات۔اس کی تاریخ برہمنوں کے طرف بودھ مذہب کو پہونچائے گئے نقصانات کے تذکرے ملتے ہیں یہ سب اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بودھ مذہب کے لئے وہ یکسو ہو چکے تھے۔14/اپریل 1956 کو انہوں نے بودھ مذہب اختیار کرکے ان ساری باتوں کی تصدیق بھی کردی۔اسلام اور عیسائیت کے

خلاف کبھی اپنی رائے نہیں دی ۔اپنے پیروں کوکسی بھی مذہب کے اختیار کرنے کے لئے چھوٹ دے رکھی تھی ۔اوپر کی بحث تو ضمناً اس تذکرہ میں آ گئی تھی ۔آئیے اب اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں ۔ڈاکٹر امبیڈ کر کی زیر بحث کتاب کے 292 کا یہ اقتباس رحمانی صاحب نے نقل کیا ہے ۔

" Among the tenets one that calls for notice is the tenet of Islam, which says that in a Country wihci is not under Muslims and Law of the Land the former must prevailover the Later and Muslim will be Justified in obeying the Muslim law and defying the Law of Land.

ترجمانی :اسلام کے بنیادی اعتقادات میں جس عقیدہ کا نوٹس لیا جانا ضروری ہے اس کے مطابق کسی ایسے ملک میں جہاں مسلم حکمرانی نہ ہو اور جب مسلم قوانین اور اس ملک کے قوانین کے مابین کوئی تنازعہ پیدا ہو تو اس صورت میں مسلم قوانین کو فوقیت دی جائے گی ۔اور مسلمانوں کیلئے جائزہ ہوگا کہ وہ اس ملک کے جاری قوانین کا اتباع نہ کریں ۔

یہ اقتباس دراصل ایک طویل بحث کا جز ہے جو ڈاکٹر امبیڈ کر نے مسلم رہنماؤں کے حوالہ سے بیان کیا ہے مگر رحمانی صاحب نے اس بات کو ڈاکٹر امبیڈ کر سے منسوب کیا ہے ۔علاوہ ازیں یہ بات تو ہے کہ اسلامی قوانین کو اپنے دائرہ اختیار میں ملکی قوانین پر ترجیح دی جائے گی ۔اور پھر اس حقیقت سے خوف کیا؟ پھر صفحہ 292 کے اس اقتباس کو نقل کر کے اس کی تشریح کو ادھورا چھوڑ کر فوراً صفحہ 294 پر پہونچ جاتے ہیں اور اس اقتباس کو نقل کرتے ہیں ۔

"According to Muslim Cannon Law the world is divided into two camps, Darul Islam (abode of Islam) and Darul Harab (Adobe of War). A Country is Dural Harab, when Muslim only live in it but are not rulers of it that being the Cannon of the Muslims, India Can not be the Common motherland of the Hindus and the Muslims. It can be the but it can not the Land of 'Hindus and Muslims living equals' further it can be the Lands of the Muslims only when it is governed by the Muslims .The Moment the land become Subject to the authority of a non-muslim power, it ceases to be the land of the Muslims. Instead of being Darul Islam it becomes Darul-Harab."

ترجمانی: مسلمانوں کے مذہبی قانون کے مطابق دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک اسلام کی سرزمین اور دوسری جنگ کی سرزمین جس ملک میں مسلمانوں کی حکمرانی ہو، دارالاسلام اور جس ملک میں مسلمانوں کی حکمرانی نہ ہو وہ دارالحرب ہے، اس مذہبی قانون کی رو سے ہندوستان، ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترک وطن نہیں ہوسکتا، یہ ملک اس وقت مسلمانوں کا ملک ہوگا جب یہاں مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوگی۔ جس لمحہ اس ملک پر غیر مسلم کی حکومت قائم ہوگی یہ ملک مسلمانوں کا نہیں رہے گا۔"

رحمانی صاحب نے مندرجہ بالا دو اقتباسات ایک تو سیاق وسباق سے الگ کر کے نقل کئے ہیں مزید صفحہ 292 کے اقتباس کو ڈاکٹر امبیڈکر سے منسوب کیا ہے وہ دراصل مولانا محمد علی جوہر کے اس بیان سے ماخوذ ہے جو انہوں نے 1921ء میں ان پر مقدمہ کی سماعت کے دوران کراچی کے مجسٹریٹ کے سامنے دیا تھا۔ اقتباس کے فوراً بعد کا پیراگراف جو اسی صفحہ یعنی 292 پر درج ہے پھر اس تشریح کو ادھورا چھوڑ کر یہ صفحہ 294 تک پہونچ جاتے ہیں اور وہاں سے دوسرا اقتباس نقل کرتے ہیں جو درج بالا ہے۔ اور اس طرح ان دو اقتباسات کے درمیان کے پورے مباحث کو یکسر نظر انداز کرتے ہیں۔ 1921ء میں کل ہند خلافت کانفرنس منعقدہ کراچی میں منظور شدہ قرارداد کی بنیاد پر مولانا جوہر اور ان کے ساتھیوں پر جو فوجداری مقدمہ برطانوی حکومت نے عائد کیا تھا مولانا جوہر نے اس مقدمہ کے دوران جو بیان دیا تھا اس کی روشنی میں ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ ساری بحث درج کی ہے۔ جو کہ نہ ڈاکٹر امبیڈکر کی رائے ہے اور نہ ہی ان کے اپنے نظریات۔
مولانا جوہر کے خیالات کو ڈاکٹر امبیڈکر کی طرف منسوب کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے تھا۔
اس ساری بحث کو یہاں طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ کچھ نکات مولانا جوہر کے اس بیان کے جو انہوں نے عدالت میں دیئے تھے۔ ملاحظہ کے لئے پیش ہیں مولانا جوہر نے کہا کہ

Islam recognrizes one sovereignty alone, the soveringty of God which is supreme and conditional indivisible, and conditional indivisible and inalienalbe" (Page 293)

ترجمانی: اسلام صرف ایک حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے اور وہ حاکمیت ارفع و اعلیٰ ہے غیر مشروط

ناقابل تقسیم اور غیر منفک"(صفحہ 293 مذکورہ)
مولانا جوہر مزید لکھتے ہیں۔

" The only allegiance a Musalman, Whether Civillian or Soldier or under a non-Muslim Administration, is commanded by The Koran to acknowledge to his allegiance to God, to his prophet and to those in Authority from among tue Musalmans Chief among the last mentioned being of course that prophet's Suneessor............(Page 293)

ترجمانی: ایک مسلمان چاہے وہ عام شہر ہو کہ سپاہی کسی مسلم انتظامیہ کے ماتحت ہو یا غیر مسلم اس کی وفاداری صرف اور صرف قرآن ہی کے لئے ہے اس ہدایت کے ذریعہ وہ اللہ کا تابع فرمان ہے اور اس کے بعد وہ رسول کے فرمان کا پابند ہے پھر ان کے بعد جو اول الذکر ہیں، جو یقیناً نبی کریم کے وارث ہونگے۔۔۔۔۔۔۔۔(صفحہ 293)

مولانا جوہر کے اسی بیان کا مزید حصہ ملاحظہ ہو۔

" But the Unalterable is and has always been that as a Musalman they can obey only such Laws and orders issued by their Secular Rulers as do not in volve disobedience to the Commandments of God who in the express Language of the holy koran' is the all ruling ruler' " (page 293)

ترجمانی: مستحکم قانون ہے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ سیکولر حکام کی طرف سے جاری کردہ صرف انہیں قوانین یا احکام کی پابندی کرسکتا ہے جس کے کرنے میں خدا کے احکام کی نافرمانی ہوتی ہے اور جس خدا کو قرآن "حکم الحاکمین" (مقتدر اعلیٰ کہتا ہے)"

مولانا جوہر کے بیان سے یہ دو اقتباسات یہاں اسلئے نقل کئے گئے ہیں دراصل مولانا جوہر کے عدالت میں دیئے گئے بیان کی روشنی میں ڈاکٹر امبیڈکر نے جو تشریح اسلام کے بنیادی عقائد کی بالخصوص حاکمیت الہٰ کی ہے وہ اصلاً مولانا جوہر سے منسوب ہونا چاہئے تھا۔ مگر ایسا نہ ہوا اور فرض کر لیجئے ڈاکٹر امبیڈکر ہی نے اسلام اور حاکمیت سے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا ہے تو انہوں نے کیا غلطی کی؟ کیا یہ اسلام کے بنیادی عقائد نہیں ہیں؟ انہوں نے اسلام کے عقائد توڑ موڑ کے

بیان تو نہیں کیئے ۔آخر آپ کو کیوں خوف ہے کہ اسلام کے یہ بنیادی عقائد امبیڈکر نے منظر عام پر لائے تو وہ اسلام دشمنی میں ہیں کیا آپ ان عقائد کا انکار کرنا چاہتے ہیں جن پر خود آپ کے ایمان اور مسلمان ہونے کا دارومدار ہے یہ تو قرآنی احکامات ہیں ۔کیا آپ قرآنی احکامات کا ایک مسلمان کو پابند بنانا نہیں چاہتے ۔آخر کس کا خوف ہے مولانا محمد علی جوہر کے عدالتی بیان کے جو اقتباسات اوپر نقل کیئے گئے ہیں ان کا حوالہ ڈاکٹر امبیڈکر نے دیا ہے ۔

The Trial of Ali Borthers R.V. Tandon (Page 69-71)

مذکورہ بحث کو جاری رکھتے ہوئے مضمون نگار نے اقتباسات کے تراجم پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے ہجرت، جہاد، اسلام کی آفاقیت (Pan Islamism) وغیرہ نکات کو پیش کیا ہے ۔اور حیرت یہ ہے کہ ان تمام مباحث کو انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی ہی ذہنی سوچ قرار دینے کی کوشش کی ہے اور اس طرح ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام دشمنی کا مرتکب قرار دیا ہے ۔کون نہیں جانتا کہ یہ مباحث مسلم علماء دانشوروں سماجی سیاسی اکابرین اور ملی قیادت میں ہمیشہ سے زیر بحث رہے ۔آج بھی ہیں اور کل بھی رہیں گے، پھر اس کے لئے ڈاکٹر امبیڈکر کیوں ذمہ دار ہوئے؟ کیا مسلمانوں نے ان مباحث کو ختم کر دیا ہے؟ کیا ہجرت، دارالحرب، کفر، کافر، جہاد وغیرہ وغیرہ کے موضوعات کو اسلام سے خارج کر دیا ہے پھر ان مسائل سے گلو خلاصی کیا معنی رکھتی ہیں ۔واقعی اگر ایسا ہے تو پھر اسلام کیا باقی رہے گا؟ معذرت کی وجہ کیا ہے؟ ٹائمز آف انڈیا میں مشہور صحافی گری لال جین (مخالف اسلام، مسلمان رجحانات کیلئے معروف تھے) مضامین کا ایک سلسلہ لکھا تھا ۔انہوں نے ثابت کیا تھا کہ (اور یہ حقیقت ہے) 18 ویں صدی میں مغل سلطنت کے انتشار کے بعد شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی اس وقت کسی مسلم دانشور عالم نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا ۔پھر ڈاکٹر امبیڈکر نے ان تاریخی حقائق کو مستند حوالوں کے ذریعہ نقل کیا ہے وہ کیوں مورد الزام ٹھہرے؟ اسی طرح مسلم بادشاہوں نے ہندوستان پر حملے کیئے ۔ان حملوں کے نتیجہ میں یہاں کی رعایا پر مظالم کی داستانیں بھی تاریخی کتب میں درج ہیں ۔ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی کتاب کے صفحات 65-40 میں اقتباسات دیئے ہیں ان میں محمود غزنوی اور محمد شہاب الدین غوری کا خاص

طور پر ذکر کیا ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر نے بھی ان حملوں سے متعلق جن کی تفصیلات رحمانی صاحب نے دی ہیں اپنی کتاب میں اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔غزنی کے مورخ Ul Utbi کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے۔محمد غوری کے بارے میں حسن نظامی کے حوالے ہیں۔تیمور نے اپنی سوانح (Memoirs) میں ہندوستان پر حملہ کی وجوہات لکھی ہیں۔جن کو ڈاکٹر امبیڈکر نے نقل کیا ہے۔اور یہ سارے اقتباسات ڈاکٹر امبیڈکر نے مشہور مورخ ڈاکٹر ٹائٹس (Dr. Titus) کی تاریخ انڈین اسلام (Indian Islam) اور لین پول (Laine pool) کی کتاب قرون وسطیٰ کا ہندوستان (Mediveal Inida) سے نقل کیا ہے۔اور ڈاکٹر ٹائٹس نے اپنی تاریخ میں منہاج الراج اور طبقات ناصری کے حوالے دیئے ہیں۔یعنی جو اقتباسات ڈاکٹر امبیڈکر نے نقل کیے ہیں وہ سارے کے سارے مسلم مورخین ہی کی کتابوں سے لے گئے ہیں۔ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی طرف سے کوئی تاریخ تحریر نہیں کی ہے۔

تاریخ مندرجات کا نام ہے۔ان واقعات کو جو ملکوں، قوموں اور تہذیبوں کے تصادم کی صورت میں نمودار ہوئی ہیں محض اس لئے کہ ان تاریخی حقائق سے کسی قوم کی دل شکنی ہوتی ہے اور کوئی دوسری قوم اس کے نتیجہ میں معتوب قرار دی جاتی ہے ان واقعات کو حذف کرنا شروع کیا جائے تو پھر دینا سے تاریخ ہی مٹ جائے گی۔اور تاریخ مٹ جائے تو تہذیب تمدن ترقی سب ختم ہو جائیں گے۔

تاریخ کے واقعات ایک قوم کو دوسری قوم پر فتح دلاتے ہیں، فتوحات کے نتیجہ میں نظام سلطنت وحکومت میں تبدیلی وترقی ہوتی ہے۔یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اسی سلسلہ کا دوسرا نام ارتقاء ہے ڈاکٹر امبیڈکر نے جو تاریخی واقعات مسلم مورخین منہاج السراج، طبقات ناصری، اور تیمور سے نقل کیے ہیں مندرجہ بالا کتب سے ہٹ کر تاریخ فرشتہ نے بھی ان واقعات کی روایت کی ہے۔

یہاں تک تو ان اقتباسات پر جو موصوف نے انگریزی میں درج کئے ہیں جس کے نتیجہ میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اقتباسات کو ڈاکٹر امبیڈکر نے ڈاکٹر ٹائٹس کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔اور ڈاکٹر ٹائٹس نے ان تمام حوالوں کو مسلم مورخین کی کتب سے اٹھایا ہے۔پھر کیا وجہ ہے کہ رحمانی

صاحب بار بار ان خیالات کو ڈاکٹر امبیڈکر سے منسوب کرتے ہیں۔انہیں اقتباسات کے ذیل میں انہیں صفحات پر ڈاکٹر امبیڈکر کا ایک اور اقتباس موصوف نے نقل کیا ہے جو اس طرح ہے۔

''ہندوستان میں جو حملہ آور داخل ہوئے وہ ہندوؤں کے خلاف نفرت کے گیت گاتے ہوئے اور چند مندروں کو نذر آتش کر کے اسی راستہ سے واپس چلے نہیں گئے۔اگر ایسا کرتے تو تبرک جانتے لیکن انہوں نے مثبت کام یہ کیا کہ انہوں نے اسی ملک میں تخم ریزی کی۔اور غیر معمولی طور پر اس پودے کی نشونما ہوئی۔یہ پودا ایک عظیم الشان بلوط بن گیا۔(صفحہ 65 کتاب مذکورہ)

حیرت اس بات پر ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کو انہیں معنی ومفہوم میں لیا جانا چاہئے تھا۔جس میں انہوں نے پیش کیا ہے۔مگر رحمانی صاحب نے ان کو منفی انداز میں بیان کیا ہے۔ان کے نزدیک اسلام کی تخم ریزی اس ملک میں قابل اعتراض تو نظر آتی ہے۔وہ اس شاہ بلوط کے وجود سے یا تو وہ خوف زدہ ہیں یا اس کے وجود کو پسند نہیں کرتے۔اور شاید اسی نفسیات کے تحت انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی اسی اقتباس والی تحریر کو نقل نہیں کیا ہے۔جس میں ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کہتے ہیں کہ اس پودے کی شمالی ہند میں افزائش نہایت صحت مند طور پر ہوئی اور بعد میں تمام حملوں میں یہاں کی زمین اس کے لئے بھی زرخیز ثابت ہوتی گئی،اور ان حملہ آوروں کے بعد آنے والوں نے اس پودے کی مسلسل آبیاری کی جس کے نتیجہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو اور بودھ مذہب کے باقیات اسلام کے اس تناور شاہ بلوط کے سامنے محض چھوٹی جھاڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔(صفحہ 65) کیا یہ روح پرور منظر بھی رحمانی صاحب کو کھٹکتا ہے؟ اور یہ بھی ڈاکٹر امبیڈکر کی سازش یا اسلام دشمن کے اس تناور شاہ بلوط کی صورت میں نظر نہیں آتی؟

تشکیل پاکستان سے متعلق ڈاکٹر امبیڈکر نے 400 صفحات پر مشتمل ان گنت تاریخی حوالوں،دستاویزوں اور دلائل کے ساتھ اپنی کتاب لکھی ہے۔اس کا تجزیہ کرنے اور اس سے نتائج اخذ کرنے کیلئے بھی 400 سے زائد صفحات درکار ہیں۔لیکن تفصیلات میں یہاں جانے کا موقع نہیں ہے۔رحمانی صاحب،ڈاکٹر امبیڈکر کی ایک اور تصنیف 'بہشکرت بھارت' کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے 3 اپریل 1927ء سے ایک پندرہ روزہ پرچہ جاری کیا تھا۔جو دو سال بعد بند

ہوا۔اسی دوران 3 فروری سے 16 نومبر 1928ء تک اس کی اشاعت بند رہی۔اس اخبار میں آج کل کے مسائل کے عنوان سے حالات حاضرہ اور وقتی مسائل پر چھوٹے چھوٹے مضامین و سوالات ڈاکٹر امبیڈکر خود لکھا کرتے تھے۔اس میں مراسلے بھی شائع ہوتے تھے۔ان شماروں سے منتخب مضامین کو جمع کر کے مختلف حضرات نے چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کی ہیں۔رحمانی صاحب نے ایک دو مضامین کو بنیاد بنا کر ان سے بھی کچھ حیرت انگیز نتائج اخذ کیے ہیں۔مگر چونکہ زیر بحث کتاب 'پاکستان' میں ان موضوعات پر مفصل بحثیں نہیں ملتی اس لئے 'بہشکرت بھارت' کے حوالوں پر نقد کرنے سے پرہیز کیا جا رہا ہے۔

رحمانی صاحب نے تین قسطوں پر مشتمل مضمون پر ڈاکٹر امبیڈکر سے متعلق جن شبہات کا اظہار کیا ہے اور ڈاکٹر امبیڈکر پر اسلام یا مسلمان دشمن ہونے کا جو سوالیہ نشان لگایا ہے اس سے انہوں نے سنگھ پریوار کے مقاصد کو ہی پورا کیا ہے۔جس کا اندیشہ خود موصوف نے اپنے مضمون میں ظاہر کیا ہے۔ایسا کر کے انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی ہندتو کے خلاف تحریروں میں پھیلی ہوئی ہزاروں صفحات کی معرکہ آرائی کو نظرانداز کیا ہے ڈاکٹر امبیڈکر نے جو معرکہ ہندتو کے خلاف برپا کیا تھا۔ویسی مثال دو تین دہوں میں مشکل سے ملے گی۔ان کا کوئی قول و عمل یا لٹریچر مسلمانوں یا عیسائیوں کے خلاف نہ تھا۔یہ ضرور ہے کہ وہ بودھ مذہب کیلئے نرم گوشہ رکھتے تھے اسی لئے آخر کار 14 اکتوبر 1956ء کو اپنے لاکھوں پیروؤں کے ساتھ ناگپور میں دسہرہ کے دن بودھ مذہب اختیار کیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر علمی شخصیت کے مالک تھے۔لیکن ایک کمزوری کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ انہوں نے اسلام کے تعلق سے معلومات راست حاصل نہیں کیں اسلام کے تعلق سے ان کی تحریروں سے یہ بات جھلکتی ہے انہوں نے اسلام متشرقین کی نگاہ سے دیکھا ہوگا اسی وجہ سے اسلام پر آج کل جو مواد انگریزی اور دوسری علاقائی زبان میں تھا،اس سے وہ ناآشنا تھے۔جس کی ذمہ داری ڈاکٹر امبیڈکر پر نہیں اس دور کے مسلم رہنماؤں اور دانشوروں پر جاتی ہے۔

ڈاکٹرامبیڈکرکو اسلام اور مسلم مخالف ثابت کرنے کی ایک سازش:

مندرجہ بالا مضمون میں ڈاکٹرامبیڈکر کی تحریروں سے انہیں اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ثابت کرنے کی کوشش کس طرح کی گئی اس پر روشنی ڈالی گئی۔ قصداً ایک اور کوشش ہندتو کے ایک لیڈر ونئے کٹیار کے ذریعہ بھی پچھلے سالوں کی گئی تھی۔ ونئے کٹیار بجرنگ دل کے لیڈر رہ چکے ہیں، وہ سابق میں پارلیمان کے رکن بھی رہ چکے ہیں انہوں ڈاکٹرامبیڈکر مسلمانوں کے مخالف تھے ثابت کرنے کیلئے اپنی تقاریر میں سیاق وسباق سے کچھ جملے نکال کر ان کا استعمال شروع کیا تھا۔ مگر دلت حلقوں کی طرف سے اور خاص طور پر بی۔ایس۔پی کی لیڈر مایاوتی کی تنبیہ پر یہ سلسلہ بند کیا گیا۔

ڈاکٹرامبیڈکر کے سیاسی کیریئر میں انہوں نے مسلمان رہنماؤں کی پالیسیوں پر ضرور تنقید کی اور جب بھی اپنے مفاد سے ٹکراتے ہیں تو فریقین کو یہ حق پہونچتا ہے۔ مسلم سوسائٹی کی سماجی حالت پر بھی انگشت نمائی کی۔ طلاق کا مسئلہ، برقعہ کا استعمال، اسلام میں کنیز رکھنے کا رواج (جواب معدوم ہے) وغیرہ۔ مسلم سوسائٹی کو قریب سے دیکھنے کا شاید انہیں موقع بھی نہیں ملا۔ ڈاکٹر ٹائٹس اور ولیم مور جیسے مخالف اسلام کی کتابوں سے واقف ہوئے۔ پردہ کے تعلق سے بھی انکا موقف ناقابل فہم ہے۔ عام الیکشن کے دوران مسلم عوام اپنی مسجدوں کیلئے چھت فرش کیلئے کس طرح ووٹوں کی سودے بازی کرتے ہیں اس کی بھی نشاندہی کی ہے اور کچھ حدتک اس میں سچائی بھی ہے۔ انہیں اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا حق تھا اگرچہ ہم پوری طرح ان سے متفق نہ ہوں۔ اصلاح معاشرہ کے نام لامتناہی جلسوں کے انعقاد سے مسلم سوسائٹی کیا انکار کرسکتی ہے؟ ہندوستانی مسلمانوں میں اشراف اور اجلاف کے مسئلہ سے کوئی انکار کرسکتا ہے؟

اس پر بھی ڈاکٹرامبیڈکر نے انگلی اٹھائی ہے۔ مگر آج کے دور میں جب فحاشی عام ہوئی۔ اگر ڈاکٹرامبیڈکر زندہ رہتے تو کم ازکم پردہ کے تعلق سے اپنا نظریہ ضرور بدل دیتے۔

کتاب مذکورہ کے باب دس میں Social Stagnation (سماجی جمود) مسلم سماج کے تعلق سے انہوں نے مسلمانوں میں پائی جانے والی سماجی خرابیوں پر جو سیر حاصل بحث کی ہے (صفحہ 225) کچھ نکات کا معقول جواب دیا جاسکتا تھا۔ کچھ تو صحیح تھیں اور کچھ ان کی لاعلمی کا نتیجہ تھیں آج ڈاکٹرامبیڈکر زندہ نہیں ہیں جس وقت کتاب منظر عام پر آئی اس وقت کے مسلم دانشوروں اور علماء کا یہ فرض بنتا تھا۔ اب اس پر مزید بحث لاحاصل ہے۔

27 - امبیڈکر اور اسلام

از ڈاکٹر آنند تیلتمبڈے

Ambedkar On Islam by Dr. Anand Teltumbde

ڈاکٹر آنند تیلتمبڈے ایک دلت دانشور ہیں۔انسانی حقوق کے حصول کے میدان میں کام کرتے ہیں۔ڈاکٹر امبیڈکر سے دور کی قرابت میں ہے۔انگریزی پر عبور رہے۔جہاں مسلم مخالف فساد ہوتے ہیں پہونچ کر حقائق کی تحقیق کر کے رپورٹ تیار کرتے ہیں۔سنگھ پریوار نے ایک مشن چلایا اور ڈاکٹر امبیڈکر کو مسلمان مخالف ثابت کرنے کیلئے انھوں نے بجرنگ دل کے سابق رکن پارلیمان ونئے کٹیار کے ذمہ یہ کام سونپ دیا۔اس کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ مایاوتی، اصغر علی انجینئر، ادت راج (صدر جسٹس پارٹی) مشہور دلت دانشور کانچا ایلیا (Kancha ELahia)، گیل اومویٹ (Gail Omvedt) جیسے چوٹی کے دانشوروں نے اس مشن کی

کھل کر مخالفت کی، اور اس ضمن میں کئی مضامین شائع کیے افسوس اس بات کا ہے کہ سوائے اصغر علی انجینئر کے دوسرے مسلم اہل قلم خاموش رہے اور ان کی خاموشی کی وجہ سمجھ میں آتی کہ انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی اسٹڈی کی ہی نہیں اسلئے تردید کا سوال کہاں سے آئے گا؟

ڈاکٹر آنند نے تو ایک کتاب ہی لکھ ڈالی جس کا عنوان ہے Ambedkar On Islam یہ کتاب 94 صفحات پر مشتمل یہ انگریزی VAK پبلی کیشن 62، لنک روڈ، ملاڈ (ویسٹ) ممبئی۔ 64 سے شائع کیا ہے چند سال قبل حیدرآباد کے روزنامہ سیاست نے قسط وار اردو میں ترجمہ بھی شائع ہوئی تھا۔ موجودہ صدی ملک کی سماجی، مذہبی اور سیاسی زندگی میں امبیڈکر فیکٹر Ambedkar Factor اہمیت کا حامل رہے گا۔ اسلئے مسلم اہل قلم سیاست دانوں اور دانشوروں کی امبیڈکر سے واقفیت ضروری ہو جاتی ہے۔ اواس ضمن میں لکھی جانے والی کتابیں بھی۔

ڈاکٹر آنند کی کتاب کا مختصر جائزہ بھی قارئین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ مسلم امت ڈاکٹر آنند کی مشکور رہونا چاہئے کہ انہوں نے مسلم امت کیلئے یہ کام کیا۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں انتسابی جملے لکھے۔

All thoese who dared Communalist Ire in helping the halpess Muslim-Victims of Gujrat Carnge and kept aloft a hope for India.

''ان کے نام جنہوں نے فرقہ پرستوں کے عتاب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گجرات کے بے سہارا مسلمانوں کے خون فشانی کے وقت ان کی مدد کر کے ہندوستان کی امیدوں کو زندہ رکھا۔''

ڈاکٹر آنند کی پوری کتاب کا جائزہ تو ممکن نہیں ہے مگر اہم اہم نکات پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ ابتدائی جملوں میں ڈاکٹر آنند نے ایک بڑی دلچسپ بات کہی وہ یہ کہ ایک ایسا شخص جس پر زنا بالجبر کا الزام تھا۔ (ونئے کٹیار اور جس پر اس کے تنظیم کے سادھوں اور سنتوں نے بدعنوانیوں کا الزام لگایا تھا ایسے شخص سے ڈاکٹر امبیڈکر کے بارے میں اظہار کئے گئے خیالات کی تردید میں کچھ لکھنا نہ ڈاکٹر امبیڈکر کے شایان شان ہے نہ مصنف کے لئے مناسب، لیکن جب اس شخص کا تعلق ایک تنظیم بجرنگ دل سے ہے اور وہ اصرار کرتا ہے کہ وہ اپنے موقف کی تائید میں ڈاکٹر امبیڈکر

کے تحریری ثبوت رکھتا ہے تب یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ تردیدی جواب دیا ہی جائے۔ڈاکٹر آنند یہ سب کچھ اسلئے بھی کرنا چاہتے ہیں کہ گجرات میں مودی نے آدمی باسیوں اور دلت طبقہ کے ذریعہ مسلمانوں کا خون کروایا۔انہیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کی تحریک نے دلتوں میں کسی قسم کا بغاوت کا جذبہ پیدا نہ کیا۔کیونکہ گجرات کا دلت گاندھی ازم کے سحر سے مرعوب ہے۔ڈاکٹر آنند نے اپنی کتاب میں خاص طور پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جب کچھ سال قبل گجرات میں ریزوریشن کی تحریک چل رہی تھی اس وقت ہندتو وادیوں کی طرف سے یہی دلت نشانہ بنے تھے انہیں افسوس ہے کہ اس کے باوجود گجرات کے دلت، مسلمانوں پر ظلم کرنے کیلئے آگے آگے رہے یہ کام انہوں نے مودی کے آلہ کار بن کر کیا۔مسلمانوں کے خلاف دلتوں کے استعمال کرنے سنگھ پریوار نے ڈاکٹر امبیڈکر مسلم مخالف اور ہندوتوا کے حامی ثابت کرنے کی ناپاک حرکت شروع کی تھی۔اسلئے وسنئے کٹیار کی مہم کا نوٹس لینا ضروری تھا۔

ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر آنند یہ بھی کہتے ہیں گجراتی دلتوں کے برخلاف ملک کے باقی حصوں کے دلتوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی وراثت پائی جاتی ہے۔اسلئے گجرات کا تجربہ دوسری ریاستوں میں ممکن نہیں،لیکن پھر بھی اس ناپاک تجربہ کی کوشش کو ناکام بنانے کے اقدامات ضروری تھے۔ ڈاکٹر آنند کہتے ہیں اسلام اور مسلمانوں سے اگر ڈاکٹر امبیڈکر کو نفرت تھی تو اپنے اخبار 'بہشکرت بھارت' میں اسلام کے تعلق سے مہاراشٹر کے ایک مصلح 'لوک ہت' وادی سے مضامین کا سلسلہ کیوں شائع کراتے (نوٹ ان مضامین نگار کی اسلام سے عدم واقفیت کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ مصنف) ڈاکٹر آنند کہتے ہیں کہ گول میز کانفرنس کے وقت ڈاکٹر امبیڈکر کو مسلم نمائندوں سے کچھ تلخ تجربات ہوئے اس وقت مسلمانوں نے ڈاکٹر امبیڈکر سے تعاون کیا۔آئین دستور ساز اسمبلی میں داخلہ کے لئے صوبائی اسمبلیوں سے نامزدگی ضروری تھی ایسے وقت ڈاکٹر صاحب آئین ساز اسمبلی میں داخلہ کے خواہش مند تھے۔ممبئی اسمبلی سے انہیں امیدواری دینے کیلئے کوئی تیار نہیں تھا۔اس وقت ڈاکٹر امبیڈکر کی صحت بھی جواب دے رہی تھی۔اس نازک وقت میں مسلمان ہی ان کی مدد کے لئے آگے بڑھے۔ڈاکٹر جوگندر ناتھ منڈل اس وقت بنگال کی اسمبلی میں ڈاکٹر امبیڈکر کی شیڈ

ولڈ کاسٹ فیڈریشن کی نمائندگی کررہے تھے۔ بنگال اسمبلی سے مسلم لیگ کی مدد سے ڈاکٹر امبیڈکر آئین ساز اسمبلی میں پہونچ گئے۔

و سنئے کٹیار نے زبردست غلط بیانی سے کام لے کر اپنی تقریروں میں کہنا شروع کیا کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی کتاب ''پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم'' میں مسلمانوں کو دہشت پسند (Terrorists) لکھا ہے۔ ڈاکٹر آنند نے پوری کتاب چھان ماری اور لکھا کہ پوری کتاب میں 5 مرتبہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے مگر وہ بھی ایک ہی پیراگراف میں مگر یہ لفظ جس ضمن میں آیا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ لفظ مسلمانوں کے تعلق سے نہیں بنگال کے دہشت پسندوں کے بارے میں (Terrorists of Bengal) ہوا ہے۔ جو اپنی کی پارٹیوں کے لئے جو گاندھی جی کی ہندوستان میں آمد سے قبل سیاسی طاقت کے خواہش مند تھے۔ ایک اور جگہ لفظ دہشت (Terrorists) محمود غزنوی کے تعلق سے ہے جملہ یوں ہے۔ That would Strike in the Hearts of Hindus یعنی محمود غزنوی کی آمد سے ہندوؤں کے دلوں میں دہشت پیدا ہوتی لیکن و سنئے کٹیار نے بلا جھجک کہنا شروع کیا تھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے مسلمانوں کو Terrorists کہا۔ اس قسم کی دروغ گوئی سنگھ پریوار سے نہیں تو اور کس سے کی جا سکتی ہے؟

ڈاکٹر آنند نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے مسلمانوں کو ضروری تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر امبیڈکر نے لکھا ہے کہ

All though the Islam is te religion which can transcend race and colour and unite diverse people into a compact brother hood yet Islam in India has not Succeded, uprootng caste form among the Indian Muslims.

ترجمانی: اگرچہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو نسل اور رنگ سے ماورئ ہے جو مختلف انواع کے لوگوں کو ایک برادری میں جوڑتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ہندوستانی مسلمانوں میں ذات پات کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔''

اس تلخ حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جو ڈاکٹر امبیڈکر نے مسلمانوں کے سماج کے بارے میں اسلامی اخوت کی جو بات کہی ہے کیا اس سے اسلام دشمنی کی جھلک نظر آتی ہے؟ کیا کوئی

مسلمانوں میں ذات پات کی موجودگی سے روگردانی کرسکتا ہے بھلے ہی یہ محدود پیمانے پر ہی کیوں نہ ہو؟

ایک جگہ ڈاکٹر امبیڈکر مذکورہ کتاب میں تحریر کرتے ہیں:* 'مسلمانوں کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مذہب ان کی اولین ترجیح ہے یہ اس وقت نظر آتا ہے جب کسی انتخابی حلقہ میں امیدوار سے ووٹ دینے کیلئے شرائط منواتے ہیں۔ امیدوار کے پروگرام کو باریک بینی سے نہیں جانچتے۔ امیدوار سے ان کا مطالبہ ہوتا ہے کہ مسجد کے پرانے چراغوں (Lamps) کی بجائے نئے چراغ مہیا کئے جائیں یا پھر مسجد کو نئے جائے نماز عطا کئے جائیں۔ یا کسی مسجد کی مرمت کا مطالبہ ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر امبیڈکر کی اس تنقید پر مزید تبصرہ غیر ضروری ہے۔

'پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم'' میں پاکستان کے قیام کو جائز قرار دیتے ہوئے جن مباحث کو ڈاکٹر امبیڈکر نے چھیڑا ہے اس میں ہندوستان سے بودھ مذہب کے خاتمہ کی وجوہات بھی شامل ہیں اس بحث میں کئی جملے ایسے ہیں جنہیں سیاق اور سباق سے نکال کر پڑھا جائے تو آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان حملہ آوروں نے ملک سے بودھ مذہب کو ختم کیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے بہت زمانہ قبل ہی برہمنوں نے بودھ مذہب اور بودھوں پر حملے شروع کئے۔ موریہ خاندان کا آخری راجہ Pushyamitra Sung پوشیہ مترا سنگھ 150 ء قبل مسیح میں پاٹلی پتر کا راجہ تھا۔ اس ہندو برہمن راجہ نے 150 ء قبل مسیح سے ہی بودھ مذہب ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا یعنی مسلمانوں کی آمد سے ایک ہزار سال قبل ہی بدھ ازم کے خلاف برہمنزم کی جارحیت شروع ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر آنند کہتے ہیں کہ ڈاکٹر امبیڈکر کے مطابق ہندوستان پر بیرونی حملے ہوئے ہیں۔ انہیں مسلمانوں کے حملے کہہ کر غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے۔ جبکہ یہ حملے، عربوں، ترکوں، منگولوں، اورافغانیوں کے تھے۔ اور یہ کہ حملے خاندانی فوقیت کیلئے Supremacy Among those Dynasties تھے۔ ہندوستان پر جو باہری حملے ہوئے ہیں انہیں دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ا) بودھ انڈیا پر براہمنوں کے حملے اور ہندو انڈیا پر مسلمانوں کے حملے، سماجی اور روحانی نقطۂ نظر

سے ہندوانڈیا پر مسلمانوں کے حملوں کے اثرات انتہائی سطحی اور عارضی Superficial & ephemeral تھے جبکہ بودھ انڈیا پر برہمنوں کے حملوں کے اثرات مستقل رہے۔ ان برہمنوں کے حملوں کے مقابل میں بہت ہی معمولی نوعیت کے تھے۔ مسلمان حملہ آوروں نے ہندو مذہب صرف ظاہری علامات مثلاً مندورں اور مٹھوں کو تباہ کیا۔ مسلمان ہندوازم کو جڑ سے اکھاڑ پھینک نہ سکے۔ اور نہ ان اصولوں اور عقائد کو ختم کر سکے۔ جس پر یہاں کے باشندوں کا روحانی نظام کھڑا ہے۔ برہمنی حملوں کا اتنا زبردست اثر ہوا کہ بودھ مذہب نے روحانی زندگی کے جن دائمی اصولوں کی ایک صدی سے تعلیم دی اور جنھیں عوام نے دل اور جان سے قبول کیا تھا ان میں مکمل تبدیلی ہوئی۔ اس ملک کی سماجی زندگی کی مثال انہوں نے پانی کے ٹب (Tub) سے دی جسمیں پانی ہے اور ایک انسانی بچہ، مسلمان ملک میں آئے انہوں نے کچھ دیر تک اس پانی میں جنبش پیدا کی۔ پانی میں تھوڑی حرکت پیدا ہوئی۔ پھر انہوں نے پانی کی اوپری سطح میں جنبش پیدا کرنا بند کر دی، اور پھر تھک کر حرکت کرنا چھوڑ دیا۔ پانی میں جو کچھ تلچھٹ تھا وہ پھر تہہ میں بیٹھ گیا۔ یعنی ملک کے سماجی اور روحانی نظام کو جوں کا توں باقی رہنے دیا۔ اور ٹب میں جو بچہ تھا (یعنی ہندوازم) اُسے ویسے ہی چھوڑ دیا۔ اسکے مقابل میں برہمنزم نے نہ صرف اس ٹب کا پانی بلکہ اس بچہ (بدھسٹ) کو نکال کر پھینک دیا اور اس میں خود اپنا پانی بھر دیا اور اپنا بچہ رکھا یعنی پورے سماجی اور روحانی نظام کو بدل دیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کہتے ہیں کہ ہندو ان حملوں کو مسلمانوں کے حملے کہتے ہیں۔ جبکہ یہ تاتاریوں، افغانیوں اور منگولوں کے تھے۔ محمود غزنوی تاتار تھا۔ غوری افغانی تھا۔ تیمور منگول تھا۔ احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ افغانی تھے۔ افغانیوں نے تاتاریوں کے منگولوں کو افغانیوں نے تاتاریوں کو بے دخل کیا۔ یہ حملے کسی اسلامی جذبے کے تحت نہیں تھے۔ یہ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے۔ ڈاکٹر آنند مزید کہتے ہیں کہ ڈاکٹر امبیڈکر اگرچہ کہ بدھ ازم سے جذباتی لگاؤ رکھتے تھے مگر اسکے باوجود ان کا خیال مسلمانوں کے حملوں سے بدھ ازم کا جو نقصان ہوا اسکے مقابل میں برہمنزم کے ہاتھوں بدھ ازم کا نقصان زیادہ شدید تھا۔

یہ چند مثالیں تھیں جو ڈاکٹر آنند تیلتمبڈے نے ڈاکٹر امبیڈکر کے دفاع میں لکھی ہیں۔

اور انتہائی عالمانہ انداز میں ثابت کیا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کسی بھی طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہیں تھے۔ بحث کی طوالت کے خوف سے بہت ساری مثالیں جو انہوں نے دی ہیں ان کا بیان کرنا مشکل ہے۔ جو قارئین اس کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وہ ان کا انگریزی کتاب ''امبیڈکر آن مسلم'' کا ضرور مطالعہ کریں۔

(Ambedkar On Muslims)
Vikas Abhyayan kendra (Publised from D-1,Shivedham,62, Link Raod,Malad (W), Mumbai (400 064)

نے شائع کیا۔

28 - ڈاکٹر امبیڈکر۔ لیبر منسٹر

جس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی ملک میں اپنے قدم جمارہی تھی۔ اس وقت کمپنی کے پاس بہت کم سپاہی تھے۔ اسلئے اس کمپنی نے اس ملک پر اپنا قبضہ جمانے کیلئے مقامی لوگوں کو فوجی تربیت دینا شروع تھا۔ ان میں مہارلوگوں کی اکثریت تھی۔ کمپنی کو کم ازکم دو اہم فیصلہ کن معرکوں میں اچھوت مہاروں کی مدد لینی پڑی، ایک پلاسی کی لڑائی اور دوسرے پونہ کے قریب ہونے والی کورے گانوں کی۔

1857ء کے بعد ملکہ وکٹوریہ کے دور میں مہاروں کی 30 بٹالین فوج کی انگریزوں نے تشکیل دی تھی مگر 1892ء میں لارڈ کچسنر (Lord Kitchner) نے اعلیٰ ذات والوں کی

شکایت پرفوج میں مہاروں کی بھرتی روک دی تھی ڈاکٹر امبیڈکر نے اچھوت فوجیوں کے کارناموں کی دہائی دے کر برطانوی حکومت کے سامنے مطالبہ رکھا کہ اچھوتوں کو بڑے پیمانے پر فوج میں لیا جائے۔ برطانوی حکومت نے مطالبہ تسلیم کیا۔ مہار بٹالین دوبارہ قائم ہوئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے مہاراشٹر کے مختلف مقامات پر مہم چلائی اور اچھوتوں کو ترغیب دے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوج میں بھرتی ہو جائیں۔

1935ء کے ترک ہندو مذہب کے اعلان سے ہندو مہا سبھائی اور خود کانگریس کے کئی رہنما بشمول گاندھی جی پریشان ہو گئے تھے۔ انہوں نے کوشش جاری رکھی تھی کہ اچھوت کسی طرح اسلام اور عیسائیت کی طرف راغب نہ ہوں۔ ان لوگوں نے نے ڈاکٹر امبیڈکر سے ملاقاتیں کر کے ان سے وعدہ لیا کہ وہ کوئی ملکی (بھارتی) مذہب اختیار کریں گے تو مہا سبھائی اور ہندتوو ادیوں کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس سے قبل ڈاکٹر امبیڈکر نے سکھ مذہب سے بھی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ مگر رجحان کسی اور طرف تھا۔ بودھ مذہب کے تعلق سے اپنے نرم گوشہ کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا تھا۔

مذہب کے معاملہ میں روحانی پہلو پیش نظر نہ تھا۔ اپنے متعقدوں، چاہنے والوں اور اپنے کروڑوں ہم ذات مہاروں اور دوسرے اچھوتوں کا سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مالی مفاد پیش نظر تھا۔ 1936ء میں ممبئی میں تبدیلی مذہب کے سلسلے میں منعقد جلسہ میں کہا تھا کہ جب کوئی ملاح اپنے جہاز کے ساتھ طویل بحری سفر کے لئے نکلتا ہے تو اس کو بہت ساری باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے مکمل تیاری مسافروں کی تعداد وغیرہ بھی پیش نظر رہتی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہا تھا کہ تبدیلی مذہب کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اپنی تقریر کے آخری حصہ میں گوتم بدھ کی زندگی کا ایک واقعہ سنا کر ایک سگنل انہوں نے دیا کہ بودھ مذہب کی طرف ان کا رجحان ہے۔

سکھ مذہب میں بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار کر کے مختلف وجوہات کی بناء پر اس کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ تبدیلی مذہب کی تحریک ہی کو انہوں نے سرد خانہ میں ڈال دیا تھا۔ لیکن

سیاسی سرگرمیاں جاری تھیں۔جولائی 1941ءمیں دوسری جنگ عظیم کے پیش نظر برطانوی حکومت نے وارکونسل (War Council) تشکیل دی۔دوسری نمائندہ شخصیتوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر بھی اس کونسل پر وائسرائے کی طرف سے نامزد کئے گئے۔مگر وائسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل (مرکزی وزرات) میں اچھوت نمائندہ کی غیر موجودگی کا انھوں نے نوٹس لیا اور برطانوی وزیر برائے ہندوستانی اور لارڈ ایمبرے (Lord Amrey) کو بذریعہ تار اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔

انہیں دنوں میں 'مہاروطن داروں' کے تحفظات کے لئے انہوں نے جدو جہد تیز کر دی تھی۔مختلف علاقوں کا دورہ اچھوتوں کو فوج میں بھرتی کے لئے راغب کرنا وغیرہ ان کی مصروفیات میں شامل تھے۔

17 مئی 1941ء کے خود کے اخبار 'جنتا' میں مہاتما گوتم بدھ پر ایک طویل مضمون لکھا۔جس کی وجہ سے یہ موضوع پھر زیر بحث آیا۔عوام کو یقین ہوا کہ ڈاکٹر امبیڈکر اب ضرور بودھ مذہب اختیار کریں گے۔اس مضمون میں انہوں نے گوتم بدھ کی پیدائش سے لیکر انتقال تک کے حالات اور انکی تعلیمات پر روشنی ڈالی۔

اپنے مضمون میں انہوں نے لکھا کہ گوتم بدھ کے دور میں برہمنوں کے مذہب کے تین اہم ستون تھے جس پر مذہب کھڑا تھا۔

(۱) وید پر اعتقاد (۲) یگیہ کے دوران قربانی

(۳) ورن آشرم یعنی سماج کی مختلف طبقات میں تقسیم

اپنے اس طویل مضمون میں انھوں نے تحریر کیا کہ ویدوں میں جو کچھ لکھا ہے اس کی سچائی پر یقین کرنے کے برخلاف گوتم بودھ کی تعلیم ہے کہ جو چیز علم کی کسوٹی پر صحیح اتر جائے اس پر یقین کیا جائے۔ایشور کو پانے کیلئے یگیہ کرنا اور اس موقع پر انسانی قربانی دی جانا یہ برہمنی مذہب کا دوسرا اہم اصول تھا۔اس وقت انسانی قربانی دیئے جانے کے بعد انسانی گوشت کھایا جاتا۔انسانی قربانی کا سلسلہ بودھ کے دور میں ختم کیا گیا اور گائے کی قربانی کا سلسلہ شروع ہوا۔اس دور کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ برہمن کس قدر گائے کا گوشت کھایا کرتے۔ان کے گائے کی

گوشت خوری کہ مقابل آج کے مسلمانوں کی گوشت خوری ہیچ نظر آتی ہے بودھ نے جس طرح وید پر جارحیت کی اسی طرح یگینہ کے رواج پر بھی کی۔ ایشور پانے کا تصور اور دھرم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دھرم صرف ان اصولوں کو طے کرتا ہے جس کی روشنی میں انسان دوسروں سے اچھے تعلقات استوار کر سکے۔ اور یہی بدھ ازم کا بنیادی اصول ہے۔ بودھ مذہب کو یہ تسلیم نہیں تھا کہ ایشور کو پانے کی کوشش مذہب کا ایک حصہ ہے۔ ایک طرف تو ایشور پانے کیلئے یگینہ کرنا اور دوسری طرف ایسی حرکتیں کرنا جس سے پڑوسیوں کو تکلیف پہونچے۔ ایک طرح سے یہ تصور مذہب کا مذاق ہے۔

مہاتما گوتم بدھ نے ورن آشرم یعنی طبقاتی تقسیم کے نظام پر زبردست حملہ کیا۔ برہمنی دھرم کا مغز ہی سماجی تقسیم ہے۔ سماج میں پیدائشی اونچ نیچ کے تصور کا پھیلاؤ اسی نظام سے ہوتا ہے۔ برہمنی نظام میں شوردوں اور عورتوں کو کوئی مقام نہیں۔ زندگی گزارنے کے ذرائع بند ہیں۔ انہیں آزادی نہیں یہ زندہ رہتے ہوئے بھی مردہ ہیں۔ مرنے کے بعد بھی انہیں کوئی نجات نہیں۔ برہمنی دھرم میں شوردوں اور عورتوں کو سنیاس لیکر بننے کا اختیار نہیں تھا۔ یہ اعتراض بھی گوتم بودھ نے بخشا سیدھے سادے اصولوں کی بنیاد پر مہاتما گوتم بدھ نے بہت بڑا انقلاب لایا۔ یہ اصول انقلابی ثابت ہوئے۔ جنوب میں سیلون سے لیکر بحرالکاہل کے چھوٹے چھوٹے جزیروں تک بودھ کی تعلیمات کی اشاعت ہوئی۔ برما (موجودہ میانمار)، آسام، سیام (موجودہ تھائی لینڈ) چین، جاپان تک اس کی اشاعت ہوئی شمال میں تبت، نیپال، ترکستان تک اتنا ہی نہیں افغانستان بھی بودھ دھرم اختیار کیا۔ کسی اور دھرم کی اتنی اشاعت نہیں ہوئی تھی۔ اسلام نے طاقت کے زور پر عیسائیت قانون سے مگر صرف بودھ مذہب ہی ایک ایسا دھرم ہے جسے طاقت یا قانون کا سہارا لینا نہیں پڑا۔ لوگوں نے خود ہی اس دھرم کو قبول کیا۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں نے کیوں اس دھرم کو بھلا دیا؟ بودھ دھرم ہندوستان کے باہر زندہ ہے مگر اپنی پیدائش کے ملک میں اسے کیوں زوال آیا؟ ان کی وجوہات یہاں محض جگہ کی کمی کے وجہ سے نہیں دی جاسکتیں، بودھ مذہب چین، جاپان، برما، میں نہیں اسی ہندوستان میں یہ کیوں ناپید ہوا۔

زمانہ ذمہ دار نہیں ہے اس کے دشمن ذمہ دار ہیں ۔صرف برہمنوں کی وجہ سے اس مذہب کو زوال آیا۔صرف بودھ مذہب سے ہی نہیں بلکہ جین دھرم سے بھی انہیں دشمنی تھی بودھ کی طرح مہاویر بھی یگینہ کے خلاف تھے ۔مگر جس شدت سے ان برہمنوں نے بودھوں پر حملہ کیا اتنی شدت مہاویر کے خلاف نہیں تھی ایک اور اہم چیز یہ ہوئی کہ بودھ کا برہمنوں کی ویدوں پر اعتراض بہت زیادہ قابل اعتراض نہ تھا انہوں نے یگینہ کے نظام پر بھی تنقید سہن کر لی کیونکہ یگینہ کا وجود رہے یا نہ رہے اس کی وجہ سے برہمنی نظام کے وجود پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں تھا ۔مگر ورن آشرم (سماجی درجہ بندی، اونچ نیچ کا طبقاتی نظام) پر تنقید ان برہمنوں کو ناقابل برداشت تھی ۔ان برہمنوں کو یہ شدید احساس تھا کہ ورن آشرم ختم ہوا تو برہمنزم ختم وہ چترورن (سماج کی چار طبقات میں تقسیم) کو اپنی آتما سمجھتے تھے ۔اس دور کی پوری کشمکش برہمن اور غیر برہمن کی تھی ۔اسی لئے بودھ مذہب کو ختم کرنے کیلئے نئے نئے حربے اختیار کئے گئے ۔اس ضمن میں انہوں نے ایک اہم کام یہ کیا کہ ویدک دیوتا برہما، وشنو، اور مہیش کو پس پشت ڈال دیا۔اور کشتری شخصیتوں رد یوتاؤں رام ۔کرشنا کو اپنایا غیر براہمنی عوام میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ اب برہمنوں کے خلاف کسی مہم کی ضرورت نہیں ۔مہاتما بودھ نے برہمنوں کے خلاف جو تحریک چلائی تھی ۔وہ کمزور ہوتی گئی ۔ادھر بودھوں سے کہا جانے لگا کہ بودھ وشنو کا دسواں اوتار ہے ۔اب جھگڑا باقی نہیں رہا۔جہاں بودھوں نے وہار بنائے وہیں بازو میں برہمنوں نے بھی وہار بنائے جب غیر برہمنوں نے دونوں میں مماثلت دیکھی تو انہیں کوئی خاص فرق نظر نہیں آیا۔مسلمانوں کی آمد کے بعد بودھ وہاروں کو نقصان پہونچایا گیا اور بودھ بھکشو وہاں سے نکل گئے اور برہمنوں نے ان وہاروں میں غاروں میں بودھ کی مورتیاں چھوڑ کر 'شیولنگ' نصب کئے گئے اسطرح بودھ مذہب کو ہندوستان سے دیش بدر کر دیا۔

مہاتما گوتم بودھ اور بودھ مذہب کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر امبیڈکر نے لکھا کہ اس سے زیادہ کیا بدبختی ہو سکتی ہے کہ جس شخص نے اور جس مذہب نے غیر برہمنوں کے مفاد میں سب کچھ کیا اسی مذہب کو ملک بدر کر دیا گیا اس لیے گوتم بدھ کے یوم پیدائش منانے کی عوام سے اپیل کی ۔لکھا کہ لوک شاہی اور برہمنزم ایک ساتھ نہیں چل سکتے ۔

اگرلوک شاہی چاہے تو چترورن کے نظام کا خاتمہ ضروری ہے چترورن کے جراثیم ختم کرنے کیلئے بودھ مذہب کے اصول ہی ایسے کیمیائی مرکب جوان جراثیم کو ہلاک کرسکتے ہیں۔ مضمون کے اخیر میں لکھتے ہیں۔ ''ہندوستان کی کیفیت ایک مریض کی ہے۔ہندوستان کے تصور کے ساتھ ایک ایسے شخص کا نقشہ سامنے آتا ہے جس کا پیٹ آگے کی طرف بڑھا ہوا ہے۔ٹیڑھے میڑھے ہاتھ پیر، پھیکا چہرہ، آنکھیں دھنسی ہوئی، ہڈیوں کا ڈھانچہ ایسا شخص لوک شاہی کی گاڑی کس طرح کھینچ سکتا ہے اگر چہ اس کو اس کی بہت خواہش ہے۔ہوس پوری کرنا ہے تو طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔مگر دوا لئے بغیر یہ ممکن نہیں۔لیکن دوائی لینے سے فائدہ بھی کیا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ دوا سی وقت کارگر ہوتی ہے جب پیٹھ صاف کیا جائے اس میں موجود غلاظت نکال دی جائے۔ہمارے ہندوؤں کا پیٹ درست نہیں اس میں برہمنی مذہب کی گندگی کئی دنوں سے بھری پڑی ہے۔جو حکیم یا وید اس گندگی کو دور کرسکے وہی اس کو لوک شاہی کی گاڑی کھینچنے کے قابل بنا پائے گا اور وید صرف گوتم بودھ ہوسکتا ہے۔ہندوں کے خون کی صفائی نہ رام جینتی نہ کرشنا جینتی، نہ گاندھی جینتی۔گاندھی برہمنوں کے معتقد ہیں۔لوک شاہی کے لئے گاندھی کبھی مناسب شخصیت نہیں ہوسکتے صرف گوتم بدھ ہوسکتے ہیں۔(جنتا 17/مئی 1941 کے ایک مضمون کی تلخیص)

اس مضمون کی اشاعت کے ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر کے متعقدین میں پھر ہلچل ہوئی۔انہیں یقین ہوا کہ بودھ مذہب کے لئے ڈاکٹر امبیڈکر یکسو ہو چکے ہیں۔مگر بعد میں انہوں نے اس مسئلہ کو نہیں چھیڑا۔وقتاً فوقتاً اس قسم کے مضامین شائع کرکے شاید وہ عوامی ردعمل جاننے کی کوشش کرتے رہے ہوں۔

ممبئی میں 'واگلے ہال' میں 'وسنت لیکچر سیریز' کے تحت کتاب 'پاکستان یا تقسیم ہند' پر 18/19/20 فروری 1942ء تین دن کی بحث رکھی گئی۔ پوری بحث کے آخر میں ڈاکٹر امبیڈکر نے جواب دیتے ہوئے کہا ''جو تاریخ فراموش کرتے ہیں۔وہ تاریخ بنا نہیں سکتے۔''

مارچ 1942ء میں برطانوی حکومت نے اسٹرافورڈ کرپس (Sir Strawford Crrips) کو ہندوستان روانہ کیا۔وہ ہندوستانی سیاست کی گتھیوں کو سلجھانے اپنی تجاویز لیکر آئے تھے

ادھر دوسری جنگ عظیم جاری تھی۔جاپانی افواج نے ہانگ کانگ کی بندرگاہ پر قبضہ کرلیا تھا۔امریکی اور دوسری طاقتوں کا برطانیہ پر دباؤ پڑ رہا تھا کہ وہ ہندوستان کے مسائل حل کر دے۔سر کرپس نے ہندوستان میں کانگریس۔مسلم لیگ ہندومہا سبھا اور سکھوں اور دیسی ریاستوں کے سامنے اپنی تجاویز رکھیں۔ڈاکٹر امبیڈکر دوسرے اچھوت قائد ایم۔سی راجہ کے ساتھ 30 مارچ کو سر کرپس سے ملاقات کی۔

سر کرپس کی تجاویز میں ایک تجویز یہ تھی کہ جنگ عظیم کے اختتام کے بعد دستور سازی کیلئے ایک دستور ساز اسمبلی تشکیل دی جائے گی اور دستور سازی میں دیسی ریاستوں کا بھی تعاون لیا جائے۔صوبوں کو وفاقی حکومت میں رہنے کا یاعلیحدہ رہنے کا اختیار دیا جائے۔گاندھی جی نے ان تجاویز وسفارشات کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ ہندوستان کو تقسیم کرنے کا پلان ہے۔مسلم لیگ نے بھی ان تجاویز کو ٹھکرا دیا۔دوسرے صوبوں کے اچھوت لیڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر نے بھی ان تجاویز کو نامنظور کر دیا۔ڈاکٹر امبیڈکر کا کہنا تھا کہ ان تجاویز کو منظور کرنا یعنی اچھوتوں کے ہاتھ پیر باندھ کر ہندو حکمرانوں کے حوالہ کر دینا قدیم دور میں ہندو حکمراں نے اچھوتوں پر جو کچھ مظالم ڈھائے۔اس سے بھی زیادہ مظالم ان تجاویز کو عمل میں لانے کے بعد ہوں گے۔انہوں نے سر کرپس (Sir Crips) کے ذریعے برطانوی حکومت کو یہ پیغام بھیجا کہ اچھوتوں کی منظوری کے بغیر دستور بنانا اچھوتوں کے ساتھ بے وفائی ہوگی۔سر کرپس نے ڈاکٹر امبیڈکر سے دریافت کیا آیا وہ لیبر لیڈر رہیں یا اچھوتوں کے نمائندے؟ اس لئے امبیڈکر نے اپنی پالیسی تبدیل کر کے پرانے مشن کو اپنایا۔انھوں نے 30 مارچ 1942 کو ایک اعلان کیا کہ وہ جولائی میں دلتوں کی پریشد منعقد کرنے جارہے ہیں۔اس موقع پر ان کے قدیم ساتھی ایم۔سی راجہ سے کچھ اختلافات پیدا ہوئے۔بعد میں یہ مجوزہ پریشد ناگپور میں منعقد کرنا طے ہوا۔اور ملک کے تمام دلتوں کی تنظیموں کو اس میں شریک کی دعوت دی گئی۔

14/اپریل 1942 کو ڈاکٹر امبیڈکر کا پچاس واں یوم پیدائش تھا۔جو ممبئی اور پورے مہاراشٹر میں زور شور سے منایا گیا۔19/اپریل 1942 کو ممبئی کے چوپاٹی پر ڈاکٹر مکند رائے

جے کر کی صدارت میں ایک عظیم جلسہ ہوا۔کئی اہم شخصیتوں نے اپنی اپنی تقاریر میں ڈاکٹر امبیڈکر کے کارناموں کا اعتراف کیا۔ممبئی کے شریف ایم۔آر۔بیگ نے بھی اس میں شرکت کی۔اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ڈاکٹر امبیڈکر جب چوتھی جماعت کے طالب علم تھے تو انہیں این۔ایم جوشی نام کے ایک ٹیچر پڑھایا کرتے۔وہ بھی اس موقع پر حاضر تھے اور تقریر میں اس بات کی خوشی کا اظہار کیا کہ ان کا ایک طالب علم آج ترقی کے اتنے منازل طے کر گیا ہے اور اس کی شہرت بام عروج پر ہے۔ 21/اپریل کو مہاراشٹر کے تمام اخباروں نے ان کے کارناموں کی سراہنا کی۔ ان تقریبات کا اختتام کامگار میدان ممبئی پر ایک عظیم الشان جلسہ کے بعد ہوا جس میں انہیں کثیر رقم کی ایک تھیلی دی گئی۔اپنی تقریر کے آخر میں ہندوؤں سے مخاطب ہو کر کہا''اگر تم نے اچھوتوں کو تو مساوی حقوق دیئے اور اپنے سماج میں شامل کیا تو دلت طبقہ تمہاری کسی بھی لڑائی میں تمہارا ساتھ دے گا۔''

2 جولائی 1942ء کو وائسرائے نے اپنی ایگزیکیٹو کونسل (وزرات) میں توسیع کی اور نئے ممبروں کے ناموں کا اعلان کیا جو یہ تھے (۱) سر سی پی راماسوامی (۲) سر محمد عثمان (۳) ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر (۴) سر جے پی سری واستو (۵) سر جوگندر سنگھ

ڈاکٹر امبیڈکر کی نامزدگی پر کانگریسی حلقوں میں دبی دبی زبان میں تنقید ہونے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بھی امید تھی کہ لیبر منسٹر کی حیثیت سے یہ غریبوں اور محنت کشوں کیلئے ضرور کچھ کر گذریں گے۔ٹائمز آف انڈیا نے ان کے تقرر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا''ایک اچھوت ہندو کا ایگزیکیٹو کونسل میں تقرر ملک کی تاریخ میں پہلی مثال ہے۔''ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک اچھوت کو مرکزی وزارت میں ایک اہم عہدہ ملا تھا۔

لیبر منسٹر کی حیثیت سے تقرر کے بعد ملک کی نامور شخصیتوں نے انہیں مبارکبادی کے پیغامات دیئے۔جس میں سر تیج بہادر سپرو، سر سلطان احمد، بیکانیر کے مہاراجہ، ممبئی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر چمن لعل سیتلواد قابل ذکر ہیں۔لیبر منسٹر بننے کی خوشی میں مختلف تنظیموں نے ان کے اعزاز میں جلسے منعقد کئے اپنی تقاریر میں انہوں نے یقین دلایا کہ وہ مزدوروں اور محنت کشوں

کے مفادات کے لئے قدم اٹھائیں گے۔

وہ یہ کہنا نہیں بھولتے کہ وہ خود انتہائی غربت کی زندگی گذار چکے ہیں انہیں محنت کشوں اور مزدوروں کی تکالیف کا احساس ہے۔ 'مہار پنچایت کے استقبالیہ جلسہ میں انہوں نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ سنایا۔ اضلاع سے بہت سارے بچے ممبئی جا کر مزدور کی حیثیت سے کام کرتے، اپنے کچھ ساتھی بچوں کے ساتھ یہ ساتارہ سے ممبئی جانا چاہتے تھے مگر پیسے نہ تھے ایک رات وہ اپنی پھوپھی کے بازو میں سو گئے رات میں پھوپھی کی پیسوں کی تھیلی چرائی مگر بدقسمتی سے اس میں چند پیسے ہی تھے اسلئے وہ جا نہ سکے۔

18 اور 19 جولائی 1942 کو ناگپور میں دلتوں کی ایک پریشد منعقد ہوئی تھی۔ یہ خود ناگپور پہونچے، مدراس سے مشہور اچھوت رہنما این۔ شیوراج بھی ناگپور آئے۔ پنجاب، بنگال مدراس سے ہزاروں نمائندے شریک رہے چونکہ اب یہ لیبر منسٹر بن گئے تھے اسلئے انہوں نے جلسہ کی صدارت قبول نہیں کی۔ صدارت این شیوراج نے کی۔ 75 ہزار افراد شریک تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے جلسہ کو مخاطب کیا۔ ہر طرف وزارت ملنے پر مبارکباد دی گئی۔ اپنی تقریر میں گول میز کانفرنس سے لیکر سر کرپس مشن تک اپنی کارکردگی کا جائزہ لیا کہا کہ ''اچھوتوں میں شعور آ گیا ہے تعلیم کے میدان میں ترقی ہوئی ہے دلت سماج کی خواتین بھی ترقی کے راستے پر گامزن ہیں۔ یہ جو کچھ ہوا ہے ہندوؤں کی بھیک نہیں ہے۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہم ہندو سماج کا حصہ نہیں ہیں۔ جس طرح ملک کی آبادی کا مسلمان ایک علیحدہ آزاد طبقہ ہے اسی طرح ہم اچھوت بھی علیحدہ رہ ہیں۔ اچھوت شخص کا وزارت میں شامل ہونا ایک طرح سے برہمن شاہی کے لئے ایک قسم طمانچہ ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانوی حکومت کے موقف کی تائید کی۔ اسی جلسہ میں کل ہند شیڈول کاسٹ فیڈریشن کے قیام کا اعلان کیا گیا۔

سر کرپس سے ڈاکٹر امبیڈکر نے جب ملاقات کی تھی اس وقت ان سے کہا گیا تھا کہ ایک ہی وقت میں ایک سیاسی جماعت (آزاد لیبر پارٹی) کی نمائندگی اور ایک مخصوص فرقہ کی نمائندگی کیسے کی جا سکتی ہے اسلئے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے 'کل ہند شیڈول' کا

سٹس فیڈریشن کا قیام کرنا ضروری سمجھا تاکہ اچھوتوں کی موثر نمائندگی کی جائے۔

اس پریشد میں اہم قراردادیں منظور کی گئیں۔

(۱) برطانوی نمائندے سر کرپس نے دستور میں ترمیم کیلئے جو تجاویز وسفارشات پیش کی تھی۔انہوں نے نامنظور کرنا اور ان کے خلاف احتجاج کرنا۔

(۲) دستور میں ترمیم کیلئے اچھوتوں کی لازمی رضامندی کے تعلق سے

(۳) اچھوتوں میں تحفظ کا احساس پیدا کرنے ہر صوبہ کے بجٹ میں ان کے لئے رقومات مختص کرنا، مرکزی اور ریاستی انتظامیہ میں اچھوتوں کی تعداد کے لحاظ سے نشستیں محفوظ کرنا۔

(۵) علیحدہ انتخابی حلقوں کا تحفظ

(۶) پبلک سروس کمیشن میں اچھوتوں کیلئے نشستیں

(۷) اچھوتوں کیلئے ہندو آبادیوں سے دور بستیاں بسانا،اس مقصد کے لئے Settlement Commission کا تقرر، جگہ کی حصولی اور رقم مخصوص کرنا۔

(۸) آل انڈیا شیڈول کاسٹس فیڈریشن کا قیام

اس پریشد میں حاضر 25 ہزار خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ صفائی کا خیال رکھیں۔بچوں کی تربیت اور ازدواجی زندگی کے تعلق سے مفید مشورے دیئے۔خواتین سے خاص طور پر کہا گیا کہ بچوں کو اچھی تعلیم دیں اور ان میں اس احساس کو تقویت پہونچایا جائے کہ آگے چل کر انہیں بڑا آدمی بننا ہے۔

20 جولائی کو ہی سمتا سینک دل جو نوجوانوں کی عسکری تنظیم تھی مخاطب کیا اور کہا ''اس تنظیم کے قیام کا مقصد ہندو سماج میں مساوات قائم کرنا تھا لیکن ہمیں اب ہندو سماج سے پوری طرح علیحدہ ہو کر سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے۔ہمیں قدم بہ قدم جانا ہے۔سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہی مساوی حقوق حاصل ہونگے،اور اس سمت میں کوشش جاری رکھنا ہے۔ایک دور ایسا تھا کہ ممبئی میں کسی سیاسی جلسہ کو منعقد کرنا مشکل تھا۔کوئی اس کی ہمت بھی نہیں کرتا'' تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا ''دلتوں کے جلسہ کو ناکام کرنے کیلئے پیٹا گیا تھا۔سمتا سینک دل کو ہر جگہ قائم کرنے کی

تاکید کی ۔شرافت اور عدم تشدد میں فرق ہے ۔عدم تشدد کے اصول کو اپناتے ہوئے خود کو کمزور ثابت مت کرو ۔ہماری حالت ایک بھیڑ کے بچہ کی ہوگئی ہے ۔جس کو ہر شخص کھانا چاہتا ہے ۔ یہ کیفیت اب باقی نہیں رہنی چاہیئے ۔"

8اگست 1942ء سے کانگریس نے انگریزوں کے خلاف عدم تعاون کی تحریک چلائی پورے ملک میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی ۔کانگریسی رہنماؤں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں ۔مسلم لیگ اور ڈاکٹر امبیڈکر کے معتقد اس تحریک سے الگ رہے ۔انہوں نے کہا کہ عدم تعاون (سول نافرمانی) کی تحریک ملک میں لاقانونیت پیدا کرے گی اور یہ حکومت کو چیلنج ہے ۔ 23اگست 1942 کو دہلی میں 'دلت ورگ ہت کارنی' یعنی دلتوں کے مفاد میں کام کرنے والی انجمن نے ڈاکٹر امبیڈکر کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ دہلی میں ان کے استقبال میں ہونے والا یہ پہلا جلسہ تھا۔

کناڈا کے شہر کیوبک کے ایک ادارہ "انسٹی ٹیوٹ آف پیسی فک ریلیشن" (Institute of Pacifc Relations) کے آٹھویں جلسہ میں انہیں اچھوت اور ہندوستان کا آئین (Untouchalbles & Indian Constitution) کے عنوان پر مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی تھی ۔انہوں نے مقالہ لکھ کر ایک ساتھی اور مشہور دلت لیڈر راین ۔شوراج کے ذریعہ یہ مستقبل میں "مسٹر گاندھی اور اچھوتوں کی نجات"

Mr. Gandhi & Emanicipation of Untouchables

کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ اجلاس دسمبر 1942ء میں منعقد ہوا تھا۔اس مقالہ میں ڈاکٹر امبیڈکر نے ثابت کیا کہ کس طرح یہ ایک قومی سطح کا مسئلہ ہے یہ کہ اچھوتوں کی ہندوستان میں کیفیت دوسرے ملکوں میں پائے جانے والے علاقوں سے بدتر ہے اور ان مسائل پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اس قسم کے بہت سارے مسائل اس مقالہ میں اٹھائے گئے تھے ۔اس مقالہ کا لب لباب یہ ہے کہ ہندوستان کے باہر کے لوگ اس ملک کے مسائل نہیں جانتے اور وہ کانگریس کے رہنماؤں کی پالیسی کو سمجھ ہی نہ سکے ۔انہوں نے لکھا کہ کانگریس ملک کی آزادی کیلئے نہیں بلکہ حاکم طبقہ کی آزادی

کیلئے لڑ رہی ہے۔اس ملک میں ہزاروں سال سے برہمن، کشتری اور ویش کسی نہ کسی شکل میں حاکم طبقات رہے ہیں۔ملک کی آزادی کے بعد یہ طبقات دوبارہ ملک کی 90% آبادی کو سیاسی معاشی اور عسکری غلامی میں رکھیں گے۔غیر ملکیوں سے انہوں نے صاف صاف کہا کہ کانگریس پارٹی سے ان کی ہمدردی غلط ہے۔محض ذرائع ابلاغ کے ذریعہ باہر کے لوگ ہندوستان کے پیچیدہ مسائل کو سمجھ نہیں سکتے۔ پورے اخبار کانگریس سے تعلق رکھتے ہیں یہ اخبار بنیا طبقہ کی ملک ہیں۔ باالفرض ملک کے بہوجن اپنے اخبار جاری بھی کرینگے تو تاجر طبقہ جو بنیا ذات سے تعلق رکھتا ہے انہیں اشتہارات نہیں دے گا اور یہ اخبار اپنی موت آپ مرجائیں گے۔دنیا والوں کے سامنے صرف کانگریس کا نقطہ نظر آئیگا۔اس مقالہ میں مختلف ممالک میں پائی جانے والی کشمکشوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں جو کشمکش جاری ہے وہ بالکل الگ ہے کانگریس کے چوٹی کے رہنما اپنے سیکولر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہمیشہ کہتے ہیں کہ وہ ملک کے کروڑوں بہوجنوں کے مفاد میں کام کررہے ہیں مگر ان کی نظروں میں غیر برہمن ہمیشہ کمتر رہتے اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس ضمن میں انہوں نے چند مثالیں بھی دیں۔

1918ء میں جب بہوجن بشمول دلت اور پسماندہ طبقات نے اسمبلیوں میں نمائندگی کی لئے تحریک چلائی تب کانگریس کے قدآور رہنما بال گنگادھر تلک نے شولاپور کی ایک تقریر میں کہا تھا۔"میں سمجھ نہیں سکتا تیلی۔تمباکو کا کاروبار کرنے والے، دھوبی وغیرہ اسمبلیوں میں کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

1942ء میں وائسرائے لارڈ لنلتھگو (Lord Linlithgo) نے دوسری جنگ عظیم کے دوران عوامی تعاون کے لئے 52 ہندوستانیوں کو دعوت دی تھی۔جو لوگ مدعو کئے گئے تھے ان میں کچھ اچھوت بھی تھے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا"وائسرائے نے ہندو مہا سبھا، مسلم لیگ اور کچھ گھانچیوں (یعنی تیلیوں) اور موچیوں کو بلایا تھا۔" یہاں گھانچیوں اور موچیوں کا تذکرہ طنز سے کیا تھا۔وجئے لکشمی پنڈت (پنڈت جواہر لعل نہرو کی بہن) کو اپنے برہمن ہونے پر ناز تھا دسمبر 1940ء میں دہلی

میں آل انڈیا ویمینس کانفرنس (یعنی کل ہند خواتین کانفرنس) میں سوال آیا تھا کہ مردم شماری میں ملک کے شہری اپنی ذات کا اندراج کریں یا نہ کریں؟ بحث میں حصہ لیتے ہوئے وجئے لکشمی پنڈت نے مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ برہمن ہونے پر فخر کیوں نہ کریں۔ پورا مقالہ انتہائی عالمانہ ہے ملک کی سیاسی اور سماجی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بہت کارآمد ہے۔

پونہ کے معاشیات اور سماجیات کی تعلیم کیلئے مشہور ادارے گوکھلے انسٹی ٹیوٹ آف اکنامکس Gokhale Insutitue of Ecomonics میں ممبئی ہائی کورٹ کے جج جسٹس راناڈے کی 101 ویں یوم پیدائش کے موقع پر تقریر کے لئے بلایا گیا (19 جنوری 1943ء) Justice Ranaday ایک برہمن تھے۔ مہاراشٹر میں ہندو سماج کے مصلح کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے جسٹس راناڈے کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے محمد علی جناح اور گاندھی جی کی شخصیتوں کو زیر بحث لایا کہا کہ دونوں حضرات اپنی اپنی انا (Ego) کے شکار ہیں۔ ان دونوں نے ملک کی سیاست کو اپنی شخصی سطح پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ دونوں نتائج کے خطرات سے بے فکر ہیں اور انہیں خطرہ کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ حقیقت میں ان کے ساتھ درپیش ہوتا ہے ان دونوں میں برتری یا پھر ناکامی سے پرے رہنے کا جو احساس پیدا ہوا ہے اس کے لئے ہندوستان کی صحافت ذمہ دار ہے۔ اسلئے انہوں نے صحافت پر حملہ کرتے ہوئے کہا پہلے صحافت ایک پیشہ تھا اب وہ تجارت بن گئی ہے صحافت میں اخلاقی اقدار ناپید ہو گئے ہیں۔ چاپلوسی نے جگہ لی ہے گاندھی اور جناح سیاست میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی حد درجہ کوشش کرتے ہیں۔ گاندھی جی کے پاس کانگریس ہے تو جناح کے لئے مسلم لیگ ہے اگر کانگریس کی طرف سے کوئی بیان دیا جاتا ہے تو مسلم لیگ کب پیچھے رہنے والی! دونوں کا مقابلہ کرنے کے بعد وہ جسٹس راناڈے کی تعریف کرتے ہیں۔ راناڈے عقلیت پسند تھے اپنے خیالات کو دلائل کی روشنی میں پیش کرتے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی یہ تقریر 'راناڈے۔ گاندھی۔ جناح' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ کانگریس نے سول نافرمانی کی تحریک 8 اگست 1942ء کو شروع کی تھی کچھ ہفتوں کے دنگوں

۔فساد آتش زنی کے بعد سرد ہوگئی۔ 20 فروری 1943ء سے گاندھی جی آغا خاں پیالس سے جہاں وہ محروس تھے اپنا 21 دن کا برت شروع کیا۔اس کے پیچھے دو مقاصد تھے۔ایک تو پوری دنیا کے سامنے اپنا موقف رکھنا۔دوسرے اپنی رہائی کے لئے دباؤ بنائے رکھنا پورے ملک میں پھر بے چینی پیدا ہوئی۔گاندھی جی کو رہا کرو کے نعروں سے ملک گونج اٹھا۔وائسرائے کی کونسل سے استعفیٰ دینے کیلئے ممبران پر دباؤ ڈالا گیا۔ہندو مہا سبھا کے ممبر سرو استو اور ڈاکٹر امبیڈکر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔کچھ ممبران جس میں ہومی مودی (Homi Modi) نرپندر ناتھ سرکار Narpendar nath sarkar شامل تھے مستعفی ہوئے۔

14/ اپریل 1943ء کو سر چمن لعل سیتلواد کی صدارت میں ڈاکٹر امبیڈکر کے 51ویں یوم پیدائش کے موقع پر منعقد جلسہ میں ان کی خدمات اور صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا۔

12 مئی 1943ء کو ایک انٹرویو میں پاکستان کے مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ مسئلہ خود ان کی رائے سے حل کرنا چاہیے۔انہوں نے تجاویز رکھیں کہ

(۱) پاکستان میں رہنے کے خواہش مند عوام کی رائے لی جائے۔

(۲) جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت اس علاقہ کے غیر مسلم عوام سے دریافت کیا جائے کہ وہ کہاں رہنا چاہتے ہیں۔

(۳) مسلم اکثریت والے علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں سے دریافت کیا جائے کہ وہ پاکستان جانا چاہتے ہیں یا نہیں ان کی رائے لینے کے بعد ایک کمیٹی سرحدوں کے تعلق سے مقرر کی جائے اور ان اضلاع کی سرحد مقرر کر کے ان علاقوں کے مسلمانوں کی فہرست تیار کی جائے پھر دریافت کیا جائے کہ وہ کہاں رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے تشکیل کے دس سال بعد ان سے دریافت کیا جائے کہ وہ کہاں رہنا چاہتے ہیں۔

8 دسمبر 1943ء کو ممبئی میں اپنے سیاسی ورکرس کے سامنے کہا جب سوراج مل جائے گا تو ہندو، مسلمان کے ساتھ ساتھ اچھوت بھی اقتدار میں حصہ دار رہیں گے۔مزید کہا کہ کرسچن، یہودی، پارسی وغیرہ اقلیتیں کانگریس کے ساتھ نہیں لڑتے لیکن اچھوت لڑتے ہیں۔یہ تعریف کے قابل ہے

آج اچھوت سماج لنگڑا لولا ہے مگر اپنی قابلیت اور محنت کے بل بوتے پر اپنے پیروں پر کھڑا رہنا سیکھنا چاہتا ہے۔

26 جنوری 1944 کو کان پور میں منعقد دلت فیڈریشن کے دوسرے سالانہ جلسہ میں کانگریس پر حملہ کرتے ہوئے کہا "کانگریس جلتا ہوا گھر ہے اس میں جا کر اپنے سماج کا نقصان مت کرو"

ہندوستانی سیاست کی پاکستان کی تشکیل کے سلسلے میں جب بھی مختلف فریقوں سے یا انگریزی حکومت سے بات چیت ہوئی تو ڈاکٹر امبیڈکر زور دے کر کہتے تھے مسئلہ صرف ہندو اور مسلمانوں کا نہیں ہے ایک تیسرا فریق اچھوتوں کا بھی ہے، ان کے مفاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

20 ستمبر 1944ء کو ڈاکٹر امبیڈکر حیدر آباد نظام اسٹیٹ گئے حیدر آباد کے نام پلی ریلوے اسٹیشن پر فیڈریشن کے صدر جے۔ یس۔ سبیا سکریٹری منوہر، سی۔ ایس اتھی راج، خواتین کی شاخ صدر شری منی راج منی دیوی اور بہت سارے طلباء نے ان کا استقبال کیا۔ نواب معین نواز جنگ پولیٹیکل سکریٹری نظام سرکار اور وزیر اعظم نواب چھتاری انڈر سکریٹری ٹو انریبل ریذیڈنٹ نے اسٹیشن پر خوش آمدید کیا۔ حیدر آباد میں شیڈول کاسٹس فیڈریشن نے اسٹیشن پر استقبال کیا۔ حیدر آباد میں شیڈول کاسٹس فیڈریشن کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا' 'گاندھی۔ جناح۔ معاہدہ کو ان کی تائید نہ ہو تو اچھوت اس معاہدہ کی پابندی نہیں کریں گے"

اسی شام مدراس کے شیڈول کاسٹس فیڈریشن کے اجلاس میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔ مدراس کے میونسپل کارپوریشن نے ان کے اعزاز میں 22 ستمبر کو سپاس نامہ پیش کیا۔ تقریر کرتے ہوئے کہا "لوک شاہی سرکار اگر سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں گئی تو دوسروں کو غلامی میں ہی مرنا پڑے گا۔ ڈاکٹر نظامت اللہ نے سپاس نامہ پڑھ کر چاندی کے کاسکیٹ میں پیش کیا۔ کانگریس پارٹی کے ممبر اس تقریب میں غیر حاضر رہے پوری تقریر میں گاندھی جی پر سخت حملے کئے۔ انکی ناعاقبت اندیشی کا مذاق اڑایا۔ 23/9/1944 کو مدراس میں کل ہند بھارتی دلت فیڈریشن کی ورکنگ کمیٹی سے مخاطب ہو کر گاندھی جناح خفیہ بات چیت کی مخالفت کی دلتوں کے مختلف مفادات پر مبنی قرار دادیں منظور کی گئیں۔ اپنی تقریر میں کہا "وید پوران سمرتی گیتا جیسے ویدک

لوگوں کے مذہبی کتب ہندو سماج کے بہوجن طبقہ کی عورتوں شوردوں وغیرہ کی بے عزتی کے لئے ذمہ دار ہیں ۔ 24 ستمبر کو ایک اور جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''بودھ مذہب کا اس دیش میں زوال ایک بہت بڑا سانحہ ہے'' وید کے کچھ حصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ویدمیں بہت سارا مواد بعد میں داخل کر دیا گیا ہے ۔انہوں نے تعجب سے کہا زمانہ قدیم سے برہمن جیسی ہوشیار قوم کس طرح ان کتابوں کو مقدس مانتی ہے جن میں بیوقوفی کی باتوں کے سوا کچھ نہیں ۔گوتم بدھ نے دنیا میں پہلی مرتبہ آزادی ،مساوات اور بھائی چارگی کا سبق دیا۔مدراس میں اخبار دسندھ آبزرور (Sindh Observer) کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا آزادی یا پاکستان کی تشکیل کا میں مخالف نہیں ہوں مگر اچھوتوں کو ضرور تحفظات ملنا چاہئے۔''

مدراس میں مختلف انجمنوں کی طرف سے استقبال کیا گیا۔ان سے نمائندگی بھی کی گئی۔ کرسچنوں نے شکایت کی کہ اعلیٰ ذات والے کرسچن، نچلی ذات والے کرسچنوں سے ذاتی بھید بھاؤ کرتے ہیں ۔مدراس میں پیری یار (راماسوامی نایکر) سے تفصیلی گفتگو کی ۔مدراس سے ویلور آئے ۔ویلور نگر پالیکا کی طرف سے دئے گئے استقبالیہ جلسہ میں کہا'' گاندھی جی کو سیاسی بصیرت بالکل نہیں ۔ملک کے مستقبل کا فیصلہ ہوتے ہی ملک کے ٹکڑے ہو جائیں گے ۔کانگریس نے یہ خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔اپنے دورے کی تمام تقاریر میں انہوں نے یہ پیغام دیا کہ ملک کی سماجی ،معاشی اور سیاسی تشکیل میں مساوات انتہائی ضروری ہے۔

ان دنوں ڈاکٹر امبیڈکر خود بھی ملک کے اخباروں کی تنقید کا نشانہ بنے رہے جنگ کے دوران جہاں کانگریس حکومت کے خلاف عدم تعاون کی مہم چلا رہی تھی ڈاکٹر امبیڈکر حکومت میں شامل ہو کر وزارتی کرسی پر بیٹھے تھے ۔انہیں اس دور میں 'غدار' کہا گیا۔مدراس کی تمام تقاریر پر بھی زبردست تنقیدیں ہوئیں ۔ان تقاریر کو توڑ مروڑ کر سیاق وسباق سے علیحدہ حملوں پر سخت اعتراض کیا گیا۔

نومبر 1944ء میں پونہ کے قیام کے دوران خود پر ہونے والے اعتراضات کی صفائی دی ان کی تقاریر میں 'وید' ضرور زیر بحث رہتی اور ہمیشہ تنقید کرتے ہوئے کہا'' قدیم زمانہ میں

لکھی گئی ہر مذہبی کتاب درحقیقت سیاسی پہلو رکھتی ہے گیتا کی چار مرتبہ ترمیم ہوئی۔ گیتا میں شروعات میں دھرم اور اصول نہیں تھے۔ اس میں 60 اشلوک تھے۔ وہ دراصل گوالوں (دودھ فروخت کرنے والوں) کی ایک رزمیہ نظم تھی۔ کرشنا کو ایشور مان لیا تب مذہب کا دخل ہوا۔ اس میں شودروں کو ذلیل کیا گیا ہے۔ وہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کی تذلیل یا تحقیر کرنا نہیں چاہتے۔ وید کو صرف برہمن مانتے ہیں بودھ کا دھرم شودروں کا دھرم تھا وہ وید کی افضلیت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کسی بھی غیر برہمن نے وید کو مذہبی کتاب حیثیت سے تسلیم نہیں کیا۔ رگ وید اور اتھر وید میں اخلاقی اصول نہیں پائے جاتے۔ ورن آشرم (اونچ نیچ کا سماجی نظام) کو مضبوط کرنے کیلئے گیتا لکھی گئی۔ گیتا نے ہی چتر ورن (سماج کی چار درجوں میں تقسیم) کو تقویت دی اسلئے وہ آج بھی قائم ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندو دھرم کے تعلق سے جو یہ سنجیدہ مسائل اٹھائے تھے اس کی آج تک کسی ہندو دانشور یا مذہبی شخصیت نے تردید نہیں کی۔ اس دور کی تقاریر کی بنیاد پر انہوں نے اپنی مشہور کتاب Riddles in Hinduism (ہندو مذہب میں عجوبے) لکھی۔ ویدک مذہبی کتابوں کو گوتم بدھ کے بعد کسی نے چیلنج کیا تھا تو وہ ڈاکٹر امبیڈکر کی شخصیت تھی۔

اس دوران بیورلی نیکولاس Beverley Nicholas نامی صحافی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا "ہر دیہات میں دلت انتہائی اقلیت میں ہیں میں چاہتا ہوں کہ انہیں اکثریت میں تبدیل کردوں یہ ایک بڑا نقل آبادی کا منظم کام ہے۔ نئے دیہات بسانا ہوگا۔ ہم یہ کام کرسکتے ہیں اگر کرنے دیا جائے۔"

انہیں اچھوت ہونے کے ناطے زندگی بھر چٹکے بیٹھتے رہے مرکزی حکومت میں وزرات کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا 2/ جنوری 1945 کو کل ہند بھارتیہ اچھوت طلباء کی پریشد منعقد ہوئی اس سے مخاطب ہوئے۔ کلکتہ میں ڈی۔ جی جادھو شخص کے مکان میں کھانا کھایا۔ یہ لیبر آفیسر تھے۔ اس شخص کو ڈاکٹر امبیڈکر نے اس کے بچپن سے مدد کی تھی۔ جادھو کے مکان میں جو ملازم تھے انھیں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر امبیڈکر جو مہمان کی حیثیت سے آئے ہیں وہ اچھوت ہیں اسلئے انہوں نے مہمان کی خدمت بجالانے کی بجائے ملازمت چھوڑ دینا

مناسب سمجھا۔ان ملازمین کو یہ معلوم نہ تھا کہ لیبر آفیسر جادھو جو مہاراشٹر سے تعلق رکھتے تھے خود اچھوت ہیں۔حکومت ہند کے ایک مرکزی وزیر کے ساتھ یہ رویہ اونچی ذات سے تعلق رکھنے والے خانگی ملازم کے بھی ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔

جون 1945ء میں ان کی ایک متنازعہ کتاب What Congres & Gandhi Have Done to Untouchables (کانگریس اور گاندھی نے اچھوتوں کیلئے کیا کیا؟) شائع ہوئی۔اس کتاب سے کانگریسی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی تھی دلائل اور اعداد وشمار کی روشنی میں جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ہی ظاہر ہوتا ہے ثابت کیا کہ کانگریس کا دعویٰ کہ وہ 1917ء سے اچھوتوں کی سماجی، معاشی ترقی کیلئے کوشاں ہے غلط ہے۔اس دعویٰ میں دکھاوا کتنا اور حقیقت کتنی ہے اخباروں میں اس کتاب پر خوب تنقیدیں ہوئیں راج گوپال اچاریہ اور سنتھاتم نے اس کی تردید میں مضامین لکھے تھے۔(مزید آئندہ صفحات میں پڑھیے)

جون 1945 میں لارڈ ویول (Lord Wavell) وائسرائے نے تمام پارٹیوں کے نمائندوں کو شملہ میں مدعو کیا اس اجلاس میں سابق چیف منسٹرس اور اقلیتوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ڈاکٹر امبیڈکر چونکہ مرکزی وزرات میں لیبر منسٹر تھے اسلئے فیڈریشن کی نمائندگی مدراس کے این شیوراج نے کی۔ڈاکٹر امبیڈکر نے مطالبہ کیا کہ جس طرح آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کے پانچ نمائندے بلائے گئے اسی طرح اچھوتوں کے کم ازکم تین نمائندے بلائے جانے چاہیئے تھے۔بھارت کی سیاسی گتھی سلجھ نہیں پارہی تھی اسلئے وائسرائے لارڈ ویول اگست میں لندن گئے اور ستمبر میں واپس آکر عام انتخابات کا اعلان کردیا۔

تمام سیاسی پارٹیوں کے پاس مالی وسائل تھے۔افراد کی قوت تھی اور اخبار تھے۔شیڈول کاسٹ فیڈریشن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔اسکے باوجود فیڈریشن نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔4 اکتوبر 1945ء کو ڈاکٹر امبیڈکر نے انتخابی مہم شروع کی۔دلتوں سے بار بار کہنا شروع کیا کہ وہ کانگریس پر بالکل اعتماد نہ کریں۔دلتوں سے کہا کہ انہیں اقتدار میں حصہ لینا ہے مزید کہا کہ تمام صوبائی اسمبلیوں سے دستور ساز اسمبلی کے ممبر چنے جائیں گے۔اس لئے ان انتخابات کو اچھی خاصی اہمیت حاصل ہوجاتی ہے۔3 اکتوبر 1945ء کو ڈاکٹر امبیڈکر نے پونہ میں ''امبیڈکر

اسکول آف پالیٹکس'' کاافتتاح کیا بعد میں اس ادارہ کا کیا حشر ہوا معلوم نہ ہوسکا۔
الیکشن میں کانگریس نے''چھوڑو ہندوستان'' کا نعرہ لگایا جناح نے''پاکستان یا موت''
کا نعرہ اور ہندومہا سبھا کا نعرہ'اکھنڈ ہندوستان''۔

1946ء کے الیکشن کے سلسلے میں ڈاکٹر امبیڈ کر نے کئی مضامین لکھے گاندھی جی نے اچھوتوں کو ان کے جائز حقوق دلانے کیلئے کوششیں کیں۔ 1931ء سے 1948ء تک کس طرح مخالفت کی ان حقائق کا جائزہ لیتے ہوئے مدراس کے اخبار'بھیم پترا' کے 12 مارچ 1946ء کے شمارے میں انہوں نے ایک طویل مضمون میں جائزہ لیا۔اس مضمون کی تلخیص یوں ہے۔

''بھارت کی سیاسی تاریخ میں 12 نومبر 1930ء کا سب سے اہم رہے گا۔ان دنوں کنگ جارج پنجم نے رسمی طور پر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا افتتاح کیا۔برطانوی حکومت نے پہلی مرتبہ بھارت کے آئین کی تشکیل میں ہندوستان سے مشورہ کیا اچھوتوں کیلئے اس دن کی اور بھی اہمیت اسلئے کہ ان کی علیحدہ حیثیت کو تسلیم کیا گیا اور دو اچھوت لیڈروں کو اس مشورہ میں شامل کیا گیا۔
کانفرنس کے بعد مانیاریٹیز کمیٹی Mionrities Commitee میں یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ اچھوتوں کو بھی ایک علیحدہ اکائی کی حیثیت سے اپنے حقوق طلب کرنے کا حق ہے۔ پہلے راؤنڈ میں کانگریس کے نمائندے گاندھی جی غیر حاضر رہے تھے اس لئے یہ ممکن نہ ہوسکا تھا۔دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں کانگریس نے پوری طاقت کے ساتھ حصہ لیا جس کی نمائندگی گاندھی جی کر رہے تھے۔

ڈاکٹر امبیڈ کر نے مزید لکھا کہ''کانگریس کی نمائندگی کیلئے گاندھی جی سے بدتر کوئی شخص نہیں ہوسکتا تھا۔ان کا رویہ اس کانفرنس میں عجیب وغریب رہا۔جب بھی کسی اہم مسئلہ پر تمام کا اتفاق ہونے کا وقت آتا تو یہ کہتے کہ یہ ان کے اصول کے خلاف ہے۔اور بعض اہم اور نازک موقعوں پر خاموش ہوجاتے۔جبکہ دوسرے نمائندوں کیلئے ان کا اظہار رائے ضروری تھا۔ 1931ء کے 15 ستمبر کو گاندھی جی نے کانفرنس میں کہا کہ اچھوتوں کا مسئلہ کانگریس نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے اسلئے اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اپنے مضمون میں ڈاکٹر امبیڈ کر نے ایک قدیم واقعہ کا تذکرہ بھی کیا جس سے کانگریس

والوں کی اچھوتوں کے مسائل سے دلچسپی پر روشنی پڑتی ہے۔ 1895ء کانگریس کے سالانہ جلسہ کا اختتام ہوا۔ اسی شامیانے میں 'سوشل سائنس' کے اجلاس منعقد کرنے کی تیاری شروع ہوئی۔ لیکن کانگریس کے بزرگ اور معتبر کانگریسی قائد بال گنگا دھر تلک نے دھمکی دی کہ اگر اس شامیانہ میں سوشل مسائل کے نام پر اچھوتوں کے مسائل زیر بحث لائے گئے تو وہ شامیانہ جلا ڈالیں گے۔ درحقیقت کانگریس اور گاندھی جی کا یہ رویہ اچھوتوں کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ اپنے مضمون میں آپ نے اس بات کا خاص طور پر تذکرہ کیا کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں گاندھی جی نے اچھوتوں کو نظر انداز کر کے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کو علیحدہ علیحدہ اکائیاں تسلیم کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی۔ لیکن اچھوتوں کو ہندوؤں سے علیحدہ اکائی تسلیم کرنے کی باری آتی تو وہ چراغ پا ہو جاتے اور اس تصور کی مذمت کرتے۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا ایک اور واقعہ انہوں نے اپنے مضمون میں شامل کیا لکھا کہ 'کانگریس نے اپنے پوری طاقت اچھوتوں کو نظر انداز کرنے میں صرف کی۔ کانگریس نے مسلمانوں سے مل کر ایک پلان بنایا تھا۔ مسٹر گاندھی نے مسلمانوں سے کہا کہ تمھارے مطالبات منظور کیئے جائیں گے۔ بشرطیکہ وہ اچھوتوں کی تائید سے دستبردار ہو جائیں۔ مسلمان اچھوتوں کو سہارا (Support) دے رہے ہیں وہ واپس لیں شکر ہے مسلمانوں کی شرافت اور انسانیت دوستی کی کہ انہوں نے کانگریس کے اس تجویز کو نامنظور کیا۔ اور اچھوتوں کو الگ کرنے سے انکار کر دیا۔"

29/30 نومبر 1945ء کو احمد آباد میں الیکشن کے جلسوں کو مخاطب کیا ایک جلسہ سابرمتی ندی کے کنارے ہوا۔ جلسہ گاہ کا نام 'بودھ نگر'' رکھا گیا۔ 30 نومبر کے جلسوں کے سلسلے میں منماڑ اور آکولہ گئے وہاں سے 13/دسمبر 1945ء کو ناگپور پہونچے، وہاں آپ نے ڈیڑھ لاکھ لوگوں کے اجتماع کو مخاطب کیا۔ اپنی تقریر میں اس بات کا خاص طور پر تذکرہ کیا جگناتھ کے مندر کا انہیں دور سے ہی درشن لینا پڑا۔ ناگپور میں شیڈول کاسٹ فیڈریشن کی رضا کار تنظیم 'سمتا سینک دل' (Samta Sainik Dal) نے ڈاکٹر امبیڈکر کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں والینٹرس نے اپنی گاندھی ٹوپیاں نذر آتش کی۔ ایک نیا نعرہ (ڈاکٹر امبیڈکر کے اعزاز میں) 'جئے بھیم' کا وجود میں آیا۔ آج بھی امبیڈکرائیٹ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت 'جئے بھیم' کہتے ہیں، نمستے

کھنے کا پرانا رواج ختم کر دیا گیا۔ ناگپور سے مدراس، مدورائی ہوتے ہوئے کوئیمتبو ر پہنچے۔

جنوری 1946ء میں برطانوی پارلیمان کے 10 ممبروں کا ایک ڈیلیگیشن بھارت آیا ہوا تھا۔ اس ڈیلیگیشن نے جہاں گاندھی جی اور جناح سے ملاقات کی وہیں ڈاکٹر امبیڈکر سے بھی ڈیڑھ گھنٹہ تک ملاقات رہی۔

کوئیمتبور سے واپسی کے دوران مدراس میں غیر برہمن وکلاء کے انجمن کے دوسرے سالانہ جلسہ کا افتتاح کیا۔ اپنی تقریر میں منوسمرتی اور ہندو مذہب کی دوسری بہت ساری کتابوں پر تنقید کی جس کی وجہ سے جنوبی ہندوؤں نے ان کے خلاف احتجاج کیا۔ خطوط کے ذریعہ گالی گلوج کی اور انہیں ہلاک کر دینے کی دھمکی تک دی۔

13 جنوری 1946ء کو ممبئی آئے یہاں سے وہ شولاپور گئے جہاں کی نگر پالیکا نے ان کا استقبال کیا۔ اپنی پارٹی کے امیدواروں کی تائید میں الیکشن کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ''آئندہ ہونے والے الیکشن کوئی معمولی کھیل نہیں۔ یہ ایک جنگ ہے معرکہ ہے۔ مستقبل کے آئین میں اچھوتوں کا موقف پوری طاقت سے رکھا جائے گا۔ یہ الیکشن کسی ٹیچر کی تنخواہ میں اضافہ، زراعتی ٹیکس کم کرنے یا لڈو تقسیم کرنے کی اسکیم کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ جب انگریز یہاں سے چلے جائیں گے تو یہ طے کرنا ہے کہ اقتدار کس کے ہاتھوں میں ہوگا۔۔۔۔۔ جنم بھر تک ہم غلامی میں کیوں رہیں جو حال انگریز دور میں ہے کہیں وہی حال آئندہ کی حکومت میں نہ ہو یہ طے کرنے کیلئے ہمیں یہ الیکشن لڑنا ہے جب تک ہندوؤں کے ہاتھوں میں اقتدار رہے گا اس وقت تک ہماری غلامی ختم ہونے والی نہیں۔ ہمیں اقتدار دو تا کہ ہمارا مستقبل درخشاں ہو۔۔۔۔۔ مارواڑی، برہمن کے ساتھ 15,20 اچھوتوں کو زانو بہ زانو بیٹھنے کا اعزاز میں دلوا رہا ہوں۔ ہمارے بزرگ 200 سال سے غلامی کو آسانی سے برداشت کرتے چلے آرہے ہیں کیا اب ہم بھی اس کو برداشت کریں گے؟ (جواب۔ نہیں نہیں) ہمیں اقتدار چاہئے ہندوؤں کا راج نہیں''۔

ڈاکٹر امبیڈکر ممبئی واپس آئے۔ دلت فیڈریشن کی طرف سے کیسہ زر پیش کیا گیا۔ تقریر میں کہا ''ہم اچھوت، مسلمانوں کی طرح ہندوستان کی تقسیم کرکے زمین کا کوئی ٹکڑا نہیں مانگ رہے ہیں ہم تو صرف مساوی حقوق کے طلبگار ہیں۔ اگر ہمارے مطالبات پورے نہیں ہوتے تو ہم بین

الاقوامی عدالت میں جائیں گے۔اور عدالت کے فیصلے کو منظور کریں گے۔

10 مارچ 1946ء کو آگرہ میں یونائٹیڈ پراونس (یو پی) میں ایک عظیم الشان اجتماع سے مخاطب ہوئے۔کانگریس پرزبردست تنقید کی لفظ 'سوراج' کی تشریح کرتے ہوئے کہا ''اقلیتوں کے تعاون اوران کی مرضی سے اکثریت حکومت کرے یہ صحیح معنوں میں 'سوراج ہے۔''

مئی 1946ء میں ہونے والے انتخابات میں ڈاکٹرامبیڈکر کی شیڈول کاسٹس فیڈریشن کے تمام امیدوارناکام رہے۔محفوظ حلقوں میں کانگریس نے فیڈریشن کے خلاف جن دلت امیدواروں کوکھڑا کیا وہ کامیاب ہوئے۔اس الیکشن میں مرکزی اسمبلی میں کانگریس کو 898 نشستوں میں سے 201 نشتیں حاصل ہوئیں۔لیگ کی 73صوبائی اسمبلیوں میں فیڈریشن کے تمام امیدوارناکام رہے۔پنجاب اورمدراس میں 3,2امیدوار کامیاب رہے۔11 صوبوں میں صرف بنگال اور پنجاب میں لیگ کو اکثریت ملی۔سندھ میں نیشنل مسلم پارٹی جو کانگریس کے زیراثرتھی کامیاب رہی۔الیکشن میں ناکامی کے بعد ڈاکٹرامبیڈکر کی سیاسی پوزیشن کافی متاثر ہوئی۔ڈاکٹر امبیڈکر نے اچھوتوں کیلئے کی ہوئی کوششوں کوکبھی نظرانداز نہیں کیا مگر 1946ء کے الیکشن میں ناکامی کے بعدملک کی آزادی کے سلسلے میں انگریزوں کی طرف سے تجاویز صرف کانگریس اورلیگ کے سامنے ہی رکھی جانے لگیں۔ڈاکٹرامبیڈکر کونظرانداز کیا جانے لگا۔جون 1946ء میں ڈاکٹر امبیڈکر کو وزرات چھوڑ دینی پڑی۔اس طرح برٹش انڈیا کی وزارت میں لیبر منسٹر کی کارکردگی کے بعد اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر جولائی 1946ء میں ممبئی واپس آئے۔جولائی 1942ء سے جون 1946ء یعنی تقریباً 4 سال ان کی کارگزاری رہی۔جہاں انہوں نے اپنے محکمہ کا کام بخوبی نبھایا وہیں دلتوں کے مسائل بھی حل کرنے میں کوشاں رہے مزدوروں کے مسائل سے اچھی طرح واقف تھے۔لیبرلاء میں مناسب ترمیمات کیں۔وزیرہونے کی وجہ سے ہندوستان بھر کے دورے کرنے کا موقع ملا۔سرکاری حلقوں میں اعزاز ملا۔اور ساتھ ہی ساتھ اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے مواقع ہاتھ آئے آپ کو لیبر منسٹر کے ساتھ ساتھ محکمہ تعمیرات بھی سونپا گیا۔انہیں کے دورمیں ملک میں بہت سارے ہوائی اڈے تیارہوئے۔مشہور انجینئر ڈاکٹر کھوسلہ کے مشورہ سے آب پاشی کیلئے مشہور دامودر پروجکیٹ تیار کیا گیا۔

29 - ڈاکٹرامبیڈکرآئین سازاسمبلی میں

حکومت برطانیہ نے Sir Strawford Crisp (سراسٹرافرڈکرپس)، اے۔وی۔الیگزینڈر(A.V. Alexendar) اورسکریٹری برائے ہندوستانی امور لارڈ پیتھک لارنس(Lord Pathic Lawrence) پرمشتمل ایک مشن ہندوستانی کی آزادی سے متعلق امور کا جائزہ لینے ہندوستان روانہ کیا گیا۔ یہ مشن 4 مارچ 1946ء کو دہلی آیا ہوا تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو، ولبھ بھائی پٹیل، گاندھی جی، قائداعظم جناح، ڈاکٹر مکرجی سے ملاقاتیں کیں۔ کانگریس کی نمائندگی مولانا ابولکلام آزاد، مسلم لیگ کی قائداعظم محمد علی جناح، دیسی ریاستوں کی نمائندگی بھوپال کے نواب کررہے تھے۔ ڈاکٹرامبیڈکر نے کیبنٹ مشن کے سامنے اچھوتوں کے مطالبات کے لئے نمائندگی کی جن میں علیحدہ آزاد حلقہ انتخاب، صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں میں مناسب نمائندگی

سرکاری محکموں میں تحفظات، دلت طلباء کو مالی امداد وغیرہ شامل تھے۔ان کے مطالبات نظرانداز کیے گئے۔ 16 مئی کو وزارت برخواست ہوئی۔اور اسی دن کیبنٹ مشن نے احوال شائع کیا۔

الیکشن کی وجہ سے کافی سماجی تناؤ پیدا ہوگیا تھا۔اچھوتوں کے محلوں پر حملے شروع ہو گئے تھے۔ناگپور میں 3 دلتوں کو ہلاک کر دیا گیا۔چمار سماج کی نمائندہ شخصیت ڈاکٹر امبیڈکر کے ساتھی دیورخ کر (Devrukhkar) کا ممبئی میں قتل ہوا۔فساد اور آتشزدگی کے واقعات ہوئے۔ ممبئی میں ڈاکٹر امبیڈکر کے 'بھارت بھوشن پریس' پر غنڈوں نے حملہ کر دیا۔

16 مئی کو کیبنٹ مشن کے تجاویز پر کافی بحث ہوتی رہی کانگریس اور مسلم لیگ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ 15 اگست 1946ء کو نہرو اور جناح میں 80 منٹ گفتگو رہی لیکن گفتگو ناکام رہی۔ کانگریس نے لیگ کے بغیر حکومت بنانے کی قرارداد منظور کی۔ 24 اگست کو وائسرائے نے کانگریس کی وزارت کی تشکیل کا اعلان کیا۔اس وزارت میں اچھوتوں کی نمائندگی کیلئے بہار کے بابو جگجیون رام کے نام کا اعلان ہوا۔دو مسلمان وزارت میں لئے گئے بعد میں دو اور مسلمان کو شامل کیا گیا۔

صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں ڈاکٹر امبیڈکر خود امیدوار نہیں تھے صوبائی اسمبلیوں نے اپریل 1946ء سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔مستقل کی حکومتوں میں اچھوتوں کی کیا پوزیشن رہے گی اس کا جواب طلب کرنے ڈاکٹر امبیڈکر نے ستیہ گرہ کرنے کا پروگرام بنایا۔آئین ساز اسمبلی کی تشکیل صوبائی اسمبلیوں سے ہونے والی تھی۔ڈاکٹر امبیڈکر کا آئین سازی میں حصہ لینا ضروری تھا لیکن ممبئی اسمبلی میں ڈاکٹر امبیڈکر کی فیڈریشن کا ایک بھی ممبر منتخب نہ ہوسکا۔اسلئے ممبئی اسمبلی سے آئین ساز اسمبلی میں جانے کا مسئلہ درپیش ہوا۔ڈاکٹر امبیڈکر کی فیڈریشن کے جوگندر ناتھ منڈل بنگال اسمبلی میں موجود تھے۔انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کو دعوت دی کہ وہ بنگال اسمبلی سے اپنی نامزدگی کا پرچہ داخل کریں۔بنگال اسمبلی سے آئین ساز اسمبلی کیلئے چنے جانے کیلئے کچھ آزاد اور کچھ مسلم لیگی ممبرون کے مدد ضروری تھی۔مسلم لیگ کی کوششوں سے درکار ممبروں کے ووٹ ملیں گے۔ اسطرح ڈاکٹر امبیڈکر 10 جولائی 1946ء کو بنگال اسمبلی کے ذریعہ آئین ساز اسمبلی میں پہونچ گئے۔آئین ساز اسمبلی میں ڈاکٹر امبیڈکر کی صلاحیت، تجربہ اور آئین سازی میں مہارت کی وجہ سے

ان کی ضرورت تھی۔اس کے برخلاف کانگریس پارٹی نے کچھ ایسے ممبران کو آئین ساز اسمبلی میں پہونچایا جنہیں آئین سازی کا بہت کم علم اور تجربہ تھا۔صرف پارٹی سے وفاداری کے صلہ میں یہ اعزاز دیا گیا۔

15 جولائی 1946ء کو پونہ میں پہلی ستیہ گرہ کی جہاں ممبئی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ انہوں نے وارننگ دی کہ آئین میں اچھوتوں کے مفاد میں کئے جانے والے منصوبہ کو سامنے نہیں لایا گیا تو وہ ''ڈائرکٹ ایکشن'' شروع کریں گے۔ان کے مطالبات میں 'پونہ پیکٹ' بھی شامل تھا۔ پونہ کا ستیہ گرہ درحقیقت پورے ملک میں کانگریس حکومتوں کے خلاف ستیہ گرہ تھا۔بنگال اور پنجاب کی مسلم لیگ کی حکومتوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جائیگا۔کیونکہ مسلم لیگ نے تیقن دیا تھا کہ اچھوتوں کے مفاد کا خیال رکھا جائے گا۔دوران ستیہ گرہ 'اہلیہ آشرم' میں ستیہ گرہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''مجھ پر الزام ہے کہ میں چونکہ 'مہار' ہوں۔ اسلئے میرا دائرہ اثر صرف وسط ہند اور ممبئی کے کچھ لوگوں تک محدود ہے۔مگر میں کہتا ہوں کہ پورے ملک کا اچھوت سماج میری تائید میں ہے۔ اس کی بہترین مثال میرا بنگال سے آئین ساز اسمبلی کے لئے منتخب ہونا ہے۔بنگال میں ایک بھی 'مہار' نہیں ......اچھوتوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے میرا آئین ساز اسمبلی میں جانا ضروری ہے ۔میرے داخلہ پر پابندی لگائی اور میرا ہر راستہ بند کر دیا گیا تھا......باپ مرنے سے قبل اپنی جائداد کے بارے میں وصیت نامہ کرتا ہے۔انگریزوں نے بھی جانے سے پہلے اپنے وارث کو طے کیا ہے۔ایک ہندو اور ایک مسلمان، اپنی وراثت میں اچھوتوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے میرا خیال ہے ملک کی وراثت طے کرتے وقت ہمیں اس میں حصہ ملنا چاہئے۔مگر ان مکار اور جھوٹے انگریزوں نے ہمیں پھنسا دیا ہے......اس دیش میں سکون اور امن سے رہنا ہے تو ہندوؤں کو ہمارے سوالات کا جواب دینا ہی تھا۔انہوں نے جواب نہیں دیا اس لئے ان سے لڑائی ٹھن گئی ہے۔اب انگریزوں سے لڑنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ہماری لڑائی مسلمانوں سے نہیں ہے کیونکہ وہ ہماری مخالفت نہیں کرتے کیونکہ مسلمان اپنی اکثریت والے علاقوں میں ہمارے مطالبات پورا کرنے کیلئے تیار ہیں۔ہمارا علیحدہ انتخابی حلقہ

کانگریس کو برداشت نہیں ہے حالانکہ اس سے کسی کو نقصان نہیں ہوگا۔ جب سکھوں کو یہ حق دیا گیا تو کیا نقصان ہوا ؟ کانگریس والے جناح کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کی دیش بھکتی کی علامت کے طور پر ممبئی میں ان لوگوں نے 'جناح ہال' تعمیر کیا ہے۔ مگر یہی جناح اپنے علیحدہ حلقے سے کامیاب ہوتے رہتے ہیں۔ اگر جناح کے علیحدہ انتخابی حلقہ سے ملک کا کوئی نقصان نہیں ہوا تو اچھوتوں کے مطالبات پورا کرنے سے کیا نقصان ہوگا؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہماری لڑائی اصولی ہے۔ 6 کروڑ اچھوتوں کے مفاد کے لئے ہماری لڑائی ہے ہمیں ہمارے سیاسی حقوق کا تحفظ چاہیئے۔ دوسروں کی طرح ہمیں بھی کسی کی غلامی نہیں چاہیئے ہمیں آزادی چاہیئے مگر ساتھ ہی ساتھ لوک شاہی بھی۔ حکومت کا اقتدار کچھ مخصوص طے شدہ لوگوں کے ہاتھ میں گیا تو ہمیں اچھے دن دیکھنا نصیب نہیں ہوں گے۔ اس کا ہمیں خوف ہے۔ اور یہ خوف ہونا واجبی بھی ہے۔ سیاسی اقتدار عوام کے ہاتھوں میں یعنی کامگار، کاشتکار کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے اور یہ ہماری سوچ ہے۔

اس ملک میں 6 کروڑ عوام کی لڑائی صحیح معنوں میں آزادی کی لڑائی ہے اس حقیقت کے باوجود اس ملک میں ہماری کوئی مدد نہیں کرتا۔ کسی کی ہمدردی ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ محکمہ ڈاک کی ہڑتال ہو یا ریلوے والوں کی سبھی کی تائید انہیں رہتی ہے۔ اس ملک میں کمیونسٹ ہیں۔ انتہا پسند ہیں بائیں بازو والے، دائیں بازو والے مگر ہماری آزادی کیلئے کسی کی مدد نہیں ہے۔

کانگریس کے ٹکٹ پر جو 15 اچھوت اسمبلی کیلئے منتخب ہو کر آئے ہیں۔ ان سے میرا سوال ہے کہ اپنی پوری زندگی میں انہوں نے دیش کے لئے اور سماج کیلئے کیا کیا؟ اگر کانگریس کی خواہش ہے کہ حکومت لوک شاہی سے چلے تو پھر 2000 سال سے جس سماج پر ظلم ہوا ہے تو ان 6 کروڑوں انسانوں کو مناسب حقوق ملنا ضروری ہے۔"

پونہ میں ڈاکٹر امبیڈکر کی طرف سے چلائے جانے والے ستیہ گرہ کی وجہ سے پونہ کے کونسل ہال میں چلنے والی ممبئی اسمبلی کی کارروائی ملتوی کرنا پڑی۔ کانگریس والوں کو احساس ہونے لگا کہ ڈاکٹر امبیڈکر سے کسی نہ کسی قسم کا سمجھوتا ضروری ہے۔ ممبئی کے کانگریس کے رہنما ایس۔ کے

پاٹل ڈاکٹر امبیڈکر کو ساتھ لیکر سردار ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقات کی ایک گھنٹہ بات چیت رہی مگر کوئی حل نہیں نکلا۔

28 اگست 1946 کو وائسرائے نے ہنگامی وزرات کا اعلان کیا۔اس میں جواہر لعل نہرو، ولبھ بھائی پٹیل، مولانا آزاد، راج گوپال چاری، آصف علی، کنور ہر موس جی، ڈاکٹر جان متھائی، سردار بلد یو سنگھ، میر شفاقت احمد خاں، سید علی ظہیر، شرد چندر بوس کے ساتھ ساتھ بہار کے اچھوت لیڈر بابو جگ جیون رام کا نام تھا۔مسلم لیگ نے عدم تعاون کا اعلان کیا۔ بابو جگ جیون رام وزرات کے لئے منتخب ہونے پر تھوڑا تعجب ہوا۔ کیونکہ ڈاکٹر امبیڈکر اور بابو جگ جیون رام دونوں نے حکومت سے وزرات میں اچھوت قائد کی شمولیت کیلئے نمائندگی کی تھی۔

2 اکتوبر سے مسلم لیگ نے اپنی پالیسی ترک کی اور وزرات میں شامل ہوگئی۔خاص بات یہ تھی کہ مسلم لیگ کی طرف سے جو نمائندے مرکزی وزرات میں شامل کئے گئے تھے ان میں بنگال کے اچھوت قائد جوگندر ناتھ منڈل بھی تھے۔ یہ بنگال کی لیگ کی وزرات میں شامل تھے۔ اور ڈاکٹر امبیڈکر کی شیڈول کاسٹ فیڈریشن سے تعلق رکھتے تھے۔منڈل کے علاوہ مسلم لیگ کے نمائندوں میں (۱) لیاقت علی خاں (۲) آئی۔آئی۔ چندریگر (۳) عبدالرب نشتر (۴) غضنفر علی خاں شامل تھے بنگال کی لیگ کی وزرات میں دو اور اچھوت تھے۔حسین شہید سہروردی وزیر اعلیٰ تھے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے جب محسوس کیا کہ ان کی احتجاجی پالیسی کارگر ہونے والی نہیں ہے تو مناسب سمجھا کہ برطانوی حکومت سے راست بات چیت کی جائے۔اسلئے 15 اکتوبر 1946ء کو وہ لندن روانہ ہوئے سر کلمینٹ اٹیلی (Sir Clement Atalee) اور اپوزیشن لیڈر چرچل سے ملاقات کی۔ہندوستان کے بارے میں آئین سازی سے متعلق گفتگو کی مگر کچھ بتلانے سے انکار کیا۔

لندن میں اپنے مطالبات پر مشتمل ایک بیان شائع کیا بیان کو چھپوا کر مختلف سیاسی پارٹیوں کے ذمہ داروں میں تقسیم کیا۔ان میں خاص طور پر برطانوی سیاست داں اور عہدہ دار تھے۔جنہوں نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں حصہ لیا تھا۔اور ہندوستان کے اچھوتوں کے حالات سے باخبر تھے۔اس تحریری بیان میں اعداد و شمار کی بنیاد پر انہوں نے برطانوی عہدہ داروں کو یہ

سمجھانے کی کوشش کی کہ کانگریس کا یہ دعویٰ کہ وہ اچھوتوں کی نمائندگی کرتی ہے غلط ہے۔

اسی دوران کناڈا کے شہر ٹورنٹو میں لاہور کے ایک مسلم صحافی امین تارین (جو وہاں طالب علم تھا) نے ایک بیان شائع کیا جس کے مطابق ڈاکٹر امبیڈکر نے اچھوتوں کو مشورہ دیا کہ اگر ان کے مطالبات منظور نہ ہوئے تو وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ خبر رساں ایجنسی رائٹر نے جب ڈاکٹر امبیڈکر کی اس خبر پر توجہ دلائی تو ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا ''میں نے اس قسم کا کوئی مشورہ نہیں دیا لیکن ایسا موقع آ بھی سکتا ہے۔ میرے بہت سارے لوگ ہندوستان میں اس سوال پر غور کر رہے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ کانگریس اور گاندھی حقائق کو جاننے کی کوشش کریں گے اور اچھوتوں کو ہندوؤں کی غلامی سے آزاد کریں گے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ گاندھی اس مسئلہ کو سمجھ نہ سکے۔'' مزید کہا ''شخصی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ اگر مسٹر گاندھی اور کانگریس نے انہیں سیاسی آزادی دی تب اتحاد مضبوط ہوگا۔ خوش سگالی پیدا ہوگی اور آپسی تعاون ہوگا۔ لیکن اگر گاندھی اور کانگریس اچھوتوں کو غلام بنانے کیلئے سیاسی اقتدار کے تحت لانے کی کوشش کی گئی تو اچھوت بغاوت کریں گے اور ان کی یہ کوشش ہوگی کہ کسی اور کمیونٹی سے مل کر اپنی نجات تلاش کریں۔''

اس انٹرویو کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوا کہ اچھوتوں کو مسلمان ہونے کا مشورہ دیئے جانے کے ان سے منسوب بیان سے انہوں نے انکار ضرور کیا مگر بہت ہی لطیف پیرائے میں یہ بھی اشارہ دیا کہ اگر اچھوتوں پر ایسے ہی مظالم جاری رہیں گے۔ تو یہ ممکن ہے کسی بھی کمیونٹی سے اتحاد کر کے وہ نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

6 نومبر 1946ء کو لندن میں ایک ایسی میٹنگ کو مخاطب کیا جس میں برطانوی پارلیمان کے لیبر (Labour) اور قدامت پسند Conservative پارٹی کے ممبر شریک تھے پریس کو اجازت نہیں تھی وہاں بھی انہوں نے قدیم مطالبات کا تذکرہ کیا اور پونہ پیکٹ کی تنسیخ اور علیحدہ حلقہ انتخاب کا مطالبہ دہرایا۔ لیبر پارٹی کے ممبروں نے انہیں مشہورہ دیا کہ کمیونل ایشو کو دوبارہ چھیڑنے کے موقف میں کوئی بھی نہیں۔ البتہ مجوزہ آئین میں اپنی قسمت آزمانے کیلئے کہا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ناامیدی کی کیفیت میں لندن چھوڑ دیا۔ اور 15 نومبر 1946ء کو کراچی پہونچے اور

وہاں سے ممبئی آئے۔

سیاسی مصروفیات کے باوجود مطالعہ اور تحریر کا کام جاری رہا۔اسی دوران ان کی مشہور کتاب ''شودر کون تھے'' (Who Were The Shudras?) منظر عام پر آئی۔اس کتاب کو انہوں نے مہاراشٹر کے مشہور مصلح اور سماجی رہنما مہاتما جیوتی با پھلے (1828-1890) کے نام سے منسوب کیا۔اس مقالہ میں انہوں نے ثابت کیا کہ آریہ تہذیب میں ابتداء میں صرف تین ذاتیں تھیں یعنی برہمن، کشتری، اور ویش۔ برہمنوں اور کشتریوں میں کشمکش شروع ہوئی۔جن کشتریوں کو اس کشمکش میں برہمنوں نے الگ تھلگ کر دیا وہ رفتہ رفتہ ایک چھوٹی ذات شودر کی شکل اختیار کی اور سماج میں انتہائی نچلے درجہ پر اس ذات کو رکھا گیا۔اس نظریہ پر یہ پہلی کتاب تھی ثابت کیا گیا کہ آج کا شودر اپہلے کشتری طبقہ سے ہی تعلق رکھتا تھا۔

1946ء کے صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن کے بعد ان اسمبلیوں سے آئین ساز اسمبلی کے لئے اراکین چنے گئے ڈاکٹر امبیڈکر بنگال اسمبلی سے ڈاکٹر جوگندر ناتھ منڈل اور بنگال کے چیف منسٹر حسین شہید سہروردی کی کوششوں سے آئین ساز اسمبلی میں داخل ہوئے۔ 9 دسمبر 1946ء کو پہلا اجلاس ہوا مسلم لیگ نے عدم تعاون کا اعلان کر کے اسمبلی کے اجلاس میں شرکت سے انکار کیا۔کل 206 ممبران کو اجلاس میں شرکت کرنی تھی۔ 207 اراکین حاضر رہے آچاریہ کرپلانی نے پہلے اجلاس کے لئے ڈاکٹر سچانند جی سنہا کا صدرات کیلئے نام پیش کیا۔فرنیک انتھونی کا نام نائب صدر کیلئے تمام ممبران نے اپنے اپنے منتخب ہونے کے دستاویز پیش کئے۔اور ایک رجسٹر پر تمام نے اپنے دستخط کئے۔اس رجسٹر پر مولانا آزاد نے اردو میں دستخط کئے، اسمبلی کی صدارت کے انتخاب کیلئے 10 دسمبر کے اجلاس میں قوانین مرتب کئے۔ دوسرے دن یعنی 11 / دسمبر مستقل صدر کے طور پر ڈاکٹر راجندر پرساد کا انتخاب ہوا 13 دسمبر کو پنڈت جواہر لعل نہرو نے اسمبلی کے مقاصد کے تعلق سے ایک طویل قرارداد پیش کی۔اس قرارداد میں جن نکات کا تذکرہ تھا یہ اسمبلی ملک آزاد ہونے کے بعد جو آئین تدوین کرے گی اس میں کن کن باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا۔عوام کو انصاف اور ان کے حقوق کا تحفظ، دنیا کے مختلف اقوام کی برادری

اس قدیم ملک کو اس کا جائز مقام دلانے کی کوشش، بنیادی حقوق وغیرہ وغیرہ جیسی باتوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا تھا۔ اس قرارداد کے ذریعہ واضح کیا گیا کہ جو آئین تشکیل دیا جائے اس سے مندرجہ بالا مقاصد کس طرح پورے کئے جاسکیں گے۔

اس قرارداد کو پیش کرنے کے بعد جواہر لعل نہرو، پرشوتم داس ٹنڈن اور صدر اسمبلی ڈاکٹر راجندر پرساد کی تقریریں ہوئیں۔

16 دسمبر تک اجلاس ملتوی ہوا۔ 16 دسمبر کو جب اجلاس شروع ہوا تو ڈاکٹر جے کرنے پنڈت نہرو کی قرارداد کی ترمیم کیلئے اپنی قرارداد پیش کی اس ترمیم کے ذریعے ڈاکٹر جے کرنے یہ تجویز رکھی کہ جو قرارداد زیر بحث ہے اس پر مزید بحث اور فیصلہ ملتوی کیا جائے کیوں کہ اس اہم قرارداد کے ذریعہ جن اہم مقاصد کو حاصل کرنا ہے اس کے لئے مسلم لیگ اور دیسی ریاستوں کے نمائندوں کی موجودگی ضروری ہے اور ان کا تعاون بھی۔ اسلئے ان کی غیر حاضری میں کوئی قرارداد منظور نہ کی جائے۔ یاد رہے کہ پہلے دن سے ہی مسلم لیگ نے آئین ساز اسمبلی کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ دونوں اہم سیاسی جماعتوں کا تعاون ضروری تھا اسلئے ڈاکٹر جے کر کی مجوزہ ترمیم اور مزید بحث جاری نہ رکھنے کی کوشش مناسب معلوم ہوئی تھی۔ اس ترمیم کے ذریعہ ڈاکٹر جے کرنے پنڈت جواہر لعل نہرو کے قرارداد پیش کرنے کے وقت پر ایک قسم کا اعتراض تھا نہ کہ قرارداد پر بحث اس کی منظوری پر بحث اور اس کے منظور ہونے پر، اس ترمیم کی قرارداد کے پیش کرنے کے ساتھ ہی پورے اجلاس میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ 18 دسمبر کے اجلاس میں ڈاکٹر جے کر کی ترمیمی قرارداد پر جواہر لعل نہرو، سردار پٹیل، ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی، فرنیک انتھونی، مینو مسانی نے تنقیدیں کی۔ اجلاس 17 دسمبر تک ملتوی ہوا۔ 17 دسمبر کو ایک غیر متوقع واقعہ ہوا۔ جس نے نہ صرف ڈاکٹر امبیڈ کر کی سیاسی زندگی کو موڑ دیا بلکہ ملک کی سیاسی سماجی اور مذہبی زندگی پر دوررس اثرات ڈالے۔ وہ واقعہ تھا ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر آئین ساز اسمبلی کا اچانک ڈاکٹر امبیڈ کر کو پنڈت جواہر لعل نہرو کی قرارداد پر خیالات کے اظہار کی دعوت دینا۔

جوں ہی ڈاکٹر امبیڈ کر کو تقریر کی دعوت دی گئی تب پورے ہاؤس کا یہ تاثر تھا کہ ڈاکٹر

امبیڈکراب ضرور کانگریس پارٹی جس سے ان کی قدیم ناراضگی بلکہ دشمنی تھی اپنی تنقید کا نشانہ بنائیں گے۔ادھر کانگریس کے رہنما بھی اپنے قدیم جانے پہچانے دشمن کو زک دینے سنبھل گئے۔ کانگریسی حلقوں میں چہ مہ گوئیاں ہوئیں۔ڈاکٹر امبیڈکر اپنی نشست سے اٹھے، پورے ہاؤس پر نظر ڈالی اور اپنی وزن دار آواز سے مخاطب ہونا شروع کیا۔ڈاکٹر امبیڈکر اس اچانک ملنے والے موقع کیلئے تیار نہیں تھے جیسا کہ ان کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا (تلخیص) ''جناب صدر نے مجھے مجوزہ ترمیم پر تقریر کا موقع دیا ہے اسلئے میں آپ کا مشکور ہوں آپ کی دعوت میرے لئے غیر متوقع واقعہ ہے۔ابھی تقریباً 20 حضرات مجھ سے پہلے اجلاس کو مخاطب کرنے والے تھے۔ اسلئے میں اس خیال میں تھا کہ مجھے کل (یعنی 18 دسمبر) موقع دیا جائے گا۔اس لئے میں پوری تیاری سے نہیں آیا تھا۔اس موقع پر میں ایک مکمل بیان دینا چاہتا تھا علاوہ اس کے مجھے صرف 10 منٹ کا موقع دیا گیا ہے ان پابندیوں کے پیش نظر میں نہیں جانتا کہ اس قرارداد سے انصاف کر پاؤں گا یا نہیں۔اس لئے میں انتہائی مختصر لیکن جامعیت کے ساتھ اس موضوع پر کہنا چاہوں گا۔قرارداد کے دو حصے ہیں ایک متنازعہ اور دوسرا غیر متنازعہ جو دو غیر متنازعہ ہے وہ قرارداد کے پیراگراف 5 سے 7 ہے (نوٹ: پیراگراف 5 میں ملک کے عوام کو سماجی معاشی اور سیاسی انصاف دلانے کی بات کہی گئی تھی۔اس میں قانون کی نظر میں مساوی درجہ، مساوی مواقع کا تذکرہ ہے۔اس کے علاوہ اظہار خیال، عقیدہ، مذہبی تنظیموں کے قیام وغیرہ کی آزادی کی بات کہی گئی ہے پیراگراف 6 میں اقلیتوں، بیک ورڈس، اور قبائلی عوام کو ضروری تحفظات فراہم کرنے کی اور پیراگراف 7 میں ملک کی سالمیت، سمندر، زمین اور ہوا پر ملک کے اقتدار اعلیٰ وغیرہ سے متعلق تھا)

غیر متنازعہ حصہ یعنی پیراگراف 5 سے 7 ملک کے مستقبل کے دستور کے مقاصد کا اعلان ہے۔ یہ قرارداد پنڈت نہرو کی طرف سے آئی ہے جو ایک مشہور سوشلسٹ ہیں۔اگرچہ کہ یہ حصہ غیر متنازعہ ہے مگر مایوس کن ہے۔اس حصہ میں انہیں بہت کچھ آگے جانا چاہئے تھا تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں کہہ سکتا ہوں کہ جن سارے اصولوں کا مجسم یہ قرارداد ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہے۔اس حصہ کو پڑھتے ہی فرانس کے دستور ساز اسمبلی کے انسانی حقوق کے اعلان کی

طرف ذہن چلا جاتا ہے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ 450 سال گزرنے کے بعد انسانی حقوق کا یہ اعلامیہ جن اصولوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے وہ ہمارے ذہنوں پر منقش ہو گیا ہے۔ ہر مہذب سوسائٹی کے انسانوں کے ذہنوں بلکہ ہمارے ملک میں جو انتہائی کٹر پنتھیوں کا مسکن ہے جہاں کی فکر اور سماجی نظام انتہائی فرسودہ ہے ان اصولوں کے صحیح ہونے میں شاید ہی کوئی اعتراض کر سکتا ہو۔ یہ بے داغ اصول آئین کی ضرورت تمہید بننا چاہیے۔ اس غیر متنازعہ حصہ میں ایک کمی ہے۔ جہاں حقوق کی بات ہوتی ہے وہیں حقوق تلفی کی صورت میں اس کے علاج کا تذکرہ نہیں۔ کیوں کہ حقوق کوئی معنی نہیں رکھتے جب حقوق تلفی اور حقوق کی پامالی پر اسکی تلافی کی شکل میں علاج کی بات نہیں کی جاتی وغیرہ۔۔۔۔۔۔''

قرارداد کے دوسرے متنازعہ حصہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا '' بحث کے دوران لفظ ریپبلک (Republic) بھی متنازعہ رہا جو پیراگراف 4 میں استعمال ہوا ہے۔ اقتدار اعلیٰ حاصل ہوتا ہے عوام سے اسلئے ڈاکٹر جے کر (Dr.Jay kar) کا یہ کہنا درست ہے کہ مسلم لیگ کی غیر موجودگی میں اس قرارداد پر بحث کرنا نامناسب ہے جناب والا میں آج نہیں جانتا کہ مستقبل میں ملک کی سماجی، سیاسی، معاشی شکل کیا ہوگی۔ آج ہم معاشی، سماجی اور مذہبی میدانوں میں منقسم ہیں۔ آج ہم ایسے گروہوں میں تقسیم ہیں جو ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں میں خود بھی ایک ایسے گروہ کی قیادت کر رہا ہوں لیکن اس کے باوجود میں قائل ہو گیا ہوں کہ گذرتے ہوئے وقت کے حالات ساتھ بدلنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس ملک کے متحد ہونے کو نہیں روک سکتی (تعریف کے نعرے) مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک نہیں کہ اگر چہ مسلم لیگ ملک تقسیم کرنے کے احتجاج کر رہی ہے مگر ایک دن آئے گا جب جب مسلمانوں کو احساس ہوگا کہ ایک متحد انڈیا ان کے مفاد میں ہے (تعریف کے نعرے)

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جناب صدر میرا خیال ہے تمام کو دوست بنایا جائے اسلئے ہر پارٹی اور ہر طبقہ کو ساتھ لیکر آگے بڑھا جائے اور یہ اکثریتی طبقہ کے لئے زبردست دانشمندانہ قدم ہوگا۔ ہمارے ساتھ نہ آنے والوں کے تعصب کو ہم نظر انداز کریں۔ میں ڈاکٹر جے کر کی قرارداد کی تائید

کرتا ہوں ۔(یعنی قرارداد پر بحث ملتوی کی جائے ۔مصنف)''مزید کہا''اصل مسئلہ کو قانونی نظر سے نہ دیکھا جائے یہ قانونی مسئلہ نہیں ہے ۔قانونی نکات کو نظر انداز کر کے کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارے ساتھ جو نہیں آنا چاہتے انہیں ساتھ لینے کی کوشش کی جائے آپ حضرات سے یہ میری اپیل ہے ۔''

ان کی تدبر سے بھری اس تقریر کو پورے ہاؤس نے ایک گھنٹہ سے زائد پوری توجہ سے سنا۔انہوں نے بہت سارے مسائل کا احاطہ کیا اور کہا کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے اختلافات وقار کا مسئلہ نہ بنائے جائیں ۔قوموں کے فیصلہ کے وقت لوگوں کی ان کے رہنماؤں کی یا سیاسی پارٹیوں کے وقار کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ۔اسمبلی کے یہ مفاد میں رہے گا مسلم لیگ کا رد عمل دیکھا جائے گا۔اگر مسلم لیگ سے تعاون نہ کیا جائے تو تصادم ہوگا۔جس میں ایک طرف حکومت برطانیہ سے اور دوسری طرف مسلمانوں سے نتیجہ کیا ہوگا وہ خود نہیں جانتے اپنی تقریر میں مشہور برطانوی دانشور برک (Burke) کے قول کا اعادہ کیا۔جس وقت برطانوی حکومت امریکہ کے باغی نو آبادیوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرنا چاہی تو برک نے کہا تھا کہ طاقت کا استعمال کبھی کامیاب نہیں ہوتا الغرض ڈاکٹر امبیڈکر نے ڈاکٹر جے کر کے اس موقف کی تائید کی کہ مسلم لیگ کا تعاون لیا جائے ۔ اور لیگ کے عدم موجودگی میں کوئی قرارداد منظور نہ کی جائے ۔ یہ تقریر اتنی موثر رہی کہ تمام ہاؤس اس سے متاثر ہوا۔ڈاکٹر امبیڈکر اور کانگریس کی قدیم دشمنی کے پس منظر میں یہ امید کی جارہی تھی کہ ڈاکٹر امبیڈکر آئین ساز اسمبلی میں تصادم کا راستہ اختیار کریں گے ۔مگر ملک کے بدلتے حالات، آزادی کے دن کا قریب آنا اور خود آئین ساز اسمبلی میں ایک اہم رول ادا کرنے کا موقع دیکھ کر ڈاکٹر امبیڈکر تصادم کا راستہ ترک کر کے ایک انتہائی مدبر، دانشور اور سینئر سیاست داں کی حیثیت سے سامنے آئے ۔

پورے ملک میں ان کی تعریف ہوئی ۔ڈاکٹر جے کر نے بحث ملتوی کرانے جب قرارداد ہاؤس کے سامنے رکھی تو اراکین آئین ساز اسمبلی میں ایک قسم کی ناراضگی پیدا ہوگئی تھی لیکن وہی بات جب ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے مخصوص انداز سے سنجیدگی سے رکھی تو ڈاکٹر جے کر کی قرارداد

پر کسی کو اعتراض نہ رہا۔ جو ہاتھ ڈاکٹر امبیڈکر پر اٹھ سکتے تھے۔ وہ ہاتھ اب تالیاں بجا رہے تھے۔ ان کی مخالفت کرنے والے ان کے دوست ہو گئے۔ نتیجہ پنڈت نہرو کی قرارداد پر بحث ملتوی کر دی گئی۔ 20 جنوری 1947ء کو اس قرارداد پر بحث ہوئی اور منظور ہوئی۔

جون 1947ء کے پہلے ہفتہ میں ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک بیان کے ذریعہ مرکزی ہنگامی حکومت اور ہندوستانی دیسی ریاستوں کو وارننگ دی کہ انڈین یونین میں دیسی ریاستوں کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ جمہوریت کی بنیادیں اور عوامی رائے اس بات کی متقاضی نہیں کہ آزاد ہندوستان میں صرف دیسی ریاستی حکمرانوں کی خواہش پر زندہ رہ سکیں۔ اس ضمن میں خاص طور پر نظام حیدرآباد کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ جناح صاحب نے دیسی ریاستوں کی آزادی کے لئے جو بات کہی تھی اس کے بارے میں بھی اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ کہا کہ دیسی ریاستوں کے بارے میں انہیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

17 جون کو ایک اور بیان کے ذریعہ انہوں نے کہا انڈین یونین میں ضم ہونا ان کے مفاد میں رہے گا۔ نظام اسٹیٹ اور ٹراونکور اسٹیٹ کو وارننگ دیتے ہوئے کہا کہ اگر وہ 15 اگست کو آزادی کا اعلان کریں تو یہ ہندو مسلم سے بھی زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہوگا۔ اور ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوگا۔

آزادی کے دن جیسے جیسے قریب آرہے تھے ویسے ویسے انہوں نے خود آئین کا مسودہ تیار کر کے آئین ساز اسمبلی کے حوالہ کیا۔ اس کا عنوان تھا حکومت اور اقلیتیں Sates & Minorties یہ مسودہ مارچ 1947 کو شائع کیا۔ یہ مسودہ درحقیقت آئین کا ایک خاکہ تھا۔ اس مسودہ میں ان لوگوں کی تنقید کا جواب دیا گیا جن کا کہنا تھا کہ اچھوت اقلیت نہیں ہیں۔ ملک کے مستقبل کے آئین میں شہریوں کے بنیادی حقوق کیا ہونے چاہئے۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیسے ہو۔ اچھوتوں کے حقوق اور ان کی حفاظت کیسے ہو اس ضمن میں تجاویز پیش کیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو آئین سازی میں کس حد تک مہارت تھی اس کی جھلک اس خاکہ سے ملتی ہے۔

جون جولائی 1946ء میں ہندوستان کی مجوزہ تقسیم ہو کر پاکستان کی تخلیق حقیقت بن گئی تھی۔ 3 جون 1947ء وائسرائے لارڈ ماونٹ بیٹن برطانوی حکومت کی تقسیم ہند کی تجویز لائے تھے

15 جولائی 1947ء کو ہاؤس آف کامنس House of Commns میں ہندوستان کی تقسیم اور آزادی کی قرارداد منظور ہوئی۔

ڈاکٹر امبیڈکر بنگال کے جن حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے تھے وہ مشرقی پاکستان کے حصہ میں چلا گیا۔ اسلئے ڈاکٹر امبیڈکر کی آئین ساز اسمبلی کی رکنیت ختم ہوگئی۔ یہ جب تک اسمبلی میں رہے اس وقت تک آئین سازی کے سلسلہ میں ہونے والی تمام بحثوں میں سب سے زیادہ موثر انداز میں حصہ لیتے رہے ان کی صلاحیتوں کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ دستوری نکات پر انکی تقاریر کا سب نے نوٹس لیا۔ ان کی رکنیت ختم ہوتے ہی کانگریس کے چوٹی کے رہنما پنڈت جواہر لعل نہرو سردار پٹیل وغیرہ گاندھی جی کی رضامندی سے یہ طے کیا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو آئین ساز اسمبلی میں رہنا چاہیے۔ جولائی 1947ء میں ممبئی اسمبلی سے آئین ساز اسمبلی کے لئے منتخب رکن ڈاکٹر جے کر (Dr.Jaykar) نے صحت کی بنیاد پر استعفیٰ دیا (قیاس کیا جاتا ہے کہ استعفیٰ دینے کیلئے کہا گیا) ڈاکٹر راجندر پرساد جو اسمبلی کے صدر نشین تھے انہوں نے ممبئی کے چیف منسٹر کو لکھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو کانگریس کی مدد سے آئین ساز اسمبلی کے لئے چنا جائے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی بھی عین خواہش تھی کہ وہ دستور سازی میں اپنا اہم رول ادا کریں۔ کانگریس نے بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ ماضی کی تلخیوں کو فراموش کر کے ملک کے مفاد کی خاطر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسمبلی کے لئے چنا گیا۔ 10 جولائی 1947ء جب ڈاکٹر امبیڈکر نے پرچہ نامزدگی داخل کیا کسی اور امیدوار نے دعویداری نہیں کی۔ اسلئے 10 جولائی کو ہی کسی اور کی پرچہ نامزدگی نہ آنے کی وجہ سے اسی دن منتخب قرار دیئے گئے۔

14 جولائی کو ڈاکٹر امبیڈکر نے اسمبلی میں اپنے انتخاب کے دستاویز پیش کیں، اور اس طرح انہیں ملک کے دستور سازی میں انتہائی اہم رول ادا کرنے کا موقع بھی ملا۔ اور اعزاز بھی۔ دستور سازی کے پروسیس میں اسمبلی نے مختلف ذیلی کمیٹیوں تشکیل دی تھیں جنہیں الگ الگ ذمہ داریاں دی گئی تھیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو مختلف کمیٹیوں میں لیا گیا تھا۔ ایک سب کمیٹی ملک کے پرچم طے کرنے کی تھی جس کے ایک رکن خود ڈاکٹر امبیڈکر بھی تھے۔ 3 جولائی 1947ء کو ڈاکٹر امبیڈکر ممبئی آئے ہوئے تھے۔ ہندو مہا سبھا کے مختلف اراکین سے ملے اور نمائندگی کی، کہ ملک کا پرچم بھگوا

(زعفرانی) ہو۔ جب یہ دہلی واپس جانے کیلئے سانتا کروز ہوائی اڈہ پر پہونچے تو ہندو مہا سبھا کے اراکین نے زعفرانی (بھگوا) پرچم دیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے صرف اتنا کہا کہ اگر وہ اس ضمن میں کوئی تحریک چلائیں گے تو ان کی تائید ان کے ساتھ رہے گی۔ 22 جولائی 1947ء کو اشوک چکر کے ساتھ ترنگا پرچم قومی پرچم کی حیثیت سے اسمبلی منظور کیا گیا۔

ارون شوری نے ڈاکٹر امبیڈکر پر ایک کتاب لکھی جس کا عنوان ہے Worshiping False Gods (جھوٹے خدا کی پرستش) اس کتاب میں ڈاکٹر امبیڈکر کی پوری سیاست اور تحریک پر سخت تنقید کی ہے۔ یہ کتاب بہت متنازعہ رہی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے چاہنے والوں نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ یہاں تک اس کتاب کے صفحات پارلیمنٹ میں چاک کئے گئے۔

ارون شوری نے اپنی تصنیف Worshiping False Gods کے صفحہ 572 پر لکھا کہ نوجوان بدرالدین طیب جی آئین ساز اسمبلی کے سیکریٹریٹ میں انڈر سیکریٹری (Under Secreatray) کی حیثیت سے کام کرتا تھا ظاہر ہے دستور سازی میں اس نوجوان کا کوئی رول نہ تھا۔ آئین ساز اسمبلی کے صدر نے ملک کا پرچم تعین کرنے 23 جون 1947 کو ایک کمیٹی مقرر کی تھی اس کمیٹی کے صدر ڈاکٹر راجندر پرساد تھے۔ اس کمیٹی کے دوسرے اراکین میں مولانا آزاد، راج گوپال چاری، سروجنی نائیڈو، سردار پانیکر۔ کے۔ ایم منشی اور ڈاکٹر امبیڈکر، فرنیک انتھونی، پٹما بھی ستیہ رامیا، ہیرالال شاستری، ستیہ نارائن سنہا، بلدیو سنگھ اور یس این گپتا تھے۔

اس کمیٹی کے لئے نوٹ (Note) یس، ڈی کالیکر نے تیار کیا تھا۔ ریکارڈ کے مطابق پنڈت جواہر لعل نہرو نے قرارداد پیش کی، اور تعارفی تقریر کی۔ اس قرارداد پر تقریر کرنے والوں میں ڈاکٹر رادھا کرشنن، محمد سعاد اللہ اور سروجنی نائیڈو کے نام ہیں۔ ترنگا پرچم مع چرخ کے کانگریس پارٹی کا تھا۔ بحث کے بعد چرخے کے بجائے اشوک چکر (نیلے رنگ میں) ڈال دیا گیا۔ یہ تو سب کچھ سرکاری ریکارڈ کے مطابق ہوا۔

بدرالدین طیب جی نے اپنی زندگی میں ایک کتاب لکھی جس کا عنوان تھا Memoirs of An Egoist (ایک انا پسند کی یادداشتیں) اس کتاب میں طیب جی نے لکھا کہ اس ضمن میں

انہوں نے مشہور انگریزی روزنامہ The Statesman اسٹیٹ مین میں 1951ء میں ایک مضمون قومی نشانیوں کے بارے میں لکھا تھا۔طیب جی کہتے ہیں ''مجھے قومی پرچم اور قومی نشان (Emblem) میں دلچسپی پیدا ہوئی اس بارے میں ایک مضمون 1951ء کے اسٹیٹمن اخبار میں لکھا میں نے مضمون شائع کرنے سے پہلے احتیاطاً پنڈت جواہر لعل نہرو کو دکھایا۔مختلف لوگ ان قومی نشان کی تخلیق کیلئے کریڈیٹ لے رہے ہیں۔درحقیقت یہ قومی نشان میرے تجویز کردہ تھے۔جو میں نے کمیٹی کو پیش کئے تھے جسے ڈاکٹر راجندر پرساد نے تشکیل دی تھی۔جس قرارداد کے ذریعہ آئین ساز اسمبلی نے منظور کیا کہ وہ وہی تھا جو میں نے لکھا۔

قومی پرچم کا ڈیزائن جس میں چرخہ کے بجائے اشوک کا دھرم چکر تھا آسانی سے منظور ہوا۔ گاندھی جی نے محسوس کیا کہ قومی پرچم مع چرخہ کے عملی طور پر ممکن نہیں۔کیونکہ 'چکر' کو پرچم کے دونوں بازوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔جبکہ چرخہ رہنے کی صورت میں ایک ہی طرف سے دیکھا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف سے دیکھے جانے پر چرخہ کا Spindle پہلے اور پہیہ بعد میں گاندھی جی نے محسوس کیا کہ کوئی پارٹی کتنی بھی اہمیت کی حامل ہو، اس پارٹی کا پرچم قومی پرچم نہیں ہونا چاہیئے۔میری صرف ایک تجویز جو کمیٹی نے منظور نہیں کی وہ تھا دھرم چکر کا رنگ، میں نے دھرم چکر کے لئے کالا رنگ تجویز کیا تھا مگر چونکہ کالا رنگ بدشگونی کی علامت ہے اسلئے وہ منظور نہیں ہوا۔کمیٹی نے بحری نیلا (Navy Blue) رنگ منتخب کیا جو میری نظروں میں مناسب نہیں تھا۔کیونکہ نیلا رنگ جلد پھیکا ہو جاتا ہے۔زعفرانی، سفید اور ہرے رنگ کے مقابلہ میں۔مجھے یاد ہے اس وقت کے ایم منشی، (جو سردار پٹیل کے سیدھے ہاتھ تھے) روایتی ہندو زعفرانی (بھگوا) رنگ پر زور دے رہے تھے۔ لیکن دوسرے اراکین نے اپنے سیکولر موقف کی وجہ سے اس کی مخالفت کی۔آخر کار یہ طے ہوا کہ پرچم کے رنگ وہی ہونے چاہیں جن رنگوں کے تحت آزادی کی تحریک چلائی گی۔''

طیب جی نے مزید لکھا ''قومی نشان (Emblem) طے کرنے کیلئے زیادہ وقت لگا۔یہ معاملہ وزیر اعظم اور مجھ پر چھوڑ دیا گیا۔کل ہند سطح پر ڈیزائن منگوائے گئے مگر یہ اطمینان بخش نہیں تھے۔میں چاہتا تھا کہ اشوک لاین (Ashok Lion) (شیروں کے تین سروں والا) کسی اور چیز

پر لگایا جائے ۔ بعد میں احساس ہوا کہ اشوک لاین (Ashok Lion) ہی قومی نشان ہو، پنڈت نہرو نے اس مشورہ کو منظور کیا۔ نیچے کے الفاظ ستیہ، میو، جیتے Truth Shall Prevail کا بعد میں اضافہ کیا گیا جب میں آئین ساز اسمبلی کے سکریٹریٹ چھوڑ کر چلا گیا۔"

(Worshinping False Gods by Aurn Shourie)

ملک کی تقسیم کے اندیشہ کی وجہ سے پورے ملک میں فساوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ 9 جولائی تا 13 جولائی کے دوران لاہور، امرتسر میں فسادات ہوئے۔ ڈاکٹر امبیڈکر پاکستان کے اچھوتوں کے بارے میں متفکر ہوئے 15 اگست کو دہلی، کلکتہ، فسادات کے لپیٹ میں آگئے۔ دونوں طرف ہزاروں بے گناہ، شہریوں کا قتل عام ہوا۔ مکانات جلائے گئے ریلوے سے سفر کرنے والے مسافروں کو قتل کر دیا گیا۔ 15 اگست کو ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی دو آزاد حکومتوں کا قیام عمل میں آیا۔

29 اگست 1947ء کو آئین ساز اسمبلی نے ڈرافٹنگ کمیٹی کی تشکیل کی۔ قانونی، دستور سازی کی پیچیدگیوں پر مختلف موقعوں پر مدلل مباحث کر کے ڈاکٹر امبیڈکر آئین سازی کے میدان میں اپنا سکہ جما چکے تھے۔ اسلئے انہیں آئین ساز اسمبلی کی سب سے اہم 'ڈرافٹنگ کمیٹی' کا صدر بنایا گیا۔ اس کمیٹی کے دوسرے ممبران ابتداء میں حسب ذیل تھے۔ (۱) این۔ گوپال سوامی آینگار (۲) الددی سوامی کرشنا سوامی ایر (۳) کے۔ ایم۔ منشی (۴) سید محمد سعد اللہ (۵) سر بی ایل متل (۶) ڈی۔ پی کھیتان

آئین ساز اسمبلی کے ایک رکن ٹی۔ ٹی کرشنما چاری T.T.Krishnmachari، (5 نومبر 1948ء) نے اپنی تقریر میں کہا "اس ہاؤس کو شاید ہی معلوم ہو کہ ڈرافٹنگ کمیٹی کے لئے اسمبلی نے 7 اراکین کا انتخاب کیا تھا جس میں سے ایک نے استعفیٰ دیا اس خالی جگہ پر کسی کو نہیں لیا گیا۔ ایک کا انتقال ہوا۔ اس کی بھی نشست خالی رہی۔ ایک امریکہ چلا گیا۔ چوتھے رکن دیسی ریاستوں کے کاموں میں اتنے مصروف رہے کہ انہوں نے ڈرافٹنگ میں حصہ نہیں لیا۔ دو دہلی سے دور رہے ان کی صحت ٹھیک نہ رہنے کی وجہ سے انہوں نے بھی کوئی حصہ نہیں لیا۔ نتیجۃً پورے

کام کی ذمہ داری صرف ڈاکٹر امبیڈکر پر پڑی۔

آئین ساز اسمبلی کی کارکردگی اگرچہ 9 دسمبر 1946ء سے شروع ہوئی مگر مسودہ (ڈرافٹ) تحریر کرنے کا کام ڈاکٹر امبیڈکر کی رہنمائی میں 29 اگست 1947ء سے شروع ہوا۔ آئین کے مشیر بی۔این۔راؤ نے جو کچا مسودہ دیا تھا اس میں 243 دفعات اور 13 ضمیمے تھے پہلا مسودہ جو اس کمیٹی نے اسمبلی میں پیش کیا اس میں 315 دفعات اور 8 ضمیمے تھے۔ جب اس اسمبلی نے اس پر غور کرنا شروع کیا اُس وقت 386 دفعات تھے۔ مسودہ کی آخری شکل میں 395 دفعات 8 ضمیمے تھے۔ بحث کے دوران 7635 ترمیمات پیش ہوئیں۔ مگر جن ترمیمات پر غور ہوا ان کی تعداد 2473 تھی۔ جب مسودہ اپنی آخری شکل میں پیش ہوا تو آئین ساز اسمبلی کے رکن نظیر الدین نے تنقید کی اور کہا کہ پورا مسودہ معیاری نہیں ہے ان کا کہنا تھا کہ یہ کمیٹی Drafting نہیں ہے Drifting ہے۔ تنقید پر ڈاکٹر امبیڈکر نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کرتے ہوئے ان کی تنقید کا جواب دیا کہ اس میں کیا کیا مشکلات درپیش آئیں۔ انہوں نے کہا Drift with out Mastery اور Drift with Mastery میں فرق ہے۔ سوائے نظیر الدین احمد کے اسمبلی کے تمام اراکین نے کمیٹی کے کام کی سراہنا کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا ''ڈرافٹنگ کمیٹی کا جب مجھے صدر نامزد کیا گیا تو مجھے تعجب ہوا کیونکہ اس ہاؤس میں مجھ سے زیادہ اہلیت رکھنے والے حضرات موجود ہیں۔ خاص طور پر سر الادی کرشنا سوامی آئر Sir Uladi Krishna Swami Aayer اس لیے مجھ پر اس اہم کام کیلئے جو اعتماد کیا گیا اس کے لئے میں سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ ملک کی خدمت کرنے کا مجھے موقع دیا گیا۔ مجھے اس کام کیلئے جو کریڈیٹ دیا گیا ہے اس کا میں مستحق نہیں ہوں۔ اس کا کچھ حصہ سر بی۔این راؤ (Sir B.N. Rao) جو اس اسمبلی کے قانونی مشیر ہیں ان کو جاتا ہے جنہوں نے اس مسودہ کمیٹی کو کچا مسودہ (Rough Draft) دیا تھا۔ کچھ حصہ ڈرافٹنگ کمیٹی کے ممبروں کو جاتا ہے جو میرے ساتھ 141 دن بیٹھے رہے اور ایک دوسرے کی آراء کو برداشت کیا اور قبول کیا۔ جس کے بغیر مسودہ کو قطعی شکل دینا ممکن نہیں تھا۔ اس کریڈیٹ کا بڑا حصہ ایس۔این۔ مکرجی (S.N. Mokerji)

آئین کے چیف ڈرافسٹمن (Chief Draftsman) کو بھی جاتا ہے۔ جن کی محنت اور پیچیدہ تجاویز کو آسان قانونی زبان میں بدلنے کی صلاحیت بے مثال ہے۔ ان کی مدد نہ ہوتی تو اس اسمبلی کے آئین کو قطعی شکل میں پیش کرنے بہت سال لگ جاتے۔ کانگریس نے جس ڈسپلن کا مظاہرہ کیا اس کی وجہ سے بھی مسودہ تکمیل کرنے کام آسان ہوا۔۔۔

اسمبلی کی کاروائی انتہائی پھیکی اور بے مزہ ہوتی اگر اس ہاؤس میں مسٹر کامتھ ڈاکٹر پی۔ پی دیشمکھ، مسٹر سدھوا۔ مسٹر سکسینہ، پنڈت ٹھاکر داس بھارگو، پنڈت کنزرو، کے ٹی، شاہ جیسے باغی نہ رہتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب میں دستور کی خوبیوں پر کچھ نہ کچھ کہوں گا۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ آئین چاہے جتنا اچھا ہو وہ برا بھی ہوسکتا ہے جب آئین کے تحت کام کرنے والے خود اچھے نہ ہوں۔ برخلاف اس کے کسی خراب آئین سے اچھے نتائج نکل سکتے ہیں اگر لوگ اچھے ہوں، آئین کی کارکردگی آئین کی ساخت پر منحصر نہیں ہوتی۔ آئین کسی حکومت کو تین عناصر مہیا کرنا ہے اور یہ تین عناصر ہیں قانون سازی، عدلیہ اور انتظامیہ ان عناصر کے ذریعہ عوام اور سیاسی پارٹیاں اپنی خواہشات پوری کرتی ہیں اور اپنی سیاست کرتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے مستقبل میں ہندوستانی عوام اور ان کی سیاسی پارٹیوں کا کیا رویہ رہے گا؟ کیا وہ اپنے مقاصد آئینی طریقوں سے حاصل کریں گے۔ یا انقلابی طریقہ سے اگر انہوں نے انقلابی طریقہ اختیار کیا تو یہ نتیجہ اخذ کرنے کیلئے کہ آئین ناکام ہوگیا کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں۔ اس لئے اس آئین کے بارے میں آج کوئی فیصلہ کرنا نامناسب ہے۔ جب تک یہ نہ دیکھا جائے کہ عوام کا رویہ آئین کے تعلق سے کیا رہتا ہے۔ دستوری ترمیمات، کمیونسٹوں سوشلسٹوں کے رویہ، ریاستوں اور صوبوں کے تعلقات وغیرہ وغیرہ بہت سارے نکات کا احاطہ کرتے ہوئے اپنی طویل تقریر کے اخیر میں کہا "مجھے اپنی بات یہاں ختم کرنا چاہئے تھا مگر مجھے اپنے کچھ احساسات کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ 26 جنوری کو ملک جمہوریہ ہو جائے گا۔ مگر اس ملک کی آزادی کا کیا ہوگا؟ کیا ملک آزادی برقرار رکھ پائے گا یا پھر آزادی کھو دے گا؟ یہ خیال میرے ذہن میں آتا ہے۔ کیا اس سے قبل ملک آزاد نہیں تھا؟ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ اس

نے اپنی آزادی کھودی، کیایہ ملک دوبارہ آزادی کھودے گا؟ جو خیال مجھے ستاتا ہے وہ یہ کہ یہ ملک اگر اپنی آزادی کو کھودئی تھی تو اس کی وجہ ہمارے ہی لوگوں کی دھوکہ بازی اور غداری ہے۔ جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تھا اس وقت راجہ داہر کے کمانڈروں نے محمد بن قاسم کے ایجنٹوں سے رشوت لی تھی۔ اور راجہ کی طرف سے لڑنے کیلئے انکار کیا۔ وہ جے چند تھا جس نے محمد غوری کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ تاکہ وہ پرتھوی راج سے لڑے۔ جے چند نے نہ صرف اپنی بلکہ سولنکی راجاؤں کی مدد دلانے کا وعدہ کیا۔ جب شیواجی ہندوؤں کو آزادی دلانے مغل شہنشاہ سے لڑ رہے تھے اس وقت دوسرے مراٹھا سردار اور راجپوت راجہ مغلوں کی طرف سے لڑ رہے تھے جب انگریز سکھ حکمرانوں کو برباد کرنے پر تلے تھے اس وقت ان کا ایک اہم کمانڈر گلاب سنگھ خاموشی سے بیٹھا رہا اور سکھ ریاست بچانے کی کوشش نہیں کی۔ 1857ء میں جب پورا ملک انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ کا اعلان کیا اس وقت سکھ خاموش تماشائی بنے تھے۔

کیا تاریخ دہرائی جائے گی یہی خیال مجھے فکرمند کرتا ہے یہ فکر مزید گہری ہوجاتی ہے جب میں یہ سوچتا ہوں کہ ہمارے قدیم دشمن یعنی ذات پات کے نظام کے علاوہ، ہم میں بہت سارے متضاد نظریات رکھنے والی سیاسی جماعتیں موجود ہیں۔ ہم ملک کے مفادات کو ترجیح دیں گے۔ یا ہمارے عقائد و نظریات کو میں آج کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر ایک بات ضرور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر سیاسی پارٹیاں اپنے نظریات کو ملک کے مفادات پر ترجیح دیں گے تو ہماری آزادی دوبارہ خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اور شاید ہم اپنی آزادی ہمیشہ کیلئے کھودیں گی۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو اس خطرہ سے بچائیں اور ہم طے کریں کہ اپنے خون کے آخری قطرہ تک ملک کی آزادی کا دفاع کریں گے۔ 26 جنوری 1950ء کو ملک جمہوری ہوگا۔ پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ملک جمہوریت کو قائم رکھے گا۔ ملک کیلئے جمہوریت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح پارلیمانی نظام بھی نیا نہیں ہے۔ جبکہ بھکو سنگھ کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے یہ سنگھ درحقیقت ایک پارلیمنٹ تھا۔ بھکو پارلیمانی طرز حکومت کے اصولوں پر کام کرتے تھے۔ گوتم بدھ نے اس پارلیمانی طریقہ کو اپنے سنگھ کے لئے، اس دور کے سیاسی نظام سے کیا ہوگا۔

جمہوریت صرف شکل میں نہیں بلکہ حقیقت میں قائم کرنے کیلئے تین چیزیں اہم اور ضروری ہیں (۱) سماجی اور معاشی مقاصد حاصل کرنا آئینی طریقوں کو اپنانا (۲) سول نافرمانی، عدم تعاون، ستیہ گرہ جیسے تصورات کو ترک کرنا پڑے گا۔ (۲) تمام آزادی کسی ایک شخص کے سپرد نہ کی جائے۔ کسی بڑی شخصیت کے قوم پر احسانات ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اس کا مشکور بھی ہونا چاہیئے اس کے احسان کا اعتراف بھی کرنا ہوگا۔ مگر احسان مند ہونے کی ایک حد ہونی چاہیئے۔ کوئی شخص اپنی عزت، کوئی عورت اپنی عصمت اور کوئی قوم اپنی آزادی کی قیمت پر کسی کی مشکور نہیں ہو سکتی۔ بھکتی، ہیرو و پرستی آخر میں عامرانہ، رجحانات پیدا کرتے ہیں۔ تیسری اہم چیز سماجی جمہوریت ہے۔ سماجی جمہوریت کے معنی ہیں سماج میں آزادی، مساوات اور بھائی چارگی ان تینوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ آزادی کو مساوات سے مساوات کو آزادی سے اور مساوات اور آزادی کو بھائی چارگی سے ـــــــــ وغیرہ وغیرہ

آزادی نے ہم پر بڑی ذمہ داری ڈالی ہے۔ آزادی ملنے پر ہمیں خوشی بھی ہے اب تک ہر برائی کیلئے انگریزوں پر الزام دیا کرتے لیکن اب کوئی ایسا بہانہ نہیں رہا۔ اگر ہم غلط راستہ پر چل پڑے تو اس کیلئے ہم ذمہ دار رہیں گے۔ راستہ پر خطر ہے۔ وقت تیزی سے بدل رہا ہے۔ نئے نئے نظریات آرہے ہیں۔ عوام اب لوگوں کی حکومت سے بیزار ہو گئے ہیں۔ وہ لوگوں کیلئے حکومت کے خواہش مند ہیں۔ انہیں اس سے مطلب نہیں کہ لوگوں کی حکومت ہو یا لوگوں کے ذریعہ حکومت (تلخیص)

اس طویل تقریر کے بعد مسودہ 26 نومبر 1949 کو ہاؤس کی منظور کیلئے رکھا گیا جو منظور ہوا۔ بعد میں 26 جنوری 1950ء کو پورے ملک پر یہ آئین نافذ ہو گیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر آزاد ہندوستان کے وزیر قانون:

ملک آزادی کی دہلیز پر پہونچ چکا تھا۔ جولائی 1947ء کے آخری ہفتہ میں کانگریس نے وزارت میں شامل افراد کے نام طے کر دیئے تھے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے ڈاکٹر امبیڈکر

کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا وہ وزیر قانون بننے کیلئے تیار ہیں ۔ یہ بھی وعدہ کیا کہ آئندہ منصوبہ بندی اور ترقیاتی کاموں کے 5 محکمے بھی دیئے جائیں گے ۔انہوں نے اپنی رضامندی ظاہر کی ۔ 3 اگست 1947ء کو مرکزی وزارت میں شامل وزراء کی فہرست شائع ہوتی ۔اس میں ڈاکٹر امبیڈکر کا نام شامل تھا۔(حالانکہ یہ کانگریس سے تعلق نہیں رکھتے تھے)اسی طرح ہندو مہا سبھا کے ڈاکٹر شیام پرساد مکرجی بھی وزیر بنا دیئے گئے ۔جس دن اعلان ہوا ڈاکٹر امبیڈکر ممبئی میں تھے ۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے آئین کی تیاری میں دن رات محنت کی ۔صحت بھی خراب ہو رہی تھی ۔ جوڑوں کے درد کی قدیم شکایت تھی ۔ذیابیطس (شکر) کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا تھا ۔اگست 1947ء کو آزاد ہندوستان کے وزیر قانون اور 29 اگست کو آئین ساز اسمبلی کے ڈرافٹنگ کمیٹی کی صدارت پا کر ملک کے آئین کے معمار بننے کا اعزاز یہ ایک طویل سفر تھا جو اس 'مہار' بچہ نے طے کیا جسے چوتھی جماعت میں کونے میں ایک علیحدہ چٹائی پر اسلئے بٹھایا جاتا کہ وہ ایک اچھوت ہے ۔جسے اسکول میں پانی پینا منع تھا ،بعد میں بقول کانگریس پارٹی کے انگریزوں کا 'بغل بچہ' بنا تھا ۔

اپنی اتنی ساری مصروفیات کے باوجود وہ دلتوں کے طلباء کی تعلیم سے غافل نہ رہے ۔ ممبئی میں سدھارتھ کالج شروع کیا جس کی ترقی کیلئے وہ ہمیشہ کوشاں رہتے ،ان کی کئی سالوں کی کشمکش نے اپنے اثرات دکھانا شروع کیے ۔ستمبر 1947ء میں ممبئی لجیسلیٹو اسمبلی میں ایک بل پاس ہوا تمام مندروں میں دلتوں کے داخلہ پر پابندی غیر قانونی قرار دی گئی ۔ناسک کے کالارام مندر میں داخلہ کے لئے کئی سال ستیہ گرہ کرنا پڑا ۔داخلہ عام ہو گیا پنڈھر پور کے مشہور وٹھل مندر میں ممبئی کے دلت وزیر تپاسے (Tapase) نے 11 / نومبر 1947ء داخل ہو کر وٹھل کا درشن لیا ۔

ملک کی تقسیم سے بہت سارے کانگریسی گاندھی جی سے ناراض ہوئے گاندھی جی نے پاکستان سے آنے والے مہاجرین سے کہا دہلی کی مسجدوں پر جو انہوں نے قبضہ کیا وہ خالی کر دیں ۔ پاکستان کیلئے ہندوستان سے 55 کروڑ روپئے دینے کا مطالبہ کیا ۔سردار پٹیل ان کے خلاف تھے چاروں طرف افراتفری تھی ۔ان حالات سے ناراض ہو کر گاندھی جی نے 13 جنوری 1948ء کو برلا مندر دہلی میں اپنا مرن برت شروع کیا ۔حالات اور خراب ہوئے ۔ 31 جنوری 1948ء کو پونے کا

ایک برہمن نتھو رام گوڈسے جو ہندتو وادی تنظیم سے منسلک تھا گاندھی جی کو پستول کی گولی سے ہلاک کر دیا۔ ایک عظیم شخص کے اس طرح خاتمہ پر تمام دنیا میں افسوس کا اظہار ہوا۔ گاندھی جی سے پرانے تلخ تجربات کی وجہ سے ڈاکٹر امبیڈکر نے شاید کسی افسوس کا ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ شمشان بھومی کو نعش لے جاتے وقت جلوس میں ڈاکٹر امبیڈکر کچھ دیر شامل ہو کر واپس آگئے۔ یہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں گاندھی جی کو ہمیشہ شری یوت گاندھی یا مسٹر گاندھی۔ کبھی کبھی 'مہا تما گاندھی' یا 'مہا تما جی' کہتے۔ گاندھی جی کے قتل کے بعد افسوس کا ایک لفظ بھی انھوں نے اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ اس پر کانگریسی حلقوں میں تعجب کا اظہار ہوا۔ بعض لوگوں نے ان سے مل کر اظہار افسوس کا بیان جاری کرنے کیلئے کہا۔ جواباً ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا پیر کے جوڑوں کے درد کی وجہ سے گاندھی جی کے جلوس (شمشان بھومی جاتے وقت) میں چلنا ان کیلئے ممکن نہ تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کانگریس والوں سے کہا ''اچھوتوں کیلئے میں نے جو کوششیں کی اس کی تم لوگوں نے مخالفت کی۔ میری مخالفت کر کے میرے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اور یہ سب آپ لوگوں نے گاندھی جی کی خواہش اور ہدایت پر کیا۔ آپ جب یہ سب کچھ کرتے تھے اس وقت گاندھی جی نے آپ کو کبھی منع نہیں کیا۔ نہ کبھی مخالفت کی۔ بلکہ ایسا کرنے کیلئے انہوں نے آپ کی ہمت افزائی کی اسلئے مہاتما کے بارے میں کیا افسوس کا اظہار کروں؟'' ڈاکٹر امبیڈکر کے رویہ سے ان کے دل میں گاندھی جی سے کتنی نفرت تھی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

30 - ڈاکٹر شاردا کبیر سے شادی

فروری 1948ء میں آئین کا مسودہ صدر آئین ساز اسمبلی ڈاکٹر راجندر پرساد کے حوالے کر کے آرام کرنے ممبئی آئے۔ عمر لگ بھگ 57 سال ہو گئی تھی۔ دن رات کی محنت، پیر کے جوڑوں کا درد، ذیابیطس کا عارضہ ان تمام چیزوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔ اب فکر لاحق ہوئی کہ ضعیفی میں کون خدمت کرے گا۔ لڑکا یشونت اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں ممبئی میں رہتا تھا۔ مختلف ڈاکٹروں کا علاج جاری تھا۔ مگر افاقہ نہیں ہو رہا تھا اگست 1947ء سے اپنی صحت کی شدید فکر لاحق ہو گئی تھی۔ ممبئی میں جن جن دواخانوں میں علاج کرواتے، وہاں شاردا کبیر نامی ایک برہمن خاتون ڈاکٹر ان کی مدد کرتی یہ خاتون ان بیاہی تھی اور اس کی عمر لگ

بھگ 35 سال تھی۔

رات ہونے پر انہیں بڑا خوف ہوتا کیونکہ رات گزرنے پر درد شروع ہوتا، جنوری 1948ء کے ایک لیٹر میں لکھا کہ پیر کا درد صبح سحر کے وقت شروع ہوتا ہے اور دن رات بھر رہتا ہے۔ ایک ماہ بعد ایک اور لیٹر جو انہوں نے اپنے دوست کملا کانت چترے کے نام لکھا اس میں درد کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

''میری حالت یکدم خراب ہوگئی ہے درد دوبارہ لوٹ آیا ہے چار دن ہو گئے آنکھ نہیں لگتی، پیر کا درد، ناقابل برداشت ہوگیا ہے۔ رات بھر جاگ کر ملازمین سے خدمت لینی پڑتی ہے۔ دہلی کے دو مشہور ڈاکٹروں نے میرا طبی معائنہ کیا ہے ان کی رائے ہے کہ پیر کا درد اگر جلد ختم نہ ہوا تو وہ ہمیشہ رہے گا۔ میری صحت کی فکر کرنے کیلئے کوئی چاہئے یہ جو مشورہ تم نے دیا تھا اس پر میں پہلے سے زیادہ غور کر رہا ہوں میں نے ڈاکٹر کبیر سے شادی کرنا طے کیا ہے میری تلاش میں اس سے زیادہ مناسب کوئی دوسری مناسب خاتون نہیں ہے۔ یہ فیصلہ مناسب ہو یا غیر مناسب فیصلہ کر چکا ہوں۔ اس سلسلہ میں تمھیں کچھ کہنا ہو تو ضرور لکھو۔

بھاؤ راؤ گائیکواڑ ڈاکٹر امبیڈکر کے قدیم ساتھی تھے۔ ان کا تذکرہ ناسک کے کالارام مندر داخلہ کے ستیہ گرہ کے سلسلہ میں بار بار آچکا ہے یہ ان کے انتہائی وفادار اور قریب کے ساتھی تھے بعد میں یہ دادا صاحب گائیکواڑ کے نام سے مشہور ہوئے۔ پارلیمنٹ کے لئے بھی چنے گئے تھے دلت تحریک میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

بھاؤ راؤ گائیکواڑ کے نام نئی دہلی سے 16 مارچ 1948ء کو ایک لیٹر لکھا جس میں اپنی تکلیف اور مجوزہ شادی کا تذکرہ کیا ہے۔ لیٹر کا کچھ حصہ یوں ہے۔

22 پرتھوی راج روڈ، نئی دہلی

16/3/1948

عزیز بھاؤ راؤ

(دوسرے امور کے تعلق سے متن نہیں لکھا جا رہا ہے۔)

''دوسری بات مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔

میرے ایک دوست جو میری صحت کے تعلق سے میرے مشیر ہیں مجھے پورا یقین دلایا کہ میں شکر کے مرض سے چھٹکارا پاسکتا ہوں۔لیکن اگر مرض دوبارہ لوٹ گیا تو دھوکہ ہوسکتا ہے۔شکر کی بیماری کا انحصار غذا پر ہے میرے روزمرہ کے کھانے پینے اور انسولین (Insulin) انجکشن وغیرہ کی فکر کرنے والا اگر کوئی نہ ہو تو یہ پلٹ نہ جائے ایسا کہا جاسکتا ہے میرے اسی دوست کا کہنا ہے کہ اگر میں شادی کرنے کیلئے تیار نہ ہوں تو ایک نرس اور گھر سنبھالنے کیلئے کوئی عورت دیکھ لوں میں بہت دنوں سے اس پر غور کر رہا ہوں۔نرسنگ کیلئے اور گھر سنبھالنے کے لئے ایک خاتون کو گھر میں رکھوں تو لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہوسکتے ہیں۔اسلئے شادی کرنا زیادہ اچھا قدم ہے۔(برخوردار) یشونت کی ماں (رمابائی) کے انتقال (1932) کے بعد شادی نہ کرنے کا میں نے فیصلہ کیا تھا۔ لیکن موجودہ حالات میں مجھے اپنا فیصلہ بدلنا پڑ رہا ہے۔ڈاکٹر کا صاف طور پر کہنا ہے کہ 'جلد مرنا یا شادی' ان میں سے ایک فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

اس لئے میری پسند کی بیوی ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔دوسرے سماج کے لوگوں سے میرا کسی قسم کا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے ایسی خاتون ملنا مشکل ہے۔

میری زندگی اتنی تنہا ہوگئی ہے کہ غیر اچھوت مرد اور عورتوں (یعنی اونچی ذات والے مرد اور عورتیں) سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں رہا ہے لیکن خوش قسمتی سے میری پسند کی ایک خاتون ہے وہ سارسوت برہمن ذات کی ہیں۔15 اپریل کو دہلی آگیا ہوں۔اب کچھ ٹھیک لگ رہا ہے پھر بھی کمزوری کا شدید احساس ہے۔''

تمام کو نمسکار

آپکا بی۔آر۔امبیڈکر

اپنے دوست کملا کانت چترے (Kamla Kant Chitre) کے نام ایک اور لیٹر میں لکھا ''میری مجوزہ بیوی ڈاکٹر کبیر اور میرے لڑکے یشونت میں بددلی پیدا ہو رہی ہے یہ لکھتے ہوئے مجھے انتہائی افسوس ہوتا ہے شادی کی تاریخ بڑھا دی گئی تو لوگوں میں دن بدن غلط فہمی پیدا

ہو گی۔ اور میرے دشمنوں کو مجھے بدنام کرنے کا ایک اور اچھا موقع ملے گا۔ اسلئے 15 اپریل کو شادی کرنا میں نے طے کیا ہے۔'' خط میں مزید لکھا ''ایسا کر کے میں نے کوئی اخلاقی گناہ کیا ہو ایسا میں نہیں سمجھتا، کسی کو اعتراض کرنے کا میں نے کوئی موقع نہیں دیا۔'' مزید لکھا ''یشونت کو میں نے آج تک 30 ہزار روپئے دیئے کم از کم 80 ہزار روپئے کا ایک مکان دیا ہے مجھے یقین ہے ایک باپ کو اپنے لڑکے کے لئے جو کرنا چاہئے اس سے زیادہ میں نے کیا ہے۔

تاریخ طے ہونے پر ڈاکٹر کماری شاردا کبیر بذریعہ طیارہ دہلی پہونچ گئیں اور 15 اپریل 1948 کو ڈاکٹر امبیڈکر کے مکان واقع ہارڈنگس اوینو (Harding's Avenue) میں شادی ہوئی۔ دو دن قبل یہ اپنی عمر کے 56 سال مکمل کر چکے تھے۔ کچھ منتخب لوگ اس موقع پر حاضر تھے دوپہر میں ضیافت کا انتظام کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر شاردا کبیر، ڈاکٹر سویتا امبیڈکر ہو گئیں اور زندگی کے آخری حصہ میں 'مائی' کہلائیں ان کا انتقال 29 مئی 2003ء میں ہوا انہیں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

31 - کشمکش جاری

24،25/اپریل 1948ء کو لکھنؤ میں اتر پردیش شیڈول کاسٹس فیڈریشن کی 5ویں پریشد کا انعقاد ہوا۔ ایک لاکھ کا اجتماع تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی تقریر میں کہا "کانگریس میں جانے سے ہمارے مسائل حل ہونگے ایسی امید نہیں کرنی چاہیئے کانگریس دن بدن کمزور ہورہی ہے۔ سوشلسٹ نکل جانے سے یہ اور کمزور ہوگئی۔ ایسی صورت میں دونوں میں اگر کشمکش ہو تو فائدہ ہمارا ہوگا کیونکہ جو پارٹی ہماری شرائط تسلیم کرتی ہے ہم اس کی مدد کریں گے۔ کانگریس میں پسماندہ طبقات کی شمولیت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ کانگریس ایک عظیم تنظیم ہے کانگریس میں شرکت کے معنی سمندر میں قطرہ، اگر کانگریس مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائے تو کچھ اپنا فائدہ ہوگا۔ آج کانگریس ایک جلتا ہوا گھر ہے۔ اس میں شامل ہونے سے ہم بھی جل جائیں گے۔ اگلے دو سالوں میں کانگریس ختم ہو جائے تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا۔ کانگریس اور سوشلسٹ میں کسی ایک کو اکثریت نہ ملے تو یہ ہمارے ووٹ کی بھیک مانگیں گے۔ میری کانگریس کی وزارت میں

شرکت سے میرے کئی ساتھی الجھن میں پڑ گئے ہیں اس لئے صفائی دینا ضروری ہے۔شملہ معاہدہ میں انگریزوں نے کہا تھا کہ وہ کانگریس کے ہاتھوں میں اقتدار دے کر نہیں جائیں گے۔مگر مخالف پارٹیاں کمزور ہونے کی وجہ سے انگریزوں نے جاتے وقت اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔اقتدار ہندو، مسلمان اور سکھوں کے ہاتھ میں دے کر چلے گئے۔

وہ دور سیاسی نقطہ نظر سے حیرت انگیز تھا۔ہر طرف اندھیرا تھا امید کی کوئی کرن نہیں تھی پورے اچھوت قوم کی ذمہ داری مجھ پر تھی۔ایسے موقع پر کسی بھی راستہ پر لے جانا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔حالات کا اندازہ لینے انتظار ضروری تھا۔

25 سال سے کانگریس سے لڑا اب ہنگامی حالات میں خاموش کیوں ہوں اس قسم کے سوالات مجھ سے کئے جاتے ہیں۔ہمیشہ لڑنے کی پالیسی فائدہ مند نہیں رہتی۔کئی مرتبہ دوسرے راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔انگریزوں نے دھوکہ دیا۔ہم سے کئی لوگوں نے غداری کی۔اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر اتنی بڑی تنظیم کانگریس سے لڑنا مناسب نہ تھا۔ایسی صورت میں مصالحت کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ویسے دیکھا جائے تو بہت سارے حقوق حاصل ہوئے ہیں ہمیں جو کچھ ملنا چاہیئے تھا۔اگرچہ وہ مل نہ سکا تب بھی ہم نے بہت کچھ حاصل کیا ہے اسمبلیوں اور ملازمتوں میں ریزوریشن ملا ہے لیکن آزاد حلقہ انتخاب کی مانگ پوری نہیں ہوئی،اس کے علاوہ اور بھی کچھ مطالبات منظور نہیں ہوئے اسلئے ہمیں شرمندگی محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔تعاون اور مصالحت سے جتنا مل سکتا ہے حاصل کرنا چاہیئے،مگر میں مرکزی حکومت میں شامل ہوں کانگریس میں نہیں،اور نہ میرا خیال کانگریس میں جانے کا ہے۔کانگریس کی طرف سے دعوت آئی اور میں نے بغیر کسی شرائط کے وزارت قبول کی میں پتھر کی طرح سخت ہوں اسلئے پانی میں حل ہو جاؤں گا اس کا خوف نہیں۔لیکن آپ لوگوں کی حالت الگ ہے آپ لوگ مٹی کے ڈھیلے کے مانند ہیں۔پانی میں ڈال دیئے جائیں گے تو ڈھیلے کی طرح پگھل جائیں گے۔میں جب خیال کرونگا کہ حکومت میں میرا رہنا نامناسب ہے اسی دن وزارت چھوڑ دونگا حالات ہی ایسے ہیں کہ حکومت کے کاروبار میں ہمارے لوگوں کا موجود ہونا ضروری ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔جو لوگ اچھوتوں سے روایتی دشمنی رکھتے ہیں ان کا اقتدار میں رہنا ہمارے لئے نقصان دہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اگر مجھے کانگریس میں جانا ہے تو علی الاعلان جاؤں گا۔اچھوتوں کے لئے یہ فائدہ

مند ہے تو آپ میں یہ مشورہ دونگا۔ مگر جب تک آپ کو یہ مشورہ نہ دوں آپ لوگ اس طرح کچھ نہ کریں۔۔۔ان کی اس تقریر پر بہت سارے تبصرے ہوئے۔کانگریسی وزارت میں رہتے ہوئے کانگریس پر اس قسم کے شدید حملوں سے کانگریس میں ناراضگی پھیلی۔ پنڈت جواہر لعل نہرو اور سردار پٹیل نے اس کا نوٹس لیا۔ان دونوں میں اور ڈاکٹر امبیڈکر میں تکرار بھی ہوئی۔ بعد میں ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے بیان کے سلسلے میں صفائی بھی پیش کی۔

اکتوبر 1948ء میں ڈاکٹر امبیڈکر نے 'اچھوت' (Untoucable) کے عنوان سے کتاب لکھی۔اس کتاب میں انہوں نے ثابت کیا کہ اچھوت دراصل وہ لوگ تھے جنہوں نے بودھ دھرم اختیار کیا تھا۔اور جنہوں نے گائے کا گوشت کھانا ترک نہیں کیا۔ برہمنوں نے ان پر غصہ اتارنے ان سے ملنا جلنا ترک کیا۔ بلکہ ان کو دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔انہیں ڈاکٹر امبیڈکر نے Broken Men ٹوٹے ہوئے آدمی کہا۔ان سے اتنی دوری پیدا کی کہ یہ Broken Men آہستہ آہستہ اچھوت یعنی Untouchable بن گئے۔اور یہ سلسلہ 400ء میں مکمل ہوا۔اس سے قبل ملک میں کوئی بھی اچھوت نہیں تھا۔ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے اس نظریہ کی تائید میں ویدسمرتی پوران اور مختلف چینی سیاحوں کے حوالے دیئے۔نہایت عالمانہ انداز میں یہ کتاب لکھی ہے۔اس سے قبل بھی کچھ ہندوستانی علماء کا یہ نظریہ تھا کہ اچھوت درحقیت ایک دور میں بودھ تھے۔

لسانی صوبے اور مہاراشٹر

آزادی کے بعد زبانوں کی بنیاد پر ریاستوں کے قیام کا جائزہ لینے حکومت ہند نے دھار (Dhar) کمیشن مقرر کیا۔1948ء کو یہ کمیشن ممبئی آیا۔ممبئی کے گجراتیوں کی یہ کوشش تھی کہ ممبئی کو مہاراشٹر سے الگ کیا جائے۔گجراتیوں کا کہنا تھا کہ ممبئی کی معاشی ترقی گجراتیوں کے رہن منت ہے۔ممبئی میں دوسرے صوبوں سے آکر بسنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ممبئی مہاراشٹر کا کبھی حصہ نہیں رہا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے دلالوں کی طرح گجراتی ممبئی میں لائے گئے انہوں نے معاشی ترقی کی مستقبل میں 'مہاراشٹر معہ ممبئی' کی جو تحریک چلی اس میں ڈاکٹر امبیڈکر نے حصہ لیا۔ممبئی کو مہاراشٹر سے علیحدہ کرنے کی کوشش ناکام ہوئی۔

32 - ڈاکٹر امبیڈکر اور ہندو کوڈ بل

(Hindu Code Bill)

انگریزوں کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کا پرسنل لاء (شخصی قانون، جو ہندوؤں پر عائد کیا گیا تھا۔) عمل میں آیا۔ ہندو پرسنل لاء کی بنیادیں وید، سمرتی شروتی پر تھیں۔ وید میں جو کچھ ہے وہ رشیوں کو الہامی طور پر معلوم ہوا اسلئے وید ہندو دھرم کے ماخذ ہیں۔ شروتی جو کچھ سنا گیا سمرتی یعنی جو کچھ سنا گیا اس کی یادداشت، ویدوں میں قانون کی باتیں نہیں ہیں جو کچھ تھا اس کو 'شروتی' اور 'سمرتی' کے ذریعہ قوانین کو منظم کر کے توسیع کی گئی۔ انہیں شروتیوں اور سمرتیوں کے نتیجہ میں ہندو سماج میں سماجی درجہ بندی ہوئی۔ اونچ نیچ کا تصور لایا گیا۔ اور شروتی اور سمرتی کے ذریعہ یہ قوانین نافذ ہونا شروع ہوئے۔ ان میں یکسانیت نہ ہونے کی وجہ سے مختلف مکاتیب فکر وجود میں آئے قوانین کے نظام ملک کے الگ الگ حصوں میں عمل میں آئے۔ بنگال کا نظام دیا بھاگا (Daya Bhaga) اور دوسرے حصوں کا میتا کشر (Mita shara) کہلانے لگا۔

عورتوں کے حقوق، ازواجی زندگی میں تعلقات کی نوعیت، جائیداد کی تقسیم، مشترکہ خاندان کی حیثیت ان خاندان کے افراد کے حقوق وغیرہ میں کافی فرق نظر آنے لگا۔

ملک کے مختلف علاقوں میں پائے جانے والے قدیم رسم و رواج کو بھی رفتہ رفتہ قانونی حیثیت حاصل ہوتی گئی۔ چونکہ پورا قانون مدون (Codified) نہیں تھا اسلئے انگریزوں نے آہستہ آہستہ ایسے قوانین بنائے جو فوری توجہ کے طالب تھے۔ مثلاً ستی کے رواج پر پابندی ہندو بیوہ کی دوسری شادی سے متعلق قانون 1856ء شادی شدہ خاتون کی دولت کے تحفظ کا قانون 1874ء طلاق کا قانون، اس کے علاوہ پریوی کونسل (انگریزوں کے دور میں اعلیٰ ترین قانونی ادارہ جو انگلینڈ میں تھا) ہندوستان کی فیڈرل کورٹ، سپریم کورٹ، مختلف ریاستوں کے ہائی کورٹ کے دیئے ہوئے فیصلہ جات وغیرہ سے کئی مسائل پیدا ہوئے۔ جس کی وجہ سے پورے قانونی نظام کو مدون اور مربوط کرنا ضروری سمجھا جانے لگا۔ قدیم قوانین کے تحت خواتین کو بہت سارے حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔ اسلئے موجودہ جمہوری نظام میں ان کے حقوق کا تحفظ ضروری ہوگیا تھا۔ اسلئے مختلف حلقوں سے برٹش دورِ حکومت میں مرکزی حکومت سے مطالبہ ہوا کہ اس ضمن میں فوری قدم اٹھائے جائیں۔ اسلئے 1941ء میں The Hindu Code Committee (ہندو کوڈ کمیٹی) تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی سے خاص طور پر کہا گیا کہ ہندو خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے انہیں مساوی حقوق دینے کے لئے جلد قانون سازی کی جائے اس کمیٹی نے مختلف ماہرین سے مشورہ کے بعد ہندو عورتوں کی وراثت اور شادی کے تعلق سے دو قوانین 1943ء میں بنائے۔ اس پر کٹر پنتی سناتنی ہندوؤں کی طرف سے مخالفت ہوئی۔ اور الزام لگایا کہ حکومت ہندو دھرم کو نقصان پہونچانا چاہتی ہے۔ ترمیمات کے باوجود دونوں قانون مرکزی قانون ساز کونسل میں منظور نہ ہو سکے۔ 1944ء میں ہندو کوڈ کمیٹی کو نئی زندگی ملی۔ پورے قوانین کا جائزہ لے کر مدون (Codified) کرنے کا کام اس کمیٹی کو سونپا گیا، کمیٹی کی صدارت بنیگال نرسنگھ راؤ (Benegal Narsingh Rao) کو دی گئی۔ یہ کمیٹی 'راؤ' کمیٹی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کمیٹی نے تمام قوانین کو مدون کیا اور قوانین کا یہ مجموعہ 'ہندو کوڈ' کے نام سے مشہور ہوا۔ مسودہ کی

تیاری پر سناتنی ہندوؤں نے دوبارہ مخالفت کرنا شروع کی۔

'ہندو کوڈ' کو جب بھی مرکزی حکومت نے ایک بل کی شکل میں پاس کروا کر قانونی شکل دینے کی کوشش کی اس کی مخالفت ہوتی گئی۔ 1946ء سے یہ کوڈ حکومت کے سرد خانہ میں رہا۔ جب بھی بل مرکزی حکومت کے سامنے آیا۔ اسکی مخالفت کی گئی اور کسی نہ کسی بہانے دوبارہ غور کرنے کیلئے بھیجا گیا حالانکہ راؤ کمیٹی نے ملک بھر دورہ کر کے مختلف ماہر پنڈتوں سے رائے مشورہ کے بعد ہی 'ہندو کوڈ' تیار کیا تھا۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے دستور سازی سے فارغ ہونے کے بعد 'ہندو کوڈ' پر نظر ثانی کی۔ کچھ ترمیمات کیں اور سلیکٹ کمیٹی (Select Committee) کے سامنے رکھا۔ اس کام کیلئے انہیں بہت محنت کرنی پڑی۔ صحت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ جوں ہی ڈاکٹر امبیڈکر نے 'ہندو کوڈ' کو ہاتھ لگایا۔ ہندو قانون کی ترجمانی کرنے لگے۔ ملک میں دو گروپ بن گئے۔ ایک گروپ نے ڈاکٹر امبیڈکر کی تعریف کی تو دوسرے نے مخالفت کرنا شروع کی۔ ایک گروہ کا لیڈر، امبیڈکر، تو دوسرے گروہ کا قائد 'منو' سناتنی اور ان کے حامیوں کو دکھ اس بات کا تھا کہ ایک اچھوت کس طرح دھرم کی 'سمرتیوں' اور ※ شروتیوں' کی بات کر رہا ہے۔ 'ہندو کوڈ' کو از راہ طنز 'امبیڈکر سمرتی' کہنا شروع کیا۔

11 جنوری 1950ء کو ممبئی کے پریل کے علاقہ میں ایک عظیم اجتماع شیڈول کاسٹس فیڈریشن کے زیر اہتمام ہوا۔ ایک کاسکیٹ میں ملک کے آئین کی کاپی انہیں دی گئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے تقریر میں کہا میں آئین ساز اسمبلی میں دلتوں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے گیا تھا نہ کہ آئین سازی کے لئے لیکن حالات نے کچھ ایسا موڑ لیا کہ مجھے یہ کام کرنا پڑا میرا نام آئین کے معمار کی حیثیت سے لیا جانے لگا یہ میرے لئے باعث فخر ہے۔ ایسے مواقع زندگی میں کبھی کبھی آتے ہیں۔ مجھ پر الزام لگایا گیا کہ میں انگریزوں کا 'بغل بچہ' ہوں اور کبھی کہا گیا کہ مسلمانوں کا حامی ہوں۔ اس قسم کا سلسلہ گزشتہ 20 سال سے چل رہا ہے مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے آئین سازی کے کام کی وجہ سے ہندوؤں میں میری پوری شناخت ہوئی مجھ پر لگائے الزامات جھوٹے ثابت ہوئے۔''

آئین سازی کے سلسلے میں کئے گئے ان کے کام کی ملک بھر میں تعریف ہونے لگی اس سے وہ متاثر بھی ہوئے۔ اپنے چاہنے والوں کو مشورہ دیا کہ ہمیں اپنی علیحدہ شناخت کو ختم کر کے تمام سیاسی پارٹیوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

شہرت کی چوٹی پر پہونچنے پر ڈاکٹر امبیڈکر کا یوم پیدائش پورے ملک میں بڑے پیمانے پر منایا جانے لگا۔ 14 اپریل 1950ء کو ممبئی میں ایک تقریب کی صدارت کرتے ہوئے ممبئی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ایم۔سی۔ چھاگلہ نے کہا کہ ڈاکٹر امبیڈکر صرف دلتوں کے لیڈر نہیں بلکہ پورے ملک کے قائد ہیں دہلی میں پارلیمنٹ کے ایک رکن ہنو منیتا (Hanumanitya) نے کہا کہ ڈاکٹر امبیڈکر ایک دن ملک کے وزیر اعظم ہوں گے۔ دوسرے ایک رکن سدھوا (Sidhawa) نے کہا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کی کوششوں کا ہی اثر ہے کہ گاندھی جی نے اب دلتوں کے سیاسی حقوق کے لئے کام کرنا شروع کیا ہے۔

'ہندو کوڈ' کا تنازعہ جاری تھا۔ کوڈ کی مخالفت میں ایک زبردست محاذ تیار ہوا۔ کانگریس کی مخالفت کرنے والوں نے کہا اس کوڈ کو عوامی حمایت نہیں ہے الیکشن میں موضوع بننے کا موقع بھی نہیں ملا۔ کسی عجلت میں اس کوڈ کی قانونی شکل دینے کی کوشش سے ہندو سماج کے ٹکڑے ہو جائیں گے وغیرہ اس قسم کی آوازیں اٹھنے لگیں تھیں۔ خود کانگریس میں اس نزاع سے گروہ بن گئے تھے۔ جواہر لعل نہرو 'کوڈ' کی تائید میں تھے جبکہ سردار پٹیل سخت مخالف تھے۔

مئی 1951ء گوتم بودھ کے یوم پیدائش پر ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندو مذہب کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ ''تشدد، بدنیتی، بدعنوانی جیسی برائیاں ہندو مذہب کے ماننے والوں میں رہی ہیں۔ اگر تمام ہندو اپنا مذہب ترک کر کے بودھ مذہب اختیار کر لیں تو یہ تمام برائیاں دور ہو جائیں گی۔ 'ہندو کوڈ' منظور کروانے کی کوشش میں مصروف ڈاکٹر امبیڈکر کی اس تنقید سے سب کو تعجب ہوا۔

10 اگست 1951ء کو انہوں نے وزیر اعظم نہرو کو ایک مراسلہ لکھا ''میری صحت کے بارے میں میرے ڈاکٹروں کو تشویش ہے میں خود اپنے آپ کو ڈاکٹروں کے حوالے کرنے سے

قبل" ہندوکوڈ" کو ترجیح دی جائے اور یہ بل 16 اگست کو پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے تاکہ ستمبر تک اس پر بحث پوری ہو سکے۔ میں اس بل کو کتنی اہمیت دیتا ہوں اور اس بل کو لوک سبھا میں منظوری ملے۔ اس کیلئے میں نے کتنی جسمانی محنت کی ہے یہ سب وزیراعظم کو معلوم ہے۔" پنڈت نہرو نے اسی دن جواب دیا "تھوڑا دھیما چلو" ہندوکوڈ بل کو اندر اور باہر دونوں طرف سے مخالفت ہے۔ اسلئے لوک سبھا میں یہ بل ستمبر کی شروعات میں رکھنے کا فیصلہ کابینہ نے کیا ہے۔"

لوک سبھا کا یہ آخری سیشن تھا۔ خود کانگریس میں بہت سارے اس بل کے مخالف تھے۔ بہتوں کا خیال تھا کہ نئی لوک سبھا کے سامنے اس بل کو رکھا جائے۔ کابینہ نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ہندوکوڈ بل سے شادی اور طلاق کے تعلق سے جو حصہ ہے 17 ستمبر کو الگ سے لیا جائے وقت ملے تو قانون وراثت پر بھی بحث ہو۔ جوں ہی بل پارلیمان میں رکھا گیا اتنی سخت مخالفت ہوئی اور بحث اتنی طویل ہوئی اور اس میں اتنی تلخی پیدا ہوئی کہ ڈاکٹر امبیڈکر ناامید ہوئے 20 ستمبر کی بحث میں ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا "رام نے سیتا سے ناانصافی کی" اس پر پورے ہاؤس میں ہنگامہ ہوا ڈاکٹر نے رام اور ستیا کے ذکر کو چھیڑ کر ماحول کو تلخ کر دیا۔ وقت ختم ہوا اور بل منظور نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ناراض اور ناامید ہو کر وزارت قانون سے 1951،9/27ء کو استعفیٰ دے دیا۔ آئین سازی میں اتنا اہم رول ادا کرنے کے بعد اس تناؤ اور ناراضگی کے ماحول میں مستعفی ہونے کا بہت ساروں کو افسوس ہوا۔ اپنے استعفیٰ کے تعلق سے پارلیمنٹ میں انہوں نے ایک بیان دیا۔ 10 اکتوبر 1951ء کو تحریری استعفیٰ وزیراعظم کو دیا۔ اس میں 5 اہم وجوہات درج کیں۔ وہ یوں تھیں (ا) انہیں صرف ایک قانون کا محکمہ دیا گیا جس میں انتظامی کارکردگی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جب وزیراعظم نے انہیں وزرات کی پیش کش کی تھی اس وقت ان سے کہا گیا تھا کہ ان کی علمی صلاحیت اور اہلیت کے پیش نظر نئے انتظامی امور بھی دیئے جائیں گے۔ وائسرائے کے کونسل میں جب یہ بحیثیت لیبر منسٹر کے کام کر چکے تھے اور اس کے علاوہ تعمیرات کا محکمہ بھی ان کے پاس تھا اس لئے انہیں کام کا تجربہ تھا پنڈت نہرو نے کہا تھا پلاننگ کا محکمہ وجود میں آرہا ہے وہ بھی دیا جائے گا۔ پلاننگ کا محکمہ اب وجود میں آرہا ہے جب وہ استعفیٰ دے رہے ہیں۔ کابینہ کی اہم ذیلی

کمیٹیاں مثلاً دفاع، خارجہ، معاشی امور سے متعلق ہوتی ہیں۔ انہیں کسی بھی اہم سب کمیٹی میں نہیں لیا گیا۔ (۲) ڈاکٹر امبیڈکر کو دوسری شکایت تھی کہ آزادی کے بعد، آئین کے نافذ ہونے کے باوجود اچھوتوں اور دلتوں پر ہونے والے مظالم میں کوئی فرق نہیں ہوا حکومت اس معاملہ میں سنجیدہ نہیں ہے۔ دستور میں ان ہونے والے مظالم کے تدارک کیلئے کوئی مناسب قدم نہیں اٹھایا گیا۔ (۳) تیسری شکایت حکومت کی خارجہ پالیسی کے تعلق سے تھی۔ غلط خارجہ پالیسی کی وجہ سے ہندوستان کے تعلقات پڑوسی ملکوں سے ٹھیک نہیں ہیں۔ اسلئے کروڑوں روپیہ دفاع پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان کے ساتھ خراب تعلقات کی وجہ سے زیر باری ہو رہی ہے۔ اسی پالیسی کی وجہ سے کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا۔

انہوں نے صاف صاف کہا کہ مسئلہ کشمیر کا صرف ایک ہی حل ہے اور یہ کہ کشمیر کے تین حصے کیے جائیں۔ ہندو اور بودھ اکثریت والے حصے ہندوستان کو دیئے جائیں اور مسلم اکثریت والا حصہ پاکستان کو ہندوستان کو درحقیقت مسلم اکثریت والے علاقے سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ مسلم اکثریت والا علاقہ اور پاکستان جو چاہے طے کریں یہ مسئلہ ان پر چھوڑ دینا چاہئے۔ (۴) کابینہ کے فیصلے پر محکمہ کی ذیلی کمیٹی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ ذیلی کمیٹیاں سب کچھ طے کرتی ہیں مثلاً امور خارجہ کی کمیٹی، یہ کمیٹی تمام خارجی امور کے بارے میں فیصلے کرتی ہے اور کابینہ کا فیصلہ اس ذیلی کمیٹی کے مشورہ کو سامنے رکھ کر ہوتا ہے یہی حال دفاعی امور کی کمیٹی کا ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو کسی بھی اہم ذیلی کمیٹی کا ممبر نہیں بنایا گیا تھا۔ (۵) پانچویں اہم شکایت ہندو کوڈ بل کی ناکامی تھی۔ ڈاکٹر امبیڈکر اس پورے بل پر بحث کروا کر پاس کروانا چاہتے تھے۔ مگر پنڈت نہرو کا کہنا تھا خواتین کے متعلق شادی، طلاق اور وراثت کے حصہ پر بحث ہو۔ اور اتنا محدود حصہ پارلیمنٹ کے سامنے بحث کیلئے رکھا جائے۔ لیکن 'کوڈ بل' کا مخصوص اور محدود حصہ بھی پاس کرنے کیلئے پارلیمنٹ کے سامنے نہیں لایا گیا۔ انہیں شکایت تھی کہ پارلیمنٹ میں آیا تو ممبران نے اتنی طویل تقریریں کیں کہ اس پر ووٹنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حالانکہ کانگریس پارٹی چاہتی تو وہپ (Whip) جاری کر سکتی تھی ممبران پارلیمنٹ کو پابند کروا کر بل پاس کرایا جا سکتا تھا۔ چیف وہپ (Chief Whip) خود ہندو کوڈ بل

کا مخالف تھا۔ اگر بحث ہوتی اور ووٹینگ ہوتی تو بل ضرور منظور ہوتا جاتا اور 'ہندو کوڈ' قانون بن جاتا مگر ایسا ہونے نہیں دیا گیا۔ قصداً وقت گذار کر بل کو Lapse ہونے دیا۔ کانگریس کا کہنا کہ بل کے مخالف زیادہ ہیں یہ درست نہیں تھا ڈاکٹر امبیڈکر کو یقین تھا کہ اکثریت بل کے حق میں تھی۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر 4 سال 1 مہینہ، 26 دن وزیر قانون رہ کر استعفیٰ دیا۔ انتہائی محنت سے دستور سازی میں منہمک رہے۔ ہندو کوڈ بل ان کا چہیتا موضوع تھا اس پر بھی انہوں نے انتھک کوشش کی تھی۔ منظور نہ ہونے پر انہیں شدید صدمہ ہوا۔

11 اکتوبر کو اپنے استعفیٰ کے تعلق سے وہ پارلیمنٹ میں بیان دینا چاہتے تھے مگر اسپیکر نے اجازت نہیں دی۔ وہ احتجاجاً پارلیمنٹ سے نکل کر اپنے بیان کی نقل پارلیمنٹ کے باہر اخباری نمائندوں کو دی۔

33 - وزرات سے سبکدوش ہونے کے بعد

وزارت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنی پارٹی کے پلیٹ فارم سے اپنی بات رکھنے اور سب کچھ کہنے کی انہیں آزادی مل گئی تھی ۔ وزیر قانون رہنے کی وجہ سے کچھ پابندیاں عائد ہو جاتی تھیں ۔ اکتوبر 1951ء کو جالندھر میں ایک جلسہ عام کو مخاطب کر کے کہا کہ کانگریس والوں کے دلوں میں دلتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے ۔ پنڈت نہرو پر بھی یہی الزام لگایا۔ کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ میں طلباء کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ " ہماری کوششیں ان دلتوں کے درجہ کو اونچا کرنے میں ناکام ہو گئیں تو یہ دلت کمیونسٹ بن جائیں گے ۔ اور ملک کا مستقبل المناک ہوگا۔

جولائی 1951ء کو انہوں نے 'بدھسٹ سوسائٹی' قائم کی ۔ اکتوبر میں دہلی میں دلت

فیڈریشن کی میٹنگ میں طے کیا گیا کہ 1952ء کے عام انتخابات میں حصہ لیا جائے ۔جنوری 1952ء میں آزاد بھارت کے پہلے انتخابات ہونے والے تھے ۔سوشلسٹ پارٹی سے انتخابی اتحاد کیا۔ 18 نومبر 1951ء کو ممبئی آئے ۔سوشلسٹ پارٹی سے متحد ہو کر انتخابی جلسوں کو مخاطب کرنا شروع کیا۔ 25 نومبر 1951ء کو دولاکھ کے انتخابی جلسہ سے مخاطب ہوئے مضبوط مخالف پارٹی کی ضرورت پرزور دیا۔اپنی تقریر میں پنڈت نہرو کو سوشلسٹ پارٹی میں شامل ہونے کی دعوت دی ۔انتخابی جلسوں میں الزامات اور ان کی تردید کا سلسلہ جاری رہا۔ پنڈت نہرو نے مدراس میں ایک تقریر میں ڈاکٹر امبیڈکر کے الزامات اور اعتراضات کا جواب دیا۔ڈاکٹر امبیڈکر کو سوشلسٹ پارٹی کی طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔ یہ پارٹی بہت منظم نہ تھی اور نہ ان کا عوام پر زیادہ اثر مقابلہ کانگریس سے تھا۔جو قدیم تھی اور منظم تھی ۔جنگ آزادی کے محاذ پر چوٹی کے رہنما تھے ۔جنہیں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی ۔دلتوں کے محفوظ حلقوں میں کانگریس نے اپنے دلت امیدوار کھڑے کئے ۔ڈاکٹر امبیڈکر حکومت میں رہنے کی وجہ سے اپنی پارٹی کو مضبوط بنا نہ سکے ۔انتخابات کے دوران خرابی صحت کی وجہ سے ممبئی چھوڑ کر انتخابی مہم پر جا نہ سکتے تھے ۔کانگریس نے ڈاکٹر امبیڈکر کو شکست دینے کیلئے ایک معمولی دلت امیدوار نارائن راؤ کاجرولکر (Narayan Rao Kagrolkar) ممبئی کے اس حلقہ سے کھڑا کیا جہاں سے ڈاکٹر امبیڈکر امیدوار تھے ۔ پورے ملک میں کانگریس پارٹی کی قیادت پنڈت جواہر لعل نہرو کر رہے تھے ۔ڈاکٹر امبیڈکر کانگریس کے ایک معمولی دلت امیدوار کاجرولکر سے شکست کھا گئے ۔

ڈاکٹر امبیڈکر چونکہ کمیونسٹوں کے خلاف تھے اسلئے اس پارٹی نے اپنے ووٹرس کو غیر جانبدار رہنے کی ہدایت دی ۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو 1,23,571 ووٹ ملے جبکہ کاجرولکر کو 1,37,950 ووٹ ملے، چند دن پہلے ڈاکٹر امبیڈکر نے وزارت سے استعفیٰ دیتے وقت کشمیر کی تقسیم اور مسلمانوں کو علیحدہ حلقہ انتخاب دینے کی بات کہی تھی ۔اس کا کانگریس نے خوب فائدہ اٹھایا۔کانگریس نے انتخابی مہم میں ڈاکٹر امبیڈکر کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ان کے تمام امیدوار ہار گئے ۔ خود مشہور کمیونسٹ امیدوار ڈانگے بھی شکست کھا گئے ۔ڈاکٹر امبیڈکر کے ایک ساتھی راج بھوج

البتہ پارلیمنٹ میں پہونچ گئے۔ ایک اور ساتھی بی۔سی کامبلے ممبئی اسمبلی میں پہونچ گئے ان کا انتقال نومبر 2006ء میں ہوا۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا انتخاب میں ہارنا ان کی پارٹی اور دلت طبقہ کے لئے ایک بڑا صدمہ تھا۔ لوک سبھا میں پہونچنے کے بعد کیا کام کرنا ہے اس کا ایک خاکہ تیار کر رکھا تھا۔ پارلیمانی سیاست کے بغیر ان کی زندگی میں کیف نہیں رہتا انتخابی نتائج کے بعد ان کی شکست پر خود انہیں حیرت ہوئی کیونکہ جس جوش وخروش کے ساتھ عوام ان کے انتخابی جلسوں میں شریک ہوتے تھے اس سے انہیں اپنی کامیابی کی پوری امید تھی۔ انہوں نے کہا کہ ان کی شکست میں کمیونسٹ قائد کامریڈ ڈانگے کی کارستانی شامل ہے۔ کامریڈ ڈانگے نے اپنی پارٹی کے لوگوں کو مشورہ دیا تھا کہ محفوظ انتخابی حلقوں میں کسی کو بھی ووٹ نہ دیا جائے اس طرح 50 ہزار ووٹ ضائع ہوئے۔ اس کے علاوہ سوشلسٹ پارٹی کے امیدواروں نے بھی غداری کی تھی۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی شکست غیر متوقع تھی۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ووٹنگ میں بدعنوانی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور مشہور سوشلسٹ قائد اشوک مہتا نے انتخابی نتائج کے خلاف الیکشن کمشنر کے پاس ایک پیٹیشن (Petition) یعنی عذرداری داخل کی اور نتائج کو چیلنج کیا۔ ان کی شکست سے دلت تحریک کو زبردست دھکا پہونچا تھا۔ لوک سبھا میں داخل ہونے کی ناکام کوشش کے بعد انہوں نے راجیہ سبھا پہونچنے کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ 27 مارچ 1952ء کو ممبئی اسمبلی سے راجیہ سبھا کیلئے 17 نشستوں کیلئے انتخاب ہونا تھا۔ کانگریس 15 نشستوں کی دعویدار تھی۔ اور 2 غیر کانگریسی امیدواروں کیلئے چھوڑ دی گئیں تھیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے ساتھیوں اور کچھ سیاسی پارٹیوں کی مدد سے 27 مارچ 1952ء کے انتخابات میں وہ راجیہ سبھا پہونچ گئے مئی 1952ء میں بجٹ سیشن میں دوران بحث دفاعی اخراجات پر سخت تنقید کی۔ بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا 'محکمہ دفاع کیلئے جو کثیر رقم فراہم کی گئی ہے وہ ایک بوجھ ہے جو رقم ملک کے رفاہی کام کیلئے استعمال کی جا سکتی ہے۔ وہ فوج کیلئے صرف ہو رہی ہے۔ اگر دفاعی رقم سے 50 کروڑ کی رقم کم کر دی جائے تو ملک کیلئے کافی فائدہ مند ہوگی۔ اگر ملک کی خارجہ پالیسی ایسی اختیار کی جائے جس

سے پوری دنیا میں امن وشانتی قائم کی جائے تو بھارت کا کونسا ایسا دشمن ہے جس کے لئے اتنی فوج رکھی جائے۔"

کولمبیا یونیورسٹی کا اعزاز:

کولمبیا یونیورسٹی اپنے معیار کے لحاظ سے امریکہ کی چوٹی کی یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے۔ یہ امریکہ کے شہر نیویارک میں واقع ہے۔ اسی یونیورسٹی سے ڈاکٹر امبیڈکر نے معاشیات میں Ph. D. (پی۔ ایچ۔ ڈی) کی ڈگری حاصل کی تھی۔ 1950ء میں کولمبیا یونیورسٹی نے امریکہ کے ایک سابق صدر جنرل آیزن ہاور (جو اس وقت امریکی فوج کے سربراہ تھے) کے ہاتھوں اور شخصیتوں کے علاوہ ڈاکٹر امبیڈکر کو L.L.D (ایل۔ ایل۔ ڈی) کو اعزازی ڈگری دینا طے کیا تھا۔ ہندوستان کی آئین سازی میں ڈاکٹر امبیڈکر کی جو خدمات تھیں اس کا اعتراف یونیورسٹی نے کیا۔ اور ڈگری عطا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ جنرل آیزن ہاور کے ہاتھوں ڈاکٹر امبیڈکر کو L.L.D کی ڈگری دینا طے تھا مگر یہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہ رہ سکے تھے جب انہیں غائبانہ میں اعزازی ڈگری عطا کرنے کی تجویز ہوئی تو انہوں نے خود خواہش ظاہر کی وہ یونیورسٹی کے کسی جلسہ تقسیم اسناد میں حاضر رہ کر ڈگری لیں گے۔ یہ تقریب 5 جون 1952 کو منعقد ہونا طے تھی۔ اسلئے ڈاکٹر امبیڈکر 31 مئی کو دہلی سے ممبئی پہونچے اور 1 جون 1952ء کو ممبئی سے امریکہ روانہ ہوئے ان کی خواہش تھی کہ ان کی بیوی ڈاکٹر سویتا امبیڈکر (سابق ڈاکٹر شاردا کبیر) ساتھ رہیں مگر حکومت نے فارن ایکس چینج کے طور پوری ضروری رقم منظور نہ کرنے پر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ 31 مئی کی شام میں کرکٹ کلب آف انڈیا کے احاطہ میں سدھارتھ کالج کے پرنسپل پاٹینکر (Mr. Patankar) اور دوسرے ساتھیوں نے ان کے اعزاز میں ایک تقریب رکھی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے پرنسپل پاٹنکر نے کہا کہ ملک کی کسی بھی یونیورسٹی کو یہ اعزاز عطا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ ممبئی یونیورسٹی جس کے ڈاکٹر امبیڈکر طالب علم تھے۔ لیکن ایک غیر ملکی یونیورسٹی یہ کام کرتی ہے یہ ایک عجیب وغریب واقعہ ہے اس سوال پر کہ کیا وہ امریکہ

میں ہندوستان کی پالیسی پر تنقید کریں گے؟ ڈاکٹر امبیڈکر نے جواباً تقریر کرتے ہوئے کہا ''ان کی طبیعت میں تھوڑی تیزی ہے۔ اس ملک کی برسر اقتدار پارٹی کے لوگوں سے میرے کئی مرتبہ اختلافات بھی ہوئے تب بھی میں غیر ممالک میں بھارت کے بارے میں کچھ تلخ نوائی سے کام لوں گا۔ اس قسم کی امید مجھ سے نہیں رکھی جانی چاہئے میں نے اپنے ملک سے کبھی غداری نہیں کی ہے۔ مجھے میرے ملک کا مفاد ہمیشہ عزیز رہا ہے۔ جہاں تک ملک کے تعلق سے میرے خیالات کا سوال ہے گول میز کانفرنس میں گاندھی جی سے 200 میل آگے تھے'' 1 جون کو نیویارک روانہ ہوئے ان کے ہزاروں چاہنے والوں نے انہیں الوداع کیا۔

جس وقت انہیں اعزازی ڈگری کے عطا کرنے کا اعلان ہوا تھا۔ اس وقت بھی ہزاروں افراد نے بذریعہ تار اور خطوط انہیں مبارکباد دی تھی۔ ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن (جو بعد میں ملک کے نائب صدر اور صدر بنے) 26 مئی 1952ء کو مبارکبادی کا مراسلہ روانہ کیا لکھا کہ ''مجھے اخباروں سے جان کر خوشی ہوئی کہ کولمبیا یونیورسٹی آپ کو L.L.D کی اعزازی ڈگری عطا کر رہی ہے۔ ہمارے آئین کے سلسلے میں تمہارے کئے گئے کام کا یہ مناسب اعتراف ہے میری طرف سے انتہائی گرمجوش مبارکباد'' اس کے جواب میں ڈاکٹر امبیڈکر نے 27 مئی کو شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک لیٹر لکھا ''مجھے یہ لکھتے ہوئے انتہائی مسرت ہوئی ہے کہ انڈیا میں کچھ ایسے بھی ہیں جو میرے اعزاز کی قدر کرتے ہیں۔'' 5/جون 1952ء کو جلسہ تقسیم اسناد کی تقریب میں ڈاکٹر امبیڈکر کو ڈگری عطا کرتے ہوئے جو حوالے (Citaion) دیئے گئے وہ یوں تھے۔

Citaion

Columbia University In the City of New-york

Bhim Rao Ramji Ambedkar Born in India and Schooled there under heavy hardships, B.A form the University of Bombay at Twenty and for three years a Gradute Student in this University receiving the Doctrate in Political Science Subsquently a student of of Temples Inn of Court and the University of Loundon obtainig a Doctrate in Economics, for the Past three Decades, a barrister University Professor and member of the Legislative Council, as a framer of Constitution, member of the Cabinet and of the Council of states, one of India's Leading Citizen.

great Social reformer and a valiant upholder of human rights.

In the excercise of the Authority Conferred upon me by the Trustees, I gladly admit you to the Degree of Doctor of laws, Honoris Causa in this University and confer upon you all the rights and privileges which attach there , in token of these of I hand you this diploma.

June 5, 1952

Grayson Kirk

Vice-President & Provost

کولمبیا یونیورسٹی واقع نیویارک شہر

بھیم راؤ رام جی امبیڈکر

پیدائش ہندوستان میں بعد میں سخت حالات کے تحت اسکول کی تعلیم 20 سال کی عمر میں بامبے یونیورسٹی سے گریجویشن، اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہ کر پولیٹیکل سائنس میں تین سال کے دوران میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ مابعد ٹمپلس ان اورلندن یونیورسٹی، معاشیات میں ڈاکٹریٹ۔ پچھلے تیس سال سے بیرسٹر یونیورسٹی میں پروفیسر اور قانون ساز اسمبلی کی رکنیت ایک آئین ساز اور کابینہ میں وزیر، راجیہ سبھا کے رکن، ہندوستان کے ایک چوٹی کے شہری، ایک عظیم سماجی مصلح اور انسانی حقوق کے بہادر، محافظ و علمبردار۔

مجھے ٹرسٹیوں کی طرف سے عطا کردہ اختیار سے میں اس یونیورسٹی کی اعزازی ڈگری 'ڈاکٹر آف لا' عطا کرتے ہوئے آپ کو وہ تمام حقوق اور اعزاز بھی دیئے جاتے ہیں جو اس (ڈگری) سے منسلک ہیں۔ اس کی سند کے طور پر آپ کو یہ گرے سن کرک۔ نائب صدر و پروسٹ ڈپلوما دیا جاتا ہے۔

جون 5/1952

امریکہ میں چھ دن اپنے علاج کیلئے مقیم رہے۔ وہاں کے دو ماہر ڈاکٹروں سے اپنی صحت کی جانچ کروائی۔ مگر مکمل علاج کے لئے قیام نہ کر سکے۔ کیونکہ کافی اخراجات درکار تھے۔ ان کی مالی حالت نے اجازت نہیں دی۔ 14 جون 1952ء کو بھارت واپس ہوئے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد سوشلسٹ پارٹی کے قائد اشوک مہتا اور ڈاکٹر امبیڈکر نے

انتخابات کے دوران ہونے والی بدعنوانیوں اور کانگریس والوں کی طرف سے کی جانے والی دھاندلیوں کے خلاف انتخابی نتائج رد کرنے الیکشن کمیشن کے سامنے عذر داری داخل کی لیکن وہ ناکام رہے۔ اکتوبر 1952ء میں ان کی عذر داری خارج کر دی گئی۔

28 ستمبر کو نرسے پارک نامی مقام پر ایک عظیم جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں ان سے بہت کچھ سننے کیلئے عوام جمع ہوئے مگر شیڈول کاسٹس فیڈریشن کی عمارت فنڈ میں بدعنوانیوں کی وجہ سے عام جلسہ میں اتنی ناراضگی دکھائی دی کہ پورا اجتماع اچنبے میں رہ گیا۔ اپنے ساتھیوں پر انہوں نے سخت تنقید کی اور کہا پورے حسابات فوری دیئے جائیں۔ اپنے مختصر سے خطاب میں کہا کہ میرے پڑھے لکھے ساتھیوں پر سے میرا اعتماد ختم ہوگیا ہے۔ ان پڑھ عوام پر اعتماد بڑھ گیا ہے۔ نومبر کے پہلے ہفتہ میں دہلی کے ایک ماہ کے قیام کے بعد واپس آئے۔ وقفہ وقفہ سے کسی نہ کسی ادارہ میں خطاب کرنے کیلئے بلوائے جاتے۔ کبھی پونہ، کبھی کولھاپور، کبھی ممبئی، کبھی بیلگام۔

شروعات سے ہی ایک اور اہم کام کی طرف توجہ دی اور وہ تھا اچھوت طلباء کیلئے 'بورڈنگ ہاؤس کا قیام' بورڈنگ ہاؤس کے قیام کے بعد اس کے چلانے میں شخصی دلچسپی لیتے۔

17/ اگست 1952ء کو ممبئی میں ان کے قائم شدہ سدھارتھ کالج میں ممبئی اور مدھیہ بھارت کے نمائندہ کارکنوں کی میٹنگ کی صدارتی تقریر میں کہا " بھائیو! اپنی زندگی میں اچھوتوں کی ترقی کیلئے ایک شخص جو کچھ کرسکتا تھا میں نے کیا یہ کام شاید ہی کسی اور کیلئے ممکن تھا۔ یہ بات فخر سے تو نہیں خود اعتمادی کے جذبہ سے کہتا ہوں۔ میں نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ اچھوتوں میں خود کی عزت کا احساس پیدا ہو میرے سیاست میں آنے سے پہلے اچھوت کس حد تک سماج میں گر گیا تھا اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ 25 سال سے جلگاؤں میں برہمن ایک تقریب منعقد کرتے تھے کھانے سے فراغت کے بعد جو کچھ جھوٹا بچ جاتا اور جس جگہ وہ پھینک دیا جاتا وہاں اچھوت جمع ہوتے اور پھینکا ہوا کھانا لے جاتے۔ اور خاص بات یہ کہ اس جھوٹے کھانے کی آپسی تقسیم کیلئے لڑائیاں ہوتیں، اچھوت ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے گرے ہوئے تھے کہ ان حرکتوں کو وہ اپنی خوش قسمتی تصور کرتے۔ انسانی پستی کی یہ معراج تھی! میں پچھلے 25 سال سے ان کیلئے جھگڑا کر کے اگر چہ

ان کی ضروریات مہیانہ کرسکا لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں عزت نفسی کا احساس ضرور پیدا کیا۔ یہ کوئی آسان اور سیدھا سادھا کام نہ تھا۔ دوسرا اہم کام میں نے جو کیا وہ یہ ہے کہ انہیں سیاسی حقوق دلائے۔ 25 سال قبل کابینہ میں ایک جھاڑو والا بھی پایا نہ جاتا مگر اس کابینہ میں میں نے ایک وزیر کو بٹھا دیا، تیسرا اہم کام میں نے تعلیم کے میدان میں کیا ہے 25 سال قبل اچھوتوں کیلئے تعلیم کے سارے دروازے بند تھے۔ میں نے وہ کھول دیئے ہیں میں نے جھگڑا کر کے کئی طلباء کو اسکالر شپ اور فری شپ دلوائی ہے اتنا ہی نہیں ہمارا اپنا ایک سدھارتھ کالج ہے جہاں آج 1300 طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ اورنگ آباد میں اس کی ایک شاخ شروع کی گئی ہے۔''

اسی تقریر میں ممبئی میں ایک ہال کی تعمیر کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی جہاں ایک آفس قائم کرنا ضروری ہے تاکہ وہاں مختلف علاقوں سے اچھوتوں پر ہونے والے مظالم کی رپورٹ ہوں۔ ان مظالم کے رپورٹ کی چھان بین کی جائے۔ اسی تقریر کے دوران انہوں نے یہ بھی کہا کہ اورنگ آباد کے قریب ایک دیہات میں دلتوں کے مکانوں کو ایک خاردار تار لگا کر ایک طرح سے وہاں کے اچھوتوں کو محروس کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان دلتوں کی اجیرن کی گئی زندگی پر چرچا ہوئی۔ اس لئے ایک ہال کی تعمیر کے لئے کثیر رقم کی ضرورت ہے۔

پونہ شہر کی لائبیریری میں ایک تقریب کے سلسلے میں تقریر کی عنوان تھا'' کامیاب جمہوریت کے تقاضے'' (Conditions Precedent for Successfull Working of Democracy) اس عنوان پر ایک طویل تقریر کی اور اس تقریر پر مشتمل ایک کتابچہ 20 صفحات کا شائع کیا۔ یہ ایک عالمانہ تقریر تھی جس میں انہوں نے نہایت تفصیل سے 'جمہوریت کی کامیابی کیلئے ابتدائی شرائط' پر روشنی ڈالی۔ اس عالمانہ تقریر سے پولیٹیکل سائنس کے میدان میں 'جمہوریت' کے تصور پر ان کی معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مختلف سیاست دانوں، دانشوروں دستور کے ماہرین تبصرہ نگاروں نے 'جمہوریت' کی اصطلاح کن معنوں میں استعمال کی ہے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ایک جگہ وہ 'برطانوی جمہوریت' کے ماہر Walter Baghet کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جمہوریت کے معنی Govt. By Discussion یعنی وہ حکومت جو آپسی گفتگو سے چلائی جاتی

ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر لکھتے ہیں کہ جمہوریت کی بقاء کیلئے کچھ شرائط ضروری ہیں۔(۱) سماج میں نمایاں طور پر Inequalities (غیر مساوات) نہیں ہونی چاہئے۔یعنی ایک طبقہ ایسا نہ ہو جسے ہر قسم کے مراعات حاصل ہیں اور دوسرا ایسا طبقہ ہے جسے تمام بوجھ اٹھائے پھرنا پڑے۔ یہ غیر مساویانہ نظام ایک خونریز انقلاب کو جنم دیتا ہے۔(۲) جمہوریت کی بقاء کیلئے اپوزیشن یعنی حزب مخالف کی موجودگی، (۳) تیسری شرط قانون اور انتظامی سب کے ساتھ مساوی برتاؤ (۴) چوتھی شرط ہے Constitutional Morality یعنی دستوری اخلاق، اگر چہ کہ یہ چاروں شرائط معروف ہیں مگر اس ضمن میں انتہائی تفصیل سے بحث کی گئی تاریخ کا جائزہ لے کر، مثالیں دے کر انہوں نے سمجھایا کہ ایک کامیاب جمہوریت کیلئے یہ شرائط کس طرح ناگریز ہے۔

12 جنوری 1953ء کو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے ایک خاص تقسیم اسناد کے جلسہ کا انعقاد کیا اور تین نمایاں شخصیتوں کو L.L.D کی اعزازی ڈگریوں سے نوازا گیا۔(۱) ڈاکٹر رادھا کرشنن ملک کے نائب صدر (جو بعد میں صدر جمہوریہ ہوئے) (۲) ایم۔کے ویلوڈی (M.K. Velodi) جو حیدرآباد اسٹیٹ کے سقوط کے بعد ریاست کے اڈمنسٹریٹر بنائے گئے۔(۳) ڈاکٹر امبیڈکر ڈگری عطا کرتے وقت Citiion (حوالے) میں ان کے کارنامے بیان کئے جس میں انہوں نے تعلیمی میدان میں حاصل کردہ ڈگریاں، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں کی گئی کارکردگی، اچھوتوں کے حقوق کے تحفظات میں کی گئی ان کی کوششیں ان کی مشہور تصانیف برطانوی دور اور آزادی کے بعد وزرات میں شمولیت وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر راجیہ سبھا میں

راجیہ سبھا میں وقتاً وقتاً جو بھی بل بحث کے لئے آتے یہ پوری طرح دلچسپی سے بحث میں حصہ لیتے۔انہیں دنیا کے دوسرے ممالک کے آئین، پارلیمانی طریقہ کار، آئین سازی کی تاریخ وغیرہ کے تعلق سے اتنی معلومات تھیں کہ راجیہ سبھا میں دوران بحث دوسرے ممالک کے حوالے ضرور دیتے بحث پر بحث نہ ہوتی۔ان کے پاس معلومات کا خزانہ تھا۔دوسرے ممبران

سے نوک جھونک رہتی کبھی کبھی تلخی پیدا ہوتی۔ دلتوں، اچھوتوں کے مسائل پر بحث کے موقع پر سخت موقف رہتا دوسرے ممبران خاص طور پر اونچی ذات والوں کو ناگوار گزرتا۔ آزادی کے بعد پہلی پارلیمنٹ میں اونچی ذات والے ممبران کی اکثریت تھی۔ کانگریس میں بھی اونچی ذات والے اور حزب مخالف میں بھی وہی۔ ان تمام کا ٹکراؤ ڈاکٹر امبیڈکر سے ہوتا۔ ان تمام کا مقابلہ اکیلے کرتے۔ وقتاً فوقتاً اونچی ذات والوں کو جو دھمکیاں دیں ان کا اثر ہونے لگا تھا۔

12 ستمبر 1954ء کو وزیر داخلہ ڈاکٹر کاٹجو (Dr. Katgu) نے اچھوتوں کے تعلق سے Untouchabilty (Offeces Bills) 1954 یعنی چھوت چھات کو جرم قرار دینے کا قانون (1954) پارلیمنٹ میں منظوری کے لئے پیش کیا چونکہ ڈاکٹر امبیڈکر اس میں خاص دلچسپی رکھتے تھے اسلئے مختلف مشورے دیئے۔ چھوت چھات کے غیر انسانی طریقہ کار کو غیر قانونی ضرور قرار دیا مگر جو سزائیں تجویز ہوئیں تھیں وہ اس بل میں ناکافی تھیں۔ زیادہ سخت سزاؤں کی گنجائش رکھنے کا مشورہ دیا۔ مجوزہ قانون میں لفظ اچھوت پن (Untouchality) انہیں ناگوار گزرا۔ اس کے بجائے انہوں نے مشورہ دیا کہ اس قانون کو Untouchables Civil Rights Protection کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

23 اگست 1954 کو راجیہ سبھا میں پنڈت جواہر لعل نہرو کی خارجہ پالیسی زیر بحث تھی۔ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس وقت کی روس کے تعلق سے پالیسی تنقید کی۔ جس نے مشرقی یوروپ کے دس ممالک کو اپنے اقتدار میں لیا تھا اس دور میں امریکہ پر ایشیائی ممالک سے مختلف دفاعی معاہدے کر رہا تھا جس میں SEATO قابل ذکر ہے اس کی تائید کی۔ دنیا میں روس اور چین جیسے کمیونسٹ ممالک کے بڑھتے اثرات سے بے حد فکر مند تھے۔ انہوں نے کہا کہ چین کے تبت پر قبضہ سے چین کی سرحدیں ہندوستان سے مل گئی ہیں۔ اس پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پنڈت نہرو کی مخالف امریکہ پالیسی کو تنقید کا نشان بنایا۔

16 جولائی 1952ء کو پارلیمنٹ میں ریاست آندھرا کی تشکیل کیلئے بل لایا گیا۔ 1، 9، 1953ء کو راجیہ سبھا میں بحث کے لئے جب یہ بل پیش ہوا تو اس وقت ڈاکٹر امبیڈکر نے

بحث میں خوب دلچسپی سے حصہ لیا انہیں اس بات کی فکر تھی کہ ریاست آندھرا کے وجود میں آنے کے بعد وہاں کے اچھوتوں کے تحفظات کیلئے کیا تدابیر اختیار کی جا سکتے ہیں۔ انہیں اس بات کا خوف تھا کہ مجوزہ آندھرا ریاست میں ریڈی (Reddy) کمیونٹی بہت طاقتور ہے پوری زراعت ان کے ہاتھوں میں ہے۔ ریڈی کمیونٹی کے بعد کما (Kamma) اور کپو (Kappu) کمیونیٹیز کا نمبر آتا ہے۔ دوران بحث میں کہا کہ وہ آندھرا علاقہ کا ذاتی مشاہدہ کر چکے ہیں۔ پورے اچھوت بغیر کسی جائیداد کے (Landless) مزدوروں کی حیثیت رکھتے ہیں ایک دیہات کی انہوں نے مثال دی کہ اس میں 1400 ایکڑ زمین ہے۔ 4 ایکڑ کے علاوہ پوری زراعت صرف ایک ریڈی Reddy کی ملکیت میں ہے۔ ایسی صورت میں اچھوتوں پر ظلم ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسلئے انہوں نے مطالبہ کیا کہ لسانی بنیاد پر جب بھی کسی نئی ریاست کا وجود عمل میں آئے تو اچھوتوں کے تحفظات کیلئے قانونی گنجائش رکھی جائے۔ گورنر کو ضروری اختیارات دیئے جائیں۔ ایک بات واضح ہوتی ہے کہ ہر نئی پیدا ہونے والی صورت حال میں اچھوتوں کا مفاد انہیں عزیز ترین ہوتا اور اس کے لئے فکر مند رہتے۔ دوران بحث برطانوی پارلیمنٹ کی مثال دی کہ کس طرح وہاں کی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جذبات کی رو میں انہوں نے کہا کہ میرے دوست کہتے ہیں کہ میں آئین سازی کے لئے ذمہ دار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ دستور (آئین) کے ذریعہ اقلیتوں کے حقوق محفوظ نہیں رکھے جا سکتے تو وہ خود آئین کو جلا ڈالیں گے۔ حالانکہ یہ بات انہوں نے جذبات میں ایک وقتی طور پر کہی تھی لیکن آئندہ کی بحثوں میں ان پر اس جملہ کی یاد دہانی کروا کر طنز کرتے۔

آئین میں چوتھی ترمیم بل 1954ء راجیہ سبھا میں زیر بحث تھا 19 رمارچ 1955 میں طویل بحث کرتے ہوئے آئین کی ترمیم کے تعلق سے جو نکات راجیہ سبھا میں اٹھائے وہ پر از معلومات تھے۔ دستور کی دفعہ (2) 31 زیر بحث تھی۔ سرکار مفاد عام کی خاطر جو جائداد، زمین اپنے ملکیت میں لیتی ہے اس کے معاوضے کا معاملہ زیر غور تھا۔ چونکہ بات زیادہ واضح نہیں تھی۔ اسلئے اس نکتہ کی مختلف تعبیر اور توضیح ہونے کے امکانات تھے۔

شولا پور کی ایک مل Mill کا معاملہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت تھا۔ آرٹیکل کی

زبان زیادہ واضح نہ ہونے کی وجہ سے اس میں ترمیم ضروری تھی۔ ڈاکٹرامبیڈکر نے کہا بار بار کی ترمیم سے آئین کا تقدس ختم ہوجاتا ہے۔ بحث اس قدر پراز معلومات تھی کہ راجیہ سبھا کے تمام اراکین متاثر ہوئے۔ دوران بحث ایک ممبر نے راجیہ سبھا میں کہا انھوں نے خود آئین جلانے کی بات کہی تھی۔ جواباً ڈاکٹرامبیڈکر نے کہا ہاں میں اس وقت عجلت میں تھا اسلئے میں اپنی بات کی توضیح نہ کرسکا کہ میں نے یہ جملہ کیوں کہا؟

اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہ ''ہم نے ایک مندر تعمیر کیا تاکہ اس میں ایک 'دیو' کو بٹھایا جائے مگر 'دیو' سے قبل ہی اس میں اگر شیطان (Devil) بیٹھ گیا تو مندر کو ہی جلا ڈالنا پڑے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس میں شیطان (Devil) بیٹھے۔ اسلئے میں نے یہ جملہ کہا تھا'' بہار کے ایک ممبر نے ٹوکتے ہوئے کہا'' مندر کو جلا ڈالنے کے بجائے اس شیطان (Devil) کو ختم کرنا چاہیے ڈاکٹر نے جواباً کہا'' تم یہ نہیں کرسکتے ہم میں اتنی طاقت نہیں کیونکہ یہ شیطان (Devil) اپنے ساتھ امرت رکھتے ہیں تاکہ وہ دوبارہ زندگی پاسکیں اس شیطان کو ختم کرنا ممکن نہیں''۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی ساری بحثیں پارلیمانی مباحث Parliamentary Debates میں مل سکتی ہیں۔ مزید تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے اس عنوان کو ختم کیا جاتا ہے۔

34 - بودھ مذہب کی طرف

ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر کی پوری زندگی کا باریک بینی سے مشاہدہ و مطالعہ کیا جائے تو بودھ مذہب کی طرف رغبت و جھکاؤ نظر آتا ہے۔اس کا اعتراف انہوں نے کیا ہے کہ کس طرح بچپن سے وہ مہاتما گوتم بودھ کی شخصیت اور ان کے مشن میں دلچسپی کا اظہار کرتے رہے۔

مئی 1953ء میں ممبئی میں مہاتما گوتم بدھ کی یوم پیدائش کے موقع پر 50,000 کے ایک اجتماع سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی آئندہ زندگی بودھ مذہب کے لئے وقف کرنے والے ہیں۔کہا'' آج آپ تمام لوگ بودھ کی یوم پیدائش کے موقع پر جمع ہوئے ہیں۔ہر طرف یہ یوم منایا جارہا ہے میں 1942ء سے کوشاں ہوں کہ مہاتما بودھ کے یوم پیدائش پر عام تعطیل ہو۔میں جب وزارت میں تھا تب کوشش کی تھی پنڈت جواہر لعل نہرو سے بھی درخواست کی تھی۔مہابودھی سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی نے میری مدد کی تھی۔ہندوؤں کے

33 کروڑ دیوتاؤں کے یوم پیدائش پر چھٹی رہتی ہے مگر گوتم بدھ کے یوم پیدائش پر کیوں نہیں؟ پنڈت نہرو کو گوتم بودھ سے گہری عقیدت ہے۔خوش قسمتی سے حکومت نے تعطیل دینا شروع کر دیا ہے مگر یہ ممبئی کی حکومت نے جو اپنے آپ کو بہت مہذب خیال کرتی ہے تعطیل دینے سے انکار کر دیا۔

بودھ کا نام لینے سے ہندوؤں کو خوف ہوتا ہے۔انہیں ایسا لگتا ہے کہ ہم پر کوئی بم ڈالنے جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

میں کوئی پیشن گوئی کرنے والا جیوتش نہیں ہوں مگر ایک بات کا یقین ہے کہ اس سرزمین پر بودھ مذہب دوبارہ نازل ہونے والا ہے، میں بودھ دھرم کا پرستار رہوں میں بودھ مذہب صرف اختیار ہی نہیں کروں گا اور نہ اس کے بارے میں صرف کہتا ہی رہوں گا بلکہ اس پر عمل کر کے دکھاؤں گا، میری زندگی کے آخری ایام میں نے صرف بودھ مذہب کے پرچار میں صرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ بودھ دھرم میں ایسی کون سی خاص بات ہے ڈاکٹر رادھا کرشنن جیسے قابل لوگ کہتے ہیں ہندو دھرم اور بودھ دھرم میں کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ بودھ دھرم نے اپنشدوں سے ہی سب کچھ لیا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں بہت تعجب ہوتا ہے۔جس نے بھی برہمنوں کے 138 اپنشدوں کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہوگا کہ اس میں 'برہم' اور 'آتما' کے سوا کیا ہے اپنشدوں کے ان کارخانوں کے 'برہم' اور 'آتما' سے ایک بھی چیز بودھ نے تسلیم نہیں کی ہے۔کیونکہ بودھ نے صاف کہا کہ مجھے ایشور نہیں چاہئے بلکہ اس دنیا میں جنم لینے والے ہر شخص کو صرف سکھ اور شانتی ملنا چاہئے سب سکھی رہیں۔بودھ صحیح معنوں میں ایک دانشور تھے۔اور ان جیسا دانشور اب تک پیدا نہیں ہوا تھا۔بودھ کو وید تسلیم نہیں سماجی تقسیم تسلیم نہیں۔بودھ کے ادب میں سماج کے چار حصوں میں تقسیم پر سخت حملہ کیا گیا ہے۔اسی لئے کٹر ہندو مذہب والوں نے ان کی سخت مخالفت کی۔اس ملک میں تین پنتھ اہمیت کے ہیں۔ایک ہندو دوسرا جین اور تیسرا بودھ۔جین مذہب کے بارے میں میں کچھ کہنا نہیں چاہتا بودھ نے سماجی اونچ نیچ کے اصول پر زبردست حملہ کیا میں برہمنوں سے نفرت نہیں کرتا۔لیکن اس اصول کو تسلیم ہی نہیں کہ

'برہمن بدعنوان ہوتب بھی دوسروں سے اعلیٰ رہتا ہے۔''

''ذاتی بھید بھاؤ کو جڑ سے ختم کرنا ہے تو ہندو مذہب ترک کرنا ضروری ہے۔ اگر ذاتی بھید بھاؤ کی بنیاد پر سماج کی تشکیل کو ختم کرنا ہے تو ہمیں گوتم بودھ کی تعلیمات کو عمل میں لانا ہوگا۔ میں یہ صرف زبان سے اعلان نہیں کرتا بلکہ دل و دماغ سے ان اصولوں کو تسلیم کرتا ہوں کامیابی کتنی ملتی ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو بودھ کے اصول اپنانے ہوں گے۔ اس کے لئے میں بودھ کی بائبل لکھ رہا ہوں۔ وہ جلد شائع ہوگی۔ اس کو پڑھنے کے بعد بودھ مذہب اختیار کرنے یا نہ کرنے کا تمھارا اپنا اختیار ہوگا۔ بودھ کا ایک مندر میں ممبئی میں تعمیر کرنا چاہتا ہوں۔ بودھ مذہب اختیار کرنے کی ہر ایک نے قسم لینی چاہیے۔''

جولائی، اگست 1953ء میں وہ اورنگ آباد میں مقیم تھے ایک تاریخی شہر ہونے کے علاوہ تہذیب کا مرکز اور ملک کے وسط میں ہونے کی وجہ سے انہیں اورنگ آباد سے دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ہم جب کروڑوں روپے کشمیر پر خرچ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بھی حق پہونچتا ہے کہ کشمیریوں سے دریافت کریں کہ وہ بھارت میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر راجیہ سبھا کے ممبر تھے مگر ان کی عین خواہش تھی کہ وہ لوک سبھا میں داخل ہوں۔ مئی 1954ء میں وودربھ کے قلعے بھنڈارہ میں لوک سبھا کی دلتوں کیلئے محفوظ ایک نشت کیلئے ضمنی انتخاب میں امیدوار تھے۔ کانگریس نے ان کے خلاف بھاؤ راؤ بورکر (Bhau Rao Borkar) نامی دلت کو کھڑا کیا بدقسمتی سے اس انتخاب میں بھی ہار گئے۔ انہیں 1,32,48 ووٹ ملے جبکہ ان کا حریف امیدوار بورکر نے 838 زائد ووٹ لیکر کامیاب ہوا۔ لوک سبھا میں داخل ہونے کی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ پنڈت نہرو اور ان کے زیر قیادت کانگریس کسی قیمت میں بھی لوک سبھا میں ان کے داخلہ کو روکنا چاہتی تھی۔ اسی وقت عام حلقہ سے سوشلسٹ لیڈر اشوک مہتہ لوک سبھا میں پہونچ گئے۔ جس وقت الیکشن کے نتائج کا اعلان ہوا یہ برما کے صدر مقام رنگون مہا تما گوتم بدھ کے یوم پیدائش کی تقریب میں شرکت کیلئے گئے ہوئے تھے۔ رنگون میں یہ دو ماہ رہے (دھننجے کیر کے مطابق 15 دن)

ڈاکٹر امبیڈکر اب بھارت میں بودھ مذہب کا احیاء کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ 1200 سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا تھا۔ جب بودھ مذہب اپنے ہی وطن سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ 4 دسمبر 1954 میں رنگون میں World Fellowonip of Budhists کے زیر اہتمام تیسری عالمی بودھ پریشد منعقد ہونے ہوئی۔ اس میں اپنی صحت کی خرابی کے باوجود شرکت کی۔ اس تقریب میں تقریر سے پہلے وہ جذباتی ہو گئے تھے۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں تھی۔ ''اس مقام پر جمع ہوئے سب بودھ کے عقیدت مند ہیں۔ دنیا کے بہت سارے ملکوں میں بودھ مذہب رائج ہوتے ہوئے بھی اس مذہب کی جتنی اشاعت ہونی چاہئے تھی نہیں ہوئی۔ اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ یہاں جمع ہوئے تمام ممالک میں سے بودھ مذہب کے ماننے والوں میں صرف سیلون اور برما پیش پیش ہیں میرے خیال سے بودھ مذہب کی اشاعت کا طریقہ کار بہت زیادہ قابل تعریف نہیں۔ تقاریب میں یہاں کی دولت مند خواتین غیر ضروری خرچ کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔اس کی بجائے مذہب کی اشاعت کیلئے رقم خرچ ہونا چاہئے۔ آرائش و نمائش گوتم بودھ کو کبھی بھی پسند نہیں تھا۔ جس ملک میں اس مذہب کا نام و نشان نہیں۔ وہاں ادارے قائم کر کے گوتم بودھ کی تعلیمات کے بیج بوئے جانا چاہئے۔ تعجب ہے سیلون کے لوگ یہ کیوں نہیں کرتے؟ برما کے لوگ بھی مذہبی تقاریب میں ہزاروں روپئے خرچ کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

بھارت کے بارے میں مجھے انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جس دیش میں گوتم بودھ کی پیدائش ہوئی اس ملک میں اس مذہب کے وجود کا باقی نہ رہنا تعجب خیز ہے۔ آپ لوگوں میں سے بہت کم جانتے ہیں کہ بھارت میں برہمنوں نے اپنے ہندو مذہب کی بالادستی بلا کسی توقف بہت قدیم دور سے قائم رکھی ہے۔ میں برہمن پنڈتوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ بودھ مذہب کے اصولوں کے بارے میں مجھ سے گفتگو کریں تو میں انہیں شکست دیئے بغیر نہیں رہوں گا۔''

''قدیم بھارت میں ہندو دھرم کے عقیدہ کے مطابق گائے کی قربانی دینے پر سورگ کا حقدار مانا جاتا تھا۔ ان سے میرا سوال ہے کہ اس طریقہ سے انہیں 'سورگ' مل سکتا ہے تو اس سے

جلد اپنے باپوں کی قربانی دینے سے مل جائے گا۔ یہ لوگ اپنے باپوں کی قربانی کیوں نہیں دیتے یہ رسم ادا کرنے والے اب گائے کی قربانی پر پابندی لگانے کیلئے پر چار کر رہے ہیں یہ گوتم بودھ کے اہنسا کے اصول کی کامیابی ہے۔ غیر برہمنوں سے زیادہ برہمنوں کی تعداد ہے۔ دھرم کے معاملہ میں ان کی حالت قابل رحم ہوگئی ہے۔ کس دیوتا کی عبادت سے نجات ملے گی۔ وہ خود نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارے بودھ دھرم میں نجات یا سورگ کا تصور نہیں ہے۔ برخلاف اس کے انسانی زندگی میں سکھ پانا ہوتا ہے انسان پاک وصاف اخلاق پر عمل پیرا ہوں۔ اہنسا و مساوات اور بھائی چارگی کے اصولوں کو اپنائیں۔ اس کے سوا انہیں کوئی دوسرا راستہ نہیں یہ باتیں گوتم بدھ کے مشہور اصول ہیں۔ اور اسی اصول میں اپنے 6 کروڑ معتقدوں کو اپنانے کیلئے کہتا ہوں۔ یہ اصول انہیں منظور بھی ہیں۔ پیسوں کی کمی کی وجہ سے میں آج کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے ذرائع حاصل ہو جائیں تو بہت ہی قلیل عرصہ میں بودھ مذہب کی اشاعت کئے بغیر نہیں رہوں گا۔ میں جب پارلیمنٹ میں تھا تو اس وقت بودھ مذہب کے احیاء کیلئے کچھ کام کئے تھے۔

ملک کے صدر کے محل (راشٹر پتی بھون) پر بودھ کا ایک قول کندہ کیا ہے ملک کے قومی پرچم پر اشوک کا چکر منظور کروا رہا ہوں یہ سب کرتے وقت ملک کے کرسچن، سکھ اور مسلمانوں میں سے کسی نے نہیں بھی مخالفت نہیں کی۔ میں نے ممبئی میں سدھارتھ کے نام سے کالج شروع کیا ہے۔ ایلورہ، اجنتا کے راستہ میں اورنگ آباد میں دوسرا کالج شروع کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

جس وقت ڈاکٹر امبیڈکر تقریر کر رہے تھے اس وقت دنیا کے 28 ممالک کے نمائندے ان کی تقریر خاموشی سے سن رہے تھے۔ پریشد کے بعد وہ برما کی سابق راجدھانی مانڈلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک ہفتہ قیام کیا۔

رنگون سے واپسی کے 5 ماہ بعد انہوں نے دیہو روڈ (Dehu Raod) نزد پونہ کے بودھ وہار میں رنگون سے لائی گئی مہاتما بودھ کی مورتی نصب کی۔ وہاں جمع لوگوں کے سامنے کہا 'بودھ مذہب کا احیاء ہو رہا ہے۔ پنڈھر پور (ضلع شولاپور، مہاراشٹر) میں وٹھل کا جو مشہور مندر ہے وہ بودھ مندر ہے اس کے بارے میں وہ ایک مضمون لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کا

اصل کام اب شروع ہو رہا ہے۔ بودھ کی مورتی نصب کرتے ہوئے کہا ''1200 سال کے بعد اس مورتی کو نصب کرنے کا اعزاز دلت سماج کو مل رہا ہے۔ تاریخ میں اس واقعہ کو یاد کیا جائے گا۔ عام آدمی کے لئے بودھ کی تعلیمات پر مشتمل وہ ایک آسان زبان میں کتاب لکھنے جا رہے ہیں'' یہ کتاب ان کے انتقال 6 دسمبر 1956 کے بعد ''Buddha & His Dhamma'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔

کچھ سالوں سے کئی مقالے لکھ رہے تھے جس میں ''بودھ اینڈ کارل مارکس'' (Budha & Karl Marks)، انقلاب اور جوابی انقلاب (Revolution & Counter Revolution)، رڈلس آف ہندوازم (Riddles of Hinduism)، برہمنزم کی جیت (Triumph of Brahminisim). فلاسفی آف ہندوازم لکھی تھیں بعد میں تمام مقالے کتابوں کی شکل میں حکومت مہاراشٹر نے حال ہی میں شائع کئے ہیں۔ ان تمام مقالوں اور کتابوں میں اٹھائے گئے مسائل ہندوازم کے لئے ایک چیلنج تھے کسی بڑے سے بڑے پنڈت کو یہ ممکن نہ ہوسکا کہ اٹھائے گئے سوالات کے معقول جوابات دیں یا ان کی تردید کریں۔

35 - زندگی کے آخری سال

زندگی کے آخری دور میں ڈاکٹر امبیڈکر نے بہت ہی مصروف زندگی گزاری اورنگ آباد سے انہیں انسیت ہوگئی تھی۔ یہاں انہوں نے ملند کالج قائم کیا تھا اس کی ترویج وترقی کیلئے کوشاں رہتے۔ اپنی مصروف زندگی سے وقت نکال کر اورنگ آباد جایا کرتے تھے۔ جون 1953ء میں اورنگ آباد میں 'لکری ہاؤس' میں دو ماہ قیام رہا۔ کالج کی عمارت کی تعمیر تھی۔ ہر شعبہ کا قیام بلڈنگ کی تعمیر لائبریری بہر حال کالج کی ترقی کیلئے ہر ایک تفصیل پر نظر تھی اورنگ آباد چھاؤنی ناکہ کے قریب رہتے تھے۔

اس دور کا ایک دلچسپ واقعہ بھالچند ورراڈے (جن کا انتقال حال ہی میں یعنی ستمبر 2006 میں ہوا) ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔ آنجہانی بھالچندر ورراڈے کے والد بلونت ورراڈے ڈاکٹر امبیڈکر کے زمانے میں ملند کالج کے رجسٹرار تھے۔ بھا لچندر اس وقت یعنی 1953ء میں انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے۔ بھا لچند ورراڈے کو ڈاکٹر

امبیڈکر کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ کیونکہ بلونت وراڈے ڈاکٹر امبیڈکر کے بہت قریب کے ساتھیوں میں سے تھے۔

ڈاکٹر امبیڈکر اورنگ آباد کے ریلوے اسٹیشن کے قریب اورنگ آباد ریلوے ہوٹل میں مقیم تھے۔ یہ ہوٹل اب اشوک ہوٹل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایک دن ہوٹل کی نچلی منزل میں ہجوم تھا۔ بھالچند رواڈے جو انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے اور ڈاکٹر سویتا کبیر کے بھائی بالا صاحب کبیر نے جاننا چاہا کہ ہوٹل کے قریب اتنے لوگ کیوں جمع ہیں۔ معلوم ہوا کہ مشہور فلم اداکار دلیپ کمار آئے ہوئے ہیں۔ اس وقت دلیپ کمار ایک فلم اداکار کی حیثیت سے کافی مشہور ہو چکے تھے۔ کسی طرح بھالچند رواڈے اور بالا صاحب کبیر (ڈاکٹر امبیڈکر کے برادر نسبتی) ہجوم میں سے راستہ نکال کر دلیپ کمار تک پہونچ گئے۔ بالا کبیر نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ ڈاکٹر امبیڈکر کے برادر نسبتی ہیں۔ انہوں نے دلیپ کمار سے درخواست کی کہ ڈاکٹر امبیڈکر اسی ہوٹل کی اوپری منزل میں مقیم ہیں اگر وہ ڈاکٹر صاحب سے ملیں گے تو وہ بہت خوش ہوں گے۔ دلیپ کمار ڈاکٹر امبیڈکر کے بارے میں بہت کچھ سن چکے تھے اسلئے اوپری منزل میں جا کر ڈاکٹر امبیڈکر سے ملاقات کے لئے تیار ہوئے اور پہونچ گئے ڈاکٹر امبیڈکر نے انہیں اپنے بازو ایک کرسی پر بیٹھنے کیلئے کہا ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ڈاکٹر سویتا امبیڈکر (بیوی) ملند کالج کے رجسٹرار بلونت وارڈے، ملند کالج کے پرنسپل مسٹر چٹنس (Mr. Chitns) موجود تھے۔ فلم انڈسٹری کے تعلق سے اِدھر اُدھر کی گفتگو رہی۔ دوران گفتگو ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا ''فلم انڈسٹری میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اچھے کردار اچھی نیت کیا ہوتی ہے معلوم ہی نہیں اور ایسے لوگوں سے مجھے نفرت ہے۔'' یہ سن کر دلیپ کمار نے کہا ''ہمارے پیشے میں سبھی ایسے نہیں ہیں'' ڈاکٹر نے فوراً کہا ''میں نے کب کہا کہ سب ایسے ہوتے ہیں۔'' دلیپ کمار نے جواباً کہا ''میں آپ سے متفق نہیں ہوں'' ڈاکٹر صاحب نے کہا ''میں نے جو کچھ کہا وہ صداقت ہے جو کڑوی ہے'' ساتھ ہی ساتھ اس ضمن میں انہوں نے مثالیں دینا شروع کیں۔ یہ سن کر دلیپ کمار ناراض ہو کر وہاں سے نکل گئے پورا ماحول سنجیدہ ہو گیا۔ بالا صاحب کبیر اور ڈاکٹر شویتا نے کہا کہ ایسا کہنا نہیں چاہئے تھا۔ یہ آدمی بہت دولت مند

ہے اگر اس سے درخواست کی جاتی تو کالج کو اچھا خاصہ چندہ ملتا۔ اس پر ڈاکٹر امبیڈکر بہت غصہ میں آئے اور کہا کہ جو لوگ اپنے کردار اور اپنے اصول کے ساتھ سودا کر کے پیسے کماتے ہیں جو لوگ بدعنوانیوں سے دولت کماتے ہیں ان سے مدد لے کر میں علم کی اشاعت جیسے نیک کام کیلئے کبھی مدد نہیں لونگا۔ میرے ادارے بند ہو بھی جائیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

دوران قیام ملند کالج کی لائبریری میں اکثر جاتے یہ ضرور دیکھتے کہ اساتذہ اور طلباء کس قسم کی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ بھالچندر صاحب نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ درج کیا ہے۔ ایک دن اچانک ڈاکٹر امبیڈکر لائبریری میں آئے، لائبریری میں گپتے (Gupte) تاریخ اور مہاجن نامی پولیٹیکل سائنس کے اساتذہ سے دریافت کیا کہ کیا وہ ایک لفظ میں ''تاریخ'' (History) کی تعریف کریں گے؟ گپتے صاحب نے کہا History is Laboratory of All Soical Science یعنی تاریخ تمام سماجی علوم کی تجربہ گاہ ہے مہاجن بھی ایک لفظ میں تاریخ کی تعریف کر نہ سکے۔ یہ اُن دونوں کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور خود انہوں نے کہا کہ اس کے لئے صرف ایک مناسب لفظ ہے اور وہ ہے 'Change' یعنی تبدیلی صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ سماجی، معاشی، تہذیبی تبدیلی کو ہی تاریخ کہتے ہیں۔ کالج کی بلڈنگ کی تعمیر کے وقت مشورے دیتے۔ باغ کی تزئین میں حصہ لیتے دہلی سے لائے ہوئے اشوک کے پودے اور دوسرے ہم اقسام کے پودے اپنی نگرانی میں لگواتے۔ خود اپنی تصاویر مختلف زاویوں سے کھنچوانے کا بھی شوق تھا۔ اورنگ آباد میں محمد بھائی نامی فوٹو گرافر کی خدمات حاصل کرتے۔

اکتوبر 1955ء میں اورنگ آباد میں تھے۔ طبیعت ٹھیک نہیں تھی بھالچندر کہتے ہیں کہ خود ان کے اصرار پر ایک ہال میں ان کی تقریر رکھی گئی تھی۔ اس تقریر میں انہوں نے 'ملند' کی تاریخی شخصیت پر روشنی ڈالی۔ اس وقت ان کا کالج P.E. Society College یعنی پیپلس ایجوکیشن سوسائٹی کے کالج کے نام سے مشہور تھا مگر اس دن یعنی اکتوبر 1955ء سے کالج کا نام 'ملند کالج' (Milind College) رکھا گیا۔

مئی 1955ء سے ان کی صحت دن بدن گرتی گئی۔ جولائی 1955 میں ممبئی میں

Buddhist Society of India قائم کی۔ 14 / اکتوبر 1956ء کو جب ناگپور میں انہوں نے بودھ مذہب کی دیکھشا لی اس وقت سے اس سوسائٹی کا نام 'بھارتیہ بودھ مہا سبھا' رکھا۔ 27 / اگست 1955 کو شیڈول کاسٹس فیڈریشن کی مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی۔ فیڈریشن کے صدر راج بھوج جو ڈاکٹر صاحب کے قریبی ساتھی تھے اپنے عہدہ سے ہٹائے گئے اور ان کی جگہ کھوبرا گڑے (Khobragade) کو صدر بنایا۔ راج بھوج نے ڈاکٹر امبیڈکر کی حکم شاہی پر اعتراض کیا اور انہیں اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ اور الزام لگایا کہ دوسری شادی کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر اپنے قدیم ساتھیوں کو دور کر رہے ہیں۔ ان کے دوسرے ساتھی صدر فیڈریشن شیوراج کا بھی یہی الزام تھا۔ انہوں نے مزید شکایت کی کہ فیڈریشن کا نیا دستور ترتیب دیا جا رہا ہے مگر صدر کو اطلاع نہیں۔

ڈاکٹروں کے مشورہ سے ڈاکٹر امبیڈکر کے دانت نکلوائے تھے۔ ان کو گھر میں چلتے سہارے کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ مکان میں آکسیجن کے سلنڈر رکھے گئے تھے ضرورت پڑنے پر آکسیجن دی جاتی۔ مگر اس حقیقت کو پوشیدہ رکھنے آکسیجن کے سلنڈر پوشیدہ رکھے جاتے تاکہ ان کے معتقدوں اور چاہنے والوں میں ناامیدی اور مایوسی نہ آجائے۔

1955ء شیڈول کاسٹس فیڈریشن میں سخت بحران پیدا ہوا، کچھ کا الزام تھا کہ فیڈریشن میں ڈاکٹر صاحب کی وجہ سے بدنظمی پیدا ہوئی ہے جن لوگوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کا ساتھ دیا مثلاً کملا کانت چترے Kamla Kant Chitre شروت کر Shirvatkar دتوبا Dattoba سب دور کئے گئے۔ ان کی بیماری کی شدت کی وجہ سے ان کے قریب رہنے والے یعنی ان کی بیوی ڈاکٹر سویتا امبیڈکر ان کے برادر نسبتی بالا صاحب کبیر نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے کنٹرول میں لیا ہے۔ پرانے ساتھیوں کے بارے میں کئے گئے فیصلوں میں ڈاکٹر صاحب کی مرضی کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے انہوں نے راجیہ سبھا سے 15 / مارچ 1955ء سے غیر حاضری کیلئے اجازت لی۔ انہیں نویں سیشن کے اختتام تک راجیہ سبھا سے غیر حاضر رہنے کی اجازت ملی۔ اب وہ زیادہ تر اورنگ آباد میں رہنے لگے تھے۔ کالجوں کے لئے اخراجات کے لئے مالی مشکلات درپیش تھیں۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کو ایک لیٹر لکھا کہ ان کے کالجوں کی مالی امداد کیلئے سفارشی خطوط

لکھیں۔لیکن اس ضمن میں پنڈت نہرو نے لکھا کہ کسی بھی قسم کی مدد کرنے کا ثبوت دستیاب نہیں۔

گرتی ہوئی صحت کے باوجود تحریر کا کام جاری تھا۔سنیچر کی ایک شب اپنے ملازم رتو چند نانک کو کام ختم کرنے کے بعد گھر جانے کیلئے کہا یہ ساری رات لکھتے رہے۔دوسرے دن رتو جب واپس آیا تو اسے احساس ہوا کہ یہ تمام رات تحریر کا کام کرتے رہے۔

1 رمئی 1956ء کو راجیہ سبھا کی بحث میں حصہ لیا۔لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تشکیل کا مسئلہ زیر بحث تھا۔اسی دوران ممبئی کو مہاراشٹر سے علیحدہ کرنے کی کچھ حلقوں سے کوشش ہو رہی تھی ڈاکٹر امبیڈکر نے اس تصور کی کھل کر مخالفت کی۔اسی دوران Maharashtra As a Linguistic State کے عنوان سے طویل مقالہ لکھا۔کہا کہ کسی قیمت پر مہاراشٹر سے ممبئی کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ممبئی کے اصلی باشندے کولی (مچھیرے) ہیں۔اورنگ آباد کو مہاراشٹر کی راجدھانی بنانے کا خیال انہوں نے پیش کیا تھا۔

12 رمئی 1956ء کو بی۔بی۔سی پر انہوں نے انٹرویو دیا۔انہیں جو وقت مختص کیا گیا تھا۔اس میں دو سوالات کے جواب دینے تھے۔پہلا سوال تھا بدھ ازم کو کیوں پسند کرتے ہیں؟ دوسرا سوال تھا موجودہ حالات میں بدھ ازم دنیا کیلئے کس حد تک مفید ہے۔پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مجموعی طور پر تین ایسے اصول پیش کرتا ہوں جو دوسرے مذاہب نہیں کرسکتے دوسرے تمام مذاہب میں ایشور (God) اور روح آتما (Soul) یا پھر زندگی بعد از موت کی فکر زیادہ کی جاتی ہے۔جبکہ بدھ ازم 'پر دنیا' یعنی ذہانت اور عقل پر زور دیتا ہے نہ کہ اندھی تقلید اور عقل سے ماورا باتیں، یہ محبت سکھاتا ہے مساوات سکھاتا ہے جو ہر انسان کے لئے ایک اچھی اور خوش حال زندگی گزارنے کیلئے ضروری ہے۔بودھ مذہب کے یہ تین اصول مجھے اس کی طرف راغب کرتے ہیں۔نہ ایشور (God) نہ ہی روح (Soul) کسی سماج کی کوئی خدمت کرسکتے ہیں۔دنیا اور ایشیاء کے جنوب مشرقی ممالک کے لئے بدھ ازم کی ضرورت پر زور دیا کیونکہ پوری دنیا کمیونزم کے جارحانہ عزائم کے سائے میں ہے اور اس نے پوری دنیا کے مذہبی نظام کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

ایشیاء کے جنوب مشرقی ممالک کے کمیونزم کی طرف رجحانات سے وہ حیرت زدہ ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ انہوں نے بدھ ازم کو سمجھا ہی نہیں میرا دعویٰ ہے کہ بدھ ازم، مارکسزم کا مکمل جواب ہے۔ روس کا کمیونزم ہر خونی انقلاب کا پیش خیمہ ہے وغیرہ ڈاکٹر امبیڈکر کے ان خیالات کو پانچویں دہے کے بین الاقوامی حالات کے پس منظر میں دیکھنا چاہتے تھے۔

20 مئی 1956ء کو وائس آف امریکہ سے ان کی ایک گفتگو نشر کی گئی عنوان تھا۔ 'انڈیا میں جمہوریت کے امکانات'' ڈیموکریسی ریپبلک جیسی اصطلاحوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا '۔۔۔سوسائٹی ایک اکائی ہے۔ جس میں اجتماعی بھلائی کی خواہش ہو آپسی ہمدردی اور تعاون ہو۔ عوامی مقاصد سے وفاداری ہو۔ کیا ہندوستانی سوسائٹی میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ہندوستانی سوسائٹی افراد سے نہیں بلکہ ذاتوں سے بنی ہے جن کی زندگیاں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں جن میں ہمدردی کی بندھن نہیں مشترکہ تجربات سے استفادے کا جذبہ نہیں'' مزید کہا کہ ''ذاتوں کا نظام مثالی اقدار اور جمہوریت کی نفی کرتا ہے ہندوستانی سماج، ذاتوں کے نظام میں اتنا پیوست ہے کہ ہر چیز کی تنظیم ذات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ہندوستانی سماج میں داخل ہو جائیے اور دیکھئے کہ ذات پات کا نظام کتنا نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک ہندوستانی کسی اور ہندوستانی کے ساتھ ہم نوالہ نہیں بنتا، یا شادی بیاہ کا تعلق نہیں رکھتا کیونکہ وہ اس کی ذات سے تعلق نہیں رکھتا۔ ایک ہندوستانی دوسرے ہندوستانی کو چھوتا بھی نہیں کیونکہ وہ اس کی ذات سے تعلق نہیں رکھتا۔ سیاست میں جائیے اور دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔ عام طور پر ہندوستانی صرف اپنی ذات والے کو ووٹ دیتا ہے خود کانگریس ذاتی نظام کا استحصال کرتی ہے علاقہ میں جس ذات والوں کی اکثریت ہے اسی ذات کا امیدوار الیکشن میں نامزد کیا جاتا ہے۔ کانگریسی امیدواروں کی فہرست کا معائنہ کرنے سے یہ آسانی سے پتہ چلتا ہے اگر چہ کانگریس کا دعویٰ ہے کہ وہ ذات پات کے نظام کے خلاف ہے لیکن کانگریس خود ذات پات کا نظام قائم رکھنا چاہتی ہے۔ صنعتی میدان میں کیا ہوتا ہے۔ جس صنعت کار کی انڈسٹری ہے اس میں تمام اونچی تنخواہ والے اسی کی ذات کے ہوتے ہیں تجارت کے میدان میں یہی تصویر نظر آئے گی۔ کوئی کمرشیل ہاؤس ایک ہی ذات والوں کا کیمپ ہوتا ہے۔ جہاں دوسروں کے لئے No

کا بورڈ ہوتا ہے۔ Entry

انڈیا میں چیریٹی بھی خود ہی کے ذات والوں کے لئے ہوتی ہے۔ پارسی مر جائے تو تمام دولت پارسی کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ جین صرف جینوں کے لئے مارواڑی صرف مارواڑیوں کے لئے برہمن، برہمنوں کے لئے ذات پات کے نظام کی ایک اور خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈیموکریسی کے تصور پر منفی اثرات ڈالتی ہے۔ اس میں تدریجی نامساوات Graded Inequality ہوتی ہے ذاتوں کی حیثیت مساوی نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک دوسرے پر کھڑے ہیں ایک دوسرے کے حاسد ہیں۔ اپنی ذات سے اونچی ذات والے کے لئے نفرت اور نچلی ذات والوں کیلئے حقارت، ذاتوں کا یہ نظام آپسی اتحاد کو برباد کرتا ہے۔

ذات پات کے نظام کی ایک اور خصوصیت ہوتی ہے جو جمہوریت کی جڑ کو کاٹ دیتی ہے وہ یہ کہ ایک ذات ایک ہی پیشہ سے وابستہ ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ کوئی سوسائٹی اس وقت منظم شکل میں رہ سکتی ہے جب کوئی شخص وہی کام کرے جس کی اس میں صلاحیت ہے اور وہ کام دوسرے کے لئے مفید ہو سوسائٹی کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ کسی بھی فرد میں جو صلاحتیں ہیں انہیں دریافت کیا جائے پھر اسے مناسب ٹریننگ دے کر اس شخص کو سوسائٹی کے لئے مفید بنایا جائے انسان لامتناہی صلاحیتوں کا مجموعہ بھی ہوتا ہے۔ ایک سوسائٹی اس وقت جمہوری ہوگی جب اس شخص کی صلاحیتوں کو ابھارنے کے لئے راستے پیدا کرے۔ سماج کی تقسیم افراد کی تخلیقی صلاحیتوں کو روک لگانا جمہوریت کے تصور کے منافی ہے۔

کیا تعلیم ذات پات کے نظام کو ختم کر سکتی ہے؟ جواب ہاں اور نہیں میں ہے۔ اس کی بہترین مثال برہمن ذات والے سے دی جا سکتی ہے۔ برہمن 100 فی صد تعلیم یافتہ ہیں یہی نہیں بلکہ ان میں اکثریت انتہائی اونچی تعلیم یافتہ کی ہے لیکن آج تک کسی تعلیم یافتہ برہمن نے ذات پات کی بنیاد پر تقسیم کے نظام کی مخالفت نہیں کی۔ اس کے برخلاف زیادہ تعلیم یافتہ برہمن اپنی تعلیم کے بعد اس نظام کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ تعلیم اس کو مزید ایک اور رعایت مہیا کرتی ہے اسے کوئی اور اونچی ملازمت کا زائد موقع فراہم کرتی ہے۔ یہ تو ہوا ذات پات کے نظام کا منفی پہلو۔

دوسرا مثبت پہلو یہ ہے کہ سماج کے نچلے طبقہ کے لوگوں کو تعلیم دی جائے تو ان میں بغاوت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ یہ لوگ اپنی لاعلمی کی کیفیت میں یہ خود ہی ذات پات کے نظام کی تائید کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کی آنکھیں کھل جائیں تو پھر ذات پات کے نظام کے خلاف لڑائی کے لئے تیار ہوں گے۔

موجودہ نظام تعلیم کی ایک خامی یہ بھی ہے وہ یہ کہ جس اکثریتی طبقہ کو تعلیم کی ضرورت زیادہ ہے وہ تعلیم سے محروم ہے اور جو طبقہ ذات پات کے نظام کا قائل ہے اسے تعلیم ملتی ہے اور طبقہ مزید مستفید ہوتا رہتا ہے اسلئے وہ چاہتا ہے کہ یہ نظام قائم و دائم رہے۔ نچلے طبقہ کو تعلیم ملیگی تو ذات پات کے نظام کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ ہندوستان کی حکومت اور کئی امریکی ادارے ان لوگوں کی مدد کر کے ذات پات کے نظام کو تقویت پہونچا رہے ہیں امیر کو امیر اور غریب کو غریب بنانے سے غریبی دور نہ ہوگی۔

ذات پات کے نظام کو قائم رکھنے والوں کو تعلیم دی جارہی ہے اسلئے اس ملک میں ڈیموکریسی (جمہوریت) کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ

14 دسمبر 1956 کو انہوں نے پنڈت جواہر لعل نہرو کو ایک لیٹر لکھا۔ اس لیٹر کے ذریعہ درخواست کی کہ ان کی تازہ کتاب بودھا اور انکا دھم (Buddha & His Dhamm) یعنی بودھ اور اس کا مذہب کا مسودہ تیار ہو کر زیر اشاعت ہے۔ یہ کتاب ستمبر تک مارکیٹ میں آجائے گی۔ اس کی چھپائی کیلئے -/Rs. 20000 صرف ہوں گے۔ جو ان کی طاقت کے باہر ہیں۔ اسلئے وہ مختلف ذرائع سے مدد کے طالب ہیں۔ انھوں نے حکومت ہند سے درخواست کی ہے کہ 500 کتابیں خریدی جائیں تا کہ مختلف کتب خانوں کو دی جاسکیں۔ ان تمام مہمانوں کو بھی تحفہ کے طور پر دی جائیں جو مہا تما گوتم بودھ کے یوم پیدائش کی تقریب میں شرکت کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ پنڈت نہرو بدھ ازم میں دلچسپی رکھتے تھے اسلئے اس دلچسپی کے حوالہ سے مدد مانگی تھی اس کتاب کا خاکہ بھی اپنے لیٹر کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ دوسرے ہی دن وزیر اعظم پنڈت نہرو نے جواب دیا کہ اتنی زیادہ کتابیں خریدنا ممکن نہیں، اس مقصد کے لئے جو بجٹ تھا وہ ختم ہوگیا ہے اسلئے کسی بھی قسم کی مدد سے انکار کر دیا۔ لیکن انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کو مشورہ دیا کہ گوتم بودھ کے یوم

پیدائش کے موقع پر لوگ جمع ہونگے شاید کتابیں فروخت ہوجائیں گی پھر بھی وہ اس لیٹر کی نقل ڈاکٹر رادھا کرشنن کو بھیج رہے ہیں۔ جو گوتم بودھ کی یوم پیدائش کی تقریبات کے صدر نشین ہیں۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے فون کے ذریعہ اطلاع دی کہ اس سلسلہ میں وہ کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

5 مئی 1956ء کو انہوں نے ممبئی کے سدھارتھ کالج (جس کے ڈاکٹر امبیڈکر بانی تھے) کے لائبریرین ریگے (Rege) صاحب کو لیٹر لکھا کہ ان کی کتاب 'بودھ اور اس کا دھم' شائع کرنا ہے اسلئے کسی پبلشنگ ہاؤس سے اخراجات کا تخمینہ کروانا اور اس امکان کا جائزہ لینا کہ ختم ستمبر تک کتاب چھپ سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ستمبر تک چھاپ کر دینے کیلئے تیار ہو تو مسودہ حوالہ کرنے تیار ہوں۔ اخراجات کے تخمینہ کی اطلاع بذریعہ تار سے دینے کی ہدایت بھی کی۔ ریگے لائبریرین نے ہدایت کے مطابق چھپائی شروع کر دی۔ دوران چھپائی ڈاکٹر امبیڈکر مزید مواد روانہ کرتے تا کہ کتاب میں شامل کیا جائے۔ Rege لائبیریرین نے لکھا کہ اس طرح کتاب میں چھپائی میں دیری ہوگی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے جواب میں لکھا کہ میری صحت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔ کتاب ہر پہلو سے مکمل ہونا چاہئے اور یہ ان کی زندگی کا ایک اہم کام ہے کتاب کی چھپائی میں کسی قسم کی کسر باقی نہ رہے۔ انہیں دنوں ممبئی کے پارسی ٹرسٹ ''سر داراب جی ٹرسٹ'' کے ٹرسٹیوں نے کتاب کی اشاعت کے لئے 3 ہزار روپئے کا عطیہ دیا۔

36 - زندگی کے آخری ماہ

آخری مہینوں میں ایک نئی سیاسی پارٹی ریپبلکن پارٹی Republican Party کے نام سے قائم کرنا بھی زیرِغور تھا۔نوجوانوں کوٹریننگ دے کرانہیں کامیاب سیاست داں بنانے کے غرض سے ایک مرکز قائم کرنے کی بھی تجویز زیرِغور تھی۔نوجوان کامیاب سیاست داں بن کر اسمبلی اور پارلیمنٹ میں پہونچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہاں وہ موثر نمائندگی کریں ایسی ان کی خواہش تھی۔اس ٹریننگ سینٹر کیلئے مناسب اساتذہ کی تلاش شروع کی۔یہ مرکز 1 جولائی 1956ء سے مارچ 1957ءتک (یعنی موت کے بعد تک) کام کرتا رہا۔بعد میں بند ہوا۔یہ مرکز لائبریرین ریگیے کی نگرانی میں چلاخود ڈاکٹر صاحب کواس مرکز کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا کیونکہ ان دنوں وہ دہلی میں تھے۔

24 مئی 1956ءکو نرے پارک Narey Park ممبئی میں مہاتما گوتم بودھ کی یوم پیدائش کی تقریب پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ وہ اکتوبر 1956ء میں بودھ مذہب کی باضابطہ دکشا لیں گے۔اس اعلان سے کچھ دن قبل ساورکر نے بودھ مذہب کے اہنساواد (بودھ مذہب کا عدم تشدد) پر سلسلہ وارا یک مضمون لکھا تھا۔اس مضمون سے ڈاکٹر امبیڈکر بہت ناراض ہو گئے تھے۔

اس مضمون کا جواب دینا ضروری ہوگیا تھا۔اس کا موقع انہیں اس تقریب میں ملا۔ ہزاروں عوام کی موجودگی میں انہوں نے ایک طویل تقریر کی کہا ''میں نے پچھلے دنوں ایک بیان کے ذریعہ ویشا کھ پورنیما کے موقع پر بودھ مذہب قبول کرنے کا اعلان کیا تھا۔اس اعلان کے ساتھ ہزاروں اچھوت اور دوسرے طبقات کے عوام مذہب بدلنے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔ یہ جان کر مجھے بہت اطمینان ہوا ہے۔آپ لوگوں کی اجتماعی تبدیلیٔ مذہب کے ارادے سے میں بہت مطمئن ہوں اور جن لوگوں نے یہ فیصلہ کیا ہے ان کا شکریہ، میں اس ضمن میں جلد دورہ کرنے والا ہوں آپ کی طرح شمالی ہندوستان کے ہزاروں لوگوں کے خطوط آرہے ہیں۔اس مقصد کیلئے مراکز قائم کر کے تبدیلیٔ مذہب کے مواقع فراہم کرانے میں اپنے مذہب کی تبدیلی کا پروگرام اکتوبر تک بڑھا دیا ہوں۔آپ لوگوں نے اب تک انتظار کیا۔مجھے امید ہے کہ کچھ دن اور انتظار کریں گے۔ آئندہ ویشا کھ پورنیما کے موقع پر ہمیشہ کی طرح گوتم بودھ کا یوم پیدائش منایئے'' تقریر 7 بجے شروع ہوئی۔تقریباً 75000 لوگ شریک تھے۔تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا'' مجھے بھگوان بودھ کی پیدائش کی 2500 ویں سالانہ تقریب میں شرکت کے لئے حکومت برما کی دعوت پر رنگون جانا چاہئے تھا مگر آج میں ممبئی میں ہوں۔ پچھلے 5 سال میں بودھ مذہب پر ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھا۔اس کتاب کی اشاعت میرے بودھ دکشا لینے سے قبل ہونی چاہئے تھی۔مگر اپنی بیماری کی وجہ سے مکمل نہ کر سکا۔اس کتاب میں 700 صفحات ہیں۔ یہ کتاب انگریزی میں ہونے کی وجہ سے آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔اسلئے اس کا مراٹھی ترجمہ جلد شائع کرونگا۔اس کام کی وجہ سے میں رنگون جانہ سکا۔مجھے اپنے سامنے یہ جم غفیر دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

میں چودہ سال کا تھا۔جب دادا کیلوسکر (Kelooskar) (جن کا تذکرہ اس سے قبل آچکا ہے) نے ایک تقریب میں گوتم بودھ کی سوانح حیات پر ایک کتاب مجھے انعام کے طور پر دی تھی اسی وقت سے مجھ پر بودھ مذہب کا اثر ہوا ہے۔''

''میں چھوٹا تھا میرے والد ہم سے رامائن، مہابھارت اور دوسری کتابیں پڑھواتے تھے، جب تک پڑھوا نہیں لیتے ہماری چھٹی نہیں ہوتی۔مگر کسی میں یہ ہمت نہیں ہوتی کہ یہ

دریافت کریں ہم پر رامائن اور مہا بھارت پڑھنے کی سختی کیوں؟ جن کتابوں میں شودروں کا ذکر بار بار ہوتا ہے ان کتابوں کی شخصیتوں کے حالات پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھ جیسا مذہبی کتابوں کا عمیق مطالعہ کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے اپنے والدین سے سوال کیا کہ ان کتابوں کے پڑھنے کی ہم پر اتنی سختی کیوں کی جاتی ہے؟ اس پر میرے والد نے جواب دیا کہ ہم اگر چہ اچھوت ہیں تب بھی ان کتابوں کے کرداروں کے کارناموں کو پڑھنے سے ہمارا احساس کمتری دور ہوتا ہے۔ ان کی بات سمجھنے میں مجھے ضرور دقت پیش آئی۔ رامائن اور مہا بھارت میں درونا چاریہ ایک بہادر راج گرو تھا۔ مگر جنگ میں اس نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ کرن ایک نچلی ذات کا تھا۔ درونا چاریہ نے کرن کے خلاف ان لوگوں کی تائید کی جو نا انصافی کر رہے تھے محض اسلئے کہ وہ ایک نچلی ذات کا تھا۔ کرن صحیح معنوں میں اصولوں کا پابند اور بہادر تھا۔"

"ہم رام کو اپنی بیوی سے وفادار اور اپنی بات پر ہمیشہ قائم رہنے والا سمجھتے تھے۔ لیکن 'والی' اور 'سگریو' میں سے ایک کی بیوی دوسرے کو دے کر اس کو تیر سے نشانہ بنایا۔ ایک بیوی کی وفاداری کا دعویٰ کرنے والے رام کی بیوی سیتا کو جب راون نے اشوک کے جنگلات میں رکھا تو راون سے لڑائی شروع کرنے سے پہلے رام کو چاہئے تھا کہ وہ 'اشوک' کے جنگلات میں جا کر سیتا کے بارے میں مزید تحقیق کرتا۔ ماروتی کے بار بار کہنے پر رام نے سیتا کے بارے میں مزید تحقیق نہیں کی۔ لیکن راون سے بغاوت کرنے ببھی شین جس نے لنکا فتح کرنے میں رام کی مدد کی تھی اس کی تخت نشینی رام کے لئے زیادہ اہمیت کی تھی۔ اس لئے اس قسم کی ان کتابوں کے کرداروں سے کیا فائدہ ہونے والا تھا۔ مجھے بہت قدیم زمانہ سے بودھ مذہب سے دیوانگی کی حد تک لگاؤ ہے 1951 کے خانہ شماری میں تمام مذہب کے لوگ ملیں گے لیکن اس پورے ملک کی خانہ شماری میں ایک بھی بودھ نہیں ملے گا۔ بھارت میں آج ایک بھی بودھ نہیں تب بھی 2500 سال قبل کے بھگوان گوتم بودھ کیوں یاد آتے ہیں؟ بھگوان بودھ کے دھرم کا ہر طرف سے مطالبہ ہے۔ بودھ دھرم کا پرچار صرف بھارت ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہے۔ مذہب کی اشاعت کے بازار میں رام اور کرشنا کا کوئی مقام نہیں ہے۔

بودھ دھرم پر بہت سارے لوگ اعتراضات کرتے ہیں۔ان میں ایک ساورکر ہیں۔درحقیت ان کا کیا کہنا ہے میں آج تک سمجھ نہیں پایا۔کیا انہیں یہ کہنا ہے کہ بودھ ایک خراب انسان تھے؟ بودھ دھرم کی اشاعت کرنے والے راجے خراب انسان تھے؟ اگر ان کا یہ موقف ہے تو یہ صاف صاف کہیں میں ضرور انہیں جواب دونگا۔اخبار کیسری میں اپنے مضمون ''نام نہاد بودھ کے عدم تشدد کا پوسٹ مارٹم'' میں کوئی بات صاف نہیں کہی۔صرف ساورکر ہی نہیں کسی اور کو بودھ دھرم کے بارے میں مجھ سے دریافت کرنا ہے تو ضرور کریں انہیں جواب دینے کی مجھ میں ہمت ہے۔

''بھگوان بودھ کا جو عظیم 'بھکو سنگھ' ہوا کرتا تھا اس میں 25% برہمن تھے۔ساورکر کو کیا یہ معلوم نہیں ہے؟ ساری پوت مونگلاین (Sariputt Mongallayn) جیسے پنڈت برہمن تھے یہ ساورکر بھول نہ پائیں ساورکر سے مجھے یہ دریافت کرنا ہے کہ پیشوے کون تھے؟ کیا وہ بھکشو تھے؟ پھر ان کے ہاتھوں سے انگریزوں نے حکومت کس طرح چھین لی۔اسلئے ہمیں نادان اور غیر ذمہ دار ساورکر جیسے لوگوں کی تقلید نہیں کرنا چاہئے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ساورکر نے زہر اگلا میں کہتا ہوں انہوں نے 'نرک' (دوزخ) اگل دیا ہے۔کوئی کسی بھی بدنیتی سے تنقید کرے میرا راستہ طے ہے۔ میں بودھ مذہب اختیار کرنے والا ہوں۔اگر تمھیں پسند آئے تو تم بھی اختیار کرو آج تک تشدد کے ذریعہ غیر انسانی مظالم سے بودھ ازم کی لہر کو واپس کر دیا گیا مگر اب جو بودھ ازم کی لہر آرہی ہے وہ واپس نہیں ہوگی مدہوگا جزنہیں۔بھگوان بودھ کی تنظیم میں کچھ خامیاں ضرور تھیں۔ان شگافوں سے باہر کا پانی آنے سے بودھ دھرم کی جو صاف نہریں تھیں وہ آلودہ ہوگئیں۔لیکن میں داغ دوزی کرکے ان شگافوں کو بند کر دونگا۔بودھ مذہب پر میں نے کتاب لکھی ہے اس میں گوتم بودھ کا کیا مقام ہے اس کی پوری تشریح کی جائے گی۔''

عیسائی مذہب میں (حضرت) عیسیٰؑ کو ایشور کا بیٹا تسلیم کیا گیا ہے تو اسلام کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ماننے والوں کی اللہ کے پاس سفارش کریں گے لیکن بودھ مذہب میں ایسا کوئی عقیدہ نہیں ہے بودھ کا راستہ خود کی محنت،خود کی

کوشش سے تیار کیا ہوا ہے۔ دوسروں کی پونجی پر انحصار نہیں۔ مارکس وادیوں کو چاہیئے کہ وہ بھگوان بودھ کی تعلیمات کا ضرور مطالعہ کریں۔ ہزاروں کے دکھوں کو خود کی روشنی سے نجات دلائی''

انہوں نے مزید کہا ''میری حالت بائیبل میں موسیٰ (علیہ السلام) کے مانند بن جانے کے امکانات ہیں غلاموں کو خوش اور آزاد کرنے کیلئے بہت محنت کرنی پڑی (حضرت) موسیٰ مصر سے غلاموں کو لاتے اور فلسطین میں لے جا کر آزاد کرتے۔ اس کام میں انہیں بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔ شاید مجھ کو بھی یہی نوبت درپیش ہے۔ میں نے اپنے اچھوت سماج کو لے کر بودھ دھرم اختیار کرنا طے کیا ہے۔ میں تبدیلی مذہب کی تقریب ممبئی میں منعقد کروں گا۔ اس سے قبل ایک کتاب شائع کروں گا گوتم بودھ کے مذہب میں جو کمیاں ہیں اسکے بارے میں تفصیلات اس کتاب میں درج کروں گا۔ بودھ دھرم میں جو داخل ہوتا ہے اس کو دکشا دینے کا رواج نہیں ہے۔ دکشا پر بھی ایک کتاب لکھوں گا یہ ہر ایک کو خریدنا پڑے گا۔ اس میں اٹھائے گئے سوالات کے جواب بھی دینے پڑیں گے تب کہیں اس شخص کو بودھ دھرم میں داخلہ ملے گا۔ داخلہ کی تقریب میں ہر ایک کو صاف ستھرے کپڑے ہوں گے۔''

دھرم کیوں ناپید ہوتا ہے اس کی تین وجوہات ہیں اس کا خلاصہ کتاب 'ملند پنہہ' میں ہے۔ (۱) مذہب کو بغیر سوچ سمجھ کر مدون نہ کرنے پر (۲) غیر ضروری اور لاحاصل مباحث (۳) ایسے مذہبی اصول جو عام آدمی کی فہم سے باہر ہیں۔ افغانستان ایک دور میں بودھ بھکشوؤں کا تھا۔ بھگوان بودھ کا سب سے بڑا اور اونچا مجسمہ افغانستان میں ہے۔ (جو طالبان کے دور میں مسمار کیا گیا اور اب کرزئی کے دور میں دوبارہ زیر تشکیل ہے) کٹر پنتھی مسلمانوں نے 7 ہزار بودھ بھکشوؤں کا قتل کیا اور راستہ پر پھینک دیا اسلئے وہاں کے بھکشو فرار ہو گئے۔

اب جو بودھ دھرم کی لہر آئے گی وہ واپس نہیں جائے گی۔ مذہب کے قیام کے لئے مندروں کی ضرورت ہوتی ہے میں کوشش کر کے ایسے مندر تعمیر کروں گا کہ جو تم نے کبھی دیکھے نہیں تم لوگ پیسہ جمع کر کے دو تو یہ ممکن ہوگا۔ خود کی کوشش سے تعمیر کروں گا، دوسروں کی مدد کے بغیر۔ (تقریر کی تلخیص دی گئی ہے۔ مصنف)

جون 1956 سے ڈاکٹر امبیڈکر نے دہلی میں علی پور روڈ مکان نمبر 26 میں رہنا شروع کیا۔ جون اور جولائی میں بہت مایوس ہو گئے تھے ان کے پیر ان کا جسم سنبھالنے سے قاصر تھے۔ نظر تیزی سے کمزور ہو رہی تھی۔ مکان میں کسی کے سہارے کے بغیر چل پھر نہیں سکتے تھے۔ مسلسل دواؤں کے استعمال نے بھی اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔ اپنے دوست احباب کے ذریعہ طرح طرح کی دوائیاں منگواتے۔ بیوی ڈاکٹر سویتا امبیڈکر کو زیادہ دوائیں کھانا پسند نہیں تھا۔ یہ مزید جینے کی امید کھو رہے تھے۔ ایک فرانسیسی خاتون ڈاکٹر کاسمک ریڈیشن Cosmic Radiation سے علاج کرنا چاہتی تھی۔ مگر ان کی بیوی نے سخت مخالفت کی۔ اپنی بیوی سے کہتے "تیرے ڈاکٹروں نے 8 سال سے مجھے اچھا نہیں کیا اب دوسروں کی دوائیں کیوں نہ لی جائیں"۔ کہہ کر ناراضگی کی اظہار کرتے اور غذا ترک کرتے۔ ایسی صورت میں قریبی ساتھی یا معتقد کی مدد سے کھانا یا دوائی لینے پر مجبور کرتے۔ بہت سارے مسودے تیار تھے انہیں کتابوں کی شکل میں شائع کرنا رہ گیا تھا۔ اچھوت سماج کو حاکم سماج بنانے کا خواب ادھورا رہتا نظر آنے لگا۔ بیماری نے انہیں معذور بنا دیا ان کی پارٹی کی نمائندہ شخصیتیں اقتدار اور قیادت کے لئے آپس میں الجھے ہوئے تھے یہ سب دیکھ کر مایوس ہوتے۔ دوسرے اہم مقالے 'بودھ اور کارل مارکس' Budha and Karl Marx اور Revolution and Counter Revoltion (انقلاب اور جوابی انقلاب) Riddles of Hinduisum (ہندوازم کے معمے) شائع ہونا باقی تھے۔ ایک دن اپنے خادم رتو سے کہا "میرے لوگوں سے کہو میں نے جو کچھ کیا ہے اس کو بہت دکھ سہہ کر اپنے مخالفین سے لڑ کر حاصل کیا ہے۔ اور اس جگہ تک قافلہ کو لایا ہوں جہاں اب وہ نظر آتا ہے۔ راستہ کتنا ہی مشکل ہو اب قافلہ واپس نہ جائے۔ لوگوں کے لئے میرا یہی پیغام ہے۔"

30 ستمبر 1956ء کو شیڈول کاسٹس فیڈریشن کی ورکنگ کی میٹنگ ان کے بنگلہ پر ان کی صدارت میں ہوئی۔ اور ریپبلکن پارٹی (Republican Party) کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ مضبوط اپوزیشن کی ضرورت ہے۔ اس پارٹی میں ہر کسی کو شرکت کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اب تک ان کے زیر قیادت پارٹیوں یا تنظیموں میں صرف اچھوت ہوا کرتے تھے۔

14 ر اکتوبر کی تاریخ جیسے جیسے قریب آرہی تھی لوگوں نے جوش وخروش سے آکر ملنا شروع کیا۔ اپنے ایک قریبی ساتھی شنکر انند شاستری کو بلوایا ان سے رائے مشورہ کیا۔ تبدیلی مذہب کی تقریب کے لیے تین چار شہروں کے نام زیر غور تھے۔ (۱) ممبئی (۲) سار ناتھ (بہار) (۳) ناگپور (۴) اورنگ آباد انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ وہ ناگپور کے حق میں ہیں۔ کیونکہ ناگا لوگ جو بودھ دھرم سے تعلق رکھتے تھے ان کی قدیم راجدھانی ناگپور تھی۔

کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس تقریب میں زیادہ لوگوں نے شرکت نہیں کی تو انہیں شدید صدمہ ہوگا اور صدمہ کا اتنا اثر ہوگا کہ وہ جانبر نہ ہوسکیں گے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے جواب دیا کہ وہ اس پروگرام کو مزید آگے نہیں بڑھا سکتے کیونکہ ان کی صحت دن بدن گرتی جارہی ہے اگر کوئی ان کے ساتھ نہ آئے تو انہیں کوئی غم نہیں وہ جہاں جانا چاہتے ہیں جائیں جو ان کے ساتھ آئیں گے انھیں خوش آمدید۔

بودھ مذہب کی دکشا لینے کیلئے کسی مخصوص رسم کی ضرورت وہ محسوس کرنے لگے تھے۔ مہابودھی سوسائٹی آف انڈیا (قیام 1802) کے جنرل سکریٹری ڈی والی سنگھ کو 16 فروری 1955 کو ایک خط لکھا تھا اور اس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا "عام آدمی کا مذہب بدلنا صحیح معنوں میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ یہ بدل برائے نام ہوتا ہے۔ عام بودھی، بودھ کی پوجا تو کرتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ دیوی، دیوتاؤں کو بھی پوجتا ہے۔ برہمنوں نے بودھ ازم کو ختم کرنے اس دیوی کی تخلیق کی ہے۔ ہندوستان سے بودھ ازم کا خاتمہ ان عام بودھوں کے متزلزل رویہ کی وجہ سے ہوا۔ اگر بودھ مذہب کی اس ملک میں اشاعت کرنی ہو تو عام بودھیوں کو بودھ مذہب سے مضبوطی سے منسلک رہنا چاہئے۔ ہندوستان میں یہ اس لئے نہیں ہوا کہ بودھ مذہب میں داخل ہونے کیلئے کوئی مخصوص رسم مقرر نہ تھی۔ عیسائیوں میں دو قسم کی رسومات ہیں (۱) باپیٹزم (Baptisim) جس کے ذریعے ایک شخص کرسچن ہوجاتا ہے۔ (۲) پادری ہونے کیلئے دوسری رسم، اسلئے ہندوستان میں بودھ مذہب کے قیام کے لئے عیسائیوں کی نقل کرنا ضروری ہے۔ بودھوں میں اس خطرہ کو دور کرنے کیلئے انہوں نے ایک ضابطہ بنایا ہے۔ جس کے ذریعہ بودھ

مذہب کی دکشالی جاسکتی ہے۔اس لئے جب تک وہ اس رسم کو ادا نہیں کرے گا بودھ نہیں ہوسکتا۔"

5/اگست 1956ء کو وہ اپنے بنگلہ واقع علی پور روڈ کے ورانڈے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔اس گفتگو میں دہلی کے اچھوت لیڈر سوہن لال شاستری کے کئی سوالات کے جوابات دیئے گئے جو تبدیلی مذہب کے ضمن میں کئے گئے تھے۔سوہن لال شاستری نے ایک سوال کیا کہ بودھ مذہب کے بجائے اسلام یا عیسائیت زیادہ فائدہ مند ہونگے یا نہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے جواباً کہا "یہ مذاہب ہمارے لئے شاید فائدہ مند ہوں لیکن ان مذاہب نے ہندوستان میں جنم نہیں لیا ان کو ہم نے اپنایا تو دوسرے ممالک سے ہماری مادی ترقی کیلئے بہت مالی امداد ملتی ملک کی سیاست میں طاقت بھی حاصل کی جاسکتی تھی۔مگر سب چیزیں دوسروں کے کنٹرول میں رہ کر کرنی پڑیں گی۔یہ مردانگی نہیں کہ دوسروں کے ہاتھوں سے دوسروں کا پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی جائے۔صحیح مردانگی یہ ہے کہ خود کی ہمت خود کی عزت اور خود پر انحصار کر کے اس نئے سودیشی دھرم کے سہارے ترقی کریں۔ہماری یہ مردانگی بھارت کی تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھی جائیگی۔عیسائیت اور اسلام سے ہماری بھارتی سنسکرتی (تہذیب) ختم ہوجائے گی۔بودھ مذہب کا احیاء اور پورے بھارت میں بودھ مذہب کا پھیلاؤ میرا عین مقصد ہے وغیرہ

تبدیلی مذہب کے تعلق سے ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے خیالات کو ہم نے تھوڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔پچھلے صفحات میں بھی اس موضوع پر وقتاً فوقتاً ان کے خیالات کا بھی تذکرہ ہوچکا ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر چوٹی کے دانشور اور مورخ تھے۔مذہب کے فلسفہ کا انہوں نے مطالعہ کیا تھا۔ایک کامیاب وکیل تھے ان کی آئین سازی مسلمہ تھی۔ہندو مذہب سے نفرت اور اس کے ترک کرنے کے فیصلہ مصمم تھا۔لیکن متبادل مذہب کا انتخاب ضرور متنازعہ رہے گا۔بودھ مذہب کے تعلق سے فیصلہ پر ضرور ان سے بحث ہوسکتی تھی۔ان کی تحریروں اور اظہار کئے ہوئے خیالات کی روشنی میں ان سے اختلاف کی گنجائش تھی۔مگر اب جب کہ وہ آنجہانی ہوچکے ہیں اسلئے مزید بحث غیر ضروری ہوجاتی ہے۔

عوام کو جب معلوم ہوا کہ اجتماعی تبدیلی مذہب کے انعقاد کے لئے اورنگ آباد ممبئی۔

ناگپور کے نام زیر غور ہیں تو ان شہروں سے نمائندے آنے لگے اور انہوں نے درخواست کرنا شروع کی کہ ان کے شہر میں تقریب ہو۔ ہر کوئی تیقن دے رہا تھا کہ وہ اپنے شہر میں خاطر خواہ انتظام کریں گے۔

وی۔ ایم۔ گوڈبولے جوان کے ساتھی اور ایک اچھے منتظم بھی تھے ان سے تفصیلی گفتگو کے بعد ناگپور کا انتخاب ہوا۔ 23 ستمبر 1956ء کو اعلان ہوا کہ 14 اکتوبر کو ناگپور میں تبدیلی مذہب کی تقریب کی کاروائی صبح 9 سے تا 11 بجے کے درمیان ہوگی۔ بودھ دکشا کی رسومات ادا کرنے کیلئے انہوں نے ایک معمر اور معزز بھکشو چندرامانی (Chandramani) کا انتخاب کیا جو ان دنوں گورکھپور میں مقیم تھے۔ 24 ستمبر کو انھوں نے چندرامانی کو مراسلہ روانہ کیا اور ان کو 14 اکتوبر کی رسومات ادا کرنے کی دعوت دی۔ انہیں گورکھپور سے ناگپور تک لانے اور ان کے قیام وغیرہ کی ذمہ داری لی گئی۔ بھکشو چندرامانی نے دعوت قبول بھی کی۔ بھکشو چندرامانی برمی نسل کے تھے۔ 14 سال کی عمر میں 1889ء میں ہندوستان آئے اور یہیں مقیم ہوئے۔ کشی نگر (Kushi Nagar) کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ ہزاروں نوجوانوں کو انہوں نے بودھ مذہب کی تعلیمات سے واقف کرایا۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

37 - اور ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر بودھ ہو گئے

11 /اکتوبر 1956ء کو ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے جنہیں ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر بھی کہا جانے لگا تھا اپنی بیوی ڈاکٹر سویتا امبیڈکر اور قدیم ملازم نانک چند رتو (Nanak Chand Rattu) کے ساتھ ناگپور جانے کا پروگرام طے کیا۔ انڈین مہابودھی سوسائٹی کے صدر والی سنگھ کو اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ انہیں مطلع کرتے ہوئے کہا کہ بودھ مذہب کی دکشا لینے کیلئے کوئی رسم مقرر نہیں ہے۔ تب بھی ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر نے لکھا کہ ایک حلف نامہ تیار کیا گیا ہے۔ تاکہ دکشا لیتے وقت بودھ پروہت مذہب میں داخل ہونے والے سے پڑھوایا جائے۔ ایک اور مراسلہ والی سنگھ کو لکھ کر تاکید کہ کہ وہ تقریب میں ضرور شرکت کریں تاکہ تیار شدہ حلف نامہ اور مقررہ رسم کے بارے میں کوئی اختلاف رائے ہو تو اس کو دور کیا جائے انہیں تقریب سے بہت پہلے ناگپور پہونچنے کے لئے کہا گیا۔

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے جو حلف نامہ تیار کیا تھا اس میں مندرجہ ذیل باتوں کی قسم لیا جانا ضروری قرار دیا گیا۔

(1 میں 'برہم'، 'وشنو' 'مہیش' کو تسلیم نہیں کرتا، ان کی پوجا نہیں کروں گا۔

(2 رام۔ کرشنا کو دیوتا تسلیم نہیں کرونگا۔ اور ان کی پوجا نہیں کروں گا۔

(3 ہندو دھرم کے گوری۔ گنپتی وغیرہ کسی دیوی دیوتا پر میرا عقیدہ نہیں رہے گا۔

(4 کسی دیوتا کے اوتار کے تصور پر میرا اعتقاد نہیں رہے گا۔

(5 یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بودھ وشنو کا اوتار نہیں ہے۔

(6 میں پنڈدان اور پادھپڑا نہیں کروں گا۔

(7 میرا کوئی عمل بودھ دھرم کے خلاف نہیں ہوگا۔

(8 کوئی رسم برہمنوں کے ہاتھوں سے نہیں انجام دوں گا۔

(9 میرا یہ اعتقاد رہے گا کہ تمام انسان آپس میں برابر ہیں۔

(10 میں مساوات قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔

(11 بھگوان بودھ نے جو سیدھا راستہ دکھایا ہے اس پر گامزن رہوں گا۔

(12 بھگوان بودھ کے کہے ہوئے دس اصولوں پر میں پابند رہوں گا۔

(13 تمام جانوروں پر رحم کروں گا، ان کی پالن پوشن کروں گا۔

(14 چوری نہیں کروں گا۔

(15 جھوٹ نہیں بولوں گا۔

(16 غیر اخلاقی حرکات نہیں کروں گا۔

(17 شراب نوشی نہیں کروں گا۔

(18 علم، اچھے کردار، رحمدلی ان تین اصولوں کی بنیادوں پر زندگی گزار دوں گا۔

(19 مجھ میں پائی جانے والی انسانی خوبیوں کو نقصان پہونچانے والی غیر مساوات اور اونچ نیچ کے اصولوں پر مبنی ہندو مذہب کو میں ترک کر کے بودھ دھرم کو اختیار کرتا ہوں۔

(20) یہی مذہب سچا ہے ایسا میرا یقین ہے۔

(21) میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میرا نیا جنم ہوا ہے۔

(22) بودھ دھرم کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزاروں گا اس بات کا حلف لیتا ہوں۔

جوں ہی عوام کو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر اور چندرامانی نے اس تقریب کو ناگپور میں منعقد کرنا طے کیا ہے ناگپور میں بڑے پیمانے پر تیاریاں شروع ہوئیں۔

11 / اکتوبر 1956ء کو ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر اپنی بیوی ڈاکٹر سویتا امبیڈکر اور خانگی ملازم نانک چندرتو کے ساتھ بذریعہ ہوائی جہاز صبح 7 بجے دہلی سے روانہ ہوئے۔ 12 بجے ناگپور پہونچے ہزاروں افراد نے ہوائی اڈہ پر استقبال کیا۔ ان کے لئے 'شام' ہوٹل کے اوپری منزل پر 6 کمرے محفوظ کر لئے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو تاکید کی تھی کہ ان کی آمد کے وقت کا اعلان نہ کیا جائے کیونکہ کثیر تعداد میں ملنے والوں سے اپنی خرابی صحت کی وجہ سے پریشانی لاحق ہو جائے گی۔ انہیں اپنے قریب زیادہ لوگوں کی موجودگی برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ ان ساری احتیاطی تدابیر کے باوجود ان کی آمد کی خبر پوشیدہ نہ رہ سکی۔ جن راستوں سے گذرتے جئے بھیم کے نعروں سے فضا گونج اٹھتی۔ ناگپور اور آس پاس کے لاکھوں لوگوں میں دیوانگی کا عالم تھا جس زمین سے وہ گزرتے مٹی لیکر عوام اپنے ماتھے پر لگاتے۔ کوئی ہاتھ چومتا کوئی ان کے پیر پر سر رکھتا۔

12 / اکتوبر کو انہوں نے مکمل آرام کیا۔ 12، 13، اور 14 / اکتوبر کو ممبئی اورنگ آباد، پونہ، ناسک اور آس پاس کے لاکھوں دلت اور دوسرے طبقات کے لوگ خانگی موٹروں، ریلوے، بس کے ذریعے ناگپور پہونچ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہزاروں کی تعداد میں بیل گاڑیوں سے بھی لوگ ناگپور کی طرف رواں دواں تھے۔ جن لوگوں کو یہ سہولتیں میسر نہ تھیں انہوں نے پیدل ہی ناگپور پہونچنا شروع کیا۔ دوران سفر "بھگوان بدھ کی جئے" "بابا صاحب کی جے" کے نعرے لگ رہے تھے۔

ناگپور انبہ جھری روڈ پر شردھانند پیٹ میں 14 ایکڑ زمین دکشا کی رسم کیلئے مقرر کی گئی تھی۔ یہ جگہ دکشا بھومی کہلانے لگی اور آج بھی بودھوں کیلئے دکشا بھومی ایک مقدس تیرتھ بن گئی

ہے جہاں ہر سال 14 اکتوبر کو لاکھوں بودھ جمع ہوتے ہیں۔ باہر سے آئے ہوئے لوگوں نے اسکولوں، دھرم شالوں، اور کھلے میدانوں میں پناہ لی۔تاریخ میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ بودھ مذہب کے ایک بڑے پنڈت ناگارجن بھی ناگپور میں رہ چکے تھے۔

جہاں جئے بھیم کے نعروں سے فضاء گونج رہی تھی وہیں 'باباصاحب کرے پکار، بودھ دھرم کا کرو سویکار' کے نعرے عوام کے زبانوں پر تھے۔شمالی حصہ میں ایک وسیع وعریض اسٹیج تیار کیا گیا تھا اور پورے اسٹیج پر سفید کپڑے لگائے گئے تھے۔مدھیہ پردیش کے شہر سانچی میں بودھ دور کا ایک مقدس 'اسٹوپ' ہے۔ بودھ مذہب والوں کیلئے یہ تاریخی عمارت مقدس بھی ہے۔دکشا بھومی میں بناسے گئے اسٹیج کو سانچی کے 'اسٹوپ' کی شکل دی گئی تھی۔اسٹیج کے دائیں بائیں دو شامیانے لگائے گئے ایک مردوں کے لئے دوسرا خواتین کیلئے ہر طرف بودھ دھرم کے پرچم لہراتے نظر آرہے تھے۔ بودھ دھرم کا پرچم نیلا، لال اور سبز رنگ کے تین پٹیوں پر مشتمل ہے۔ 12 اکتوبر کو مکمل آرام کے بعد 13 اکتوبر کی شام ڈاکٹر باباصاحب ایک پریس کانفرنس سے مخاطب ہوئے۔ دوران کانفرنس انہوں نے کہا کہ بودھ مذہب کے دوفرقوں 'ہنی یان' اور 'مہایان' سے وہ اپنے لوگوں کو دور رکھیں گے۔

پریس کانفرنس میں ایک نمائندہ نے دریافت کیا آپ ''ہندو دھرم کیوں ترک کر رہے ہیں''؟ اس سوال کے پوچھے جانے پر انتہائی غصہ سے اخباری نمائندے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''یہ سوال آپ اپنے آپ سے کیوں نہیں کرتے؟ یہ سوال آپ اپنے آباواجداد سے کریں تاکہ وہ اس کا جواب دیں۔ تم ہندو لوگ کیا یہی سوال دریافت کرنے یہاں آئے ہیں؟ اس سے قبل کہاں دب کر بیٹھے تھے؟ آپ لوگوں نے زندگی بھر مجھے ستایا اور اب دریافت کرتے ہیں کہ ہندو دھرم میں کیوں ترک کر رہا ہوں۔تم لوگ مجھے گڑھے میں ڈھکیل دینے کیلئے کوشاں رہے لیکن میں ابھی بھی تم لوگوں کے ہاتھوں نہ مرتے ہوئے زندہ رہ سکا میں بودھ مذہب کا پرچار پورے ملک میں کروں گا۔ دوسرے اخباری نمائندوں نے بھی مختلف سوالات کئے ان کے جوابات دیتے ہوئے مختلف امور پر انھوں نے روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے مستند سوانح نگار کیسر موڑ

Khairmod نے اپنی کتاب (مراٹھی) کے جلد 12 میں صفحہ 51 پر انٹرویو شائع کیا ہے۔اس انٹرویو کا کچھ اہم حصہ درج ذیل ہے۔

ڈاکٹر صاحب: کیا ہم صرف مراعات کی فائدوں کیلئے ہمیشہ اچھوت رہیں۔میں نے گاندھی جی کو یہ تیقن دیا تھا کہ کم سے کم نقصان دہ راستہ میں اختیار کروں گا۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بودھ مذہب کا اختیار کرنا ہندو مذہب پر میرا احسان ہے کیونکہ بودھ مذہب ہندوستانی تہذیب کا ہی ایک حصہ ہے۔"

سوال: تبدیلی مذہب کی وجہ سے ان مراعات کا کیا جو آئین نے اچھوتوں کو دی ہیں؟

جواب: آئین نے ہمیں جو سہولتیں دی ہیں وہ ہمیں ملتی ہی رہیں گی۔لیکن ان خاص سہولتوں کے تعلق سے سوالات کیوں اٹھائے جارہے ہیں۔ان کے بارے میں کیوں فکر؟ کیا تمھیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان مراعات کیلئے ہمیشہ اچھوت ہی رہیں؟ ہم انسانوں کو ایک لڑی میں رکھنے کیلئے کوشاں ہیں آئین جو سہولتیں دیتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کیا برہمن اچھوت بننے کیلئے تیار ہیں؟ آئین میں انتخابات میں دلتوں کیلئے علیٰحدہ اور مشترک حلقوں پر تبصرہ کرنے کے بعد دوسرے امور پر گفتگو ہوئی۔

سوال: آپ نے تبدیلی مذہب کا فیصلہ کیوں کیا؟

جواب: صدیوں سے اونچی ذات کے ہندوں نے اور خاص طور پر برہمنوں نے ہم سے بدسلوکی کی۔بودھ دھرم ایک آفاقی مذہب ہے۔مجھے بھارت میں بودھ مذہب لانا ہے۔

سوال: کیا خیالات اور عمل میں کوئی فرق رہے گا؟

جواب: فرق ہوگا لیکن مذہب کی تعلیم بھی سماج کو دینی پڑے گی۔

سوال: اگر ذات پات کی بنیاد پر تفریق نظر انداز کی جائے تب ہندو اور بودھ میں آپ کیا فرق بتلا سکتے ہیں؟

جواب: جسم سے جان نکل جائے تو کیا رہ جاتا ہے اسی قسم کا یہ سوال ہے یہ ذات کے بھید بھاؤ پر تم ہی لوگ عمل پیرا ہو۔اس کو کس نے بڑھاوا دیا۔برہمنوں نے ہمیں اور مراٹھوں کو کبھی آزادی رائے نہیں عطا کی۔

سوال: ذاتی بھید بھاؤ اچھوتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔بودھ مذہب اختیار کرنے پر یہ کیسے کہا جا سکتا

ہے کہ یہ ختم ہوگیا؟
جواب: یہ (یعنی ذاتی بھید بھاؤ) تم سے ہم نے لیا ہے۔ ہم تو اس کی مخالفت کریں گے۔ میں بہادر اور ضدی ہوں۔ لوگ کس طرح عمل کریں میں حکم دوں گا۔ ورنہ میں اکیلا ہی بودھ رہوں گا۔ کس میں کیا بگڑنے والا ہے۔ میرا تو یہ سوال ہے کہ بودھ کے زمانہ میں کیا برہمن بودھ ازم کو پسند نہیں آیا؟ اب کیوں پسند نہیں آتا؟ میں یہ سوال میں اپنی تقریر میں کرنے والا ہوں جو عام جلسہ میں ہوگی۔
سوال: آپ کے بودھ ہونے کے بعد شیڈول کاسٹس فیڈریشن کا کیا ہوگا ؟
جواب: ممکن ہے وہ قائم رہے یا کوئی نئی پارٹی قائم کریں مگر میں بودھ ہونے کے بعد اس کا ممبر نہیں رہوں گا۔
سوال: بودھ مذہب اختیار کرنے کے بعد آپ کیا کریں گے؟
جواب: میں مشنری بنوں گا۔ لیکن سیاسی سنیاس نہیں لوں گا الیکشن میں بھی حصہ لوں گا۔
سوال: کیا ریپبلکن پارٹی قائم کرنے کا آپ نے مصمم ارادہ کیا ہے؟
جواب: ہاں یہ طے ہے میں نے اس پارٹی کا دستور تیار کیا ہے۔ اس دستور میں اس کا عین مقصد آزادی، مساوات اور بھائی چارگی ہے۔ اور اس بات کی میں نے تشریح کی ہے پارلیمنٹ میں آنے والے ہر بل کو اسی کسوٹی پر رکھوں گا۔
سوال: پارٹی کے اصول کیا رہیں گے؟
جواب: پارٹی کیلئے ضرورت ہوتی ہے مضبوط قیادت کی۔
سوال: کیا اس پارٹی میں سب لوگ شامل ہوسکیں گے؟
جواب: ہاں اس پارٹی میں سب کے لئے داخلہ کھلا رہے گا؟
مذہب سے ہٹ کر دوسرے امور پر بھی بات چیت ہوئی جس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

وہ یہ کہنا نہیں بھولے کہ ایک مرتبہ گاندھی جی سے دوران گفتگو انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے اختلاف اپنی جگہ مگر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔ اس بات کی کوشش کی جائیگی کہ ملک کو کم سے کم نقصان پہونچے۔ اسی لئے وہ بودھ مذہب اختیار کر کے اس ملک کے مفاد کی حفاظت کر رہے ہیں۔

تعجب ہے ڈاکٹر امبیڈکر اس نتیجہ پر کیسے پہونچے کہ عیسائیت یا اسلام قبول کرنے سے ملک کے مفاد کو نقصان پہونچے گا۔ان کا خیال تھا کہ بیرونی مذہب (عیسائیت یا اسلام) اختیار کرنے سے ملک کے مفاد کو نقصان پہونچے گا۔حالانکہ انہوں نے کبھی اس بات کی تشریح نہیں کی کہ کس طرح نقصان پہونچے گا۔درحقیقت ہندتو وادیوں نے اس قسم کے حالات ملک میں پیدا کئے اوران سے بار بار درخواست ہی نہیں کی بلکہ دباؤ لاکر انہیں عیسائیت یا اسلام کے بارے میں کھلے دل سے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ڈاکٹر امبیڈکر اس ملک کی تاریخ،تہذیب اس کے روایات سے بہت ناراض تھے۔اس کا اظہار تو کئی مرتبہ کیا تھا لیکن پھر بھی تبدیلی مذہب کے وقت وہ کس تاریخ اور تہذیب کے محافظ بننا چاہتے تھے؟

ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ بھی پیشن گوئی کی تھی کہ آئندہ 15 سالوں میں بودھ مذہب کی لہر پورے ملک میں چلے گی اور یہ کہ آخر میں برہمن بھی بودھ مذہب اختیار کریں گے۔

13 / اکتوبر کی شب میں یعنی مذہب کی تقریب سے قبل ان کے قریبی ساتھیوں میں جب آپسی مشورہ ہو رہا تھا اس وقت کچھ کا خیال تھا کہ آئندہ انتخابات 1957ء میں ہونے والے ہیں۔اسلئے انتخابات کے بعد یہ تقریب رکھی جائے۔انہیں یہ احساس تھا کہ محفوظ نشستوں میں مذہب کی تبدیلی سے امیدواروں کو قانونی مشکلات سے دو چار ہونا پڑے گا۔اس رائے سے ڈاکٹر امبیڈکر متفق نہیں تھے۔بلکہ سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر کوئی اپنی ذاتی غرض کے پیش نظر مذہب کی تبدیلی کا فیصلہ ملتوی کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کا اختیار ہے مگر میرا فیصلہ اٹل ہے۔

14 / اکتوبر کی صبح گرم پانی سے نہایا۔اپنے خاص ملازم نانک چند رتّو کو انتظامات مکمل ہوئے یا نہیں اس کا مشاہدہ کرنے دکشا بھومی روانہ کیا۔انتظامات مکمل ہونے کی اطلاع آئی۔

تقریب سے قبل ایک اور مسئلہ درپیش آیا۔14 / اکتوبر کو ہی ہر سال آر۔ایس۔ایس کی طرف سے دسہرہ کی تقریب منائی جاتی ہے۔یعنی دسہرہ کی تقریبات اور ہندو مذہب ترک کرنے کی تقریب ایک ہی دن ہو رہے تھے۔جس راستہ سے دکشا بھومی کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر کا جلوس جانے

والا تھا اسی راستہ سے آر۔ایس۔ایس کی تقریب کا جلوس گزرنے والا تھا۔ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ تصادم بھی ہوسکتا ہے۔راستہ بدلنے کی تجویز کی انہوں نے سخت مخالفت کی کہا کہ مقررہ راستہ سے ہی دکشا بھومی کا جلوس جائیگا۔ان کے مصمم رہنے کے ارادے سے ساتھیوں کو اپنی تجویز واپس لینی پڑی۔

ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر نے سفید لانبا کوٹ، سفید ریشمی دھوتی، سفید صدرہ زیب تن کیا۔ ان کی بیوی بھی سفید ساڑی میں ملبوس تھیں۔

صبح 8-30 بجے شام ہوٹل سے جلوس کا آغاز ہوا۔ایک سجی سجائی موٹر کار میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھ گئے۔اسی موٹر میں گرو چندرامانی (جنہیں پروہت کے فرائض انجام دینے تھے) اور بلونت راؤ وراڑے بھی بیٹھ گئے نعرے لگنے لگے 'باباصاحب کرے پکار۔بودھ دھرم کا کرو سیوکار' 'ڈاکٹر امبیڈکر کی جئے'' بھگوان بودھ کی جئے' وغیرہ وغیرہ۔جلوس میں لاکھوں افراد شامل تھے۔تمام شرکاء کو سفید کپڑوں میں آنے کیلئے کہا تھا تھا اسلئے انسانوں کا ایک سفید سمندر کا نظارہ تھا۔ جلوس کو دیکھنے سڑک کی دونوں طرف لاکھوں لوگ جمع تھے۔12 بجے جلوس دکشا بھومی پہونچا۔ منزل پر پہونچنے کے بعد موٹر سے اتر کر اسٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔سیدھے ہاتھ میں ایک عصا تھا اور بایاں ہاتھ بلونت راؤ وارڑے کے کاندھے پر رکھے ہوئے اسٹیج پر پہونچتے ہی فلک شگاف نعروں اور تالیوں کی کڑکڑاہٹ سے استقبال ہوا۔اسٹیج پر سامنے کی قطار میں ڈاکٹر باباصاحب، مائی صاحب (باباصاحب کی بیوی ڈاکٹر سویتا امبیڈکر) اور گرو چندرامانی بیٹھے۔سامنے گوتم بودھ کا مجسمہ رکھا تھا۔ان تینوں کے عقب میں باباصاحب کے لڑکے یشونت بھتیجے مکند راؤ (Mukund Rao) کھڑے تھے۔تقریب شروع ہونے سے قبل اندوتائی وارڑے Indu TaiVarade نے استقبالیہ نظم پڑھی۔سارناتھ سیلون سے آئے ہوئے بودھ نے بودھ وندنا کیا۔ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر اوران کی بیوی مائی صاحب، بھکشو چندرامانی اور بودھ کے مجسمہ کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوئے۔بھکشو چندرامانی نے پالی زبان میں تین مرتبہ اشلوک کہلوائے۔ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر نے اعلان کیا کہ 'انسانوں کو نیچ ماننے والے دھرم کو میں ترک کرتا ہوں'' اس

اعلان کے ساتھ جذبات میں ان کے آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔دونوں نے کمل کے پھول کی مالا گوتم بودھ کے مجسمہ پر ڈالی اپنے سر بودھ کے مجسمہ کے پیروں پر رکھ کر تین مرتبہ وندنا کیا اور 22 قسموں پر مشتمل وہ حلف نامہ لیا جس کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے اس طرح سے یہ پوری رسم 50 منٹ تک جاری رہی اور آخر کار انھوں نے وہ کر دکھایا جس کا اعلان 1935 میں مقام ایولہ ضلع ناسک میں کیا تھا۔ پوری تقریب فلمائی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر بابا صاحب نے اعلان کیا کہ جو لگ دھم کی دکشا لینا چاہتے ہیں (بودھ ہونا چاہتے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں) پورا مجمع کھڑا ہو گیا۔انہوں نے مجمع سے تین قسمیں لیں اور پھر پنچ شیل اور 22 حلف دہرائے گئے۔ایک اندازے کے مطابق تین لاکھ افراد اس موقع پر بودھ ہو گئے۔یہ تاریخی لمحہ ملک کی مذہبی،سماجی زندگی کا سنگ میل بن گیا۔چند ہندوؤں نے بھی دھم کی دکشالی جس مین ناگپور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس ڈاکٹر بھوانی شنکر نیوگی بھی شامل تھے۔ملک کے چوٹی کے قائدین ڈاکٹر راجندر پرشاد، پنڈت جواہر لعل نہرو، نائب صدر رادھا کرشنن نے کوئی پیغام روانہ نہیں کیا اور نہ کسی قسم کے ردعمل کا اظہار کیا۔

دوسرے دن اسی مقام پر مزید ایک عظیم مجمع نے دکشالی،اس موقع پر ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے ایک طویل تقریر کی بہت سارے عناوین کا احاطہ کیا۔جن نکات کا اپنی تقریر میں ذکر کیا تھا وہ اس طرح تھے۔

(ا) ”بہت سارے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ میں نے ناگپور میں دکشا لینے کی تقریب اس لئے مقرر کی کہ یہاں آر۔ایس۔ایس کے نمائندے موجود ہیں۔اور انہیں شہہ دینے کیلئے یہ سب کچھ کیا گیا۔ان شکوک کی تردید کرتے ہوئے کہا وجوہات کو ماضی میں تلاش کرنا پڑے گا۔ملک میں آریا قوم سے کسی نے سخت مقابلہ کیا تو وہ ’ناگ‘ قوم تھی جس کی نسل سے وہ ہیں۔ناگ لوگوں کی بستی ناگپور اور اس کے اطراف میں تھی۔ناگ لوگوں کا تعلق بودھ مذہب سے تھا۔جگہ کے انتخاب کے وقت آر۔ایس۔ایس کا خیال ان کے ذہن میں بالکل نہیں تھا۔“

(۲) ''میں اپنی تحریک میں اس بات پر زور دیتا آیا ہوں کہ دیہاتوں میں اچھوت مردہ مویشی کھانا چھوڑ دیں۔ اپنے کندھوں پر مردہ مویشی لے جا کر ان سے چمڑہ سینگ اور ہڈیاں لینا بند کر دیں۔ برہمنوں کے اخبار 'کیسری' میں ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار نے ایک دیہات کی مثال دی ہے اور مشورہ دیا کہ انہیں ہر سال اس کام سے سالانہ 500 روپئے ملتے ہیں ان سے وہ محروم نہ ہونا چاہیئے۔ میں اس مضمون نگار کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اور اس کے خاندان کے افراد یہ کام کریں اور ہر سال 500 روپیوں کا وہ خود فائدہ اٹھائیں علاوہ اس کے میں خود انہیں ہر سال مزید 500 روپئے دوں گا۔ کوئی ضروری نہیں کہ یہ کام صرف اچھوت ہی کریں۔''

(۳) ''ہم اپنی عزت کے لئے لڑ رہے ہیں۔ فائدہ کیلئے نہیں، بودھ مذہب اختیار کرنے سے اگر سیاسی مراعات، محفوظ انتخابی حلقوں سے محروم ہوتے ہیں تو اس کے لئے ہم دوبارہ کشمکش کریں گے۔ ہم اس کے لئے مضبوط ہیں۔''

(۴) ''مجھ سے کئی سوالات کئے جاتے ہیں مگر یہ کوئی نہیں دریافت کرتا کہ میں نے بودھ دھرم کیوں قبول کیا؟ میں نے 1935 میں اعلان کیا تھا کہ میں ہندو پیدا ہوا ہوں مگر ہندو کی حیثیت سے نہیں مرونگا۔ اپنے وعدہ کے مطابق میں نے کل 14 / اکتوبر کو یہ وعدہ پورا کیا۔ میں نے ایک نرک (دوزخ) سے چھٹکارا پایا ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر بودھ دھرم اختیار کیا ہے اور عوام سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ میری اندھی تقلید میں بودھ نہ بنیں بلکہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔''

(۵) ''کارل مارکس کے مطالعہ کے بعد ایک ایسا طبقہ تیار ہو رہا ہے جو کھانے، پینے اور عیش کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ وہ مذہب کو غیر ضروری سمجھتا ہے۔ مگر میں ان سے اختلاف کرتا ہوں۔ میں مذہب کو انسانی زندگی کیلئے ضروری سمجھتا ہوں۔''

(٦) ''انسان اور جانور میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ ہے جسم۔ جس کیلئے اناج کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر جو چیز فرق کرتی ہے وہ ہے دل (احساس) اسلئے دونوں چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ انسان کی ترقی کیلئے دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانوں کے آپسی تعلقات کیلئے جس طرح جسم کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مہذب دلوں کی بھی۔ نوع انسانی

تہذیب کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔انسانی جسم صحت مند ہونا چاہئے۔اور دل مہذب، صحت اچھی نہ ہوتو انسان کے دل میں جوش وخروش نہیں رہتا۔امنگ نہیں رہتی۔جس انسان کو اپنی محنت کا پھل ملنے کی امید نہیں رہتی اس میں کام کرنے کی امنگ نہیں رہتی۔اسکول میں چوتھی جماعت کے بچوں کو اساتذہ کہتے ہیں ''کیوں رے مہار(اچھوت) تجھے پانچویں کلاس میں کیوں جانا ہے۔تو دوبارہ چوتھی کلاس میں رہ جا۔پانچویں کلاس میں جانا تو برہمنوں کا کام ہے۔جب اساتذہ خود مہار بچوں سے اس قسم کی زبان استعمال کرتے ہیں، توان بچوں میں کیا امنگ پیدا ہو سکتی ہے۔ہندوستان میں یہ رویہ ہزاروں سال سے جاری ہے۔''

(۷)''ایک مرتبہ میں نے وائسرائے لنلتھگو سے مل کر اچھوت طلباء کیلئے اسکالرشپ جاری کروائی۔میں نے وائسرائے سے کہا کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کیلئے سالانہ 3 لاکھ روپئے۔بنارس یونیورسٹی کیلئے 3 لاکھ روپئے دیئے جاتے ہیں لیکن اچھوت نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان ان کی تعلیم کیلئے کچھ کیا جائے۔وائسرائے نے اچھوت طلباء کیلئے اسکالرشپ جاری کی تاکہ طلباء لندن جاکر تعلیم حاصل کریں۔لیکن راج گوپال چاری نے اپنے دور میں یہ بند کروادیئے۔''

(۸) ہندو دھرم میں مساوات نہیں ہے۔ہندو دھرم میں صرف کشتریوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت ہے۔اگر کسی لڑائی میں کشتری ہار گئے توان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں تھا۔اچھوتوں کو شروع سے ہی ہتھیار رکھنے کی اجازت دی جاتی تو ملک پر شاید ہی غیر ملکیوں کا قبضہ ہوتا غیر ملکیوں کے حملے کے وقت اچھوتوں کو ہتھیار سے محروم رکھنے سے لڑائیوں میں حصہ لینے کا موقع نہ ملا۔اور ملک ہمیشہ غلام بنتا گیا۔

اس قسم کے مختلف خیالات کا انہوں نے اپنی تقریر کے ذریعہ اظہار کیا۔اوران سارے خیالات کا تعلق کسی نہ کسی طرح اچھوتوں کی زبوں حالی سے تھا۔

15/اکتوبر شام 6 تا 8 بجے ناگپور میونسپل کارپوریشن نے ان کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی اور انہیں سپاس نامہ پیش کیا۔ملک کے پسماندہ طبقات کیلئے انہوں نے جو کام کئے ان کا اعتراف کیا گیا۔جواباً ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا آئین عمل کو نافذ ہو کر 5 سال کا عرصہ ہوا۔پارلیمانی

حکومت، اکثریت سے انتخاب سب کچھ عمل میں آیا ہے مگر بہ ظاہر جو کچھ نظر آرہا ہے وہ حقیقت سے الگ ہے۔لوگوں کا ملک کی سیاست اور آئین کی عملداری کے لئے چوکنا رہنا ضروری ہے۔آئین پر ٹھیک طور پر عمل نہ ہوا تو ملک کی بربادی یقینی ہے۔

16 / اکتوبر کو ودربھ کے شہر چندرا پور (جو نظام کے دور میں چاندہ کہلاتا تھا) میں ڈاکٹر امبیڈکر کے ہاتھوں ہزاروں کا افراد بودھ دھرم کی دکشا کا پروگرام ہوا۔ناگپور سے چندرا پور بذریعہ ٹرین پہونچے۔پھر ناگپور سے دہلی کیلئے بذریعہ ہوائی جہاز خود ڈاکٹر امبیڈکر ان کی بیوی اور نانک چندرتو دہلی پہونچے تین چار دن کی مصروفیات سے بہت تھک گئے تھے۔ 20 سال قبل ہندو دھرم ترک کرنے اور پھر بودھ دکشا کی رسم خیر خوبی سے تکمیل پانے پر خوش بھی تھے۔

صدیوں کے بعد ملک میں بودھ دھرم کا احیاء ایک تاریخی واقعہ تھا۔بعض کی نظروں میں بودھ دھرم چونکہ ہندو دھرم کا ہی ایک حصہ ہے اسلئے کچھ اخباروں کیلئے یہ واقعہ کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں رہا۔ان کے مطابق بودھ دھرم زیادہ سے زیادہ ہندو دھرم کا ایک پنتھ تھا۔

مگر سناتنی ہندو اس واقعہ سے ناراض تھے۔انہوں نے اس واقعہ پر سخت تنقید کی۔

ناگپور کے مشہور اخبار ہت واد (Hitvad) نے لکھا ''اس صدی کا ایک اہم واقعہ ہے۔سمراٹ اشوک اور مشہور تاریخی شخصیتوں کی قطار میں ڈاکٹر امبیڈکر جیسے دانشور مفکر کا آج ایک پیغمبر کی شکل میں ظاہر ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ناگپور میں ہریجنوں کی تبدیلی مذہب ہندوؤں کیلئے ایک اشارہ ہے''۔

ہندتوواد کے علمبردار ساورکر نے بال گنگادھر تلک کے جاری کردہ اخبار 'کیسری' (Kesari) کے 30/ اکتوبر 1956 کے شمارے میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

ونشو دامودر ساورکر کی تنقید

ساورکر نے لکھا ''پچھلے وجئے دشمی (دسہرہ) کے روز ناگپور میں ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے ایک لاکھ ساتھیوں کے ساتھ بودھ دھرم کی دکشا لی۔بودھ دھرم میں جانے کی ان کی پچھلے 6، 7 سال سے تیاری مہارواڑوں میں ان کی اور ان کے پرچارکوں کی طرف سے منظم طور پر جاری تھی۔یہ حقیقت جنہیں معلوم تھی انہیں ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کے ساتھیوں کا ناگپور میں بودھ دھرم کا

دکشا لینے جمع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔اتنا ہی نہیں بلکہ غیر ملکوں سے بھی کچھ بودھ دھرم والے یہاں آئے۔اور جن لوگوں کے ہاتھوں میں ملک کا انتظامیہ ہے بشمول پنڈت جواہر لعل نہرو اور بہت سارے لوگوں کی بودھ دھرم کی اشاعت کیلئے جو تائید ہے اس کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ایک دو سال میں بھارت میں دس لاکھ لوگ بودھ دھرم قبول کریں گے۔اتنی دھوم دھام سے منظم طور پر سناتنی اور رویدک دھرم کو ترک کر کے بودھ دھرم قبول کرنا ہندو راشٹر کیلئے باعث تشویش ضرور ہے مگر جو خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے بے بنیاد ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر کتنا ہی چلا چلا کر کہیں کہ بھارت دیش سے ہندو مذہب کو اکھاڑ پھینک کر سب سے اچھے بودھ مذہب کی اشاعت کریں گے ان کے اس اعلان کو کوئی اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔خود بھگوان بودھ نے بودھ دھرم کی بنیاد رکھنے کے بعد 40 سال تک اس کی اشاعت کرنے کے بعد بھی سناتنی ہندو دھرم کو ختم نہ کر سکے۔اور اشوک جیسا سمراٹ اپنی سیاست کو داؤ پر لگا کر بھی کچھ نہ کر سکا اور تھک گیا اب ان کے مقابلہ میں ڈاکٹر امبیڈکر کی کیا حیثیت ہے؟ لیکن ایسی تحریکیں جن سے علیحدگی کے رجحانات پیدا ہو سکتے ہیں ان پر شروع سے ہی پابندی عائد کرنا ضروری ہے۔

آج ڈاکٹر امبیڈکر اپنے جن اخباروں اور تقاریر کے ذریعہ اعلان کرتے ہیں کہ دنیا میں سب سے بہتر بودھ دھرم ہے اور وہ اس کے گیت گاتے ہیں۔انہوں نے کیا پچھلے دنوں میں اسلام کی تعریف کر کے کیا اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا؟ اسی طرح عیسائیت کی تعریف کر کے عیسائی بننے کا اعلان نہیں کیا تھا؟ کیا انہوں نے یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ میں سکھ مذہب قبول کرنے والا ہوں؟ اس وقت ڈاکٹر امبیڈکر کسی اسکول کے طالب علم نہیں تھے۔اس وقت یہ ڈاکٹر کی ڈگریوں سے آراستہ تھے۔اس وقت انھیں کیا معلوم نہ تھا کہ بودھ مذہب دنیا میں سب سے افضل مذہب ہے اگر نہیں معلوم تھا تو وقتاً فوقتاً ان مذاہب کے گہرے مطالعہ کا اعلان کیا ان کی ناپختہ ذہانت کا یا غلط فہمی کی نشان دہی نہیں کرتا؟ وہ کہتے رہے کہ اسلام اور عیسائیت میں اچھوت پن نہیں ہے۔مگر جن لوگوں کو ان مذاہب کا تھوڑا سا تعارف ہے انہیں معلوم ہوگا کہ اچھوت پن سے زیادہ ان مذاہب میں غلامی اور پیدائش کے ساتھ ہی حیوانوں جیسا برتاؤ کرنے کے رواج کو ان مذاہب کے بانیوں نے کبھی مذہب کے خلاف نہیں سمجھا (معلوم نہیں ساورکر کو یہ

معلومات کہاں سے ملی؟ مصنف) بائبل میں لکھا ہے Slaves Obey your Master حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو غیر ہندو مذاہب کی یہ ساری معلومات ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ صدیوں سے اچھوتوں کو ان کی مرضی یا زبردستی مسلمانوں اور عیسائیوں نے اپنے مذہب میں داخل کیا، ڈاکٹر امبیڈکر کے جنم سے قبل کی مہاروں (جس ذات سے ڈاکٹر صاحب کا تعلق تھا) کو عیسائی یا مسلمان بنایا گیا۔ اور ان مذہب تبدیل شدہ اچھوتوں کی حالت جیسی کی تیسی رہی۔ تراونکور ریاست میں آج سے ایک صدی قبل جو اچھوت کرسچن ہوئے انہیں نہ صرف مدارس میں الگ رکھا جاتا ہے بلکہ ان کی الگ بستیاں بنیں بلکہ چرچ میں بھی انہیں الگ عبادت کرنی پڑتی ہے۔ مہاراشٹر میں جو 'مہار' اور 'ما نگ' (مہاراشٹر کے اچھوت) کرسچن ہوئے ان سے اچھوت پن کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہی حال مسلمان ہوئے اچھوتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اچھوت اگر سکھ ہو جائیں تو انہیں مذہبی سکھ کے نام کے ساتھ الگ رکھا جاتا ہے اور یہ حقائق ڈاکٹر امبیڈکر کو معلوم تھے اسی لئے ان مذاہب کے لوگوں کے ساتھ سودا نہ ہو سکا۔ ہمارے بھولے بھالے ہندوؤں کو یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے مسلمان یا عیسائی نہ ہو کر ہم پر کوئی احسان کیا ہے یا ان کے دلوں میں ہندوؤں کے بارے میں کسی قسم کی ہمدردی تھی اسلئے کرسچن یا مسلمان نہیں ہوئے۔ انھیں 'کالا پہاڑ' بننے کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ وہ 'کالا پہاڑ' بننے کا موقع کبھی نہ چھوڑتے۔

پچھلے دو تین سالوں سے بودھ دھرم کے پرچار کے پردہ میں انہوں نے اپنے اخباروں اور اپنے پرچارکوں کے ذریعہ ہندو دھرم اور ہندو سماج کے خلاف زبردست گالی گلوج کی مہم چلائی ہے۔ ہم ان کے اخبار پابندی سے پڑھتے ہیں۔ انہوں نے اور ان کے پرچارکوں نے ہندوؤں کے وید۔ پوران، دوسری مذہبی کتابوں رام۔ کرشنا جیسے اوتار ہندوؤں کے طور طریقوں پر اتنی گری ہوئی زبان میں تنقید کی ہے کہ ان صبر کرنے والی عادتوں (یعنی ہندو) سے مجبور قوم کے مقابلے دوسرے کسی بھی مذہب والے اس تنقید کو برداشت نہیں کرتے۔ اسی لئے بودھ مذہب کا پرچار کرتے وقت بودھ مذہب کی افضلیت ثابت کرنے کی کوشش میں اسلام اور کرسچنوں کی مذہبی کتابوں یا طور طریقوں کے خلاف اس قسم کی زبان استعمال نہیں کرتے۔ اگر وہ ان غیر ہندو مذاہب کے خلاف ایک لفظ بھی نکالتے تو ان کا حشر کہنیا لعل منشی کا ہوتا۔ بودھ دھرم کی

اشاعت کے لئے چند بودھ اشلوک جو درحقیقت ہندو سادھوسنتوں نے تحریر کئے تھے جو بعد میں پالی زبان میں لکھے گئے دہراتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو بودھ دھرم ہندو دھرم کے مقابل کتنا اچھا دھرم ہے افضل ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر کو یہ صاف صاف سنانے کا وقت آگیا ہے کہ بودھ مذہب کی مختلف کتابوں میں بودھوں کے عقائد میں مختلف ممالک میں کتنا فرق آگیا ہے۔بے بنیاد واقعات، مختلف آراء الگ الگ رسومات داخل کردیئے گئے ہیں اور یہ ایسا ہی ہوا جیسے دوسرے مذاہب میں ہوا۔مگر ڈاکٹر امبیڈکر کو یہ معلوم ہوتے ہوئے بھی ہندو مذہب سے نفرت میں اندھے ہو گئے ہیں اور اب وہ کہہ رہے ہیں کہ بچپن میں ہی گوتم بدھ پر ایک کتاب پڑھی تھی اسی وقت سے ان کا جھکاؤ بودھ مذہب کی طرف ہو گیا تھا۔اگر بچپن سے بودھ دھرم پسند تھا تو بودھ کو کافر کہنے والے اسلام اور عیسائیت کو قبول کرنے کی کیوں بات کر رہے تھے۔اس کے یہ معنی ہوئے کہ بودھ مذہب کو اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا تب ہی تو انہوں نے یہ دھرم قبول کیا۔ایسی صورت میں ہندو ایسے شخص کی تعریف کیوں کریں؟ ڈاکٹر پچھلے 20 یا 25 سال سے بار بار گرج رہے تھے کہ ہندو دھرم میں میری پیدائش ہوئی جو میرے بس میں نہیں تھا لیکن میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ہندو نہیں مروں گا۔ناگپور میں ہوئی تقریب میں بودھ دھرم کی دکشا لینے کے بعد ہندو دشمن کے جذبہ سے بے چین دوبارہ ہندو دھرم کو برا بھلا کہا۔اور میں ہندو نہیں مروں گا جیسی غیر ضروری حلف کا اعادہ کیا ہے؟ صحیح دیکھا جائے تو ان کا یہ عزم کہ وہ ہندو کی حیثیت سے نہیں مریں گے غلط ثابت ہوا کیونکہ انھوں نے جس بودھ دھرم کو قبول کیا ہے اس کا جنم اسی سرزمین میں ہوا ہے ڈاکٹر امبیڈکر نے مذہب بدل کر دوسرے مذہب میں جانے کیلئے جو چھلانگ لگائی اس میں وہ ناکام رہے۔ کیونکہ چھلانگ لگا کر اسی ہندتو کے علاقہ میں گر پڑے۔بودھ مذہب کوئی الگ مذہب نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو ہندو مذہب کا ایک غیر ویدک پنتھ کہہ سکتے ہیں۔ڈاکٹر امبیڈکر نے بودھ کی دکشا لیتے ہوئے روایتی اشلوک کے ساتھ کچھ نئی چیزوں کا اضافہ کیا یعنی ''میں ہندو مذہب ترک کرتا ہوں'' ''میں وشنو کو نہیں مانتا'' ''بودھ وشنو کا اوتار نہیں ہے'' دہرایا۔کسی ضدی لڑکے کی کسی بیزارگی کی وجہ سے خود کو جنم دیئے ہوئے ماں باپ سے انکار کرنے کی صورت میں حقیقت نہیں بدلتی۔اسلئے اگر وہ 'میں ہندو نہیں' 'میں ہندو نہیں' دہراتے رہیں تب بھی ہندتو سے اپنا تعلق توڑنا

ان کے لئے ممکن نہیں ۔اور صرف بودھ مذہب سے اچھوت پن کی ہتھکڑی ٹوٹنے والی بھی نہیں بودھ مذہب میں داخل ہونے والے اچھوت جب اپنے دیہات میں جائیں گے اور جب بودھ ہونے کا نشہ اتر جائے گا تب انہیں پتہ چلے گا کہ ان کا اچھوت پن ابھی باقی ہے۔ محض میں بودھ ہوا کہنے سے ان کا اچھوت پن ختم ہو کر ان سے اچھا برتاؤ ہو گا یہ ان کی خام خیالی ہے۔ ہرش کے دور میں بھی ان سے یہی برتاؤ تھا۔ ہندوؤں کی کثیر آبادی والے علاقوں میں ان اچھوتوں کیلئے تھوڑا بہت جو نرم گوشہ ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ ان تمام وجوہات کی وجہ سے ان مہار اچھوتوں سے درخواست کرتا ہوں کہ مذہب کی تبدیلی کے جذبہ میں وہ گڑھوں میں نہ گریں۔ اسلئے اچھوتوں کے بڑے بڑے رہنما جیسے جگ جیون رام، تاپاسے، کاجرولکر، راج بھوج نے اس اقدام کی مخالفت کی ہے اور ڈاکٹر امبیڈکر کے جال میں پھنسنے سے بچ گئے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی اس کاروائی میں ہندو راشٹر کے خلاف ایک سیاسی جذبہ پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر ان کی رہنمائی میں بھارت میں معقول تعداد نے بودھ مذہب اختیار کیا تو جھارکھنڈ کے اور کچھ علیٰحدگی پسندوں سے ہاتھ ملا کر ایک بودھستان یا 'ناگ راج' کے قیام کیلئے کوشش کرنا۔ یہ سارے اشارے ان کے ساتھیوں کے سامنے کی جانے والی تقاریر اور ان کے اخبارات کی تحریروں سے ملتے ہیں۔ اسلئے میں اپنے ہندو راشٹر کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کوئی اندھا بن کر ان کی تائید نہ کرے کیا کانگریس والوں نے بیرسٹر جناح کی تعریف کر کے نقصان نہیں پہونچایا؟ پاکستان کی تحریک جب پہلی مرتبہ سامنے آئی تب نہرو نے Fantastic Non Sense کہہ کر مذاق اڑایا۔ اس قسم کی بیوقوفی دوبارہ نہ کی جائے۔ اسلئے مذہب کی تبدیلی کی کسی بھی علیٰحدگی پسند تحریک کی ابتداء میں ڈھیلا پن نہ دکھایا جائے۔ اس کی مخالفت ہونی چاہیئے۔ اور جب بودھ کی نشانیاں زمین سے نکال کر سیاسی لوگ اپنے سروں پر لے کر ناچنے کی کوشش کریں تو ہمیں ان بودھ سے متاثر مذہبی لوگوں کا مذہبی اور قومی نظریہ سے تجزیہ کرنا چاہیئے۔ انہیں چاہیئے کہ دوبارہ بودھ دور کی تاریخ کے صفحات پڑھیں۔ غیر ملکی شک، ہن، کشان، خارجی حملوں سے لیکر مسلمانوں کے حملے تک جے چند جیسے لوگ خود غرضی کی بنیادوں پر یا مذہبی فرض سمجھ کر بودھوں نے ان غیر ملکی حملہ آوروں سے ہاتھ ملا کر ہندو راجاؤں کے خلاف دھوکہ دہی کی ہے۔ اور انہیں لوگوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے کہ بھارت سے بودھ مذہب

ناموش ہوگیا۔ اس قسم کے امکانات آج تو نہیں ہیں ۔ ہندوراشٹر کے دشمنوں کی کاروائی سے احتیاط کرنا ہی بہتر ہے ۔ زہر پی کی اس کا امتحان لینے سے بہتر ہے زہر پیا ہی نہ جائے ۔"

یہ تھی ساورکر کی سخت تنقید جو انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کی تحریک پر کی تھی تاریخی واقعات کی گہرائی میں نہ جاتے ہوئے ساورکر نے انتہائی سطحی انداز سے ہندوستان سے بودھ مذہب کے خاتمہ کے لئے اور بیرونی حملوں کے لئے بودھ مذہب کے ماننے والوں کو ہی ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس قسم کی اور بھی تحریریں اخبارات میں آئیں مگر ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور ان پر کسی قسم کا اثر بھی نہیں ہوا۔ بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ بودھ کے پیدائش کی 2500 ویں تقریب کیلئے جس کے لئے غیر ممالک کے نمائندہ لوگوں کو دعوت دی گئی تھی اس کے 5 ماہ بعد اگر بودھ مذہب کے احیاء کی کوشش کی گئی تو انہوں نے کونسا گناہ کیا؟ اور بودھوں کو کیوں نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔ پنڈت نہرو خود مہاتما گوتم بودھ کے عقیدت مند تھے ۔ وہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ان کا جنم ہمارے دیش میں ہوا تھا اسی لئے انہوں نے اپنی رہنمائی میں مئی 1956ء میں شاندار تقریب کا اہتمام کیا تھا۔

سرولیم ہنٹر نامی برطانوی مورخ نے اپنی تصنیف قدیم ہندوستان Ancient India میں 1881ء میں پیشن گوئی کی تھی کہ ہندوستان میں بودھ مذہب کا احیاء ہوگا۔ رابندرناتھ ٹیگور نے بھی اسی قسم کی خواہش ظاہر کی تھی ۔ 14/اکتوبر 1956ء کے بعد ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر ہمیشہ "بودھم سرنم گچھامی" گنگناتے رہتے تھے ۔ اور اس کا ایک گراموفون ریکارڈ بجایا کرتے ۔ اس تقریب کے بعد ملک میں ہر سال کہیں نہ کہیں انتہائی قلیل تعداد میں کیوں نہ ہو وقتاً فوقتاً دلتوں کا بودھ مذہب اختیار کرنے کا سلسلہ جاری ہوا۔ 14/اکتوبر 2006ء یعنی ناگپور میں منعقدہ شدہ تقریب کے 50 سال بعد یا یوں کہہ سکتے ہیں گولڈن جوبلی کے موقع پر مہاراشٹر کے ایک دلت دانشور لکشمن مانے کے زیر قیادت لاکھوں دلتوں نے ناگپور میں ہی بودھ مذہب اختیار کرکے بابا صاحب امبیڈکر کی تحریک کی ایک قسم سے احیاء کی۔

38 - زندگی کے آخری ایام

ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر کی صحت میں کسی سدھار کے آثار نظر نہیں آرہے تھے
15 رنومبر 1956ء کھٹمنڈو (نیپال) میں World Fellowship of Buddhists یعنی
بودھوں کی بین الاقوامی برادری کی کانفرنس ہونے جارہی تھی۔ اگرچہ یہ سفر کرنے کی حالت میں نہ
تھے مگر ساتھیوں نے اور چاہنے والوں نے زور دیا کہ وہ اس میں شرکت کریں بیوی کا بھی تقاضہ
تھا۔ کلکتہ کے جیوتی نامی شخص نے اخراجات کی ذمہ داری لی اس لئے اپنے ساتھ بلونت راؤ
وراڑے (Balwant Rao Varale) ملند کالج (Milind College) اورنگ آباد کے
پرنسپل ایم۔ایم۔ چٹنس (M.M. Chitnis) بیوی ڈاکٹر سویتا امبیڈکر یعنی 'مائی' صاحبہ وغیرہ کو
لیکر 14 نومبر کو پٹنہ پہونچے اور وہاں سے بذریعہ طیارہ کھٹمنڈو پہونچ گئے۔ 15 نومبر کو دربار گیلری
میں کانفرنس کا افتتاح نیپال کے حکمراں راجہ مہندر کے ہاتھوں ہوا۔
ان دنوں کھٹمنڈو میں شنکراچاریہ کے زندگی پر ایک فلم دکھائی جارہی تھی۔ درحقیقت

بھارت میں بودھ مذہب کے زوال کیلئے شنکراچاریہ کو بڑی حد تک ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ بودھوں کے نقطہ نظر سے اس فلم میں کئی مناظر قابل اعتراض تھے۔جس کی وجہ سے راجہ مہندر نے فلم کی نمائش پر پابندی لگائی تھی۔اس کے جواب میں پشوپتی ناتھ کے مشہور مندر میں مہنتوں نے بودھوں کے داخلہ پر پابندی لگادی۔ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر اپنی خرابی صحت کی وجہ سے کانفرنس کی تمام نشستوں میں حصہ نہ لے سکے۔کانفرنس کے صدر ڈاکٹر مالالاسیکر (Malalasekar) انتہائی خلوص اور محبت سے ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر سے ملے۔کیونکہ صرف ایک ماہ قبل 5 لاکھ ہندوستانیوں کو انہوں نے بودھ مذہب میں داخل کیا تھا۔ 20 رنومبر کو ان کا لیکچر مقرر ہوا۔انہیں 'بودھ دھرم میں اہنسا'' کے عنوان سے تقریر کرنے کیلئے کہا گیا۔مگر انہوں نے اپنی تقریر کیلئے ''بودھ اور کارل مارکس'' کا عنوان منتخب کیا۔جن دنوں یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی ان دنوں ایشیاء کے مشرقی ممالک میں کمیونسٹ تحریکیں زور شور سے متحرک تھیں۔چین جیسے عظیم ملک پر کمیونسٹ قابض ہو گئے تھے۔چونکہ ان ممالک میں عام طور پر بودھ دھرم کے پیرو زیادہ ہیں اسلئے انہیں تشویش ہوئی کہ کمیونزم کے غلبہ سے بودھ مذہب کمزور ہو جائیگا۔غالباً اسی تاثر کی وجہ سے 'بودھ اور کارل مارکس' کے عنوان سے تقریر کرنا طے کی۔اس تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ کمیونسٹوں کا یہ دعویٰ کہ وہ سارے انسانی مسائل کو حل کرتا ہے ناکام ثابت ہوگا۔ان مسائل کا حل صرف بودھ تعلیمات پر عمل کرنے سے ہوگا۔ حالات کا اتنی گہرائی سے جائزہ لیا کہ سامعین دم بخود ہوئے۔ بودھوں کے زمانے میں 'سنگھ' بھکشوؤں کی جو تنظیم ہوتی تھی وہ بہت موثر طریقہ سے کام کرتی تھی۔کمیونزم اور بودھ ازم کا تقابلی جائزہ لیا۔ بودھ ازم کا وہ اتنا مطالعہ کر چکے تھے کہ کسی وقت اور کسی عنوان پر تاریخی حوالوں سے بات رکھتے اور سامعین سے داد لیتے۔

ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے انتقال کے بعد ان کی لکھی گئی تحریری دستاویزات میں 'بدھا یا کارل مارکس' کے عنوان سے تین مختلف مقالات دستیاب ہوئے ان مقالات کو ملا کر باضابطہ ایک مقالہ کی شکل دی گئی۔ کچھ درستی ہوئی اور یہ عالمانہ مقالہ حکومت مہاراشٹر نے جو ان کا تحریری کام 21 سے زائد جلدوں میں شائع کیا ہے ان میں ایک جلد .Baba Saheb Ambedkar

Writings & Speeches (Unpublished Wrings) کے عنوان سے ترتیب دی گئی اس تیسری جلد میں مقالہ شائع ہوا ہے۔

کانفرنس کے بعد راجہ مہندر نے چائے کی پارٹی کا اہتمام کیا اور مہمانوں کو دعوت دی۔ راجہ مہندر نے انہیں اپنے بازو میں بٹھایا۔ 23 نومبر کو یہ قافلہ بذریعہ طیارہ بنارس پہونچا۔ وہاں بنارس کے طلباء کو مخاطب کیا۔ وہاں سے سارناتھ گئے۔ جس درخت کے نیچے گوتم بودھ کو بودھ مذہب کے پیروؤں کے عقائد کے مطابق انہیں روشنی ملی وہاں آدھے گھنٹے تک بیٹھے رہے۔ وہاں سے کشی نارہ گئے اور دہلی لوٹے اس دوران ممبئی ہائی کورٹ میں ڈاکٹر امبیڈکر اور ایک کنٹراکٹر کے درمیان ہاٹل کی عمارت تعمیر کے اخراجات کے سلسلہ میں دعویٰ چل رہا تھا۔ ڈاکٹر امبیڈکر بابا صاحب امبیڈکر کو -/Rs. 40,000 اس کنٹراکٹر کو ادا کرنے کا حکم ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی بیوی نے ممبئی آ کر ڈگری کی رقم کنٹراکٹر کو ادا کر دی۔

برما (میانمار) سپریم کورٹ کے جج چین ہوتون (Chan Htoon) کا 22 نومبر کو لکھا خط ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کو ملا انہوں نے مبارکباد دی تھی انہوں نے اپنے لیٹر سے اس بات کی خوشی کا اظہار کیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی کوششوں سے اور ان کی قیادت میں لاکھوں ہندوستانی بودھ ہو گئے ہیں۔ برما کی سپریم کورٹ کے جج نے یہ بھی لکھا کہ 14 ر اکتوبر کی ناگپور والی تقریب کا برما کے تامل اچھوتوں پر اتنا اثر ہوا کہ 28 ر اکتوبر کو 5000 باشندوں نے بودھ دھرم اختیار کیا۔

ان دنوں ایک اہم بات یہ تھی کہ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر اور ان کی بیوی ڈاکٹر سویتا امبیڈکر کے تعلقات کچھ کشیدہ ہو گئے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے زیادہ بات چیت نہیں کرتے جب ڈاکٹر امبیڈکر اپنی بیوی کے ساتھ نیپال سے بنارس، سارناتھ سے ہوتے ہوئے دہلی پہونچے اس دوران ان کا ملازم نانک چند رتّو ہوائی اڈے پر پہونچا اور مکان کو واپس ہوتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ وہ دونوں آپس میں کسی قسم کی گفتگو نہیں کر رہے تھے۔ رات دونوں نے ملکر طعام بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر سویتا امبیڈکر یعنی مائی صاحبہ اس رات اپنے شوہر کے پاس نہیں گئیں اس ماحول کو دیکھ کر رتّو نے اپنے مکان کو نہ جاتے ہوئے بنگلہ پر ہی قیام کیا۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کے خسر

کرشاراوَ کبیر ان کے لڑکے (ڈاکٹر سویتا امبیڈکر کے بھائی) بابو کبیر اور ڈاکٹر مالون کر (Dr. Malwankar) جو شاید ڈاکٹر صاحب کے معالجہ میں شریک تھے تمام لوگ ڈاکٹر صاحب کے بنگلہ پر مقیم تھے۔ ڈاکٹر صاحب بہت تھکے ماندے تھے۔طویل سفر سے واپس ہونے کی وجہ سے صحت پر اور بھی اثر پڑا۔

1/دسمبر صبح اُٹھ کر اخبار کا مطالعہ کیا۔ نانک چند رتو کو ہدایت کی کہ دوپہر میں متھرا روڈ پر 'بڈھسٹ آرٹس اگزیبیشن'' دیکھنے جانا ہے۔ جہاں یہ نمائش لگی تھی وہاں دہلی کے ان کے قدیم ساتھی سوہن لال شاستری موجود تھے۔ نمائش کا معائنہ کرتے ہوئے شاستری نے دریافت کیا کہ بودھ کی مختلف مورتیاں رکھی ہیں لیکن ان میں فرق کیوں؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ ''گوتم بودھ کے انتقال کے 600 سال بعد ان کی مورتیاں اور مجسمے بنانے کا رواج شروع ہوا۔ اسلئے یہ فرق نظر آتا ہے۔گوتم بودھ ایک حسین شخص تھے۔ہندوستانی، چینی، جاپانی اپنے اپنے انداز سے مورتیاں بناتے ہیں۔نمائش دیکھنے کے بعد واپسی میں کناٹ پیلس میں کچھ کتابیں خریدیں اور گھر واپس ہوئے۔

2/دسمبر کی صبح میں نانک چند رتو کے آنے تک یہ بستر پر رہے اس سے کہا آج بہت کام کرنا ہے۔کارل مارکس کی کتاب 'داس کیپیٹل (Das Capital) کی ورق گردانی کی۔ اور پھر بودھ اینڈ کارل مارکس، کی تحریر کا کام جاری رکھا۔ جو کچھ لکھتے وہ ٹائپ کرنے رتو کو دیتے۔ یہ سلسلہ شام تک جاری رہا۔شام میں دلائی لامہ کے اعزاز میں دیئے جانے والے استقبالیہ جلسہ میں رتو کے ساتھ گئے۔تقریب کے بعد بہت سارے لوگوں نے ان سے ملاقات کی۔ بودھ مذہب کی اشاعت کے سلسلے میں ممکنہ کوششوں کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔شب میں ساڑھے دس بجے سو گئے۔ 3/دسمبر کو تمام دن تحریری کام جاری رکھا 'بودھ یا کارل مارکس' کا آخری باب (Chapter) لکھ کر ٹائپ کرنے دیا۔شام کے وقت بنگلہ کے بیمار اور ضعیف مالی کے کمرے میں گئے۔ جو بخار سے فریش تھا۔ اس سے کوئی کام نہ ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب خود بھی بہت تھکے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرا ہاتھ رتو کے کاندھے پر رکھ کر مالی کے کمرے تک بڑی

مشکل سے جاسکے۔مالی کو تین چار روز سے بخار آرہا تھا۔اس کی ضعیف بیوی سرہانے بیٹھی تھی۔ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر ہاتھ جوڑ کر رونے لگا کہا ''آج مجھے بھگوان ملا''اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''روتا کیوں ہے سب کو مرنا ہے''تسلی دی۔اور کہا دوا بھجواتا ہوں۔مالی نے روتے روتے کہا ''بھگوان میں دو تین دن کا مہمان ہوں۔مرنے سے پہلے آپ کے درشن ہوئے''۔ڈاکٹر صاحب نے دوائیں منگوا کر مالی کو پہونچا دیں۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت 16 دسمبر کو ممبئی میں ہزاروں لوگ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کی قیادت میں بودھ دھرم کی دکشا لینے والے تھے۔اسلئے ممبئی جانے کا پروگرام طے ہوا۔ 14 دسمبر کے جہاز میں دو ٹکٹ کا ریزرویشن کرایا گیا۔باقی افراد نے ٹرین سے ممبئی جانا طے کیا گیا۔ اسی دن لان پر تمام لوگ بیٹھے تھے۔ڈاکٹر سویتا امبیڈکر کے بھائی بالو کبیر نے مختلف پوز سے تمام لوگوں کی تصاویر لیں۔ممبئی میں 16 دسمبر کو دکشا کی تقریب ہونے والی تھی اس دوران ڈاکٹر سمرتھ نامی شخص کے پاس قیام کا انتظام کرنے کی اطلاع دی گئی۔3 دسمبر کی شام میں ڈاکٹر سویتا امبیڈکر کے والد کرشنا راؤ کبیر، بھائی بالو کبیر ممبئی جانے کیلئے ٹرین سے روانہ ہوئے۔ڈاکٹر امبیڈکر سونے اپنے کمرے میں چلے گئے۔رتو رات میں ایک بجے تک دیا گیا کام ٹائپ کرتا رہا اور بنگلہ پر ہی سو گیا۔

4 دسمبر بروز منگل صبح اٹھے۔روزمرہ کی مصروفیات سے فارغ ہو کر راجیہ سبھا گئے۔کچھ دیر بیٹھ کر واپس ہوئے۔راجیہ سبھا میں ان کی یہ آخری حاضری رہے گی اس کا کسی کو تصور بھی نہیں تھا۔ شام میں دو اہم خطوط لکھے۔ایک مہاراشٹر کے مشہور صحافی آچاریہ پی۔کے آترے (P.K. Atre) اور دوسرا الیڈر مہاراشٹر کے مشہور سوشلسٹ قائد ایس۔ایم جوشی (S.M. Joshi) ان دنوں ممبئی سمیت مہاراشٹر کی تحریک اپنے شباب پر تھی۔کچھ حلقوں اور خاص طور سے گجراتی حلقوں سے یہ مطالبہ ہو رہا تھا کہ ممبئی کو مہاراشٹر سے الگ کر دیا جائے۔اس تحریک کی پورے مہاراشٹر میں زبردست مخالفت ہو رہی تھی۔پی۔کے آترے (P.K. Atre) اور ایس۔ایم جوشی (S.M. Joshi) اس تحریک کے چوٹی کے قائدین میں سے تھے۔ڈاکٹر امبیڈکر خود بھی اس تحریک کے

حامی تھے۔ان دنوں ممبئی کے چیف منسٹر مرار جی دیسائی تھے۔جو خود بھی ایک گجراتی تھے یہ تحریک مہاراشٹر کی تاریخ میں سنگ میل ہے۔ممبئی میں مظاہرین پر مرار جی دیسائی کی حکومت نے زبردست تشدد سے کام لیا۔ 90 سے زائد مظاہرین پولس کی فائرنگ سے ہلاک ہوئے۔آترے، جوشی، امبیڈکر یہ سب غیر کانگریسی رہنما تھے۔جو اس تحریک میں پیش پیش تھے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کے زیر غور ایک نئی سیاسی پارٹی 'ریپبلکن پارٹی' (Republican Party) کے نام سے شروع کرنی تھی۔ان دنوں ڈاکٹر امبیڈکر خط وکتابت کے ذریعہ آترے اور جوشی سے اپنی مجوزہ ریپبلکن پارٹی کے لئے تعاون مانگ رہے تھے اسی ضمن میں انہوں نے آترے اور جوشی کے نام دو لیٹرس 4 دسمبر کی شام میں تحریر کئے۔ 4 دسمبر کی صبح میں ایک اور واقعہ ہوا تھا۔صبح 11 بجے جین مذہب سے تعلق رکھنے والے مُنی ان سے بنگلہ پر ملنے آئے تھے۔وہ جین مذہب اور بدھ مذہب کے آپسی مسائل اوران مذہب کے اصولوں کے تعلق سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے تھے۔انہیں دوسرے دن یعنی 5 دسمبر رات میں ساڑھے آٹھ بجے کے بعد آنے کو کہا۔ رات میں آترے اور جوشی کے نام لیٹرس کےعلاوہ ریپبلکن پارٹی کے مقاصد پالیسی اور پروگرام سے متعلق 12،10 صفحات پر مشتمل مواد تحریر کیا۔ برما کی حکومت کو بودھ مذہب کی ترویج اور ترقی کے مطلوبہ مالی ضروریات کے سلسلہ میں امداد کیلئے درخواست کرتے ہوئے ایک مراسلہ بھی تحریر کیا۔تمام کاغذات ٹائپ کرنے رتّو کے حوالے کئے۔

نانک چند رتو ایک سرکاری ملازم تھا اپنے فاضل وقت میں وہ ٹائپنگ کا کام پارٹ ٹائم کے طور پر ڈاکٹر صاحب کے پاس کرتا تھا۔ دونوں کے تعلقات اتنے گہرے ہو گئے کہ وہ ایک طور پر ان کا سکریٹری ہو گیا جو ان کا ہر قسم کا کام دیکھتا۔خانگی زندگی کی پوری ذمہ داری نانک چند رتّو پر تھی۔

5 دسمبر شام میں ساڑھے پانچ بجے بنگلہ پر آیا۔اس دن دوپہر میں مائی صاحبہ نے اور ڈاکٹر مالون کر (Dr. Malvankar) نے روزمرہ کی طرح انجکشن دیا۔اور دونوں شاپنگ کے لئے بازار چلے گئے۔جاتے وقت ڈاکٹر صاحب کو اطلاع نہیں دی کہ وہ باہر جارہی ہیں۔ بار بار

بلانے پر جب ڈاکٹر سویتا امبیڈ کر نہیں آئیں تو ڈاکٹر صاحب نے اپنے باورچی سداما (Sudama) کو دھمکا کر پوچھا کہ مائی صاحبہ کہاں گئیں ۔اس نے جواب دیا کہ ڈیڑھ بجے وہ شاپنگ کیلئے گئیں ہیں اور اسے تاکید کی گئی ہے کہ اس کی اطلاع آپ کو نہ دیں ۔ڈاکٹر صاحب کو بہت غصہ آیا۔انہیں نیند نہیں آرہی تھی وہ بے چین تھے۔

جس وقت نانک چند شام میں ساڑھے پانچ بجے واپس آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب بہت غصہ میں ہیں ۔انھوں نے دن بھر میں جو لکھا تھا وہ ٹائپ کرنے کاغذات رتو کے حوالہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر مالون کر اور مائی صاحبہ شاپنگ سے واپس آئے ۔آتے ہی باورچی سُداما نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب دوپہر سے انہیں طلب کر رہے ہیں ۔کچھ دیر بعد مائی صاحب (ڈاکٹر سویتا) ڈاکٹر امبیڈ کر کے کمرے سے باہر آئیں ۔اور نانک چند رتو سے کہا کہ اسی دن کا ایک ٹکٹ (ہوائی جہاز کا) ممبئی کیلئے ریزو کر دے ۔ڈاکٹر مالون کر کو کار سے ہوائی اڈہ تک پہونچانے کا انتظام کرنے کیلئے کہا۔

ڈاکٹر امبیڈ کر انتہائی بے چینی اور غصہ کی حالت میں تھے ۔اسی حالت میں لیٹ گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد دو جین منی جنہیں 5 دسمبر کی شام میں آنے کیلئے کہا گیا تھا آگئے ۔وہ جاننا چاہتے تھے کہ بودھ مذہب اور جین مذہب کی مشترکہ قدروں کی تلاش کہاں تک ممکن ہے ۔رتو نے ان جین منیوں کے آنے کی اطلاع ڈاکٹر امبیڈ کر کو دی تو انہوں نے کہا وہ بہت تھک گئے ہیں ۔اسلئے دوسرے دن آنے کیلئے کہا جائے ۔لیکن پھر رتو سے کہا کہ وہ 10 منٹ میں ان سے ملیں گے ۔ تھوڑی دیر بعد وہ رتو کا سہارا لے کر ورانڈے میں آگئے ۔دونوں نے کھڑے ہو کر ان کا اسقبال کیا۔دونوں نے 6 دسمبر کو دہلی میں ہونے والے سمیلن میں شرکت کیلئے دعوت بھی دی ۔اور ایک کتاب جس کا عنوان تھا ''شرمن سنسکرتی کی دو دھارئیں'' مصنفہ منی نتھ مل جی (شائع شدہ راجستھان) انہیں دی ۔جس وقت ڈاکٹر صاحب کتاب کی ورق گردانی کر رہے تھے اسی وقت ڈاکٹر مالون کر ممبئی جانے کیلئے بنگلہ سے نکلے ۔ڈاکٹر مالون کر نے ڈاکٹر صاحب سے کوئی گفتگو نہیں کی ۔ان جین منیوں سے تھوڑی دیر گفتگو کی اور دوسرے دن سمیلن میں شرکت کیلئے وقت نکالنے کا وعدہ کیا اور

دونوں جین مُنی چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب وہیں بیٹھے رہے۔ آہستہ آہستہ 'بودھم شرنم گچھامی'' زیرلب گنگناتے رہے۔ رتّو سے کہا کہ بودھ بھکتی کے ریکارڈ گراموفون پر لگائے۔ ریکارڈ جیسے جیسے بجتا رہا خود بھی گنگنانے لگے۔ کھانا کھانے کیلئے بلائے جانے پر کہا خواہش نہیں ہے۔ نانک چند کے اصرار پر اٹھے۔ ڈائنگ روم میں جانے کیلئے ڈرائنگ روم سے گزرنا پڑتا تھا ڈرائنگ روم کتابوں کی الماریوں سے بھرا تھا۔ ایک الماری کھولی پھر دوسری الماری جس میں قدیم اور نایاب کتابیں تھیں کھول کر کچھ کتابیں لیں اور نانک چند کے پاس دیں۔ زندگی بھر کتابوں سے عشق رکھا، اور زندگی کے آخری لمحوں میں بھی اس کا اظہار ہوا۔ پوری کتابوں پر نظر ڈالی۔ اور ڈائننگ ہال میں گئے۔ صرف چند لقمے لئے۔ واپس ہال میں آئے۔ نانک چند کو سر کا مساج کرنے کیلئے کہا۔ مساج کے بعد عصا کے ذریعہ کھڑے رہے۔ اور زور سے کہنے لگے ''چل او چل تیرا بھو سار ڈیرہ'' کتابوں پر نظر ڈالتے ہوئے بستر پر لیٹ گئے۔ نانک چند کے ہاتھوں میں دی گئی کتابیں جو باز و ٹیبل پر رکھی تھیں۔ ورق گردانی کی۔ میز پر کتابوں کے علاوہ کتابوں سے لئے گئے کچھ نوٹس، کچھ لیٹرس رکھے ہوئے تھے طبیعت مضمحل تھی۔ جب انہیں نیند آنے لگی تو نانک چند نے جانے کی اجازت مانگی۔ کہا 'جاؤ کل جلد آنا، کچھ لکھا ہوا مواد ہے ٹائپ کرنا'' نانک چند جانے نکلا۔ رات کے سوا گیارہ بجے تھے ابھی وہ چند قدم گیا تھا کہ سداما نے آواز دی اور کہا کہ صاحب بلا رہے ہیں۔ واپس آنے پر کہا ''رتو رات میں ایس ایم جوشی اور آترے (Atre) کو لکھے گئے لیٹرس الماری میں ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بودھا اور انکا دھم (Buddha & His Dham) جس کی چھپائی ہو رہی تھی اس کا پیش لفظ لکھا ہے اس کا مسودہ میز پر رکھنے کیلئے کہا۔ ان مسودوں پر نظر ثانی کرنا ہے یہ کام رات میں کرونگا اور دوسرے دن ان لیٹرس کو ٹائپ کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کرنا۔ یہ سب سننے کے بعد نانک چند روانہ ہوا۔ رات کے 35-11 بج چکے تھے۔ اس سے قبل کی شب وہ بنگلہ پر ہی سویا تھا۔ اس کی بیوی انتظار کر رہی تھی۔ وہ سائیکل پر کچھ دور گیا تھا کہ پہیہ پنکچر ہو گیا۔ دکانیں بند ہو چکیں تھیں۔ رتو کو گھر پہونچ کر سونے تک رات کے ایک بج گیا۔

6 دسمبر 1956 کو نانک چند کو صبح جاگنے میں دیر ہو گئی تھی۔ فوراً خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب

نے جلد بلایا ہے۔صبح کی ضروریات سے فارغ ہو کر نکلنے ہی والا تھا کہ سامنے سداما کھڑا تھا۔اس نے کہا کہ مائی صاحبہ نے کہا ہے کہ تمھیں فوری طور پر بلایا جائے۔مجھے گاڑی (کار) دے کر روانہ کیا گیا ہے۔جس حالت میں ہو چلو' نانک چند بنگلہ پر فوری پہونچا۔مائی صاحبہ ورانڈے میں تھیں۔اس نے دریافت کیا کہ اتنی عجلت میں کیوں بلایا گیا ہے۔رتو کو ڈاکٹر صاحب کے بستر کے قریب لے جایا گیا۔رتو نے کہا ''بابا صاحب میں آگیا ہوں'' جسم کو ہاتھ لگایا اسے محسوس ہوا کہ جسم گرم ہے فوراً مساج کرنے لگا۔مائی صاحبہ نے ایک چمچہ برانڈی کا منہ میں ڈالا۔مگر وہ واپس آگیا۔مائی صاحبہ کے کہنے پر آکسیجن کے سلنڈر سے آکسیجن دینے کی کوشش کی مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔رتو فوراً سمجھ گیا کہ ڈاکٹر بابا صاحب کی زندگی کا سفر ختم ہو چکا ہے۔قریب میز پر انجکشن کی سوئی اور کتابیں رکھی تھیں۔ٹائپ کے کاغذات بے ترتیبی سے نیچے گرے تھے۔رتو بار بار دریافت کر رہا تھا کہ یہ کیا ہوا؟ اور کب ہوا؟ مائی صاحب خود پریشان تھیں۔

پہلے ہی سے ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کے چاہنے والوں میں مائی صاحب کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں اور شکوک پیدا ہو گئے تھے۔اس اچانک ہونے والے واقعہ سے وہ پریشان ہو گئیں۔اسلئے انہوں نے فوراً پہلے نانک چند رتو کو بلایا۔

اس رات کیا ہوا نانک چند نے جو کچھ نوکروں سے سنا وہ یوں تھا۔دوا دینے کیلئے مائی صاحب کے کمرے میں گئے۔اس وقت بابا صاحب بہت زور زور سے کہہ رہے تھے کہ انجکشن کی ضرورت نہیں۔تو چلی جا۔نوکر جو ہمیشہ چھانچھ کا گلاس لے کر ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں جایا کرتا تھا اس نے یہ سب سنا۔گلاس رکھ کر واپس آیا۔بابا صاحب نے چھاچھ پیا اور بارہ بجے کے قریب جو پیش لفظ لکھا تھا اس پر نظر ثانی کرنے بیٹھ گئے۔سوا بارہ بجے تک انہوں نے وہ کام مکمل کیا۔اور سونے کے لئے بستر پر لیٹ گئے۔ان کا کمرہ پہلے منزل پر تھا وہیں ان کا پلنگ تھا بازو کے کمرے میں کتابوں کی الماریاں تھیں مائی صاحبہ ان کے بازو رکھے گئے پلنگ پر سوتیں۔اس رات وہ گراؤنڈ فلور کے کمرے میں سو گئیں۔دوسرے دن سحر کے وقت جاگ گئیں اور بابا صاحب کے کمرے میں گئیں اور نوکر کے ذریعہ کافی بنوا کر پی۔کافی پینے کے بعد دوبارہ گراؤنڈ فلور کے کمرے

میں اپنے پلنگ پر لیٹ گئے۔ سداما سے کہا باباصاحب کے لئے چائے لے جا کر دینا۔ سداما چائے لیکر پہلے منزل پر گیا اور خوف کے مارے ویسے ہی واپس آیا۔ اور کہا صاحب عجیب طریقہ سے سوتے نظر آئے ہیں۔ مائی صاحبہ نے سداما سے کہا تو نانک چند، سوہن لال ساستری اور انجینئر بھوسلے کو فون پر کہہ دینا کے صاحب بہت Sick (بیمار) ہیں۔ فوراً چلے آنا۔ مگر فوراً فیصلہ بدل کر مائی صاحب نے سداما کو کار کے ذریعہ نانک چند کے پاس روانہ کیا۔ نانک چند کے آنے کے بعد کے حالات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ نانک چند کے آنے کے بعد باباصاحب امبیڈکر کو مردہ حالت میں پایا گیا تو وہ اتنا پریشان ہوگئیں کہ نانک چند سے کہا کہ لوگوں سے کہنا کہ وہ بنگلہ کے اوپری منزل میں ہی سوگئیں تھیں۔ لیکن نانک چند نے جھوٹ کہنے سے انکار کر دیا۔

موت سے قبل کے واقعات اور اس شب کے حالات کی کڑی ملائی جائے تو عام انسانوں کے ذہنوں میں شکوک پیدا ہونے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے اور ان کی موت پراسرار بن جاتی ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ وہ کئی سال سے شکر کی بیماری میں مبتلا تھے دن بدن حالت خراب ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر شویتا کبیر کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے قریب کے ساتھیوں میں بے چینی تھی۔ اپنی بیماری سے پریشان ڈاکٹر امبیڈکر اپنی زندگی ایک طرح سے ڈاکٹر سویتا امبیڈکر کے حوالہ کر چکے تھے۔ اس عمر اور اس حالت میں بیوی سے زیادہ کون خدمت کر سکتا تھا جبکہ مکان میں نہ بہو ہے نہ بہن نہ بیٹی۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کی بیوی کے درمیان کشیدہ تعلقات بھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو نہ سکے۔ جب انتقال کے بعد ڈاکٹر صاحب کی نعش ممبئی میں لائی گئی اور راج گرہ میں رکھی گئی اس وقت مائی صاحبہ نعش کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں انہیں یہ محسوس ہوا کہ لوگ انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ بہر حال ان کی موت ایک پرسرار موت بن کر عوام میں گفتگو کا موضوع بن گئی۔

ان کے انتقال کے ۱۱ دن کے بعد ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے چاہنے والوں کی ایک سبھا ہوئی۔ اس میں ایک قرارداد منظور ہوئی جس کے تحت ایک ڈیلیگیشن وزیر اعظم پنڈت نہرو۔ وزیر داخلہ گوبند ولبھ پنت اور صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد سے ملا۔ اور مطالبہ کیا کہ ڈاکٹر

باباصاحب کی موت کی صحیح وجوہات معلوم کرنے کیلئے تحقیقات کی جائے۔ دہلی کی پولس سے بابا صاحب امبیڈ کر کے بیٹے یشونت نے بھی یہی مطالبہ کیا اس مطالبہ کے بعد 26 نومبر 1957ء کو لوک سبھا میں وزیر داخلہ گوبند ولبھ پنت نے بیان دیا کہ دہلی کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولس کی تحقیقات کے مطابق ان کی موت قدرتی تھی۔

ڈاکٹر امبیڈ کر نے اپنی مشہور کتاب 'بودھا اور اس کا دھم' میں اظہار تشکر کرتے ہوئے لکھا تھا ''پچھلے سال سے میری صحت میں اتار چڑھاؤ ہے۔ ایک مرتبہ میری طبیعت اتنی بگڑ گئی تھی کہ ڈاکٹر نے مجھے بجھتا ہوا چراغ کہا۔ اس بجھتے ہوئے چراغ کو دوبارہ روشن کرنے کیلئے جس طرح میری بیوی کا ڈاکٹری علم ذمہ دار ہے اسی طرح میرا علاج کرنے والے ڈاکٹر مالون کر کا بھی حصہ ہے۔ ان کا میں مشکور رہوں انہوں نے مجھے اس کتاب کی تکمیل کرنے کے قابل بنایا'' بعد میں یہ سطور کتاب میں کہیں درج نہیں، یہ ایک معمہ ہے۔ (دھننجے کیر۔ صفحہ 540)

39 - ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کا آخری سفر

نانک چند رتو نے 9 بجے کے قریب تمام متعلقین کو فون کرنے شروع کئے۔انجینئر ٹی۔بی۔بھوسلے،شنکر آنند شاستری،سوہن لال شاستری کو مطلع کر دیا گیا۔اور بنگلہ پر پہونچنے کی تاکید کی۔لوگ جمع ہونا شروع ہوئے۔سب کے بابا اس دنیا سے جا چکے تھے۔ممبئی میں سدھارتھ کالج اور اورنگ آباد میں ملند کالج کے ذمہ داروں کو اطلاع دی گئی۔نعش ممبئی لے جانے کیلئے درکار اخراجات کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ جگ جیون رام،سورن سنگھ،گوبند ولبھ پنت،لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے ممبر اور کچھ وزراء پہونچ گئے۔مائی صاحب کو جگ جیون رام نے پوچھا کب اور کیسے ہوا۔مائی صاحب نے تسلیم کیا کہ انہیں معلوم نہیں وہ ان کے کمرے میں نہیں تھیں۔جواب سن کر انہیں صدمہ ہوا۔سات کروڑ دلتوں کا ہر دلعزیز رہنما اور اس کے آخری وقت میں کوئی قریب نہیں؟ سوہن لال شاستری،شنکر انند،بھوسلے جو ان کے دہلی میں قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے بے حد متاثر

ہوئے انہیں افسوس ہوا کہ ان میں سے کوئی بھی ان کے قریب نہیں تھا۔جگ جیون رام سے دریافت کیا گیا کہ کیا نصف کرایہ پر ہوائی جہاز مل سکتا ہے تا کہ نعش ممبئی لے جائی جائے۔تھوڑی دیر میں پنڈت جواہر لعل نہرو آئے نعش کے پاس تھوڑی دیر کھڑے رہے اور مائی صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ 20 منٹ بیٹھے رہے۔فوٹو گرافرس اور اخباری نمائندوں کا ہجوم تھا تصاویر لے رہے تھے۔مائی صاحب نے پنڈت نہرو سے خواہش کی نعش سارناتھ لے جائی جائے۔مگر نہرو نے کہا سارناتھ کا راستہ خراب ہے اور مشکل ہے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ سرکاری اخراجات سے نعش ممبئی لے جانے کا انتظام کر دیا جائے گا۔جاتے وقت کہا کہ وہ ہوائی اڈہ پر نعش پر پھولوں کا ہار ڈالنے آئیں گے۔

ممبئی والوں کو تاکید کی گئی کہ وہ دہلی نہ آئیں۔ممبئی میں آخری رسومات ہونگی، دوپہر کے نیوز بلیٹن نے بابا صاحب امبیڈکر کے انتقال کی خبر نشر کی گئی۔لاکھوں عوام غمزدہ چہروں سے عازم ممبئی ہوئے۔ٹرک پھولوں سے سجایا گیا اور نعش کو رکھ کر دہلی اور نئی دہلی کے راستوں سے ایئر پورٹ کے لئے جلوس نکلا بنگلہ سے جلوس نکلتے نکلتے ساڑھے چار بج گئے۔اور ایئر پورٹ پر پہونچتے ہوئے رات کے 9 بج گئے۔طیارہ رات میں 9 بج کر 39 منٹ پر براہ ناگپور ممبئی روانہ ہوا۔ناگپور میں ہوائی جہاز کچھ دیر رک کر شب کے 1 بج کر 30 منٹ پر سانتا کروز ہوائی اڈہ پر پہونچا۔نعش کے ساتھ نانک چند رتو، مائی صاحب اور انتہائی قریب کے لوگ تھے۔نصف شب میں ہزاروں عوام سانتا کروز ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔دادر ممبئی میں راج گرہ کے پورچ پر نعش آخری دیدار کیلئے رکھی گئی۔

7 دسمبر 1956ء کو اس سانحہ کی خبر جوں ہی ہندستان بھر پہونچی سفر کیلئے جو بھی ذرائع دستیاب ہوئے عوام ممبئی روانہ ہوئے۔ناگپور، مراٹھواڑہ، ودربھ، کرناٹک، پنجاب سے لاکھوں لوگ ممبئی کے لئے نکل پڑے۔ممبئی کے آس پاس کے لوگ بھی پہونچنے لگے۔ٹرین کے چھت، فوٹ بورڈ ناکافی ہونے لگے۔دادر میں انسانوں کا سمندر تھا۔ممبئی کی تمام سیاسی سماجی تنظیموں کے رہنماؤں نے نعش پر پھول چڑھا کر اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کیا۔دلت خواتین نے اشکبار آنکھوں سے اپنے بچوں کو بابا کے پیروں پر ڈال کر اپنی عقیدت اور انسیت کا اظہار کیا۔درشن کے

لئے میلوں لمبی قطاریں لگ گئیں ۔جس ہال میں نعش رکھی گئی تھی وہاں بیٹا یشونت ،بھتیجہ مکند ،اور رمائی صاحب موجود تھے ۔ بودھ کی مورتی بھی رکھی گئی تھی ۔ 7 دسمبر بروز جمعہ دوپہرا یک بجے ٹرک پر جسد خاکی کو رکھا گیااور آخری رسومات کیلئے جلوس نکالا۔ممبئی کی ملوں (گرینوں) کے لاکھوں مزدور کام چھوڑ کر دادر پہونچے ۔تاریخ میں پہلی مرتبہ ہزاروں دلت خواتین روتے ہوئے جلوس میں اپنے مسیحا کے آخری دیدار کے لئے جلوس میں شامل ہوئیں دہلی سے نعش جس لباس میں لائی گئی تھی انہیں کپڑوں میں آخری رسومات کیلئے لے جایا گیا گلے میں مفلر تھا۔اندازہ ہے کہ دس لاکھ افراد جلوس میں شامل تھے ۔

16 /دسمبر کو بابا صاحب امبیڈکر ممبئی میں لاکھوں دلتوں کو بودھ مذہب کی دکشا دینے والے تھے ۔ پروگرام طے کر چکے تھے ۔ 14 /دسمبر کے طیارہ کا ٹکٹ بھی ریزو کر چکے تھے ۔اسلئے اس اچانک موت کی وجہ سے اب یہ تقریب منعقد کرنا ممکن نہیں تھا۔اس لئے 7 دسمبر کو نعش جب نذر آتش کی جانے والی تھی اس وقت اعلان کیا گیا کہ جولوگ بودھ کی دکشا لینا چاہتے ہیں وہ تیار ہو جائیں تا کہ بابا صاحب کی موجودگی میں (یعنی نعش کی موجودگی میں) ان کی خواہش پوری کی جائے ۔ یہ اعلان دادا صاحب گائیکواڑ جن کا اصلی نام بھاؤ راؤ گائیکواڑ تھااور جن سے بابا صاحب کے بہت قریبی تعلقات تھے ۔ان سے خط وکتابت کا تذکرہ بھی پچھلے صفحات میں آچکا ہے،انہوں نے کیا۔ دادا صاحب گائیکواڑ شیڈول کاسٹس فیڈریشن کے صدر تھے ۔ 16 اکتوبر کو بابا صاحب امبیڈکر کی قیادت میں دس لاکھ مہاراور دوسرے اچھوت بودھ دھرم کی دکشا لینے والے تھے ۔مگر ناگہانی موت کی وجہ سے یہ تقریب 7 دسمبر کو ہوئی ۔

نعش کی موجودگی میں بودھ دھرم کے بھکو بھدنت کو سیلانا (Bhiku Bhadant Kausalyana) کی قیادت میں اس موقع پر لاکھوں اچھوتوں نے بودھ دھرم کی دکشا لی ۔سوا پانچ بجے جلوس دادر چوپاٹی کی شمشان بھومی پہونچا۔شمشان بھومی کے اندر دیوار کے متصل ریت کا ایک اونچا چبوترا بنایا گیا۔ جسد خاکی کو رکھا گیا شمشان بھومی میں صرف عورتوں اور بچوں کو داخلہ ملا، نعش کے سر کے قریب بیٹا یشونت بھتیجہ مکند راؤ اور بودھ کی مورتی لئے مائی صاحب (ڈاکٹر سویتا

امبیڈکر) موجود تھیں چار بودھ بھکوؤں نے مذہبی رسومات ادا کیں۔مخصوص لوگ قریب تھے۔ حکومت مہاراشٹر اور مختلف وزراء کی طرف سے پھول کی مالائیں نذر کی گئیں۔

بھکو کوسلیان (Bhiku Kausalyan) کی رہنمائی میں بودھ طریقہ سے آخری رسومات ادا کرنے کے بعد ان کے لڑکے یشونت نے چتا جلائی۔لاکھوں لوگ آنسو بہا رہے تھے۔اس طرح بھارت کی سماجی ،سیاسی اور مذہبی زندگی پر پچھلے 35 سال سے اثرات چھوڑنے والے اور مستقبل کو بھی مستقل طور پر متاثر کرنے والے ایک غیر معمولی ذہانت کے حامل سیاست دان دانشور،مورخ ،قانون داں، آئین ساز،7 کروڑ ،دلتوں کی دھڑکن ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر نے اپنی زندگی کا سفر پورا کیا۔سفر تو پورا ہوا مگر جو نقوش چھوڑ گئے ان کے اثرات کبھی زائل نہ ہوسکیں گے۔

ملک کے تمام حلقوں کی نمائندہ شخصیتوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔اس سانحہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کی موت صرف دلتوں کی ہی نہیں بلکہ ملک کا عظیم نقصان ہے، تمام اخباروں نے اپنے اپنے انداز سے اداریے لکھے۔

کہا جاتا ہے مہاتما گوتم بودھ کے انتقال کے بعد ان کی باقیات کی تقسیم کیلئے ان کے معتقدوں اور شاگردوں میں زبردست اختلافات پیدا ہوئے تھے۔یہی صورت حال ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے انتقال کے بعد درپیش آئی۔مائی صاحب نے ان باقیات کو جس برتن میں رکھا تھا اُسے وہ اپنے قبضہ میں لے کر مقفل کرنا چاہتی تھیں۔جبکہ لاکھوں لوگوں کی خواہش تھی کہ اس کے درشن لئے جائیں آنجہانی ڈاکٹر صاحب کے قریب کے لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ڈاکٹر صاحب کی موت بھی پر اسرار حالات میں ہوئی تھی۔مائی صاحب کے رویہ سے بھی لوگ ناراض تھے پورا ماحول مائی صاحبہ کے لئے ناموافق تھا۔باقیات کے برتن کو مقفل کرنے سے اور بھی ناراض ہوئے۔29 مئی 2003ء میں ان کے انتقال کے ساتھ یہ راز سربستہ ہی رہا۔

مائی صاحب ڈاکٹر امبیڈکر کے انتقال کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہیں۔ایک عظیم شخص کی بیوی ہونے کا اعزاز ملا تھا۔اسلئے لوگ ضروری احترام کرتے تھے۔ڈاکٹر صاحب

کے انتقال کے بعد ان کے اکلوتے لڑکے اور مائی صاحب کے درمیان جائداد کے لئے تنازعہ پیدا ہوا۔ انہیں ڈاکٹر صاحب سے کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی۔ جائداد کا تنازعہ عدالت تک پہونچا لیکن بعد میں انہوں نے آپس میں صلح کرلی۔ 29رمئی 2003ء میں ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔ اور اپنے ساتھ ہی تمام راز لے گئیں۔

یشونت راوَ کے لڑکے پرکاش امبیڈکر حیات ہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے جس ریپبلکن پارٹی کی بنیاد اپنی زندگی میں رکھی تھی وہ بعد میں انتشار کا شکار ہوئی۔ کئی حضرات الگ الگ ریپبلکن پارٹی کی قیادت کے دعوے دار ہیں۔ ریپبلکن پارٹی (اٹھولے گروپ) ریپبلکن پارٹی (کھوبرا گڑے گروپ) بھارتیہ ریپبلکن پارٹی (پرکاش امبیڈکر گروپ) وغیرہ مختلف شاخوں میں تقسیم ہونے سے امبیڈکر تحریک کو نقصان پہونچا۔ اس سے 'امبیڈکری جنتا' بہت ناراض ہے۔ اتحاد کی ہر کوشش ان گروہوں کے سرداروں کی ضد اور ان کی لیڈری کے زعم نے، ناکام کیا۔

آنجہانی ڈاکٹر کے پوتے پرکاش امبیڈکر (یشونت راوَ کے لڑکے) پارلیمنٹ کیلئے ایک مرتبہ منتخب ہوئے تھے۔ آج کل بھارتیہ ریپبلکن پارٹی کے سربراہ ہیں۔ آنجہانی ڈاکٹر امبیڈکر کے پوتے ہونے کی وجہ سے عوام ضرور عزت کرتے ہیں لیکن پوری 'امبیڈکری جنتا' کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ ان کی پالیسیاں متنازعہ رہتی ہیں۔

40 - خراج عقیدت

آنجہانی ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر کے انتقال کے ساتھ ہی قومی اور بین الاقوامی سطح پر انہیں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

صدر جمہوریہ آنجہانی ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کہا ''بھارت کی عوامی زندگی کا ایک عظیم شخص ہم میں سے چلا گیا وہ ملک کے آئین کے معمار تھے''

مشہور مراٹھی ادیب وصحافی آچاریہ آترے (جنہیں انتقال سے ایک دن قبل ایک لیٹر لکھ کر رتو کو ٹائپ کرنے دیا تھا) نے تعزیتی جلسہ میں کہا کہ انہوں نے زندگی بھر بغاوت کی۔ ایک بہادر انسان تھے۔ بودھ دھرم کو اختیار کر کے ہندو مذہب سے انتقام لینے کی انہیں خواہش نہیں تھی۔ ان کی خواہش کے مطابق اگر 'ہندو کوڈ بل' پاس کرلیا جاتا تو شائد وہ مذہب نہیں بدلتے ہندو مذہب کی اصلاح کیلئے انہوں نے قدم اٹھایا انتقام کے لئے نہیں 'پونہ معاہدہ' پر دستخط کر کے لاکھوں دلتوں کے مفادات کی قربانی دے کر گاندھی جی جان بچائی۔ وہ کبیر، بودھ اور مہاتما بودھ

کے شاگرد تھے۔ زندگی بھر وہ کہتے رہے اچھوت پن کو جلا ڈالو۔ ذاتی بھید بھاؤ کو جلا ڈالو۔ منوسمرتی کو جلا ڈالو۔ یہ سب کچھ کہنے والا بھارت کے آئین کا معمار بنا۔ انہیں ہم نے زندگی بھر ستایا۔ پھر وہ جاتے کہاں؟ اسی لئے وہ بودھ کے پناہ میں چلے گئے۔ اور بودھ نے ہمیشہ کیلئے انہیں آسرا دیا تقریر اتنی موثر تھی کہ تمام سامعین نے آنسو بہائے۔

6 دسمبر 1956ء کو لوک سبھا میں خراج عقیدت کی قرارداد پیش کرتے ہوئے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے کہا "صرف دو دن قبل ڈاکٹر امبیڈکر راجیہ سبھا میں آئے تھے۔ آج یہ خبر سن کر سب کو دھکا لگا۔ کوئی توقع نہیں کر سکتا تھا کہ یہ سانحہ پیش آئے گا۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ آئین کے معمار تھے۔ یقیناً انہوں نے آئین سازی کے سلسلے میں غیر معمولی محنت کی۔۔۔۔۔

میں یہ تصور کر سکتا ہوں کہ وہ ہندو مذہب کے ظالمانہ نظام کے خلاف ایک باغی کی حیثیت سے یاد کئے جائیں گے۔ انہوں نے سخت الفاظ استعمال کئے جس سے لوگوں کو تکلیف بھی ہوئی انہوں نے کچھ ایسی چیزیں کہیں جو پوری طرح جائز تھیں لیکن ہمیں اب سب کچھ فراموش کر دینا چاہئے۔ اصل چیز یہ ہے کہ انہوں نے جن نظام کے خلاف بغاوت کی اس قسم کی بغاوت ہمیں بھی کرنا چاہئے تھی۔ اور ایک حد تک ہم نے مختلف انداز سے کیا بھی ہے۔ ہم نے ضرور کچھ ایسے قوانین بنائے ہیں جس سے بہت سارے سابق طریقوں اور رسم و رواج کی نفی کر دی گئی ہے۔ اور جن سے اکثریت کو عام حقوق مل بھی گئے ہیں۔

یہ ایک بہت متنازعہ شخصیت تھی اپنی بات پوری طاقت اور سختی سے رکھتے تھے۔ لیکن اس کے پس پردہ ایک بغاوت کا جذبہ بھی ان عوامل کے خلاف رکھتے تھے۔ جو ہمارے سماج میں پائی جاتی ہیں............

....

ہم نے حتیٰ المکان ہندو سوسائٹی کو لگا ہوا کلنک دھویا ہے یہ صحیح ہے قانون کے ذریعہ اس کو مکمل طور پر دھویا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ سماج میں نامناسب روایات کی جڑیں گہری ہیں..............

جو کچھ بھی ہو ڈاکٹر امبیڈکر اس بغاوت کی ایک نشانی تھے۔ ان کی اس قسم کی سخت مخالفت نے ہمیں جگا یا ہے اور نہ ہم ان چیزوں کو بھول سکتے.............. اس قسم کا ایک مظلوموں اور پسماندہ طبقات کا ممتاز حامی گزر گیا۔ مجھے ان سے ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن

جب آئین ساز اسمبلی میں انہیں میں نے صحیح طور پر سمجھا تو انہیں وزارت میں شامل ہونے کی دعوت دی ۔حالانکہ میرے بہت سارے ساتھیوں کو تعجب ہوا کہ جس نے ہمیشہ سے مخالف پارٹی کا رویہ اختیار کیا اس شخص کو وزارت میں شامل ہونے کی دعوت کیوں دی گئی.................(تلخیص)
اس طرح تعزیت کی قرارداد منظور ہوئی ۔

سوشلسٹ پارٹی کے عظیم رہنما آنجہانی اشوک مہتا نے اپنی تقریر میں کہا کہ انہیں ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی کے کئی پہلوؤں کو جاننے کا موقع ملا ہے ۔ایک استاد، ایک پروفیسر، ایک ماہر معاشیات، ایک لیبر رہنما، عظیم سیاسی بصیرت رکھنے والے لیڈر انہوں نے بھارت کو ایک نیا نظریہ او رنظر دی ہے ۔ہماری قوم پر ان کا بہت بڑا احسان ہے ۔

ہندو مہا سبھا کے لیڈر ر دیشپانڈ ے نے کہا ’’آئین سازی میں ان کے رول نے ہمیں انکی قابلیت سے متعارف کرایا۔ڈاکٹر امبیڈکر ہندو سماج کے ایک عظیم لیڈر تھے ۔حالانکہ انہوں نے ہندو سماج پر زبردست حملے کئے اور یہ حملے بھی بہت جارحانہ تھے ۔اس کی بھی وجہ ہے جس ذات میں پیدا ہوئے اس کے ساتھ اونچی ذات والوں نے بہت ظلم کیا ہے ۔اور ان پاپوں پر ہم جب نظر ڈالتے ہیں تو ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے اس سخت حملہ کا سبب کیا ہے واقعی یہ ہمارے پاپوں کا پھل ہے ۔اسی طرح بہت سارے اراکین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔دومنٹ کی خاموشی کے بعد اجلاس ملتوی ہوا ۔اسی طرح راجیہ سبھا میں بھی پنڈت جواہر لعل نہرو نے تقریر کی اور اجلاس ملتوی ہوا ۔

7 دسمبر 1956ء کے ٹائمز آف انڈیا نے لکھا ’’مسٹر نہرو نے ڈاکٹر امبیڈکر کے بارے میں صحیح لکھا ہے کہ وہ ہندو سائٹی کے ظالمانہ نظام کے خلاف بغاوت کی ایک نشانی تھے ۔اور وزیر اعظم کا یہ اعلان کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے ان چیزوں کے خلاف بغاوت کی جس کے خلاف ہم سب کو بھی بغاوت کرنی چاہئے تھی ۔انسان کے کردار پر اس کے اطراف کا ماحول اثر انداز ہوتا ہے ۔ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی کے جو متنازعہ پہلو ہیں وہ درحقیقت اس دور کی عکاسی کرتے ہیں ۔پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا میں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو متنازعہ ہوتے ہوئے بھی جرأت اور

ہمت سے لکھتے ہیں اور حالات سے لڑ سکتے ہیں ۔ وہ اپنے لوگوں کیلئے بہادری سے لڑے ۔ اگر چہ ان کی لڑائی کی شدت، ان کی صاف گوئی اور ان کے زبانی حملوں کی وجہ سے انہیں بہت مخالفت مول لینی پڑی ۔۔۔۔ وزیر اعظم نے تسلیم کیا کہ انہوں نے آئین سازی کے معماروں میں جگہ پائی ہے اس لئے جس طرح یہ اپنی قوم میں ان کی طرف سے کی گئی لڑائی کیلئے یاد کئے جائیں گے ۔ اسی طرح ملک بھی ان کو آئین کی تشکیل میں ان کے اہم رول کیلئے یاد رکھے گا ۔

7 دسمبر کے برطانیہ کے مشہور اخبار مانچسٹر گارجین نے رائے ظاہر کی ''ہندوستان کے اچھوتوں کے رہنما جن کا کل انتقال ہوا ان چند غیر مسلم ہندوستانیوں میں سے تھے جن پر مہاتما گاندھی کا جادو کام کر نہ سکا انہیں یقین تھا کہ گاندھی کے اثرات سے ذات پات کا نظام ہمیشہ قائم رہے گا، اور یہ کہ اچھوتوں کا مستقبل ہندوؤں کے ہاتھوں محفوظ رہے گا عارضی طور پر بھلے کتنے ہی روشن خیال اور فیض رساں رہیں ان ہاتھوں میں اچھوتوں کا مستقبل محفوظ نہیں رہے گا ۔ اسی لئے یہ علیحدہ انتخابی حلقوں پر زور دیتے تھے ۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے زندگی کے آخری لمحوں تک اونچی ذات والوں پر اعتبار نہیں کیا ۔ ان کی زندگی کے آخری سال میں ان کے ہزاروں چاہنے والوں نے بودھ مذہب اختیار کیا ۔ مذہب کی تبدیلی مذہبی نقطہ نظر سے زیادہ سیاسی تھی ۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے تو ایک مرتبہ سکھ بن جانے کا فیصلہ کر لیا تھا ۔ انہوں نے گول میز کانفرنس میں ملک کی آئین سازی کے سلسلے میں نمائندگی کی تھی ۔ کانفرنس میں گاندھی جی سے اس وقت ٹکراؤ ہوا جب انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ اچھوتوں اور پسماندہ طبقات کو علیحدہ انتخابی حلقے دیئے جائیں ۔ اور جب تک ایسا نہیں ہوگا تب تک وہ اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکیں گے ۔ مگر گاندھی کی نظر میں یہ مطالبہ ہندوستان کے اتحاد کیلئے نقصان دہ تھا ۔ کانگریس کا یہ موقف تھا کہ یہ جس طرح مسلمانوں کو علیحدہ انتخابی حلقے دیئے جانے سے ہندو مسلم اختلافات بڑھ گئے ۔ اسی طرح اچھوتوں کو علیحدہ حلقے دینے سے ہندو سوسائٹی بھی تقسیم ہو جائے گی ۔

ماڈرن انڈیا کا یہ عجیب تضاد ہے کہ ایک نچلی ذات کے ہندو نے ملک کے بنیادی قانون (آئین) بنانے میں ایک اہم رول ادا کیا ۔ آخری دور میں بودھ مذہب اختیار کر کے

انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ آخر تک ہندو سوسائٹی سے کبھی بھی مصالحت نہ کرنے والے ایک نقاد رہے ڈاکٹر امبیڈکر ایک جاذب نظر شخصیت کے مالک تھے۔ظاہراً وہ چین کے سیاست داں ٹی وی سونگ(T.V Soong) سے مماثلت رکھتے تھے۔(تلخیص)

''8 دسمبر 1956ء کے نیو یارک ٹائمز کے بین الاقوامی ایڈیشن نے آنجہانی ڈاکٹر امبیڈکر پر اداریہ لکھا''ڈاکٹر امبیڈکر جن کا بروز جمعرات انتقال ہوا پوری دنیا میں اچھوتوں کیلئے لڑنے والے کی حیثیت سے معروف تھے۔اس میں دو رائے نہیں کہ یہ اچھوتوں کے ایک عظیم لیڈر تھے۔ان کے مسائل کے حل کیلئے گاندھی کے طریقوں سے کبھی متفق نہیں ہوئے۔گاندھی کے برخلاف اچھوتوں کے حقوق کیلئے یہ قانون کی مدد لینا چاہتے تھے۔ان کا آخری کارنامہ یہ رہا کہ ہندوستانی آئین کے ایک اہم معمار بننے۔'ہندو کوڈ' کا انہوں نے مسودلکھا اور اس قانون سے ہندوستانی سوسائٹی کے بنیادی ڈھانچہ کو بدل کر ہندو سوسائٹی زیادہ وسیع،فراخ دل،اور انسان دوست بنانا چاہتے تھے۔انہوں نے جن مقاصد کے حصول کیلئے کام شروع کیا تھا وہ اس کے پھل دیکھنے کیلئے زندہ نہیں رہ سکے۔کیونکہ اس کیلئے ابھی وقت درکار ہے۔لیکن ان کے اقدام کے بہت گہرے اثرات ہوئے اور ہندوستان کی علقمندی اسی میں ہے کہ انہیں اعزازات دیئے جائیں۔''

41 - علمی خدمات

ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر نے دنیا کے کچھ منتخب بین الاقوامی شہرت کے حامل قدیم تعلیمی اداروں میں معاشیات کے میدان میں تحقیقاتی کام کیا۔ مقالے لکھے جس کیلئے اعلیٰ ترین ڈگریوں سے نوازے گئے۔ مگر ملک میں سوائے عثمانیہ یونیورسٹی کے کسی اور یونیورسٹی نے انہیں ڈگری سے نہیں نوازا۔ جس ملک میں گویے، رقاص، فلمی اداکار، سیاسی شخصیتوں کو اعزازی ڈگریوں سے نوازا جاتا ہے انہیں ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر میں کوئی خاص صلاحیت نظر نہیں آئی ہندوستان کی بہت ساری یونیورسٹیوں میں سے کسی کو بھی یہ احساس نہیں ہوا کوئی ایک یونیورسٹی انہیں ان کی زندگی میں L.L.D کی یا D.Litl کی اعزازی ڈگری عطا کرتی۔ 12 جنوری 1953ء کو حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی نے جو L.L.D کی اعزازی ڈگری انہیں دی اس کا تذکرہ پچھلے صفحات پر آچکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قومی زندگی کے مختلف شعبہ جات میں جو کارنامے انجام دیئے اس کا تذکرہ تو ہو چکا ایک خاص بات جس کا تذکرہ ضروری ہے وہ یہ کہ ایک طالب علم کی حیثیت سے انہوں نے معاشیات میں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور اس دور کے تحقیقی مقالے بھی اسی شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چند عرصہ کے لیے قانون کی درس وتدریس کا کام کیا،

معاشیات میں ان کی ڈگریوں اور تحقیقاتی کام کی مناسبت سے ممبئی ریاست یا مرکزی حکومت کے محکمہ مالیات میں کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔

ریاستی حکومت یا مرکزی حکومت میں فینانس منسٹری ان کے لئے سب سے موزوں عہدہ تھا جو انہیں نہیں دیا گیا ماہر معاشیات ہونے کے باوجود زندگی میں اکثر 'پرابلم آف روپی' (Problem of Rupee) کے شکار رہے۔ ایک اعلیٰ درجہ کے ماہر قانون کی حیثیت سے عدالتوں، قانون ساز اسمبلیوں میں اپنا لوہا منوایا۔ آئین سازی پر جب بحث کرتے تو دنیا کے مختلف ممالک کی آئین سازی کی تاریخ، آئین سازی کی پیچیدہ نکات پر ان کی معلومات کو سن کر دوسرے اراکین حیرت زدہ ہوتے۔ ہندو مذہب اور ہندو فلسفہ پر جب لکھتے تو بڑے بڑے پنڈت بھی ان کی تردید نہ کر پاتے۔ اور یہ سب سنسکرت زبان ان کے پرعبور کا نتیجہ تھا۔ 'ہندو کوڈ' کی تدوین ان کا لافانی کارنامہ تھا۔ تھاٹس آن پاکستان (Thoughts of Pakistan) جو بعد میں (Pakistan or Partition of India) (پاکستان یا تقسیم ہند) کے نام سے شائع کتاب ان کی تاریخی معلومات کی غمازی کرتی ہے۔ ہندو مذہب کی چیر پھاڑ کے لیے قبل مسیح سے لے کر آج تک کی تاریخ کا گہرا مطالعہ ضروری تھا اور انہوں نے کیا۔ انگریزی زبان پر زبردست عبور تھا۔ گول میز کانفرنس میں وزیراعظم برطانیہ اور دوسرے اراکین برطانوی پارلیمنٹ کے زانو بہ زانو صرف 40 سال کی عمر میں بیٹھ کر اپنی قابلیت کا سکہ جمایا۔ سیاسی پارٹیاں تشکیل دیں انتخابات میں حصہ لیا۔ مختلف موقعوں پر احتجاجی پروگرام کی قیادت کی۔ برطانوی حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً لندن سے آنے والے مندوبین کے سامنے دلتوں کی موثر نمائندگی کے تحریری میمورنڈم دیئے۔ شخصی ملاقاتیں کی۔ ان ساری مصروفیات کے باوجود وکالت کے پیشے سے غافل نہیں رہے۔ یہ سب اس وقت بھی کرتے رہے جب ان کی صحت کافی متاثر ہوگئی تھی۔ ذیابیطس کے قدیم مریض تھے۔ اس دور میں زیادہ موثر علاج بھی نہ تھا۔ بیوی بہت پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔ جن حالات مجبوری میں ڈاکٹر سویتا کبیر سے شادی کی اس کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔

ان ساری مشکلات، مصروفیات، ذمہ داریوں کے باجود تحریری کام اور مطالعہ جاری

رہا۔ان کی زندگی میں ان کی بہت ساری تصانیف،مقالے شائع ہو چکے تھے۔بہت سارے مقالے غیر مطبوعہ رہے۔ان کے تحریری کام کے ذخیرہ میں کئی مقالوں کے صرف خاکے ملے۔کئی ادھورے رہے۔عوامی دباؤ کے تحت حکومت مہاراشٹر وزرات تعلیم نے ان کی تمام انگریزی اور مراٹھی تحریروں کو شائع کرنے کا انتظام کیا۔اور اب تک 21 جلدوں میں کئی ہزار صفحات پر مشتمل یہ تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔غیر مطبوعہ تحریریں کس طرح ہاتھ لگیں اوان کی اشاعت کس طرح ممکن ہوئی اس کی بھی اپنی جگہ ایک تاریخ ہے۔نیلے رنگ کی مجلد 21 جلدیں جو حکومت Subsidsied قیمت پر فروخت کرتی ہے)کسی بھی علم دوست شخصیت کی لائبیریری کی زینت بن سکتی ہیں۔اس سیٹ کو Dr. Baba Saheb Ambedkar:-Writings & Speeches کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے یہ سیٹ جو حکومت مہاراشٹر کی ملکیت کی کتابوں کے اسٹور جو بڑے بڑے شہروں میں موجود ہیں مل سکتا ہے۔17 جلدیں ڈاکٹر امبیڈکر کے مقالوں کی (مطبوعہ،غیر مطبوعہ) تصانیف،ممبئی لجسٹلیٹو کونسل،راجیہ سبھا کی بحثوں،آئین ساز اسمبلی کی کاروائیوں وغیرہ پر مشتمل ہیں۔باقی دوسری جلدیں ان کی کئی مراٹھی تقاریر،ان کے اخبار 'موک نائیک'، 'بہشکرت بھارت' کے مراٹھی مضامین کے لئے مختص کر دی گئی ہیں شائد ہی ملک کے کسی مصنف، دانشور کو یہ اعزاز ملا ہو کہ اس نے جو کچھ کہا اور جو کچھ لکھا اسے حکومت کی جانب سے مکمل طور پر شائع کیا گیا ہے۔حکومت مہاراشٹر کا یہ انتہائی قابل قدر کام ہے کہ پورا کارنامہ مطبوعہ شکل میں محفوظ کر دیا گیا گھر گھر پہونچنے کا انتظام بھی ہوا۔مصروف ترین زندگی کے نامساعد حالات میں ایک شخص کس طرح اعلیٰ درجہ کا علمی کام کر سکتا ہے اس کا یہ ایک عمدہ نمونہ ہے انہوں نے زندگی میں خود اپنی آپ بیتی،مہاتما جیوتی باپھلے کی سوانح حیات اور ہندوستانی فوج کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر اس کی فرصت انہیں نہیں ملی۔

1956ء میں انتقال کے بعد دہلی ہائی کورٹ کے کسٹوڈین نے تمام مسودے، کاغذات،نوٹس اپنے قبضہ میں لے لئے اور بعد میں ممبئی ہائی کورٹ کے اڈمنسٹریٹر کے حوالہ کیا۔اس وقت اندیشہ ہوا تھا کہ تمام مواد ضائع ہوا ہے یا ضائع کیا گیا ہے۔ناگپور کے ایک وکیل

جے۔ پی۔ بنسوڈے (J.P. Bansode) نے ناگپور ہائی کورٹ میں ایک عریضہ (Peittion) داخل کر کے ہائی کورٹ سے اجازت مانگی کہ یا تو انہیں پورا مواد شائع کرنے کی اجازت دی جائے یا حکومت مہاراشٹر کو احکامات صادر کئے جائیں کہ وہ خود شائع کرے کیونکہ یہ تمام مواد قومی اہمیت کا حامل ہے، ناگپور ہائی کورٹ نے یہ مقدمہ ممبئی ہائی کورٹ کو منتقل کر دیا۔ کئی سالوں تک یہ معاملہ ممبئی ہائی کورٹ میں زیر سماعت رہا۔ اس دوران حکومت نے تمام مواد شائع کرنے کیلئے وزیر تعلیم کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی میں ڈاکٹر امبیڈکر کی تحریک سے متاثر، ان کے پیرو جو اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے ان کو لیا گیا۔ اس طرح پورا کام حکومت مہاراشٹر کے زیر کنٹرول ہوگیا۔ اسی کمیٹی نے جنوری 1978ء میں ایک باصلاحیت فرد وسنت مون (Vasant Moon) کو آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی (Officer on special Duty) کی حیثیت سے مقرر کیا۔ اس میں کئی لوگ ملوث تھے۔ جن میں ڈاکٹر سویتا امبیڈکر (ڈاکٹر امبیڈکر کی بیوہ) پوتا پرکاش امبیڈکر (لڑکے یشونت کا لڑکا۔ سابق ایم پی، بھارتیہ بھوجن ریپبلکن پارٹی کے صدر) حکومت کا اڈمنسٹریٹر جنرل اور جے پی ہنسوڈ وکیل قابل ذکر ہیں۔ ان تمام نے وسنت مون سے شخصی طور پر ملاقات کی تمام کی یہ خواہش تھی کہ پورا مواد شائع ہو اسلئے یہ تمام حضرات متفق ہوئے کہ 5 آہنی صندوق جس میں مسودے، کاغذات وغیرہ موجود تھے حکومت کی تحویل میں دیئے جائیں۔ مسٹر ایم بی چٹنس (M.B. Chitnis) جنہوں نے ایک طویل عرصہ تک ان کے ساتھ اورنگ آباد کے ملند کالج (Milınd College) میں کام کیا تھا اور ڈاکٹر صاحب کی تحریروں، ان کے مسودوں ان کے خط Hand Writing سے اچھی طرح مانوس تھے، وسنت مون کی مدد کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے مسودوں اور مختلف تحریروں کی شناخت کی اور پھر وسنت مون کی نگرانی میں کام شروع ہوا۔ کام باضابطہ 1981ء میں شروع کیا گیا۔ تمام تحریروں کو جو کچھ خاکوں، مکمل مسودوں، غیر شائع شدہ مگر مکمل مقالے انہیں غور سے پڑھ کر ترتیب دینا ایک بہت ہی دشوار کام تھا۔ وسنت مون نے انتہائی لگن محنت سے کام کیا۔ 30 سال سے بند آہنی صندوقوں میں رکھے گئے کاغذات سے مواد نکالنا مشکل اور نازک کام تھا۔ قدیم کرم خوردہ کاغذات کی دشوار ترتیب

اسی دشوار کام کا نتیجہ 21 سے زائد خوبصورت کتابوں کے سیٹ کی شکل میں منظر عام پر آیا۔ ہندوستانی سماجیات، مذہبیات اور تاریخ کا ہر وہ طالب علم جو اس ملک کے سماجی نظام، اس کی تاریخ، دلت تحریک اس کے اثرات ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کے اہم رول کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس علمی ذخیرہ سے استفادہ اس کیلئے ناگزیر ہے۔

ڈاکٹر وسنت مون نے ان قدیم کاغذات کے استعمال سے پہلے جراثیم کش داؤں کا استعمال کیا اسکے باوجود ناقابل برداشت بدبو ان صندوقوں میں پیدا ہوئی تھی، یہ ہاتھ کی جلد کی بیماری کے بھی شکار ہوئے۔ ان کی آنکھیں متاثر ہوئیں۔ جس کے لئے انہیں علاج کرانا پڑا۔ دو سال کی کوششوں کے بعد حکومت کے مقرر کردہ بورڈ کو 17 ستمبر 1983ء کو انہوں نے اپنی پہلی رپورٹ دی۔ ان تحریروں کے علاوہ اس بورڈ کو ایس ایس ریگے (S.S.Rege) سابق لائبریرین سدھارتھ کالج سے بھی بہت سارے مقالے اور مضامین کے مسودے مجموعی طور پر ان حروف کو لکھتے وقت تک 21 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں ان کے مطبوعہ کتب، مقالوں، مضامین کے علاوہ غیر مطبوعہ مقالے مضامین کتابوں کے مسودے، آئین ساز اسمبلی ممبئی اسمبلی، راجیہ سبھا کی بحثیں، کولمبیا یونیورسٹی لندن یونیورسٹی کے مقالوں تدوین کردہ ہندو کوڈ بل، اور پھر ان کی ان گنت مراٹھی تقریریں جو انہوں نے مختلف موقعوں پر کیں شامل ہیں۔ اور یہ مزید سلسلہ جاری ہے۔

راقم الحروف کے پاس ان شائع شدہ جلدوں کا سیٹ (سوائے چند جلدوں کے) موجود ہے۔ ان جلدوں پر کہیں ورق گردانی کہیں تفصیل سے مطالعہ کے بعد جو تاثرات اور معلومات حاصل ہوئیں اس کا انتہائی مختصر تعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے جو حضرات تفصیلات میں جانا چاہتے ہیں وہ ان کو مہاراشٹر کے بڑے شہروں میں حکومت کی ان دکانوں میں مہیا ہیں جہاں حکومت کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب مہیا ہوتی ہیں خرید سکتے ہیں، یہ بات افسوسناک ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر اپنی زندگی میں اپنی ساری تحریروں کو موجودہ شکل میں دیکھ نہ سکے۔

حکومت مہاراشٹر نے جو 21 جلدیں شائع کی ہیں اس کا ذیل کے صفحات میں کہیں مختصر کہیں تفصیل سے تعارف ہوا ہے۔ جو جلدیں مصنف کے مطالعہ میں نہ آسکیں یا مہیا نہ ہوسکیں انہیں

نظر انداز کیا گیا ہے۔اس سیٹ میں ہر جلد کو - Dr. Baba Sahed Ambedkar
Writing & Speehes کا عنوان دیا گیا ہے۔اور پھر انہیں Vol . I (جلد 1)، Vol. 2
(جلد دوم) اور Vol. III (جلد سوم) وغیرہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ہر جلد کو مضامین کی مناسبت سے
ٹائیٹل بھی دیا گیا ہے۔

42 - شائع شدہ کتب کا مختصر تعارف

(جلد نمبر ۱) Vol. 1

520 صفحات پر مشتمل پہلی جلد میں 12 مقالے اور مضامین ہیں۔

(1) Castes In India (ہندوستان میں ذاتیں) : اس مقالہ میں ہندوستان میں ذاتوں کے نظام کی ابتداء اس کے میکانزم اور ترقی کا جائزہ علم انسانیات Anthropology کے نقطۂ نظر سے لیا گیا ہے۔ نیویارک میں طالب علمی کے دور میں 9 مئی 1916ء کو یونیورسٹی میں علم انسانیات کے ایک سمینار میں یہ مقالہ پڑھا گیا تھا۔

(2) Annihi Lation of Caste (ذات کا خاتمہ) : یہ دوسرے مقالہ کا عنوان ہے۔ مئی 1936ء میں لاہور کی ایک تنظیم نے ذات پات توڑ و منڈل کی صدارت کیلئے ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کو دعوت دی گئی تھی۔ انہوں نے ایک طویل خطبہ صدارت ممبئی میں چھپوایا تھا تا کہ جلسہ سے پہلے سامعین اور اراکین میں تقسیم کیا جائے۔ لیکن خطبہ کا ایک حصہ پریس سے سیدھے پنجاب پہونچ گیا۔ لاہور کی ہندو مہا سبھا کے کٹر ہندوؤں کو یہ خطبہ پسند نہیں آیا۔ منڈل کے بہت سارے عہدہ داروں نے (خاص طور پر مہا سبھائیوں نے) منڈل سے کہا کہ خطبہ میں وہ حصہ جس میں

ہندو مذہب پر حملہ کیا ہے قابل اعتراض ہے اس کو خطبہ صدارت سے نکال دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کو ممبئی میں اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے خطبہ صدارت میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے سے انکار کر دیا آخر کار یہ جلسہ ملتوی ہوا۔ مگر وہ خطبہ چھپا۔ اس خطبہ پر تبصرہ اس کتاب کے پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

(3) Maharashthara As a Linguistic state

(4) Need of Checks & Balances

(5) Thoughts on lingsuistic states : ان تینوں مقالوں میں ملک کی لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تقسیم کے تعلق سے تفصیلی بحث کی گئی ہے جیسا کہ ان مقالوں کے عنوانات سے ظاہر ہے۔

(6) Ranade, Gandhi, Jinnah (رانا ڈے، گاندھی، جناح): جسٹس رانا ڈے (Justice Ranade)، مہاراشٹر کے ایک مشہور قانون داں تھے وہ ممبئی ہائی کورٹ کے جج تھے۔ 18 جنوری 1940 کو ان کی 100 یوم پیدائش منائی گئی تھی۔ اس موقع پر پونہ کی تنظیم "دکن سبھا" نے اس ضمن میں ایک تقریب منعقد کر کے ڈاکٹر امبیڈکر کو جسٹس رانا ڈے کی شخصیت پر اپنے تاثرات کا اظہار کرنے کیلئے کہا گیا۔ اس لیکچر کی خاص بات یہ رہی کہ رانا ڈے کی تعریف کرنے کے ضمن میں اس دور کے دو مشہور قائد، قائد اعظم جناح اور گاندھی جی کی پالیسیوں کا تجزیہ اور موازنہ کیا کہا "ان دنوں بڑے آدمیوں کے درمیان حد سے تجاوز مقابلہ ہوتا ہے۔ مسٹر گاندھی اگر مہاتما ہیں تو مسٹر جناح کو قائد اعظم ہونا چاہئے۔ گاندھی کو کانگریس ضروری ہے تو مسٹر جناح کو مسلم لیگ ضروری ہونی ہے۔ اگر کانگریس کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ضرورت ہے تو مسلم لیگ کو آل انڈیا ورکنگ کمیٹی اور کونسل ضروری ہے۔ کانگریس کے سیشن کے بعد لیگ کا سیشن ضروری ہو جاتا ہے۔ کانگریس نے کوئی بیان جاری کیا تو لیگ کا بیان آہی جاتا ہے۔ کانگریس کی کوئی قرارداد 700 الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے تو لیگ کی قرارداد میں ایک ہزار الفاظ زیادہ ہوتی ہے۔ کانگریس اگر اقوام متحدہ (United Nations) سے اپیل کرتی ہے تو لیگ کہاں پیچھے رہنے

والی؟ان باتوں کا کب اختتام ہوگا۔ایسی صورت میں معاملات طے کیسے ہو نگے۔سیاست میں اس سے زیادہ کیادیوانہ پن ہوسکتا ہے۔''اس طرح انہوں نے دونوں قائدین کو اپنے تنقید کا نشانہ بنایا۔

Evidence Before Southborough Committee (7)

(ساؤتھ برو کمیٹی کے سامنے شہادت): حکومت برطانیہ نے بھارت میں انتخابی اصلاحات کے بارے میں عوام کی رائے سے واقف ہونے کی غرض سے 1919ء میں'ساؤتھ برو'نامی کمیٹی مقرر کی۔جس نے ملک کے کئی حصوں کا دورہ کیا۔یہ کمیٹی SouthboroghLord کی صدارت میں مقرر کی تھی اس کمیٹی کے دوسرے ممبران میں بابو سریندرناتھ ،شری نواس شاستری ،صاحب زادہ آفتاب احمد خان،اور کچھ برطانوی نمایاں شخصیتیں تھیں اس کمیٹی کے سامنے 27 جنوری 1919ء کو ڈاکٹر امبیڈکر نے تحریری شہادت دی۔ممبئ میں جن لوگوں نے کمیٹی کے سامنے نمائندگی کی اس میں قائد اعظم جناح بھی تھے۔ڈاکٹر امبیڈکر نے کمیٹی کے سامنے ہندوستانی عوام کی مذہبی اورسماجی تقسیم کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک میں ہندو مسلمان کرسچن پارسی اور یہودی وغیرہ اقوام تو ہیں مگر انہوں نے زور دے کر کہا کہ صحیح تقسیم کرتے وقت ہندوؤں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ایک اونچی ذات کے اور دوسرے اچھوت۔1919ء کو ان کی سیاسی اور سماجی زندگی کی ابتداء تھی۔وہ نوجوان تھے مگر اچھوتوں کے تعلق سے جب بھی موقع ملتا اپنا نقطہ نظر رکھنے سے نہیں چوکتے۔

Fedreation Vs Freedom(8)(وفاق بنام آزادی): 20 جنوری 1939ء کو پونہ کے مشہور گو کھلے انسٹی ٹیوٹ میں انہوں نے جو لیکچر دیا وہ اس پہلی جلد میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت شامل ہے ملک میں اس وقت حکومت ہند کا 1935 ایکٹ نافذ تھا۔اس وقت کے رائج دستور کا انہوں نے 70 صفحات پر مشتمل وفاقی طرز کے دستور کا جائزہ تھا۔اور خیال ظاہر کیا کہ وہ وفاقی طرز کے خلاف ہیں۔اس کے علاوہ اس جلد میں جو مقالے ہیں ان کے صرف عنوان دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

Communal Deadlock & Way to Solve it (9)

States & Minorities (10)

Small Holdings In India (11)

Mr. Russell and the Reconstruction of society (12)

(جلد2) Vol . 2

جلد دوم کا عنوان ہے Dr. Ambedkar In the Bombay Legislature with the simon commission & at the Round Table Conference.

826 صفحات پر مشتمل اس جلد کی ڈی لکس ایڈیشن کی قیمت صرف 80روپئے رکھی گئی ہے۔ جیسا کے عنوان سے ظاہر ہے اس میں ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر کی ممبئی لیجسلیٹو کونسل میں کی گئی ہوئی تقریریں، سائمن کمیشن کے سامنے کی گئی نمائندگی کے احوال شامل ہیں۔ اس کتاب کا اہم حصہ ان کے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں کی گئی کارکردگی شامل ہے جس کے متعلق پچھلے صفحات میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

(جلد3) Vol. 3

جلد III، 490 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کا عنوان ہے۔ Unpublished Writings (غیر مطبوعہ تحریریں)۔ اس کتاب کو 5 حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1) Philosophy of Hinduism. ہندوازم کا فلسفہ

2) India and Pre-Requisites of Communism. ہندوستان اور کمیونزم کے لئے شرط اولین

3) Revolution and Counter Revolution in Ancient India ہندوستان میں انقلاب اور جوابی انقلاب

4) Budha or Karl Marx بودھا اور کارل مارکس

5) Scheme of books.

پہلے حصہ میں صرف ایک باب ہے جس کا عنوان ہے ہندو مذہب کا فلسفہ اپنی زندگی میں یہ ایک طویل مقالہ کی شکل میں لکھ کر 169 ٹائپ صفحات کو مواد بنا کر تیار رکھا تھا۔ مگر اپنی زندگی میں شائع نہ کر سکے۔ اس باب میں پوری منوسمرتی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس پورے سیٹ کے ایڈیٹر وسنت مون کا خیال ہے کہ شاید ڈاکٹر صاحب کوئی ضخیم کتاب لکھنا چاہتے تھے اور یہ اس کا پہلا حصہ ہے۔ برہمنزم (یا ہندوازم) پر انتہائی گہرائی سے نظر ڈال کر ایک ایک پہلو کو قاری کے سامنے رکھتے ہیں۔ خود برہمنوں میں کتنی ذاتیں ہیں ان کے آپسی روابط کس نوعیت کے ہیں اس پر کافی روشنی ڈالی ہے کتاب کے صفحہ 66 پر رقم طراز ہیں۔

" The brief analysis of the philosophy of Hinduism from the point of justice reveals in a glaring manner how Hinduism is inimical to equality antagonistic to liberty and opposed to fraternity."

(ترجمانی: ہندو فلسفہ کا انصاف کے نقطہ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ہندوازم مساوات کا دشمن، آزادی سے نفرت کرنے والا اور بھائی چارگی کا مخالف ہے۔)

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں آزادی شان وشوکت اور عظمت کا ایک ہی دور تھا اور وہ تھا موریہ عہد جب ملک سے 'چاتر ورن' یعنی سماج کی چار حصوں میں تقسیم مکمل طور پر ختم ہوگئی تھی، ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

"The Philosophy of Hinduism there fore neither Satisfies this test of Social utility nor does it Satisfy the test of individual Justice."

(ترجمانی: ہندوازم کا فلسفہ نہ تو سماجی افادیت کے معیار پر اترتا ہے اور نہ انفرادی انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔)

دوسرے حصے میں حسب ذیل عنوانوں پر بحث کی ہے۔

1) The Hindu Social Order - Its essential Principles

2) The Hindu Social Order - Its Unique Features.

3) Symbols of Hindusim.

کتاب کے تیسرے حصے میں 13 باب قائم کیے ہیں۔سب کا جائزہ لینا تو ممکن نہیں باب 11 میں ہندوستان میں بودھ ازم کے زوال کی وجوہات ڈھونڈتے ہیں۔اس لئے ان کے اقتباسات کو انہی کی زبانوں میں پیش کیا جاتا ہے۔66 صفحات کے اس طویل باب میں موریہ دور حکومت کا جائزہ لیتے ہوئے بودھ مذہب کے زوال کی وجوہات کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ چندرگپت موریہ نے 322 ق م میں موریہ خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔آئندہ اشوک کے دور میں یہ بہت مشہور ہوئی۔موریہ دور تقریباً 140 سال رہا۔اس دور میں برہمن زبوں حالی میں تھے۔ شودروں کی حکومت تھی۔ براہمنوں کو یہ پوزیشن قبول نہ تھی۔ پشیہ متراشرنگ نے (Pushyamitra Shrung) جو ایک برہمن سپہ سالار تھا بغاوت کی۔ بودھ راجہ کو تخت سے ہٹایا اور بودھوں پر سخت مظالم کئے۔ History of Buddism By Burnof کے حوالہ سے لکھا کہ پشیہ متراراجہ نے اعلان کیا کہ جو بھی ایک بودھ بھکشو کا کٹا سر لائے گا اسے 100 سونے کے سکے دیے جائیں گے۔ڈاکٹر ہر پرشاد نے Budhist Studies میں لکھا ہے کہ آج بھی چینی بودھی پشیہ مترا کا نام بددعا دے کر ہی اپنی زبان پر لاتے ہیں۔ بودھ ازم کے زوال کی ایک اور وجہ ہے اور وہ منوسمرتی کی تدوین ہے۔منوسمرتی 170 ق م سے لیکر 150 ق م تک کے دور میں مدون ہوئی ہے۔ یہ پہلی مرتبہ پشیا مترا کے دور میں عمل میں لائی گئی۔اور یہ دور 185 ق م کے آس پاس کا ہے۔منوسمرتی اس طرح مدون کی گئی کہ اس سے برہمنوں کی برتری ثابت اور قائم کی جائے۔

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر آگے اسی مضمون میں (صفحہ 273) پر تحریر کرتے ہیں۔

"For too much emphasis is laid on the muslim conquest of India Reels and Reels have been written to show how .Wave after Wave of muslim invasion came down like avalanche and enveloped the people and over

threw their rulers. The whole history of India is made to appear as though the only important in it is a catalouge of muslim invasions.But from this narrow point of view it is clear that Muslim invasions are not the only invasions worth study.There have been other invasions equally if not of greater importance .If Hindu India was invaded by the Muslim invaders So was Buddist India invaded by the Brahminic invaders.The Muslim invasion of Hindu India and Braminic invasion of Budist India have many similarities.Musalman invaders of Hindu India fought among themselves for their Dynastic ambitions The Arabs, Turks, Mongols and Afgans fought for supremacy among themselves. But they have one thing common namely to destroy idoltary .similary the Brahminic invaders of Budhist India fought among them selves for their Dynastic ambitions.The Sungas Kanvas and the and hras fought for supremacy among themselves .but they like the muslim invaders of Hindu India,had one object in common that was To destroy Budhism and the Budhist empire of Mouryas. Surely if muslim invasions of Hindu India are worthy of study at the hands of Historians,the invasions of Bhudist India by Brahminic invaders are equally deserving of study." (Page. 273)

ترجمانی : ''مسلمانوں کے ہندوستان فتح کرنے کے واقعہ کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے مسلسل حملوں پر ہزاروں صفحات لکھے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے حملے سیلاب کی طرح آکر یہاں کے عوام اور ان کے حاکموں کو غرق کر دیا۔ ہندوستان کی تاریخ اس طرح کے لکھی جاتی ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کے حملوں کی تفصیلات ہی صرف ہندوستان کی تاریخ ہے۔ مسلمانوں کے حملوں کے علاوہ اس ملک پر اور بھی حملے ہوئے ہیں مسلمانوں کے حملوں سے زیادہ اہمیت کے حامل نہ بھی مانا جائے تب بھی یہ کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں، جس طرح ہندو ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے ہوئے اس طرح بودھ ہندوستان پر برہمنوں کے حملے ہوئے۔ دونوں قسم کے حملوں میں بہت زیادہ مماثلت ہے۔ مسلمان حملہ آوروں نے آپس میں لڑ کر اپنے اپنے خاندانوں کے اقتدار کو قائم کرنے کی کوشش کی۔ عرب ترک منگول اور افغان اپنی برتری کیلئے

لڑے ۔لیکن ایک چیز ان میں مشترک تھی ۔اور وہ یہ کہ یہاں کی بت پرستی کو ختم کر دینا چاہئے ۔اسی طرح بودھ ہندوستان پر برہمن حملہ آور بھی اپنی برتری اور اقتدار کیلئے آپس میں لڑے ۔مسلمانوں کی طرح ان میں بھی ایک چیز مشترک تھی اور وہ یہ کہ بودھ مذہب کو اور بودھ حکمرانوں کو ختم کیا جائے ۔ اس لئے مورخوں کے لیے ہندو انڈیا پر مسلمان حملہ آوروں کی تاریخ جتنی اہمیت کی حامل ہے اسی طرح بودھ انڈیا پر برہمن حملوں کی بھی ہے ۔"

مذکور بالا حملوں کے اثرات کا بھی انہوں نے جائزہ لیا ہے ۔ان کا کہنا ہے کہ سارے مسلمان یہاں کے سماجی حالات سے بے تعلق رہے اور صرف ظاہری نشانیوں کو بدل ڈالا ۔انھوں نے صرف ہندوؤں اور مٹھوں کو تباہ کیا ۔انہوں نے ہندو مذہب کو جڑ سے اکھاڑ نہیں پھینکا اور نہ ان کی روحانی مذہبی زندگی کے اصولوں میں دخل دیا ۔ برخلاف اس کے برہمنوں کے حملوں کے اثرات دوررس رہے ایک صدی سے بودھ ازم نے عوام پر جو اثرات چھوڑے تھے ۔ان کی روحانی زندگی کے جو اصول تھے اور جنہیں عوام نے قبول کیا تھا ان کو مکمل طور پر بدل ڈالا ۔اس کی مثال انہوں نے ٹب میں بھرے ہوئے پانی اور اس میں ایک خوبصورت رکھے ہوئے بچے سے دی اور اس کا کیا حشر ہوا انہی کی زبان میں پڑھئے ۔

" To alter the metaphor the Muslim invaders Stirred the waters in the bath and that too only for a While . Thereafter they got tired of stirring and left the waters with sediments to settle. They never threw the baby - if one can speak of the principle of Hinduism as a baby. out of bath. Brahaminism in its conflict with Budhisim made a clean sweep, It emptied the bath with the Budhist Baby in ti and filled, the bath with its own baby. Brahaminism did not care to stop how filthy and dirty was its waters as compared with the clean and fragrant water which flowed from the noble source of Budhism. Brahaminism did not care to stop how hideous and ugly was its own baby as compared with the Budhist baby. Brahminism acquired by its invasions. Political power to annichilate Budhism and it did annhilate Buddhism. Islam did not supplant Hinduism. Islam never made a through job of its mission.

Brahminism did. It drove out Buddhism as a religion and occupied Its place. " (Page 274)

ترجمانی: ("دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان حملہ آوروں نے ٹب میں رکھے پانی کو کچھ دیر کیلئے جنبش دی پھر تھک کر پھر اس پانی کو ویسے ہی چھوڑ دیا اس میں واقع تلچھٹ کہ تہہ میں بیٹھنے کیلئے چھوڑ دیا۔ اس ٹب میں ہندوازم نام کے بچہ کو جوں کا توں رہنے دیا۔ برخلاف اسکے برہمنزم نے اپنا کام پوری طرح سے کیا۔ اس ٹب سے نہ صرف پانی باہر نکال دیا بلکہ اس میں موجود بچہ (بودھ ازم) کو بھی باہر نکال کر پھینک دیا اور اس ٹب میں اپنا بچہ رکھا اور اپنا پانی بھر دیا۔ برہمنزم نے اس بات کا خیال بھی نہیں کیا انہوں نے بھرا پانی کتنا گندہ ہے جب کہ بودھ ازم کے چشمہ سے نکلا پانی کتنا پاک وصاف اور خوشبودار تھا۔ برہمنزم نے اس بات کی فکر نہیں کی کہ انکار کھا ہوا بچہ بودھ ازم کے بچہ کے برخلاف کتنا گھناونا اور بدشکل ہے۔ برہمنزم نے اپنے حملوں سے نہ صرف سیاسی اقتدار حاصل کیا۔ بلکہ بودھ ازم کو معدوم کر دیا۔ اسلام نے اپنے مشن کو کبھی مکمل نہیں کیا جبکہ برہمنزم نے پورا کیا۔ اسلام نے ہندوازم کو جڑ سے نہیں اکھاڑ دیا۔ ہندوازم نے بودھ مذہب کو پوری طرح نکال دیا اور اس کی جگہ خود حاصل کی۔"

مزید کہتے ہیں مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان کی تاریخ بودھ ازم اور برہمن ازم کے تصادم سے بھری تاریخ ہے۔ ہندوستان کی تاریخ مندرجہ بالا حقیقت کو نظرانداز کر کے لکھی نہیں جا سکتی۔ یہ عام مفروضہ ہے کہ ہندوستان کی تہذیب ایک ہی ہے اور یہ کہ برہمنزم بودھ ازم اور جین ازم اس تہذیب کے مختلف ادوار ہیں اور ان میں آپسی کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں۔ دوسرا مفروضہ یہ کہ تاریخ میں جو تصادم اور ٹکراؤ ہوئے وہ خالص سیاسی اور خاندانی تھے۔ ان غلط مفروضات کی وجہ سے ہندوستان کی پوری تاریخ ایک مشین بن گئی جس میں ایک خاندان کے بعد دوسرا ایک حکمراں کے بعد دوسرا حاکم بنتا گیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان مفروضوں کو درست کیا جائے اور اس درستی اور ترمیم کیلئے دو حقائق کو جاننا ضروری ہے۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں مشترکہ ہندوستانی تہذیب نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو قدیم دور میں تین ہندوستان تھے برہمنی ہندوستان، بدھسٹ ہندوستان اور ہندو ہندوستان اور ہر ہندوستان کی اپنی ایک منفرد تہذیب تھی۔ دوسری حقیقت جس کو تسلیم کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کے حملوں سے قبل ہندوستان کی تاریخ بودھ ازم اور برہمنزم کے درمیان مہلک تصادم کی تاریخ ہے۔ جو ان دونوں حقائق کو نہیں سمجھ سکے گا وہ ہندوستان کی صحیح تاریخ نہیں لکھ پائے گا۔ ایسی تاریخ جو اسکے صحیح معنوں اور مقاصد کو ظاہر کرسکے۔ اسی لئے پشیامترا کا انقلاب (بغاوت کر کے موریہ سلطنت کا خاتمہ کیا اور کثیر بودھوں کو ہلاک کیا) ایک سیاسی انقلاب تھا جس کے پس پردہ برہمن تھے تا کہ بودھ ازم کو ختم کیا جائے۔

ایک اور اہم مقالہ برہمن بنام کشتری (Brahamins vs Kshtrya) بھی ہے جس میں دونوں طبقات کی تاریخی کشمکش کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ایک اور اہم حصہ 'بودھا یا کارل مارکس' اور دوسرے مقالوں پر مزید تبصرہ کے طوالت کے خوف سے یہ گفتگو یہیں ختم کی جاتی ہے۔

Vol. 4 جلد 4

ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کی چندان کتابوں میں Riddles in India (ہندوازم کی پہیلیاں) جلد 4 کی شکل میں ہے جس سے بہت ہی تنازعہ پیدا ہوا تھا۔ ان کی زندگی میں یہ کتاب شائع نہ ہوسکی تھی۔ 360 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف 35 روپے رکھی گئی ہے۔ 'ہندو مذہب کی پہیلیاں' یا 'ہندو مذہب میں الجھنیں' کے نام سے جب یہ کتاب شائع ہونے جارہی تھی تو ہندتو کے حامیوں نے 1987ء میں زبردست مہم چلائی تھی کہ یہ شائع نہ ہونے پائے۔ اس احتجاج کے جواب مہاراشٹر میں دلتوں نے عدیم المثال جوابی احتجاج کر کے حکومت مہاراشٹر کو آخر کار شائع کرنے پر مجبور کیا۔ کتاب کے پیش لفظ میں فاضل مصنف کہتے ہیں۔ کہ وہ ہندو عوام کو اس حقیقت سے واقف کرانا چاہتے ہیں کہ کس طرح برہمنوں نے ایک ایسے دلدل میں پھنسا دیا ہے کہ وہ ہندو اس سے کبھی باہر نہ آسکیں اور عقل پرستی کے راستہ پر کبھی نہ جاسکیں۔ فاضل مصنف مزید لکھتے ہیں کہ "برہمنوں نے ان خیالات کی اشاعت کی کہ ہندو تہذیب سناتنی اور نہ تبدیل

ہونے والی ہے مستقل طور پر قائم ودائم ہے ان خیالات کی تائید بہت سارے یوروپی اسکالرس نے بھی کی ۔میں اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرونگا کہ ہندوسوسائٹی وقتاً فوقتاً بدلتی رہی ۔اکثر یہ تبدیلی بنیادی رہتی ہے ۔ یہ تبدیلی اکثر تشدد سے امن پسندی میں اور کبھی امن پسندی سے تشدد میں بدل جاتی ہے ۔اسلئے میں عوام کو قائل کرونگا کہ تہذیب 'سناتنی' نہیں ہے ۔اس کتاب کو لکھنے کا دوسرا مقصد ہندوعوام کی توجہ ان طریقوں پر مبذول کرانا جن کو جاننے کے بعد عوام کو خود احساس ہوگا کہ برہمنوں نے انہیں کس طرح دھوکہ دیا ہے ۔اوران کی غلط رہنمائی کی ۔اور یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کس طرح بدل جاتے ہیں ۔ایک وقت تھا جب ویدک دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے اور ایک وقت ایسا آیا ہے کہ وہ غیر بھگوانوں کی پوجا کرنے لگے ۔ان سے دریافت کیا جائے کہ ویدک دیوتا مثلاً 'ندرا' 'وارونا' 'برہما' 'مترا' کہاں گئے؟ جب یہ زیادہ نفع رساں نہیں رہے تو انہیں ترک کیا گیا انہوں نے صرف ویدک دیوتاؤں کو ترک نہیں کیا بلکہ ایسے واقعات بتا سکتا ہوں جب انہوں نے مسلمانوں پیروں کی پرستش بھی شروع کی ۔اس ضمن میں کلیان (نزد ممبئی) کے بابا ملنگ شاہ کی مثال دی جاسکتی ہے ۔یہ ایک مشہور درگاہ ہے اوا یک پہاڑی پر واقع ہے ۔یہاں کے سالانہ عرس میں درگاہ کی مجاوری ایک برہمن کرتا ہے ۔مسلمانوں جیسے کپڑے پہن کر درگاہ میں ملنے والے پیسے لیتا ہے اروہ یہ صرف پیسوں کی خاطر کرتا ہے ۔مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں، صرف دکشنا (خیرات، عطیہ) سے مطلب ہوتا ہے ۔ برہمنوں نے مذہب کو ہمیشہ ایک پیشہ اور تجارت بنایا ہے ۔

پیش لفظ میں مزید لکھتے ہیں ''برہمنوں نے انتہائی شرارتی عقائد کی عوام میں اشاعت کی ہے وہ یہ کہ 'وید' ایسی کتابیں ہیں جن کی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی، ہندوتہذیب کی اگر ترقی نہیں ہوئی اور یہ ایک جامد بدبودار تالاب کا پانی بن گیا ہے تو ضروری ہے کہ 'وید' کے عقائد پوری طرح جڑ سے نکال کر پھینکے جائیں ۔تاکہ ہندوستان ترقی کرسکے ۔'وید' واہیات کتابوں کا مجموعہ ہے ۔ایسی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کتابوں کو مقدس، معصوم اور غلطیوں سے پاک تصور کیا جائے ۔ برہمنوں نے ان کتابوں کو تقدس عطا کیا اور ان کتابوں کو حتمی بنایا۔ بعد کے دور میں اس میں ایسی چیزیں (پُروشا،

سکتا) داخل کر دیں کہ جس کی وجہ سے ان ویدوں نے ان برہمنوں کو اس سرزمین کا ' لارڈ' Lord بنادیا۔کسی میں اتنی جراٗت نہیں کی ان بے قیمت، بے وقعت کتابوں کو جن میں قبائلی دیوتاؤں سے دشمنوں کو برباد کرنے کی ان کی دولت لوٹنے کیلئے مدد مانگی گئی ہے۔اب ہندوؤں کیلئے وقت آگیا ہے کہ وہ اپنی آپ کو ان کتابوں کے سحر سے آزاد کریں اس آزادی کے بغیر ہندوستانی کا کوئی مستقبل نہیں میں نے پورا خطرہ لے کر اس مشن کو اپنایا ہے میں نتائج سے خوف زدہ نہیں ہوں میں اگر عوام میں شعور پیدا کرنے کے قابل ہو سکا تو مجھے خوشی ہوگی"۔(تلخیص)

اس مکمل کتاب کو 24 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ابواب کو Riddle No. 1، Riddle No. 2 پہلی نمبر ۱، پہلی نمبر ۲، وغیرہ عنوان دیئے گئے ہیں۔ پہلے باب میں جو بہت ہی مختصر ہے لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں بہت ساری کمیونیٹز (طبقات) جن کی بنیاد نسل نہیں بلکہ مذہبی عقائد ہیں کسی پارسی سے دریافت کیا جائے کہ وہ کون ہے تو کہے گا میں زرتشت کا معتقد ہوں۔ کرسچن کہے گا وہ کراسٹ (حضرت عیسیٰؑ) میں یقین رکھتا ہے۔مسلمان کہے گا وہ اسلام پر عقیدہ رکھتا ہے۔لیکن کسی ہندو سے جواب پانا بہت مشکل ہے۔وہ جواب نہ دے سکے گا۔

ہر ہندو الگ الگ بھگوان کی پرستش کرتا ہے۔کوئی وحدانیت کا قابل ہے کوئی کئی بھگوانوں کا معتقد کوئی ہندو کسی مسلم پیر یا کرسچنوں کی Goddess کی پرستش میں ہچکچائے گا نہیں۔ ہزاروں ہندو مسلم پیروں کے پاس جا کر نذرانہ دیتے ہیں۔ کچھ ہندو خاص موقعوں پر کرسچن اور مسلم مذہبی شخصیتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ہندوؤں میں کچھ خاص فرقے تو ایسے ہیں جن کے عقائد میں اسلامی عنصر زیادہ ہوتا ہے۔'پنچ پیریا' نامی فرقہ میں 5 مسلم بزرگوں کی پرستش ہوتی ہے۔ یہ پانچ پیر جن کی کوئی پہچان نہیں کوئی شناخت نہیں مذہبی رسومات کے وقت مسلمان دفلی فقیر کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔بہت سارے ہندو تو مسلم بزرگوں کی درگاہوں کی زیارتیں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر کے انتقال کے بعد دستیاب کاغذات میں کئی صفحات تھے جو ویدوں کی تاریخ اور عقائد سے متعلق ہیں جو بے ترتیب تھے انہیں وسنت مون ایڈیٹر نے بڑی عرق ریزی سے ترتیب دے کر الگ الگ ابواب Riddle 1، Riddle II وغیرہ میں ایڈٹ کیا۔ان

ساری تفصیلات میں جانا دشوار ہے۔ ضمیمہ Riddle of Rama & Krishna میں ان شخصیتوں پر اتنی سخت تنقید کی ہے کہ ان کو تحریر کرنا نامناسب ہے۔

(جلد5)Vol. 5

اس کتاب کا ٹائیٹل ہے۔

Unpublished Writing Untouchables or the Children of India's Ghetto and other Essays on Untouchables and Untouchability (Social - Political - Religious)

جیسا کہ عنوان سے ہی ظاہر ہے یہ ان مقالوں کا مجموعہ ہے جو ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکے۔ لیکن موجودہ اشاعت کے سلسلے میں 5ویں جلد کی شکل میں 476 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں شامل کئے گئے اس میں 30 ابواب ہیں۔ الگ الگ عنوان پر اچھوت پن یہ پریکٹس میں کیسے آیا۔ اس سے پیدا ہونے والے مسائل، اچھوتوں کی بغاوت، اچھوتوں کیلئے وارننگ وغیرہ کئی مسائل پر تفصیل سے بحث ہے ہر عنوان پر ڈاکٹر امبیڈکر کے خیالات یہاں تحریر کرنے کی خواہش کے باوجود محض صفحات کی تنگ دامنی کی وجہ سے قلم روکنا پڑتا ہے۔ کسی بھی صفحہ پر نظر ڈالئے دعوت فکر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر ہندو مذہب اور برہمنزم کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پہلے باب میں کہتے ہیں ''ہندو اکثر کہتے ہیں اچھوتوں کیلئے کچھ کرنا چاہیے یہ کہہ کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتے ہیں مگر آج تک انہیں یہ کہتے نہیں سنا گیا کہ غیر اچھوت (یعنی اونچی ذات والے) لوگوں میں تبدیلی لانے کیلئے کچھ کرنا چاہئے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اصلاح کرنا ہے تو اچھوتوں کی نہ کہ اونچی ذات والوں کی''۔

اس کتاب کے دوسرے باب کا عنوان Untouchables Their Numbers یعنی اچھوت اور ان کی تعداد صفحہ 7 پر ایک نہایت ہی اہم حقیقت کا انہوں نے مسلمانوں کے تعلق سے اظہار کیا ان کے الفاظ میں پڑھیے۔

"The Separation of the Untouchables from the Hindus was insisted

upon by the Mumslims in a memorial to the Govt. dated 27th Jan.1910 in which they claimed that representation in the political bodies of the Country should be in proportion to the population of touchable Hindus and not Hindu as a whole because they Contended that the untouchables were not Hindus.

ترجمانی: 27 جنوری 1910ء کو مسلمانوں نے حکومت کو ایک یاداشت دی اور اس بات پر زور دیا کہ انہیں ہندوؤں کی ملک کے سیاسی اداروں میں اونچی ذات کے ہندوؤں کی آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے نہ کہ ہندوؤں کی مجموعی تعداد پر کیونکہ اچھوت ہندو نہیں ہیں۔'' موقع تھا 1911ء کی مردم شماری کا اس وقت کی ذہین مسلم قیادت نے اس نزاکت کو سمجھا اور حکومت کو مجبور کیا کہ اچھوتوں کو ہندوؤں میں شمار نہ کیا جائے ڈاکٹر امبیڈکر کے قلب کی وسعت دیکھئے کہ انہوں نے کھلے دل سے یہ اعتراف کیا کہ ایک ایسے وقت جب ڈاکٹر صاحب ابھی کم عمر طالب علم تھے اس وقت مسلمانوں نے ایک اہم نکتہ حکومت کے سامنے رکھ کر اچھوتوں کی ایک علیحدہ شناخت قائم کرنے کیلئے حکومت سے موثر نمائندگی کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی پوری زندگی جس کشمکش میں گذری اور ان کی کشمکش کا جو بنیادی نکتہ تھا وہ یہی کہ اچھوت ہندو نہیں ہیں وہ ہندو سماج کا حصہ نہیں ہیں اور وہ ایک علیحدہ اکائی کے طور پر تسلیم کئے جائیں۔

باب 3 جس کا عنوان ہے Slaves And Untouchables (غلام اور اچھوت) صرف یہ ثابت کرنے میں صرف کر ڈالا کہ ہندوؤں کا یہ دعویٰ کہ ہندو نظام زندگی میں غلامی کا تصور نہیں جبکہ دوسری تہذیبوں میں ہے غلط ہے اس کے لئے روم اور یونان کی امریکہ کے نیگروں کی تاریخ کا جائزہ لیا۔ باب نمبر 5 میں ڈاکٹر امبیڈکر کے دور کے کئی واقعات کا ذکر ہے جس میں ملک کے مختلف حصوں میں اچھوتوں سے ہونے والے غیر انسانی برتاؤ کا تذکرہ ہے۔ اس باب کا عنوان ہے Unfit for Huuman Association (انسانی تعلقات کیلئے ناقابل)۔

باب 15 کا عنوان Civilization or Felony 'تہذیب یا سنگین جرم' کے تحت

ڈاکٹر صاحب ہندوستانی تہذیب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہت سارے ہندو اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ دنیا کی دوسری قدیم تہذیبیں مثلاً مصر، بابل، روم، یونان، وغیرہ سب مٹ گئے مگر وہیں ہندوستانی تہذیب قائم رہی۔ اور اس کے مستقبل طور پر قائم رہنے کی وجہ اسکی اندرونی طاقت ہے جو دوسری تہذیبوں میں نہ تھی۔ اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بحث کا ایک اہم نکتہ ہندو بھول جاتے ہیں وہ یہ کہ کسی تہذیب کا قدیم ہونا یا اجداد سے آج تک قائم رہنا اہمیت کا نہیں بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ اس تہذیب میں خوبیاں کیا ہیں؟ اس تہذیب کی قیمت کیا ہے؟ ایسی تہذیب جو سماجی ورثہ ہوتی ہے وہ انسانوں کیلئے بوجھ ہے یا اس کے لئے فائدہ مند؟ ایسی تہذیب قوموں اور افراد کی ترقی میں کس حد تک مددگار ہوتی ہے۔ آگے چل ایک جگہ کہتے سائنس، فنون اور صنعت کاری میں ہندو تہذیب کی دین بہت ہی ابتدائی شکل کی ہے جیسے کپڑے کی بنائی اس تہذیب نے فنی اور تیکنیکی میدان میں ایسی کوئی چیز انسانیت کو نہیں دی جو اس کے لیئے کارآمد تھی۔

باب 16 کا عنوان ہے The House the Hindus have Built ہندو سماج کی تشکیل کی قدیم تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر امبیڈکر نے البیرونی 1030ء کی کتاب الہند سے اقتباسات لئے ہیں۔ صرف البیرونی پر اکتفانہ کرتے ہوئے مختلف سیاح جو بیرون ملک سے آئے اور اچھوتوں کی ناگفتہ کیفیت کا مشاہدہ کر کے اپنے سفرناموں میں شامل کیا ان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر اپنے طویل مقالوں میں اسلام کی تعریف بھی کرتے اور ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی خرابیوں پر بھرپور تنقید بھی کرتے ہیں۔ باب From Millions to 20 farctions میں صفحہ 245 پر ان کا یہ جملہ پڑھیے۔

" Although Islam is the religion which can transcend race and colour and unite diverse poople into Compact brotherhood yet Islam in India has not succecded in uprooting caste among the musalmans"

ترجمانی: اگرچہ اسلام نسل اور رنگ کی تفریق کو ختم کر کے مختلف لوگوں کو بھائی چارگی کے مضبوط بندھنوں میں جوڑتا ہے لیکن ہندوستان میں اسلام مسلمانوں سے ذات پات کا نظام نکال پھینکنے میں

ناکام رہا۔" ہم پوری طرح سے ڈاکٹر امبیڈکر سے متفق نہ بھی ہوں تو کیا اس حقیقت سے ہندوستانی مسلمان انکار کر سکتے ہیں؟ Under the Providence of Gandhi (گاندھی کے زیر رحمت) اس پورے مقالے میں گاندھی جی نے کس طرح ڈاکٹر امبیڈکر کے مطالبات کی مخالفت کی تھی تذکرہ کیا ہے۔ گول میز کانفرنس کے دوران مسلمانوں کی قیادت کے سامنے گاندھی نے کہا کہ وہ مسلمانوں کے 14 مطالبات کی مخالفت نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ مسلمان ڈاکٹر امبیڈکر کے مطالبات کی مخالفت کریں۔ گاندھی جی نے تو قرآن لے کر آغا خان سے مل کر دریافت کیا کہ بتلایئے قرآن میں کہاں ہے کہ اچھوتوں کے مطالبات کو تسلیم کر کے ہندو سوسائٹی کی تقسیم کر دیں کیا اس قسم کی پالیسی قرآن میں لکھی ہے اس کے باوجود سر آغا خان کی قیادت میں گاندھی جی کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔ اور اچھوتوں کے مفاد کو کسی طرح نقصان نہ پہونچانے کا عزم دہرایا۔ ڈاکٹر امبیڈکر مسلمانوں کے اس موقف کی بہت قدر کی اور اس کا تذکرہ ان کے کئی تحریروں میں ملتا ہے۔

باب 26 کے دو اقتباسات کے ساتھ ہی یہ تبصرہ ختم کیا جاتا ہے۔ باب کا عنوان ہے۔

A Warning to the Untouchables

They know full that if Hindu Social order is to fall to the ground it can happen only under two conditions . Firstly the social order m 'st be subject to constant fire. Secondly , they can not subject it to constant fire unless they are independent of the Hinaus. In thougt and ir action .

ہندو اچھی طرح جانتے ہیں کہ سماجی نظام کو زمین دوز کرنا ہے تو اسے مسلسل حملہ کا نشانہ بناؤ مگر ان پر مسلسل حملہ اس وقت تک نہیں کر سکتے تم قول و فعل سے ہندوؤں سے الگ نہیں ہوئے۔

The Untouchable should baer in mind tw thing that it is futile to expect the Hindu Religion to Perform the mission of bringing about so al justice Such a task may be performed by Islam Christans or Budhism.

ترجمانی: اچھوتوں کو یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ ہندو مذہب سماجی مشن کو پورا کرے گا۔ اس قسم کی امید رکھنا فضول ہے یہ کام صرف اسلام عیسائیت یا بودھ مذہب کر سکتا ہے۔

جلد 6 Vol.6

The Evolution of Provin ial Fincance in Birtish India The Problem of the Rupee.

معاشیات پر ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی ڈگریوں کیلئے جو مقالات لکھے اس میں شامل ہیں۔ 712 صفحات پر مشتمل اس کتاب پر صرف ماہرین معاشیات ہی تبصرہ کر سکتے ہیں۔ مصنف کو اس کتاب کی ورق گردانی کا بھی موقع نہیں ملا۔

جلد 7 Vol. 7

Reprint of Who were the Shudras How they Come to be Fourth Varna In the Aryan Society

The Untouchalbes Who were they & Why they become Untouchables.

شودر کون تھے؟ ہندی۔آریہ سوسائٹی میں وہ چوتھے ورن (ذات) کیسے بن گئے؟

اچھوت

وہ کون تھے اور کیوں اچھوت بن گئے؟

جیسا کہ کتاب کے ٹائٹیل سے ظاہر ہے اس میں ڈاکٹر امبیڈکر نے کچھ سوالات کے جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے کہ شودر کون تھے اور انڈو۔آرین سوسائٹی میں یہ کس طرح چوتھی (سب سے نچلی) ذات سے منسلک ہوئے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ ہندو سوسائٹی میں جو اچھوت کہلاتے جاتے ہیں آخر وہ کون تھے اور انہیں اچھوت رہنے پر کیوں مجبور کیا گیا۔ اگر چہ 350 صفحات پر مشتمل اس 7 ویں جلد کا ٹائٹیل طویل ہے لیکن یہ کتاب Who were the Shudras کے نام سے بہت مشہور ہوئی۔ اور بہت سارے محققوں اور مورخوں کو متوجہ کیا۔ اس کتاب میں کن مسائل پر گفتگو ہوئی صاف ظاہر ہے اس کتاب نے ملک کے سماجی مورخوں کو دعوت غور وفکر دی۔ اس کتاب کو انہوں نے 19 ویں صدی کی سب سے انقلابی شخصیت ہندو مذہب کے ناقد مہاتما جیوتی با پھلے (1827-1890) کے نام سے منسوب کرتے ہوئے لکھا'' عصر حاضر کا وہ عظیم شودر جس نے ہندوؤں کے نچلے طبقات کو اونچے طبقات کی غلامی کا احساس دلایا۔ اور جس نے اس حقیقت اور سچائی کی تعلیم ہندوستانیوں کو دی کہ ملک کی بیرونی حکومت سے آزادی سے زیادہ ضرورت سماجی جمہوریت کی ہے۔''

اس کتاب میں 12 ابواب ہیں۔ 490 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف 40 روپئے رکھی گئی ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ ڈاکٹر امبیڈکر نے عام روایات سے ہٹ کر شودروں کے تعلق سے ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔اس نظریہ کو انتہائی اختصار سے کتاب کے پیش لفظ میں یوں بیان کیا ہے۔

۱) آریہ قوم مختلف کمیونیٹریز پر مشتمل تھی۔اسمیں ایک نسل تھی جسے انہوں نے Solar Race کی اصطلاح استعمال کی ہے آرین سوسائٹی صرف تین طبقات تسلیم کئے گئے تھے۔برہمن،کشتری اور ویش۔

۲) شودر نامی کوئی علیحدہ طبقہ نہ تھا۔

۳) وہ انڈو۔آرین سماج کا حصہ تھے۔

۴) شودروں کی کوئی الگ ذات نہ تھی۔وہ کشتری ذات (Khsatriya Varn) کا ہی ایک حصہ تھے۔

۵) شودر راجاؤں اور برہمنوں میں مسلسل جھگڑا رہا کرتا تھا۔اس معرکہ میں برہمنوں پر ظلم ہوتا تھا ان کی تذلیل ہوتی تھی۔

۶) اس مسلسل ظلم کی وجہ سے برہمنوں نے شودروں کی رسم زناری سے انکار کیا۔

۷) رسم زناری کے انکار کی وجہ سے شودر جو کشتری طبقہ سے تعلق رکھتے تھے کم درجہ کے تصور کیے جانے لگے۔

۸) رسم زناری سے محروم ہونے کی وجہ سے شودر سماج میں ویش اور کشتریوں سے بھی کم درجے کے سمجھے جانے لگے اور آخر کار شودروں کی ایک ذات (ورن) ہی بن گئی۔

ان نتائج پر پہونچنے کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر خود کہتے ہیں کہ وہ اسکالر اور محققوں کی مزید تحقیق کا انتظار کرینگے کہ ان کے اخذ کردہ نتائج میں وہ کہاں تک حق بجانب ہیں۔

برہمنوں نے کئی مذہبی رسومات کی ایجاد کی۔دوسرے انسانوں پر غلبہ حاصل کیا۔ذہنی غلام بنایا۔انہیں رسومات میں ایک رسم زناری ہے جسے Upnayan کہتے ہیں۔عمر کے مخصوص

حصوں میں جسم پر ڈوری ڈالی جاتی ہے۔اس ڈوری ڈالنے کے حق کو برہمنوں نے حاصل کیا پھر اس کا فائدہ یہ اٹھایا کہ کسی مخصوص طبقہ کو اس کے حق سے محروم کر کے اسے سماج کا نچلا اور کم درجہ کا بنایا جاسکتا ہے۔کشتریوں میں ایک ایسا طبقہ تھا جس کا برہمنوں سے جھگڑا تھا۔اسلئے انہوں نے انتقاماً ان کو رسم زناری سے محروم کیا رفتہ رفتہ کشتریوں کا یہ طبقہ سماج میں نچلا ہو گیا اور یہی طبقہ شودر کہلانے لگا۔ یعنی برہمنوں نے کشتریوں کے ایک دشمن طبقہ کو اپنا مذہبی ہتھیار استعمال کر کے اسے ہمیشہ کیلئے شودر بنایا۔بہر حال یہ ایک پیچیدہ نظریہ ہے اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے ڈاکٹر امبیڈکر نے قدیم ہندوستان کا گہرائی سے جائزہ لیا۔

کتاب کے آخری حصہ اچھوت پن (Untouchalbilty) کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کئی نکات کی تشریح کی مثلاً شودروں کو اچھوت کیوں قرار دیا گیا۔قدیم دور میں برہمن کی گائے کی گوشت خوری اور پھر اس کے ترک کرنے کی وجوہات یہ ساری بحثیں پیچیدہ طویل اور قدیم ہندوستانیوں کی سماجی اور مذہبی زندگی کا مطالعہ چاہتی ہیں۔اتنے سارے مسائل کا احاطہ کرتی ہیں کہ ان پر مختصر تبصرہ ممکن نہیں۔

Vol. 8 جلد نمبر 8

(Pakistan or Partition of India)

پچھلے صفحات میں اس کتاب پر تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ 510 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف 40روپیے رکھی گئی ہے۔

Vol.9 جلد نمبر 9

What Congress And Gandhi Have Done to Untouchables?

کانگریس اور گاندھی نے اچھوتوں کیلئے کیا کیا؟

مندرجہ بالا عنوان پر 510 صفحات پر مشتمل ان کی یہ مشہور تصنیف پہلی مرتبہ 1945ء میں منظر عام پر آئی تھی۔ 1946 میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔اور پھر 1991ء میں حکومت

مہاراشٹر نے اس کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور گاندھی جی کے ناخوشگوار تعلقات کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

گاندھی جی اور ڈاکٹر امبیڈکر کے ٹکراؤ کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔ آزادی سے قبل ملک میں جب آزادی آئینی حقوق اور قانونی اصلاحات کی باتیں ہونے لگیں تو ڈاکٹر امبیڈکر نے وقتاً فوقتاً مختلف موقعوں پر اپنا یہ موقف ظاہر کیا کہ اچھوتوں دلتوں کے خصوصی حقوق کو قانونی اور دستوری تحفظات ملنی چاہئے یہ ملک میں کثیر تعداد میں رہنے کے باوجود معاشی سماجی اور تعلیمی میدان مین بہت پیچھے ہیں اور اس پسماندگی کیلئے ملک کی 3 ہزار سال کی تاریخ ذمہ دار ہے۔ اور یہ کہ ہندو کہلوانے والے سماج نے انہیں زندگی کے ہر شعبہ میں پیچھے رکھا اور اچھوت قرار دیا۔ ان مخصوص حالات کی وجہ سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے بنیادی انسانی حقوق انہیں بحال کئے جائیں اور یہ سب کرنے کیلئے آئینی اور قانونی تحفظات ضروری ہیں۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ ہندو سماج نے انہیں اس حد تک دور رکھا بلکہ اچھوت قرار دیا اسلئے درحقیقت وہ ہندو سماج کا حصہ ہی نہیں انہیں علیحدہ اکائی تصور کیا جائے۔ برخلاف اسکے گاندھی جی اور ان کے زیر قیادت کانگریس پارٹی کا کہنا تھا کہ چونکہ اچھوت اور دلت ہندو سماج کا ہی ایک حصہ ہیں اسلئے کسی قیمت میں بھی دلت اور اچھوت کی علیحدہ پہچان تسلیم نہیں کی جائیگی اور اگر ان تصورات کو حقیقت کا روپ دیا جائے تو ہندو سماج تقسیم ہو کر کمزور ہوگا۔ علیحدگی کے رجحانات بڑھتے جائیں گے۔ دلتوں کے جو کچھ سماجی مسائل ہیں رفتہ رفتہ حل کر دیئے جائیں گے۔ مزید یہ کہ فی الوقت ملک کے سامنے غیر ملکی انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارہ پاتا ہے اسلئے آزادی کے بعد دلتوں کے مسائل پر توجہ دی جائے گی۔ گاندھی جی کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ نہ صرف ہندو سماج کی بلکہ پورے ملک کے عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسلئے انہیں ڈاکٹر امبیڈکر کی دلت عوام کی قیادت کا حق منظور نہیں، ان دو متضاد تصورات کی وجہ سے دونوں میں زندگی بھر ٹکراؤ رہا۔ جو صرف گاندھی جی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ کانگریس بنام ڈاکٹر امبیڈکر کی شکل میں موخر الذکر کی زندگی کے آخری لمحوں تک برقرار رہا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر امبیڈکر نے وہ سارے حقائق اور تجربات درج کئے ہیں جو گول میز کانفرنس میں انہیں درپیش آئے۔

32-1931ء کے دوران گول میز کانفرنس میں قدم قدم پر گاندھی جی نے ڈاکٹر امبیڈکر کی مخالفت کی۔گاندھی جی اور کانگریس کا دعویٰ تھا کہ دلتوں کی ترقی اور فلاح کیلئے کانگریس نے خطیر رقم خرچ کی ہے۔مگر ڈاکٹر امبیڈکر نے اعداد وشمار کی بنیاد پر کانگریس کے اس دعویٰ کو جھوٹا ثابت کیا۔لکھا کہ کانگریس اور گاندھی جی کے دلتوں کے مسائل حل کرنے میں کبھی سنجیدہ نہیں رہے۔صفحہ 13 پر کانگریس کی تاریخ سے ایک واقعہ درج کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ کانگریس کے ابتدائی اجلاس میں اچھوتوں کے مسائل سے متعلق کچھ قرار دادیں منظور ہوئی تھیں۔کانگریس پارٹی میں سوشل کانفرنس کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا تھا۔ہر سال کانگریس کے اجلاس میں سالانہ جلسہ کے بعد اسی شامیانہ میں سوشل کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا کرتا تھا۔1895ء میں بال گنگا دھر تلک اس گروہ کی قیادت کرتے تھے۔ان کا یہ موقف تھا کہ پہلے سوراج کے لئے کوشش کی جائے۔سیاسی آزادی کے بعد اچھوتوں کے مسائل پر توجہ دی جائے گی۔اس گروہ کا یہ کہنا تھا کہ اچھوتوں کے سماجی اور مذہبی اصلاحات جیسے مسائل ابھی چھیڑے جائیں تو ہندو سماج میں اختلاف بڑھ جائے گا۔
1895ء کے کانگریس کے سالانہ جلسہ کے بعد اسی شامیانہ میں جب سوشل کانفرنس کے اجلاس کی تیاری ہونے لگی تو تلک نے دھمکی دی تھی کی سوشل کانفرنس کا اجلاس منعقد کرنے کی کوشش ہوئی تو وہ شامیانہ ہی جلا ڈالیں گے۔کانگریس کے ان چوٹی کے رہنما کے اس موقف پر سب کو تعجب ہوا اس واقعہ سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کانگریس اچھوتوں کے مسائل سے کیسی دلچسپی رکھتی ہے ان سارے عوامل نے ڈاکٹر امبیڈکر کو گاندھی اور کانگریس کا سخت مخالف بنا دیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے کئی زاویوں سے ثابت کیا تھا کہ گاندھی ذات پات کے نظام کے زبردست حامی تھے۔انہوں نے گاندھی جی کی کئی تحریروں سے اقتباسات لئے ان کا تجزیہ کیا اور ثابت کیا کہ انہوں نے ذات پات کے نظام کو ختم کرنے کی کوشش تو نہیں کی برخلاف اسے مضبوط کیا اس ضمن میں کتاب کے باب 11 جس کا عنوان ہے۔'گاندھی ازم' کے صرف ایک حوالہ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔22-1921 میں ایک گجراتی رسالہ 'نیا جیون' میں گاندھی جی نے گجراتی زبان میں ایک مضمون لکھا تھا جس کا ڈاکٹر امبیڈکر نے انگریزی ترجمہ کیا ہے اس کی تلخیص کچھ یوں ہے۔

گاندھی کہتے ہیں۔

۱)''میرا اس بات پر یقین ہے کہ آج جو ہندو سوسائٹی قائم ہے اسلئے کہ اس کی بنیاد ذات پات کے نظام پر ہے۔''

۲)سوراج کے بیج ذات پات کے نظام میں پائے جاتے ہیں۔

(The seeds of Sawaraj are to be found in the caste system)

مختلف ذاتیں فوج کے ایک ڈویژن کے مختلف حصوں کے مانند ہیں۔فوج کا ہر حصہ مجموعی طور پر فوج کیلئے فائدہ مند ہوتا ہے۔

۳)جو کمیونٹی ذات کے نظام کی تخلیق کرنی ہے اس میں تنظیمی طاقت ہوتی ہے۔

۴)ذات کا نظام تعلیم کی اشاعت کیلئے تیار ذریعہ مہیا کرتا ہے۔کیونکہ ہر ذات اپنے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری لے سکتی ہے۔ذات ایک سیاسی اساس بھی رکھتی ہے۔کسی بھی نمائندہ ادارہ کے لئے رائے دہندگان مہیا کرتی ہے۔کسی ذات میں آپسی جھگڑوں کو نمٹانے کیلئے اس ذات کا فرد منصف کا کام کرسکتا ہے۔ذات کے نظام میں دفاعی فوج آسانی سے تیار کی جاسکتی ہے۔

۵)میرے خیال میں قومی اتحاد کیلئے مختلف ذاتوں میں شادی بیاہ یا آپس میں ایک ساتھ کھانے پینے کا رواج ضروری نہیں ہے۔یہ تجربہ کے خلاف ہے کہ مل کر کھانے سے دوستی پیدا ہوتی ہے۔اگر ایسا ہوتو یوروپ میں جنگ ہی نہیں ہوتی۔۔۔۔۔مل کر کھانا ایسا ہی گندہ عمل ہے جیسے ضرورت سے فارغ ہونا ہے دونوں میں ایک فرق ہے۔حوایج سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں سکون ملتا ہے جبکہ غذا کھانے کے بعد بے چینی پیدا ہوتی ہے۔جس طرح ہم تنہائی میں حاجت سے فارغ ہوتے ہیں اسی طرح غذا بھی تنہا ہی کھائیں۔

۶)ہندوستان میں بھائیوں کی اولاد آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتی شادہ بیاہ نہ کرنے سے ان کی آپسی محبت میں کیا کچھ کمی ہوتی ہے؟۔۔۔۔۔محض آپس میں شادی بیاہ نہ کرنے کی وجہ سے ذات کے نظام کو برا نہیں کہا جاسکتا۔

۷)ذات کا نظام انسان پر ایک قسم کا کنڑول رکھتا ہے۔ذات کا نظام عیش وآرام کو محدود رکھتا ہے۔

ذات کا نظام انسان کے حصول عیش کی کوششوں کو محدود کرتا ہے۔اسی اصول کو ہم مختلف ذاتوں کے درمیان شادی بیاہ اور کھانے پینے کی پابندی کے معنوں میں لے سکتے ہیں۔

۸)ذات پات کے نظام کو ختم کر کے مغربی طرز زندگی کو اپنانے کے معنی ہیں۔ہندوا پنے آبائی پیشوں کو خیر آباد کہیں جو ذات پات کے نظام کی روح ہے وراثت کا اصول قائم و دائم ہے۔اس میں تبدیلی لانا انتشار کو دعوت دینا ہے۔اگر ایک برہمن کو شودر میں اور شودر کو برہمن میں بدل دیا جائے تو سماج میں انارکی پیدا ہوگی۔

۹)ذات کا نظام کسی بھی سوسائٹی میں قدرتی طور پر ہوتا ہے۔ہندوستان میں اس پر مذہب کا ملمع چڑھایا گیا ہے دوسرے ممالک میں جہاں ذات کے نظام کی افادیت کو نہیں سمجھا گیا۔وہیں یہ نظام ڈھیلی ڈھالی شکل میں موجود رہتا ہے وہاں ذات پات کے نظام سے جو فائدہ ملنا چاہیئے وہ نہیں مل سکا۔جس طرح ہندوستان میں حاصل ہوا۔

چونکہ یہ میرے نظریات ہیں اسلئے میں ان تمام کی مخالفت کرتا ہوں جو ذات پات کے نظام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔گاندھی جی کے مندرجہ بالا نظریات پر مزید تبصرہ فضول ہے۔اگر چہ کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے ان نظریات کو کبھی Stupid احمقانہ، کبھی قابل رحم کہا اور کبھی astounding ہکا بکا رکرنے والی کہا۔اور تفصیل سے ان 'خوبیوں' کا جائزہ لیا۔اس بات کو یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

جلد10 Vol. 10

Dr. Ambedkar As a Member of Governer Genaral's Executive Council (1942-46)

ڈاکٹر امبیڈکر گورنر جنرل کے ایگزیکیٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے 1942 سے 1946ء تک کی گئی کارکردگی کا جائزہ ہے۔

جلد11 Vol. 11

The Buddha and this Dhamma

بودھ اور ان کا دھرم

600 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر کی سب سے اہم کتاب تصور کی جاتی ہے۔اس کتاب کا پروجیکٹ انہیں بہت عزیز تھا۔زندگی کے آخری دنوں تک اس کی اشاعت کی کوشش جاری تھی مگر یہ بھی ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکی۔مسودہ تیار ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پنڈت جواہر لعل نہرو سے درخواست کی تھی کہ کتاب شائع ہونے کے بعد کم از کم 300 نسخے حکومت کی جانب سے خریدے جائیں اور مختلف نمائندہ شخصیتوں اور اداروں کو دیئے جائیں۔ پنڈت نہرو نے کوئی تعاون نہیں کیا۔کتاب کم اخراجات میں چھپے اس کیلئے آخری دنوں میں کوشاں رہے ان باتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے زندگی میں یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور ان کے انتقال کے بعد 1957ء میں 'سدھارتھ کالج پبلیکیشن' کے زیراہتمام پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور اب تک 5 ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

کتاب کے پیش لفظ میں کہتے ہیں کہ بودھ ازم میں دلچسپی لینے والوں کی تعداد ہندوستان کے کچھ طبقات میں بڑھ رہی ہے اسی لئے عوام کی طرف سے مطالبہ ہے کہ گوتم بودھ کی زندگی اور ان کی تعلیمات کے بارے میں ایسی معلومات جو صحیح ہوں جن میں تضاد نہ ہو، سامنے آنا چاہئے۔مزید کہا کہ جو بودھ نہیں ہے ان کے سامنے اس قسم کی مشکلات درپیش ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ گوتم بودھ کی پوری زندگی ان کی تعلیمات اور ان کے مشن کے تمام واقعات اس ڈھنگ سے آئیں کہ ان میں ہم آہنگی و یکسانیت ہو۔انھوں نے تسلیم کیا کہ دوسرے مذاہب کے بانیوں کے مقابل میں گوتم بودھ کی زندگی اور تعلیمات کے سلسلے میں الجھنیں ہیں۔اسلئے بودھوں کیلئے کیا یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان مشکلات کو بحث کیلئے سامنے لائے جائیں اور ان پر روشنی ڈالی جائے۔ان مسائل کے درپیش میں ان پر بحث چاہتا ہوں۔اس ضمن میں پہلا سوال Parriraraja یعنی گھربار، سنسار چھوڑنے کا مسئلہ ہے یہ فیصلہ انہوں نے کیوں کیا؟ عام طور پر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک مردہ ایک بیمار اور ایک ضعیف شخص کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا۔ڈاکٹر امبیڈکر کہتے ہیں کہ بادی النظر میں ہی یہ ایک نامعقول جواب ہے انہوں نے ایک قسم کا سنیاس اپنی عمر کے 29 انتیسویں سال میں لیا۔اگر مندرجہ بالا وجوہات تھے تو کیا اس سے قبل انہوں نے یہ مناظر نہیں

دیکھے تھے؟ یہ وجوہات نہ تو معقول ہیں اور نہ عقل انہیں تسلیم کرتی ہے۔تب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سی وجوہات تھیں؟ دوسرا مسئلہ ہمارے سامنے ہے جو Four Aryan Truths یا چار آریائی حقائق کہلاتے ہیں۔کیا یہ حقائق بودھ کی تعلیمات سے تعلق رکھتے ہیں۔درحقیقت یہ 4 حقائق بودھ مذہب کی جڑوں کو ہی کاٹ دیتے ہیں۔یہ چار حقائق Four Aryan Truths یہ ہیں۔

(۱) زندگی غم والم ہے۔(۲) موت غم والم ہے۔(۳) دوبارہ پیدا ہونا غم والم ہے۔اور اگر ایسا ہے تو سمجھو کہ ہر چیز کا خاتمہ ہوگیا۔نہ تو مذہب اور نہ تو فلسفہ اس دنیا میں کسی شخص کو کسی بھی قسم کی خوشی سے ہمکنار کرنے میں مدد کرے گا۔اگر رنج والم انسان کی پیدائش سے ہی اس کے ساتھ ہیں اور جس سے فرار کا کوئی راستہ نہیں تب مذہب کیا کر سکے گا یا گوتم بودھ اس کو اس غم والم سے کیسے بچا سکیں گے۔اور یہی آریائی اصول بودھ مذہب اور ان لوگوں کے درمیان جو بودھ مذہب اختیار کرنا چاہتے ہیں یہ ایک بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں۔کیونکہ یہ اصول کسی بھی انسان کو کبھی بھی مستقبل کیلئے پُر امید نہیں بنا سکتے یہ اصول انسان کو قنوطیت کی طرف لے جاتے ہیں۔کیا یہ اصول گوتم بودھ کی اصلی تعلیمات کا حصہ تھیں یا بعد میں بھکشوؤں کی طرف سے اضافہ ہیں؟

تیسرا مسئلہ روح، کرما (کام) اور دوبارہ جنم سے متعلق ہے۔گوتم بودھ نے 'روح' کے وجود سے انکار کیا۔اور ان سے دوبارہ جنم اور Karma کا نظریہ بھی منسوب ہے۔اسلئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'روح' کا وجود نہیں تو دوبارہ جنم اور دوبار جنم کے بعد کچھ کرنے کا سوال کہاں سے آتا ہے۔؟ کیوں کہ گوتم بودھ نے اصطلاحات کو جس مقصد کیلئے استعمال کیا تھا کیا برہمن انہیں معنوں میں لیتے ہیں اگر ایسا ہے تو اتنا تضاد کیوں؟ ایک طرف تو روح کے وجود کا انکار دوسری طرف 'کرما' اور دوبارہ جنم ہے اس تضاد کو کیسے حل کیا جائے۔

اس ضمن میں درپیش آنے والا چوتھا مسئلہ 'بھکشو' کا ہے۔بھکشو کی گوتم بودھ نے تخلیق کیوں کی۔کیا ان کے سامنے ایک 'کامل مرد' کا تصور تھا یا صرف ایک انسان کا جو اپنے آپ کو خدمت خلق کیلئے وقف کر دیتا ہے اور انسانوں کا دوست، رہنما اور جو ایک فلسفی ہے۔حقیقت میں یہ ایک سوال ہے جس پر بودھ مذہب کے مستقبل کا انحصار ہے۔اگر بھکشو صرف کامل انسان (Perfect

man) ہوتو بودھ مذہب کی اشاعت کیلئے کام نہیں آئے گا۔ اگرچہ وہ ایک کامل انسان ہے لیکن ہے خود غرض ۔اس کے برمقابل اگر وہ سماج کا ایک ملازم ہوا تو بودھ مذہب کی اشاعت کیلئے بہت کارآمد ہوگا۔اس سوال کو حل کرنے کیلئے اصولوں کی ہم آہنگی ثابت کرنے کی کوشش سے زیادہ بودھ ازم کے مستقبل کی کامیابی کے نقطہ نظر سے دیکھنا ضروری ہے۔

اس کتاب میں گوتم بودھ اور ان کی تعلیمات ان کی زندگی کے واقعات کو ایک منفرد انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ پوری تحریر Narrative (مسلسل بیان کے انداز میں) میں نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں ہے۔ جنہیں نمبر دیئے گئے ہیں۔کتاب کی اسکیم بھی نئے انداز کی ہے کتاب کو 8 حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ Book No.1, Book No.2 وغیرہ۔۔۔ہر حصے کو مختلف پارٹس (Parts) یعنی ذیلی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اور ہر ذیلی حصہ (Part) کے تحت مختلف عنوان ہیں اور ہر عنوان کے تحت چھوٹے چھوٹے جملوں میں بات کہی گئی ہے۔

گوتم بودھ کے خاندان، ان کی پیدائش، شادی وغیرہ کو Book 1 میں یوں لکھا ہے تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے چند نمونے دیئے جارہے ہیں۔

Book 1 (حصہ ا)

1. His Kula اس کا (گوتم بودھ کا) خاندان

1.Going back to Sixth Century B.C. Northern India did not form a Single Sovereing state.

ترجمانی: چھٹے قبل مسیح میں شمالی ہندوستان میں کوئی خودمختار واحد حکومت نہ تھی۔

2. The Country was divided into many states, some large some small of these Some were monarchical and some not monarchial .

ترجمانی: ملک کئی ریاستوں میں منقسم تھا۔کچھ میں بادشاہت تھی کچھ بغیر بادشاہی نظام کے۔

4. The non-monarchical states were those of Sakyas of Kapil Vastu, The Mallas of Pava.....

ترجمانی: کپل وسطو کے ساکیاس Sakayas پاوا کے ملا...... کی ریاستیں غیر بادشاہی تھیں۔

8. The Head of the Ruling family was Raja.

جو خاندان اقتدار پر ہوتا اس کا حاکم راجہ کہلاتا۔

9. At the time of birth of Siddarth Gautma it was time turn of Suddhodana to be the Raja.

سدھارتھ گوتم کی پیدائش کے وقت سدھونا کے راجہ بننے کی باری تھی۔ وغیرہ وغیرہ صفحہ 217 پر لکھا ہے۔

6. The Buddha never clamied that he was a prophet or messinger of God. He repudiated any such description.

بودھ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ پیغمبر خدا کے پیغام رساں ہیں۔ انہوں نے کبھی اس قسم کے بیان کا انکار کیا۔

صفحہ 250 کی کچھ تحریریں عنوان کی سرخی Belief In Ishwara (God) is not a part of Dhamma. (ایشور پر یقین دھرم کا حصہ نہیں ہے)

1. Who created the world is a Common question. That the world was Created by God is also a very Common answer.

دنیا کی تخلیق کس نے کی یہ ایک عام سوال ہے۔ ایشور نے اس کی تخلیق کی یہ بہت عام جواب ہے۔

2. In the Brahmanic Scheme this God is Called by a variety of names. Parja Pati, Ishwar, Brahma or Maha Brahma.

برہمنی نظام میں ایشور کو کئی نام دیئے گئے ہیں۔ پرجاپاتی۔ ایشور۔ برہما، مہابرہما

3. To the question who this God is and and how he Came into being there is no answer.

ایشور کون ہیں اور اس کا وجود کس طرح کیسے آیا۔ اس سوال کا جواب نہیں ہے۔

4. Those who believe in God describe him an being who is omni potent, i:e all Powerful, omnipresent, i:e, he fills the whole Universe and Omniscient i:e he khows every thing?

جو ایشور پر یقین رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ قادر مطلق ہے۔ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور کل علم مطلق رکھتا ہے۔

5. There are certain moral qualities Which are attributed to God. God is Said to be Good, God is Said to be Just and God is Said to be all Lovin

کچھ اخلاقی خصوصیات ایشور سے منسوب ہیں۔ایشور اچھا ہے۔وہ عادل ہے اور ہر ایک سے محبت کرتا ہے۔

6. The Question is did the blessed Lord accept God as the creator of Universe.

سوال یہ ہے کہ کیا (ہمارے) متبرک ومقدس حاکم (یعنی گوتم بودھ) اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایشور اس کائنات کا خالق ہے۔

7. The Answer is ,"No" He did not . اس کا جواب نفی میں ہے۔

8. There are various Grounds Why he rejeted the doctrine the Existense of God.

ایشور کے وجود کے تصور کو رد کرنے کی کئی وجوہات ہیں۔

9. No body has seen God. People only speak of God.

کسی نے ایشور کو نہیں دیکھا۔لوگ صرف ایشور کے بارے میں کہتے ہیں۔

10. God is Unknown and Unseen

ایشور نامعلوم اوران دیکھا ہے۔

11. No body can prove that God has created the World. The world has evoled and is not Created.

دنیا سلسلہ وار ارتقاء کا نتیجہ ہے اس کی کسی نے تخلیق نہیں کی۔

صفحہ 355 پر ان کی تحریر یوں ہے۔

عنوان ہے On Good Evil and Sin یعنی شر خیر اور گناہ کے بارے میں

1. Do Good. Be no party to Evil - Commit no sin.

اچھا کرو۔برائی میں فریق نہ بنو۔گناہ مت کرو۔

2. This is Buddhist way of Life .

یہ بودھ کا طرز زندگی ہے۔

7. If a man does what is good Let him do it again, let him delight in it; the accumulation of good is deligutful.

اگر کوئی آدمی اچھا کام کرتا ہے تو اسے بار بار کرنے دو۔اسے خوشی حاصل کرنے دو اچھائیوں کا مجموعہ خوش کرنے والا ہوتا ہے۔

صفحہ 368 کی کچھ تحریریں یوں ہیں ۔عنوان ہے ۔

On Sorrow and Happiness, on Charity and Kindness

غم،خوشی،خیرات اور رحمدلی کے بارے میں

1) Poverty gives rise to sorrow

۱)غربت سے غم میں اضافہ ہوتا ہے۔

2) But removal of Poverty does not neccssarily gives rise to Happiness.

۲)لیکن غربت دور کی جائے تو ضروری نہیں کہ خوشی میں اضافہ ہو۔

3. Not High Standard of Living but a high Standard of Culture is What gives happiness.

۳)اونچا معیار زندگی نہیں بلکہ اعلیٰ معیار کی تہذیب خوشی دیتی ہے۔صفحہ 597 پر ڈاکٹر امبیڈکر نے دنیا کے مختلف مشاہیر کے بودھ مذہب کے بارے میں جو خیالات ہیں وہ درج کئے ہیں ۔مثلاً

(48). Mr E.J Mills, author of "Buddhism" says.

(49). "In no other religion are the values of knowledge and evil of ingorance so much insisted upon as they are in Buddhism.

۴۸)مسٹر ای ۔جے ۔ملس جنہوں نے کتاب 'بودھ ازم' تصنیف کی ہے ۔کہتے ہیں ۔

۴۹)کسی اور مذہب میں علم کی اہمیت اور جہالت کی برائی پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا بودھ مذہب میں دیا گیا ہے۔

(نوٹ)مندرجہ بالا مثالیں ان کی اس کتاب کے طرز تحریر کے نمونے کے طور پر دی گئیں ہیں ۔مکمل تعلیمات سے عدم واقفیت کا نمونہ (مصنف)

جلد نمبر 12 Vol. 12

Un publised Writings غیر مطبوعہ تحریریں

794 صفحات پر مشتمل اس بارہویں جلد میں حسب ذیل مضامین شامل ہیں ۔

1) Ancient Indian Commerce
2) Notes on Laws.
3) Waiting for a Visa
4) Micellaneous Notes. etc.

مضامین کے عنوان سے ہم ان مضامین کی نوعیت کو سمجھ سکتے ہیں ۔راقم الحروف کو یہ کتابیں مہیا نہ

ہوسکیں۔اسلئے کسی تبصرہ سے گریز کیا جارہا ہے۔

13 جلدنمبر Vol. 13

Dr. Ambedkar the Principal Arechitect of the Indian Constituion.

(ڈاکٹر امبیڈکر۔ہندوستان کے آئین کے اہم معمار)

جیسا کے عنوان ظاہر ہے 1240 صفحات پر مشتمل اس جلد کے مطالعہ سے آئین سازی میں ڈاکٹر امبیڈکر نے جو رول ادا کیا ہے۔اس کی پوری تصویر سامنے آجائے گی۔ملک کا آئین کس طرح وجود میں آیا کن کن حضرات کا کیا رول رہا۔یہ سمجھنے کیلئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کس طرح آئین ساز اسمبلی میں داخل ہوئے اس کا سرسری تذکرہ اس سے قبل ہوچکا ہے۔اس پر مزید روشنی ڈالی جارہی ہے۔آزادی سے قبل ہی آئین ساز اسمبلی کی تشکیل ہوچکی تھی۔ڈاکٹر امبیڈکر کن حالات میں بنگال سے آئین ساز اسمبلی کیلئے چنے گئے وہ ناظرین کے پیش نظر ہوگا۔

برطانوی حکومت کی طرف سے بھیجے ہوئے کیبنٹ مشن نے سفارش کی تھی کہ بنیادی حقوق،اقلیتوں وغیرہ کے تعلق سے ایک مشاورتی کمیٹی تشکیل دی جائے۔اسلئے 24 جنوری 1947 یعنی یوم آزادی سے قبل ہی ولبھ بھائی پٹیل کی صدارت میں 50 ممبران کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ان 50 ممبران میں ڈاکٹر امبیڈکر کو شامل کیا گیا تھا۔سہولت کی خاطر ان 50 ممبران سے مزید 4 ذیلی کمیٹیاں(Sub-Committes) بنائی گئیں ان میں سے دو بنیادی حقوق کی ذیلی کمیٹی(Fundamental Rights Sub Commitee) اور اقلیتوں کے تعلق سے ذیلی کمیٹی(Minorities Sub-Commitee) اہمیت کے حامل تھے۔اور ڈاکٹر امبیڈکر ان دونوں ذیلی کمیٹیوں کے ممبر تھے۔ان دونوں ذیلی کمیٹیوں کے اجلاس میں غیر معمولی دلچسپی لے کر ان امور کے تعلق سے اپنے خیالات کو سامنے رکھا۔انہوں نے اس ضمن میں ایک میمورنڈم تیار کیا اس کا عنوان تھا۔

States and Minorities What are thier rights and how to secure them in the Constituion of free India.

یعنی ''حکومتیں اور اقلیتیں آزاد ہندوستان میں ان کے حقوق کس طرح محفوظ کئے جا سکتے ہیں'' اس میمورنڈم کو انہوں نے شائع بھی کیا۔ اس کے علاوہ آئین ساز اسمبلی نے تین اور ذیلی کمیٹیاں مقرر کی تھیں ان میں سے ایک Union Constituion (یونین آئین کمیٹی) تھی جس کی صدارت پنڈت جواہر لعل نہرو کے ذمہ تھی۔ 30 اپریل 1947ء کی ایک قرارداد سے یہ کمیٹی بنی تھی ڈاکٹر امبیڈکر کو بھی اس کمیٹی میں لیا گیا۔ 4 جولائی 1947ء کو اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ آئین ساز اسمبلی کو پیش کی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ان تمام ذیلی کمیٹیوں میں جو اپنی دلچسپی دکھائی جو محنت کی رپورٹ کی تیاری میں جو حصہ لیا اس سے تمام کانگریس کے مہمان ممبران انتہائی متاثر ہوئے تھے۔ وہ اس بات کے قائل ہوئے کہ بنیادی حقوق کے تعلق سے آئین کی تدوین میں ڈاکٹر امبیڈکر کی خدمات انتہائی ضروری ہیں۔ 15/اگست 1947ء کو ملک کی تقسیم ہوئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر جس علاقہ کی نمائندگی کرتے تھے وہ علاقہ مشرقی پاکستان کے حصہ میں چلے جانے سے وہ آئین ساز اسمبلی سے بے دخل ہو گئے۔ اس لئے 30 جون 1947ء کو آئین ساز اسمبلی کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے ممبئی کے وزیر اعلیٰ بی۔ جی کھیر کو لکھا کہ آئین ساز اسمبلی اور اس کی ذیلی کمیٹیوں میں ڈاکٹر امبیڈکر کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے اسمبلی کو ان کی خدمات سے محروم نہیں رہنا چاہئے اسلئے ممبئی ریاست سے انہیں منتخب کر کے آئین ساز اسمبلی کیلئے بھیجا جائے۔ اس طرح جولائی 1947ء میں یہ ممبئی اسمبلی سے منتخب ہو کر آئین ساز اسمبلی میں دوبارہ پہونچ گئے اور 15/اگست 1947ء کو پہلے وزیر قانون بنائے گئے۔

آئین ساز اسمبلی میں داخل ہونے کے بعد آئین ساز اسمبلی نے انہیں ڈارفٹنگ کمیٹی کا چیئرمین کن حالات میں بنایا اور کس طرح انہیں ملک کے آئین سازی کے ایک اہم معمار بننے کا موقع ملا۔ قارئین کو اس سے قبل واقف کرایا گیا ہے۔

ڈرافٹنگ کمیٹی کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد اس مسودہ کو منظوری کیلئے ڈرافٹنگ کمیٹی کے چیئرمن کی حیثیت سے انہوں نے مجوزہ دفعات کو سلسلہ وار اسمبلی میں رکھا وہاں بحث ہوئی۔ کئی ترمیمات آئیں کچھ منظور ہوئیں زیادہ تر نامنظور ہوئیں۔ جن نکات پر ڈاکٹر امبیڈکر نے بحث کی ترمیمات کی مخالفت کی مناسب ترمیمات کو قبول کر کے اپنے مسودہ میں شامل کیا صرف وہی مباحث اس میں ملتے ہیں۔

کتاب کے خاتمہ پر ڈاکٹر امبیڈکر کی تقریر جس میں انہوں نے سرسری جائزہ لیا کہ آئین سازی کیلئے اسمبلی کی کتنی نشستیں ہوئی ڈارفٹنگ کمیٹی کی کتنی ہوئیں۔ آئین کا کامیاب نفاذ، ناکامی کے اندیشوں پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ یہ تقریر بھی عالمانہ ہے۔ آخر میں ان تمام ممبران کی تقاریر کے وہ حصے ہیں جس کے ذریعہ انہوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی محنتوں کو سراہا۔ ٹی۔ ٹی۔ کرشنما چاری جو خود ڈرافٹنگ کمیٹی کے ممبر تھے آئین ساز اسمبلی میں کہا ''کہ 7 ممبران پر ڈرافٹنگ کمیٹی کی تشکیل ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک نے استعفیٰ دیا جس کی جگہ پر دوسرا لیا گیا۔ ایک کا انتقال ہوا تھا اس کی جگہ دوسرا کوئی نامزد نہیں ہوا۔ ایک امریکہ میں تھا۔ اس کی جگہ پر بھی دوسرا نہیں لیا گیا۔ ایک ممبر ایک دیسی ریاست کے معاملات میں الجھا ہوا تھا۔ ایک دو دہلی سے بہت دور تھے اس لئے اور شائد صحت کی بناء پر حاضر نہ رہ سکے۔ اسلئے پوری ذمہ داری ڈاکٹر امبیڈکر پر ہی رہی۔

Vol 14 جلد نمبر 14

Dr. Ambedkar and the Hindu Code Bill
General Discission on the Draft (17-11-1947 to 14-12-1950)

(ڈاکٹر امبیڈکر اور ہندو کوڈ بل) مسودہ پر بحث

جلد نمبر 14 مزید دو حصوں میں 1995ء میں طبع ہوئی ہے۔ پہلا حصہ 786 اور دوسرا حصہ 1385 صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور 'ہندو کوڈ بل' کے تعلق سے جو تنازعہ پیدا ہوا تھا اس میں باب نمبر 32 پر گفتگو ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے انتہائی عرق ریزی سے ہندو کوڈ بل کی تدوین کی پارلیمنٹ میں کئی مرتبہ بحث ہوئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ہر موقع ناقدوں کو اطمینان بخش

جوابات دیئے۔ان کی انتہائی خواہش تھی کہ یہ کوڈ پارلیمنٹ میں منظور ہو جائے۔اس ضمن میں انہوں نے وزیراعظم نہرو کو بار بار متوجہ کیا۔مگر اس دور کے ہندو کٹڑ پنتھی اور خود کانگریسی کوڈ کو کسی بھی صورت میں منظور نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔کس طرح وقت گزار دیا۔آخر کار بل پارلیمنٹ میں آخری ووٹنگ کے لئے پہونچ نہ پایا اور Lapse ہو گیا۔ڈاکٹر امبیڈکر کو بہت صدمہ ہوا یہ ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔اس کے بعد ہی انہوں نے وزارت قانون سے استعفیٰ دیا۔جہاں استعفیٰ دینے کی اور بھی وجوہات تھیں اس میں سے ایک اہم وجہ ''ہندو کوڈ بل'' کو منظوری کیلئے پارلیمنٹ میں نہ لانا تھی۔جلد نمبر 14 کے دونوں حصوں پر تقریباً 2000 صفحات پر سرسری نظر ڈالنے سے یہی اندازہ آسکتا ہے کہ ہندو قوانین کے منتشر حصوں کو یکجا کر کے 'ہندو کوڈ' کی شکل دینے میں اور پارلیمنٹ میں منظور کرانے انہوں نے کتنی محنت کی تھی۔ان کی یہ محنت محض کٹر پنتھوں کے تعصب کا شکار ہوئی۔ انہیں یہ منظور نہ تھا کہ کوئی دلت ہندوؤں کے قوانین کو ترتیب دے اور اس کی تدوین کرے۔

جلد 14 کے دوسرے حصہ کے صفحہ 1317 پر ان کا وہ تاریخی استعفیٰ شائع کیا گیا ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر اپنے استعفیٰ کی وجوہات پر پارلیمنٹ میں بحث چاہتے تھے مگر انہیں اس کی اجازت نہیں ملی۔انہیں واک آوٹ کرنا پڑا۔بعد میں استعفیٰ کے ساتھ وزیراعظم کو دیئے گئے بیان کو اخبار نویسیوں کے حوالہ کیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر کشمیر کے مسئلہ پر حکومت سے متفق نہیں تھے۔اسلئے اپنے بیان میں کہا۔

"Even then I feel that we have been fighting on an unreal issue .The issue on which we are fighting most of the time is who is in the right as who is in the wrong. The real issue to my mind is not who is in the right but what is right. Taking that to be the main question, my views has always been that the right solution is to partition kashmir .give the Hindu and Buddist part to India and muslim part to Pakistan as we did in the case of India. We are really not concerned with the muslim part of kashmir. It is a matter between the muslim of kashmir and Pakistan.They may decide the issue as they like"

ترجمانی: تب بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم ایک غیر حقیقی مسئلہ پر لڑ رہے ہیں۔ہم اس سوال پر

لڑ رہے ہیں کہ صحیح سمت میں کون ہے اور غلط سمت میں کون ہے۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ صحیح کیا ہے۔اگر اس بات کو صحیح سمجھا جائے تو میرے خیال میں اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ کشمیر کو تقسیم کیا جائے۔ہندو اور بودھی حصہ انڈیا کو دیا جائے اور مسلم حصہ پاکستان کو جس طرح کے ہم نے ہندوستان کی تقسیم کے سلسلے میں کیا ہے۔ہمیں کشمیر کے مسلم حصہ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔یہ معاملہ کشمیر کے مسلمانوں اور پاکستان کے درمیان کا ہے۔وہ جس طرح چاہیں اس مسئلہ کے بارے میں فیصلہ کریں۔۔۔۔۔"

ڈاکٹر صاحب نے یہ بات 1956ء میں کہی تھی او اتنی جرأت ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر میں ہی ہوسکتی تھی۔جس چیز کو وہ صحیح سمجھتے اسے صاف صاف کہنے میں کبھی تامل نہیں کرتے۔

Vo.15 جلد نمبر 15

Dr. Ambedkar as free India's first Law Minister

(ڈاکٹر امبیڈکر آزاد ہندوستان کے وزیر قانون کی حیثیت سے)

عنوان سے ہی 1110 صفحات پر مشتمل پندرھویں جلد میں لکھی گئی تحریرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔درحقیقت جس دن ڈاکٹر امبیڈکر آزادی سے قبل آئین ساز اسمبلی میں داخل ہوئے اس دن سے لے کر 6 دسمبر 1956ء تک مختلف قوانین جوان کے وزیر قانون کے دوران پارلیمنٹ میں منظور ہوئے اس کے متعلق مباحث اور حزب مخالف کی حیثیت سے جن مباحث میں حصہ لیا ہے وہ مباحث اس میں درج ہیں حکومت کے اندر یا باہر رہ کر جب بھی انہوں نے مباحث میں حصہ لیا اس سے ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ خیالات اور تصورات میں تسلسل رہا۔

Vol. 16 جلد نمبر 16

Dr. AMBEDKAR'S

(1)The Pali Grammer (2)The Pali Dictionary

(3) Boudh Pooja Path.

ٹائیٹل پر منظر ڈالنے پر ہی 752 صفحات پر مشتمل اس کتاب کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی اس قدیم زبان پالی جس میں بودھ ادب موجود ہے۔پالی گرام ادب، مذہبی

رسومات سے متعلق ہے۔اس کتاب کو دیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور نہ اس پر تبصرہ کی کوئی خاص ضرورت محسوس ہوئی۔

Vol. 17 جلد نمبر 17

Dr. Baba Saheb Miscellaneous Writings

ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کی متفرق تحریریں

844 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں کس قسم کے مضامین ہیں پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔

Vol. 18 جلد نمبر 18

Dr. Baba Saheb Ambedkar Lekhan Ani Bhashane

ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر تحریریں اور تقریریں

جلد 18 درحقیقت ان کی وہ تقریریں اور وہ تحریریں ہیں جو انہوں نے اپنی تحریک کے سلسلہ میں مختلف موقعوں پر کیں۔تقریریں مختلف اخبار میں شائع ہوئی تھیں۔جلد 18 جس کے تین حصے ہیں جو مراٹھی میں ہیں۔مواد زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ تین حصوں میں شائع ہوئی ہے۔

جلد 8	حصہ اول	592 صفحات
	حصہ دوم	616 صفحات
	حصہ سوم	682 صفحات
	کل صفحات	1890

جلد 8 کے تینوں حصوں کی قیمت عوام کی سہولت کی خاطر صرف 300 روپے رکھی گئی ہے۔ڈاکٹر صاحب کی تحریک کو سمجھنے کیلئے اردو داں طبقہ کیلئے ان کا اردو ترجمہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ تیسرے حصے (1956-1946) کی تقاریر و تحریریں زیادہ تر بودھ مذہب کی اشاعت سے متعلق ہیں۔بودھ مذہب سے متعلق جب بھی انہوں نے تاریخی حوالے دیئے ہیں انہیں مسلمان حکمرانوں کے تعلق سے صرف ایک شکایت ہے کہ انہوں نے تقریباً 7 ہزار بودھ بھکشو کو قتل کیا (صفحہ 472 تیسرا حصہ) یہاں بختیار خلجی کے نالندہ پر حملہ کی طرف اشارہ ہے اس واقعہ کے وقت بہت

سارے بھکشو ہندوستان سے چلے گئے۔ نیپال وغیرہ میں بس گئے۔

ڈاکٹرامبیڈکر کی تحریروں کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ برہمنزم نے بودھ مذہب کے خاتمہ کیلئے قبل مسیح سے ہی اپنی جارحانہ کاروائیاں شروع کی تھیں جو بارہویں صدی تک جاری رہیں۔ خود ڈاکٹرامبیڈکر جلد 3 صفحہ 237 پر ونسٹ اسمتھ Vincent Smith کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ساسنکا نے Sansanka جو شاید گپتا خاندان سے تعلق رکھتا تھا راجہ ہرش کے بھائی کو دھوکہ سے قتل کیا۔ یہ شیوا Shival کا بھکت تھا اور بودھ ازم سے شدید نفرت کرتا تھا۔ بودھ گیا کے مقدس درخت کو اکھاڑ کر جلا ڈالا حالانکہ اشوک اس درخت کا بہت معتقد تھا۔ اس نے پاٹلی پتر کے اس پتھر کو بھی توڑ ڈالا جس پر روایات کے مطابق گوتم بودھ کے پیر کے نشان تھے۔ Sansanka نے بودھوں کی خانقاہوں کو مسمار کیا۔ تمام بودھ راہبوں کو منتشر کیا اور نیپال کی پہاڑیوں تک ان کا پیچھا کیا۔ اسی طرح ساتویں صدی میں دکن میں جینوں پر بھی مظالم ڈھائے گئے۔ اس طرح سے 7ویں صدی ان مذاہب کے متعقدوں پر ظلم کی صدی تھی۔

ڈاکٹرامبیڈکر مزید کہتے ہیں۔ (صفحہ 238 جلد 3) جہاں تک مسلم حملہ آوروں کا سوال ہے سندھ کی مثال ہمارے سامنے ہے یہاں بھی بودھوں پر ظلم ہوا اور یہ مظالم مسلمان حملہ آوروں کی آمد تک رہے اس وقت شمالی ہند کے راجہ یا تو برہمن تھے یا راجپوت اور یہ دونوں بودھوں کے خلاف تھے۔ 12ویں صدی میں جینوں پر ظلم ہوا۔ گجرات کا راجہ اجئے دیوا نے (Ajayadeva) جو 1174ء میں تخت نشین ہوا جینوں پر مظالم ڈھائے جینوں کے رہنماؤں کو ایذا رسانی کر کے ہلاک کیا۔ بودھوں کے زوال کیلئے دوسرا جو شخص ذمہ دار ہے وہ مہر کلا (Mihirkala) یہ ہن (Hun) قوم کی نسل سے تھا جو 455ء میں ہندوستان میں داخل ہو کر پنجاب اور سکالا (Sakala) موجودہ سیالکوٹ میں اپنی حکومت قائم کی۔ مہر کلا Mihirkula نے 528ء میں اپنی حکومت قائم کی۔ مختلف مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس حکمراں نے بودھوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے اس کے ہاتھ ہزاروں بودھوں کے خون سے رنگے تھے۔ تمام بودھوں کی

خانقاہیں اور راہوں کے ٹھکانے مسمار کر دیئے۔ اسلئے ڈاکٹر امبیڈکر آخر میں کہتے ہیں کہ بودھ ازم کو زوال ان لوگوں کے مسلمان ہونے سے بھی ہوا جو محض برہمنوں کے مظالم سے بچنے کیلئے مسلمان ہوئے۔

مندرجہ بالا بحث اتفاق سے جلد 18 کے تعارف میں آ گئی کیونکہ اسی جلد میں ڈاکٹر امبیڈکر نے مسلمانوں کے ہاتھوں 7 ہزار بودھ بھکوؤں کے قتل کا ذکر کیا ہے۔

(نوٹ) 18 ویں جلد کے بعد ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے تعلق سے تحریری مواد دو اور کتابوں میں شائع ہوا جن کو جلد 1 سے جلد 21 میں شمار نہیں کیا جاتا۔ پہلی کتاب انگریزی میں ہے اس کا عنوان ہے۔

Source Material On Dr. Baba Saheb Ambedkar and The Movement of Untouchable Vol: 1

اس میں جنوری 1915ء سے ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے تعلق سے وقتاً فوقتاً اس دور کے ممبئی کے انگریزی اخباروں میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں وہ یا ان کے تقاریر، جلسوں کے بارے میں پولس رپورٹ، حکومت کے مختلف محکموں میں جو خط و کتابت ہوتی تھی شائع کی گئی ہے۔ اس وقت کے نمایاں اخبار The Bombay Chronicle ' The times of India اور Free Press Journal ہوا کرتے تھے۔

454 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف 10 روپئے رکھی گئی ہے۔ Source Material کے سلسلے کی دوسری کتاب مراٹھی میں ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی زندگی میں دو اخبار جاری کئے تھے ایک تھا 'موک نائیک' اور دوسرا 'بہشکرت بھارت' اس کتاب میں دونوں اخباروں کو مکمل طور پر شامل کیا گیا ہے۔ 500 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف -/75 روپئے رکھی گئی ہے۔ جو حضرات ان دونوں اخباروں کی پوری فائلیں دیکھنا چاہتے ہیں وہ ضرور اس کتاب کا مطالعہ کریں لیکن یہ صرف مراٹھی داں حضرات کیلئے ہے کیونکہ 'موک نائیک' اور 'بہشکرت بھارت' مراٹھی میں نکلا کرتے تھے۔

Vol. 19 جلد 19 ڈاکٹر صاحب کے انٹرویو اور مختصر مضامین پر مشتمل ہے۔
Vol. 20 جلد 20 میں ان کے لکھے ہوئے خط وکتابت کو شامل کیا گیا ہے۔
Vol. 21 جلد 21 میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں نکالے گئے ان کی زندگی کی عکاسی کرنے والے مختلف تصاویر دیئے گئے ہیں۔
یہ تھا ان کے تحریری علمی کام کا ایک مختصر سا تعارف۔

حرفِ آخر

ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر صاحب بھیم راؤ امبیڈکر اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ان کی حیات ان کے علمی کارناموں کا جائزہ ایک کتاب میں لینا ممکن نہیں۔ ان کی تحریروں، ان کی تحریکوں کے مختلف پہلوں کو اُردو میں تفصیل سے قلمبند کرنے درحقیت مراٹھی اور انگریزی سے اچھی طرح واقف ماہرین کی ضرورت ہے۔ راقم الحروف نے کوشش کی کہ زیرِنظر تصنیف کے ذریعہ اردو قارئین کو ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی کے کئی پہلوؤں کو ایک ہی جلد کے ذریعہ واقف کرایا جائے۔ کہاں تک کامیاب رہا قارئین ہی فیصلہ کرسکتے ہیں۔

پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ پچھلی چند صدیوں میں ان کی جیسی قدآور شخصیت ہندو سماج میں پیدا نہیں ہوئی۔ بعد از مرگ حکومت ہند نے سب سے بڑے سیویلین اعزاز بھارت رتن سے نوازا۔ ہندو سماج کا وہ طبقہ جو خود کو پیدائش سے ہی اپنے آپ کو اعلیٰ اور ارفع خیال کرتا ہے ڈاکٹر امبیڈکر کی بے پناہ مقبولیت کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ انکی تحریروں اور

تحریک نے ہندو مذہب کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے۔ بودھ مذہب کے احیاء نے ملک کی پوری مذہبی اور سماجی زندگی کو نیا موڑ دیا ہے اس کے اثرات ملک کی سیاست میں بھی نمایاں طور پر دیکھے جائینگے۔

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کا ہندو مذہب کو ترک کر کے بودھ مذہب اختیار کرنا اس ملک کی سماجی مذہبی سفر کا سنگ میل ہے 2500 سال کے بعد اس ملک میں بودھ مذہب کا احیاء 20 ویں صدی کا سب سے اہم واقعہ ہے ان کی موت کے بعد بھی بودھ مذہب کی لہر چل رہی ہے۔ پچھلے صفحات میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ممبئی کے مشہور ریس کورس کے میدان پر بھی تبدیلی مذہب کے ایک بڑے اجتماع کی قیادت کرنے والے تھے۔ مگر ان کی اچانک موت سے یہ خواب ادھورا رہ گیا۔ ملک میں مختلف شہروں اور دیہاتوں میں وقفہ وقفہ سے تبدیلی مذہب کے واقعات تو عام ہیں ڈاکٹر امبیڈکر کے انتقال کے 50 سال بعد تو بودھ مذہب اختیار کرنے کی ایک تحریک چل پڑی ہے۔ شمال میں اُدت راج (Udit Raj) اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ جنوب میں مہاراشٹر کے دلت خصوصی طور پر اس تحریک پر توجہ دے رہے ہیں۔ 1956ء میں ڈاکٹر امبیڈکر ناگپور کی تقریب کے بعد چاہتے تھے کہ ممبئی کے ریس کورس کے میدان پر تبدیلی مذہب کے لئے لاکھوں دلتوں کو جمع کریں۔ مگر ان کی موت کی وجہ سے رہے ادھورے خواب کو پورا کرنے مہاراشٹر کی مختلف تنظیموں نے خاص طور پر حصہ لیا۔ 14 / اکتوبر کو ناگپور میں ڈاکٹر صاحب کی مہار کمیونٹی بودھ مذہب اختیار کرنے میں پیش پیش تھی۔ دوسرے کمیونیٹیز خاص طور پر درج فہرست قبائل، مانگ، چمار (موچی)، ڈھور، دھنگر اور وہ سماج جنہیں انگریزوں کے دور میں جرائم پیشہ قبائل قرار دیا جاتا تھا الگ رہتے تھے۔ ان قبائل میں 'کیکاڑی'، 'پاردھی'، وڈر قابل ذکر ہیں۔ ملک کی تمام ریاستوں میں یہ تمام کمیونٹیز الگ الگ ناموں سے موجود ہیں۔

ان کے سماجی اور معاشرتی حالات تقریباً یکساں ہیں درحقیقت ان کا کوئی مذہب ہی نہیں ہوتا مختلف دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں۔ ہندو سماج میں انہیں کوئی مقام نہیں۔ چٹانوں کو

توڑ کر پتھر نکال کر انہیں گھڑ کر تعمیراتی کام کیلئے مہیا کرنے والے مہاراشٹر میں 'وڈر' کہلاتے ہیں۔ محنت سے ان کے نکالے ہوئے پتھر کی سنگراشی سے حسین مورتی جب پتھروں سے تعمیر کردہ مندر میں نصب کی جاتی ہے تو پھر یہ مندر اور مورتی اس قسم کے افراد کے لیے ممنوع ہو جاتی ہے وہاں ایک برہمن وارد ہوتا ہے اور اپنی آنے والی نسلوں کے لیے معاشی قلعہ مستحکم کرتا ہے۔ ہندو مذہب کے اس تضاد کو ان قوموں نے اب سمجھنا شروع کیا ہے۔

مندرجہ بالا کمیونٹیز میں ایک کمیونٹی کیکاڑی (Kaikadi) نام سے مشہور ہے۔ آزادی سے پہلے انہیں جرائم پیشہ قرار دیا گیا تھا۔ زندگی بھر یہ لوگ بھٹکتے رہتے ہیں اس لئے انہیں 'بھٹکے' بھی کہتے ہیں۔ کسی مقام پر ایک ہفتہ دو ہفتہ سے زیادہ قیام نہیں کرتے، گانوں کے باہر جہاں دیہاتی حوایج سے فارغ ہونے جاتے ہیں۔ وہ ان کا ٹھکانا ہے انہیں راشن کارڈ نہیں۔ ووٹر لسٹ میں نام نہیں ہندوستان کے سب سے قدیم باشندے ہونے کے باوجود ووٹ دینے کے حق سے محروم، ایسی صورت میں بچوں کی تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کیکاڑی سماج کے فرد 'لکشمن مانے' نے ڈاکٹر امبیڈکر کی ناگپور کی تبدیلی مذہب کی تقریب کے 50 سال بعد پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنی چاہی۔ انہیں احساس ہوا کہ مہاراشٹر کی ''مہار'' کمیونٹی جس نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بودھ مذہب اختیار کیا ان کی سماجی تعلیمی معاشی زندگی میں نمایاں ترقی ہوئی اور جو لوگ ہندتو وادیوں کے فریب میں ہندو مذہب سے چپکے رہے ان کی حالت بدتر ہوئی۔ اس لئے لکشمن مانے 2006 کے پورے سال تقریباً 42 مختلف کمیونٹیز کے ارباب حل وعقد سے مل کر انہیں بودھ مذہب اختیار کرنے کیلئے راغب کرایا۔ یہ تقریب 2007ء کو ممبئی کے ریس کورس میدان پر ہوئی تقریباً ایک لاکھ افراد نے بودھ مذہب اختیار کیا۔ یہ تقریب لکشمن مانے صاحب کی قیادت میں ہوئی۔ تقریب میں مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ ولاس راؤ دیشمکھ، ڈپٹی چیف منسٹر آر۔ آر۔ پاٹل، رپبلکن پارٹی کے رکن پارلیمان رام داس اٹھاولے اور دوسری نمائندہ شخصیتیں موجود تھیں اس تقریب سے متعلقہ کچھ پروگرام میں دلائی لامہ بھی حاضر تھے۔

ملک بھر سے بودھ راہب حاضر تھے۔ اس تقریب کو ملک کے نام نہاد قومی ٹی۔ وی

چینلس نے نظرانداز کیا۔ مسئلہ کی سنگینی کو کم کرنے کیلئے اس اہم تقریب کی تشہیر نہیں کی گئی۔ کچھ اخباروں نے لکھا کہ اس سارے ڈرامہ کے پیچھے سیاست ہے۔

اس تقریب کے روح رواں لکشمن مانے کا تعارف بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ کیکاڑی قبیلہ سے تعلق رکھنے والے یہ دانشور پورے مہاراشٹر میں 'اُپرا کار' کے نام سے معروف ہیں۔ انہوں نے ۱۹۸۰ء میں اپنی آپ بیتی لکھی جسکا عنوان ہے 'اُپرا' جس کے معنی ہیں بن بلائے۔ اس میں کیکاڑی سماج کے مسائل کی عمدہ تصورکشی کی گئی ہے اس کے 15 سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں، مختلف اداروں سے ادبی اعزاز و انعامات ملے۔ فورڈ فاونڈیشن سے اسکالرشپ ملا اور امریکہ کا دورہ کیا۔ اس کے علاوہ ان کے اور بھی کئی تصانیف ہیں جو کافی مشہور ہوئے۔ عمر کے تیسویں سال میں ساہتہ اکاڈمی کے انعام سے نوازے گئے۔

مہاراشٹر میں پھلے، شاہو، امبیڈکر و چار دھارا سے متاثر مسلسل دو تین سال محنت کر کے 42 قبیلوں اور کمیونٹیز کو بودھ مذہب اختیار کرنے کیلئے راضی کیا اور کامیاب ہوئے۔ تقاریر میں کہا کرتے ہیں کہ ہندو مذہب کبھی بھی انکا نہیں رہا۔ اسلئے ہندو مذہب ترک کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ ملک کا قدیم مذہب بودھ مذہب تھا اسلئے اب وہ اپنے قدیم مذہب کی طرف جا رہے ہیں انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب وہ پوری زندگی بودھ مذہب کے ترویج و ترقی کے لئے وقف کریں گے۔

مستقبل کے ہندوستانی سماجی مذہبی اور سیاسی زندگی میں بودھ مذہب کے پیرو ایک نیا عنصر رہیں گے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا بودھ مذہب اختیار کرنا، ہندو نظام زندگی کے خلاف بغاوت تھی ملک کی پسماندہ طبقات کی قابل لحاظ تعداد جب بودھ مذہب کی طرف راغب ہو کر بودھی بن جائیں گی تو بغاوت کے جذبات ہمیشہ قائم رہیں گے۔ برہمن وادنے اس ملک سے بودھ مذہب کو کس طرح ملک بدر کیا یہ سب تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ پرانے زخم تازہ ہونگے۔ تصادم کا خطرہ ہے ان حالات کو کیسے نمٹا جائیگا اگلی نسلوں کے لیے یہ سوالات چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

اس ملک میں بودھ مذہب اور اسلام کبھی متحرب نہیں ہوئے۔ دونوں مذاہب پر امن بقا کے اصول کے حامی ہیں اور یہی نظریہ بہت حد تک ملک میں امن وشانتی کے ضامن رہیں گے اسلام پوری دنیا میں امن وشانتی چاہتا ہے۔ بودھ مذہب اہنسا کا پُر زور حامی ہے۔ دونوں مذاہب کے پیروہی ملک کو دیرپا امن وسلامتی دے سکتے ہیں۔ ان کا اتحاد وآپسی تعاون ملک کی سلامتی کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے۔

ہندوستان بہت ساری تہذیبوں اور مختلف نظریات کے حاملوں کا ملک ہے۔ اس لئے ایک ایسا آئین اور نظام حکومت ضروری تھا جو ملک میں ہم آہنگی برقرار رکھے اور استحکام ان تقاضوں کو پورا کیا۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی اعلیٰ دماغی صلاحیتوں نے جس کی مدد سے انہوں نے ملک کو ایک خوبصورت آئین کی شکل میں دستاویز عطا کیا یہ ایک ایسی امانت ہے جسے ہر قیمت پر محفوظ رکھا جائے اور ان تمام طاقتوں کو شکست دی جائے جو اس کے بنیادی ڈھانچہ سے کھلواڑ کرنے کی کوشش کرینگے ملک کے اس طبقہ کے لیے یہ ایک سانحہ ہے کہ اس کی روایتی فوقیت ختم کردی گئی جو انہیں مخصوص خاندانوں میں پیدا ہونے پر ملتی ہیں۔ اب ملک کا ایک کثیر طبقہ اس آئین کی وجہ سے جو ڈاکٹر امبیڈکر کا عطا کردہ ہے اپنے بنیادی حقوق کو محفوظ رکھنے کے لائق ہو گیا ہے۔ ملک کی جنگ آزادی کی تاریخ، پاکستان کی تخلیق ملک میں ہندو فرقہ پرستی کی تاریخ ہندتو کے حامی عناصر کی شرمناک کوششوں کے پس منظر میں جب تمام اقلیتیں اور خصوصاً مسلمان آئین پر نظر ڈالتے ہیں تب ہمیں ڈاکٹر امبیڈکر کی آئین سازی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو جو اپنے مذہب اپنی تہذیب اپنی زبان وغیرہ معاملات میں انتہائی حساس ہوتے ہیں انہیں یقینا ڈاکٹر صاحب کے ممنون ومشکور ہونا چاہیے۔

ملک کے فسطائی طاقتیں جو کبھی کبھی شوشے چھوڑتی رہتی ہیں کہ ملک کا آئین ملک کے مسائل حل کرنے میں ناکام رہا، اسلئے تبدیلیوں کا متقاضی ہے انہیں اپنے منصوبوں میں شکست دینے کیلئے پوری طرح متحرک ہونا چاہئے۔ ان تمام طاقتوں سے تعاون کریں جو کسی بھی قیمت پر اس دستور کے بنیادی ڈھانچہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہیے۔

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے اپنے متعبین میں ایک نیا جوش وولولہ پیدا کیا۔ انہیں انکی غلامی کا احساس دلایا انہیں حقوق حاصل کرنے کا منتر - Organize - Educate Agitate منظم ہو جاؤ۔ تعلیم سے آراستہ ہو اور احتجاج کرو، دغا باز براہمنزم صدیوں سے حاصل مراعات سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی تحریکیں انہیں ان مراعات سے محروم کر رہی ہیں، ہندتو کے علمبرداروں کے لیے نہ صرف ڈاکٹر امبیڈکر سے بلکہ ان کے آئین سے بھی ناراضگی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ کہا جاتا ہے ملک کا آئین ملکی مسائل حل کرتے ہیں ناکام ہو رہا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ امبیڈکر نے جنگ آزادی میں کہاں حصہ لیا۔ کہا گیا کہ جس وقت پورا ملک آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا ملک کے چوٹی کے قائدین جیلوں میں تھے اس وقت یہ وائسرائے کے انگزیکیٹو کونسل میں Labour Minister لیبر منسٹر کی حیثیت سے وزارت میں شامل تھے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی شخصیت کو مجروح کرنے ان کی اہمیت کو کم کرنے صحافتی محاذ پر مشہور کالم نویس ارون شوری کو لایا گیا۔ ارون شوری کی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں۔ انگریزی پر خوب عبور ہے World Bank ورلڈ بینک میں کام کر چکے ہیں۔ جب کسی پر حملہ کرنا ہوتا ہے تو اپنی شخصیت کے تعلق سے چھان بین کر کے خوب حوالے جمع کرتے ہیں۔ سیاق وسباق سے ہٹ کر تحریروں کو استعمال کرنے میں خوب ماہر ہیں۔ مطالعہ وسیع ہے آج بھی ملک کے مشہور انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس میں سنجیدہ مسائل پر لکھتے رہتے ہیں ارون شوری نے 633 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھ دی۔ عنوان پر غور فرمائیے Worshiping False یعنی 'جھوٹے خداؤں کی پرستش' یعنی ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر جن کے معتقدین اپنا سب کچھ مانتے ہیں اور ماننے میں حق بجانب ہیں انہیں 'جھوٹے خدا' کے خطاب سے نوازا۔ ان کے چاہنے والوں کی محبت کو پرستش میں بدل ڈالا، 663 صفحات پر مشتمل یہ کتاب صرف حوالوں سے بھری پڑی ہے۔ پوری کتاب کا لب لباب ہے۔

(1) انگریز ڈاکٹر امبیڈکر کو استعمال کر کے ہندو سماج میں پھوٹ ڈال رہے تھے۔

(2) ڈاکٹر امبیڈکر کے مقابل گاندھی جی نے اچھوتوں کے لیے بہت کچھ کیا۔

(3) دلتوں کی بھلائی کیلئے کئے گئے کارناموں کے لیے ڈاکٹر امبیڈکر کی جتنی تعریف کی جاتی ہے اس کے وہ مستحق نہیں ہیں۔انہیں افسوس ہے کہ بھارت رتن کے اعزاز سے انہیں نوازا گیا۔
(4) آئین کی تشکیل میں ڈاکٹر امبیڈکر کا وہ حصہ نہیں جو ان سے منسوب ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کے بعد حسب توقع دلت حلقوں سے زبردست احتجاج ہوا۔ پونہ میں چند دلت نوجوانوں نے ارون شوری کے چہرے پر سیاہی مل دی جب وہ عام جلسہ سے مخاطب ہو رہے تھے۔ پارلیمنٹ میں اس کتاب کے صفحات پھاڑ دیئے گئے سنجیدہ دلت حلقوں سے اس قسم کے احتجاج کی مخالفت کی گئی اور یہ مناسب خیال کیا گیا کہ علمی انداز سے ان اعتراضات کا جواب دیا جائے۔اس ضمن میں ایک بنگالی دانشور سوپن کے بسواس Swapan K. Biswas کی کتاب لائق ذکر ہے جو جواباً لکھی گئی اس کا کتاب کا عنوان Gods, False Gods & the Untouchables بسواس ایک سویلین اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں ارون شوری نے ڈاکٹر امبیڈکر پر کئے گئے الزامات کے دفاع میں یس۔کے۔بسواس نے جو لکھا ہے وہ پڑھنے کے خواہش منداس کتاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

جس وقت کتاب ہٰذا کے آخری صفحات تحریر کئے جارہے تھے اس وقت ایک اہم واقعہ ملک کی سیاست میں واقع ہوا۔ملک کا قلب کہلانی والی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش میں ریاستی اسمبلی کے انتخابات میں 'مایاوتی' نام کی خاتون کو جو غیر معمولی کامیابی ملی اور اتر پردیش کی وزارت عظمیٰ پر فائز ہونے کا جو شرف ملا وہ کوئی محض اتفاقی واقعہ نہیں اتر پردیش ٹھاکروں اور برہمنوں کا پردیش۔ہندوؤں کے تمام بڑے مذہبی مراکز اور اہم منادر اسی ریاست میں واقع ہیں۔جاٹو، چمار اور دوسری اس قسم کی ذاتوں کو صدیوں سے جانوروں سے بھی بدتر حال میں رکھا گیا۔وہاں ایک خاتون جو دلت طبقہ سے تعلق رکھتی ہے وزیر اعلیٰ بنتی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے دلتوں کے کانوں میں جو منتر پھونکا اسی کا یہ نتیجہ ہے۔کانشی رام جیسے دلت قائدین امبیڈکرزم کا ہتھیار موثر طور پر استعمال کر کے ہندوستانی سیاست میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔یہ کوئی معمولی انقلاب نہیں۔

مہاتما جیوتی باپھلے، شاہو مہاراج، ڈاکٹر باب صاحب امبیڈکر تینوں شخصیتیں مہاراشٹر سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان تینوں کی سیکولر سوچ وفکر کو سمجھنے مراٹھی سے واقفیت ضروری ہے۔ ملک کے اور بیرون ملک کے اردو داں قارئین، مصنفین، دانشوروں، صحافیوں کو متعارف کرنے مصنف ہذا کی کوشش ہے ضروری مواد فراہم کرایا جائے۔ اس سے قبل کتاب 'مہاتما جیوتی باپھلے، حیات اور کارنامے' اردو میں شائع ہو چکی ہے۔ تصنیف ہذا اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

امبیڈکرزم درحقیقت ہندوستانی سماجی علوم کا ایک شعبہ بن گیا ہے۔ اردو داں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مہاراشٹر کے علمی مراکز اورنگ آباد، پونہ، ممبئی، شولاپور کے کسی علمی مرکز یا کالج میں ایک ایسے شعبہ کے قیام کی سخت ضرورت ہے جہاں نہ صرف ڈاکٹر امبیڈکر بلکہ مہاتما جیوتی باپھلے، شاہو مہاراج کی تحریروں کے تراجم شائع کئے جائیں مزید تحقیق ہو، امید کہ اس ضمن میں کوئی ادارہ ضرور قدم اٹھائے گا۔

اس تصنیف کے لیے راقم الحروف نے زیادہ تر چانگ دیو کھیرموڑے صاحب Changdeo Khairmode کی 12 جلدوں پر مشتمل سوانح حیات (مراٹھی) ''ڈاکٹر امبیڈکر بھیم راؤ'' پر انحصار کیا ہے۔ کھیرموڑے صاحب کو ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ انہوں نے بہت سارا مواد جمع کیا اور اس مستند مواد کو 12 جلدوں پر مشتمل اس سوانح حیات میں استعمال کیا۔

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کی سوانح حیات پر ایک اور مستند کتاب دھننجے کیر (Dhanangay Keer) نے لکھی ہے۔ یہ مراٹھی اور انگریزی دونوں زبانوں میں دستیاب ہے۔ مراٹھی ادب میں دھننجے کیر سوانحی ادب میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ مہاتما جیوتی باپھلے، ساورکر، شاہو مہاراج کے کارناموں پر لکھی گئی ان کی کتابیں مراٹھی ادب میں کافی مشہور ہیں۔ مصنف نے مندرجہ ذیل مراٹھی اور انگریزی کتابوں سے مواد حاصل کیا ہے اور کتاب کی تکمیل کی ہے۔

انگریزی

1) Dr. Baba Saheb Ambedkar - Writing & speeches (Published by Education Department, Govt. of Maharashtra Volme I, Vol. II, Vol. III, Vol. IV, Vol. V, Vol. VI, Vol. VII, Vol. VIII, Vol. IX, Vol. XI, Vol. XIII, Vol. IV, Vol. XVIII) (3 Parts in Marathi)

(ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر-تحریریں وتقریریں جلد ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۴، ۱۸)

2) Source Material on Dr. baba Sabheb Ambedkar Vol. I (English), Vol. II (Bahishkrat) Bharat & Mook Nayak - Marathi) (Published by Education Department)

3) Worshiping False Gods - Arun Shourie (ASA Publication, New Delhi 1997)

4) Gods, False Gods and the Untouchables-Swapan K. Bishwas Orion Books - New Delhi 1998

5) Ambedkar on Muslim - Anand Teltumbde VAK Publication, Mumbai 2003

Marathi

1) Dr. Bhim Rao Ramji Ambedkar Volumes 1 to 12 Changdev Bhagvan Rao, Khairmode, Sugawa Parakashal Pune

2) Dr. Baba Saheb Ambedkar Dhananjay Keer, Popular Parkashan, Bombay - 1989

3) Dr. Ambedkaracha Sangati B. H. Warale, Shri. Vidya Parkashan, Pune 1988

4) Dr. Baba Saheb Ambedkar Yanchi Atmakatha Edited by Shankar Rao Kharat, Indryani Sahitya Parkashan, Pune

5) Dr. Baba Saheb Ambedkar Vasant Moon 2001, National Book Trust, New Delhi, 1999



مصنف کا مختصر تعارف

سید شاہ غازی الدین

(ایڈوکیٹ)

ولادت ۲۳ / آذر ۱۳۴۲ فصلی مطابق ۱۹۳۶ء کو ضلع عثمان آباد کے تعلقہ تلجاپور کے ایک قصبہ کاٹی میں ہوئی۔ یہ ضلع ۱۹۴۸ء سے قبل سابق حیدرآباد کے نظام اسٹیٹ میں واقع تھا۔ آزادی کے بعد ۱۹۵۶ء میں جب ریاستوں کی ازسر نو تشکیل ہوئی تو اس کو مہاراشٹر کی ریاست میں شامل کیا گیا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ تحتانیہ عثمان آباد ثانوی تعلیم گورمینٹ مدرسہ فوقانیہ گلبرگہ میں ہوئی۔ گلبرگہ ہی کے گورنمنٹ آرٹس اینڈ سائنس کالج سے ۱۹۵۴ میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے حیدرآباد منتقل ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے آرٹس کالج سے ریاضیات (Mathematics) میں بی اے کیا۔ تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رکھتے ہوئے موصوف نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۶۰ میں شماریات (Statistics) میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد وطن لوٹے ۱۹۶۶ء میں دیانند کالج شولاپور سے ایل ایل بی کیا۔ پھر وہیں شولاپور کی ضلعی عدالت میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا جو ہنوز جاری ہے۔

موصوف کے جدِ اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الدین غازیؒ نے دہلی کے حاکم بلبن کے دور میں دکن میں عثمان آباد کی سرزمین کو اپنا مسکن بنایا اور اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ موصوف کے والد محترم سید شاہ عبدالحیؒ (متوفی ۱۹۶۸) اپنے دور کی معتبر علمی شخصیت تھے آپ نے پہلے مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد سے ۱۳۲۷ھ میں مولوی فاضل کی سند حاصل کی اور پھر ۱۳۲۸ھ میں جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے فارغ التحصیل ہوئے۔

مصنف کی دیگر تصانیف

۱) عہد عالمگیر کے درباری اخبار (ترجمہ و ترتیب) ۲۰۰۰ء

۲) شیواجی کون تھے۔ گووند پانسرے کی تالیف کا مراٹھی ترجمہ ۲۰۰۳ء

۳) مہاتما جوتی با پھلے حیات اور کارنامے ۲۰۰۵ء

۴) موجودہ تصنیف ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر حیات اور کارنامے ۲۰۰۷ء

مشمولات

- بہوجن سماج کے اکابرین کے کارنامے اور اُنکی تحریروں سے اُردو داں عوام خاص کر مسلمانوں کو متعارف کروانا
- پھلے، شاہو، امبیڈکر، وچار۔ مسلم منچ کی تاسیس اور سرپرستی۔ بہوجن تحریک کا غایر مطالعہ